

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ



إِمْدَادُ الْأَحْكَامِ

امداد الفتاویٰ کا تکملہ جو ۳۲ حصوں کے بعد کے تقریباً سواد و ہزار
فتاویٰ پر مشتمل ہے،

تالیف

حضرت مولانا ظفر احمد رضا عثمانی (۱) حضرت مولانا مفتی عبدالکریم رضا گتھلوٹی

زیر نگرانی و رہنمائی

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحبہا تھانوی قدس سرہ

جلد سوم

ناشر

ذکر یا بکد پو دیو بس در ضلع سہارنپور

فہرست مضامین "امداد الاحکام" جلد سوم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
			کتاب الزکوٰۃ
۱۳	رقم دیدے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ نوٹ سے زکوٰۃ ادا کر نیکا حکم۔	۱	پیشگی زکوٰۃ اگر زائد ادا کر دی جائے تو اس کا حکم۔ دکیل زکوٰۃ کا زکوٰۃ کی رقم میں خیانت کرنا۔
۱۴	حکم زکوٰۃ بر منافع کارخانہ۔	۲	مسافر کو زادراہ کے واسطے زکوٰۃ دی اگر وہ مسافر بعد میں واپس کرے تو کیا زکوٰۃ ادا ہو جائیگی؟
۱۵	امانت زکوٰۃ بطور قرض دینے کا حکم۔	۳	مدیون بدین جہر پر وجوب زکوٰۃ کا حکم۔ مال منوطاً بحرام پر وجوب زکوٰۃ کا حکم۔
۱۶	ختم سال پر جتنی رقم ہو سب پر زکوٰۃ واجب ہوگی دین محیط مانع وجوب زکوٰۃ ہے۔	۴	حکم ادب زکوٰۃ بصورت سپردگی دکیل۔ ادب زکوٰۃ بلفظ قرض اور اس میں رجوع کی ایک صورت کا حکم۔
۱۷	پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کا مسئلہ۔	۵	زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اس مال سے کوئی تجارت نہیں کی تو دوسرے سال اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ بذریعہ نوٹ زکوٰۃ ادا کر نیکا حکم۔
۱۸	نابالغ کے نکاح میں والدین نے زوجہ کو زیور چڑھایا، بلوغ کے بعد والدین نے کہا کہ زیور ہم تہیں ہیہ کر چکے ہیں، تو اس پر زکوٰۃ کب سے واجب ہوگی؟	۶	کیا مٹی آرڈر کے ذریعہ زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے؟ ایک شخص پر کئی سالوں کی زکوٰۃ واجب تھی، بعد میں مال ضائع ہو گیا، تو سنہ گزشتہ کی زکوٰۃ اس پر واجب رہے گی یا نہیں؟
۱۹	کیا موٹر پر زکوٰۃ ہے؟ بیوی صاحب نصاب ہو تو زکوٰۃ و خرابی انہی پر واجب ہوگی۔	۷	مقدار قرض سے زائد زکوٰۃ ادا کی تو وہ آئندہ سال زکوٰۃ میں محسوب ہو سکتی ہے یا نہیں؟
۲۰	زکوٰۃ یکمشت کے بجائے سال بھر میں ٹھوڑی ٹھوڑی ادا کرنا۔	۸	ایک شخص اللہ واسطے محتاج کو زکوٰۃ کی نیت سے
۲۱	بذریعہ مٹی آرڈر زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟		
۲۲	مقدار قرض سے زائد زکوٰۃ ادا کی تو وہ آئندہ سال زکوٰۃ میں محسوب ہو سکتی ہے یا نہیں؟		

نام کتاب :- امداد الاحکام جلد سوم
تالیف :- حضرت مولانا ناطق احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ
تبویب :- مولانا محمود اشرف عثمانی مولانا رفیع اللہ عثمانی
ترتیب و مقدمہ :- مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب صدر دارالعلوم کراچی
زیر ہدایت :- ذوالفقار علی
ناشر :- زکریا بک ڈپو دیوبند، سکھار پور
فون نمبر :- ۲۳۲۲۳ - ۱۳۳۶
فیکس :- ۲۲۹۲۲ - ۱۳۳۶
طباعت :- اشرفی آفسیٹ پریس دیوبند

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۲	نصابِ زکوٰۃ کی تحقیق۔	۲۲	نصابِ زکوٰۃ کی تحقیق۔
۲۴	مسئلہ وجوبِ زکوٰۃ۔	۲۴	مسئلہ وجوبِ زکوٰۃ۔
۲۵	پراویڈنٹ فنڈ پر وجوبِ زکوٰۃ کا مسئلہ۔	۲۵	پراویڈنٹ فنڈ پر وجوبِ زکوٰۃ کا مسئلہ۔
۲۵	بینک کا دیوالیہ بننے سے تو اس میں جمع کردہ رقم پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟	۲۵	بینک کا دیوالیہ بننے سے تو اس میں جمع کردہ رقم پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟
۳۸	مسئلہ وجوبِ زکوٰۃ۔	۳۸	مسئلہ وجوبِ زکوٰۃ۔
۳۸	ہندوستان کی زمینوں پر عشر واجب ہے یا کیا؟	۳۸	ہندوستان کی زمینوں پر عشر واجب ہے یا کیا؟
۳۸	وجوبِ عشر و خراج کی ایک صورت کا حکم۔	۳۸	وجوبِ عشر و خراج کی ایک صورت کا حکم۔
۳۹	حکومت کے مکان سے عشر ادا نہیں ہوتا۔	۳۹	حکومت کے مکان سے عشر ادا نہیں ہوتا۔
۳۹	کچی فصل کی کٹائی میں عشر ہے یا نہیں؟	۳۹	کچی فصل کی کٹائی میں عشر ہے یا نہیں؟
باب صدقۃ الفطر		باب صدقۃ الفطر	
۳۹	صدقۃ فطر کی ادائیگی میں دوسرے شہر کے بھاء کا اعتبار نہیں۔	۳۹	صدقۃ فطر کی ادائیگی میں دوسرے شہر کے بھاء کا اعتبار نہیں۔
۳۹	صدقۃ فطر میں غیر منصوص چیزوں میں قیمت کا اعتبار ہے۔	۳۹	صدقۃ فطر میں غیر منصوص چیزوں میں قیمت کا اعتبار ہے۔
۴۰	چاول اور دھان سے صدقۃ فطر ادا کرنا حکم۔	۴۰	چاول اور دھان سے صدقۃ فطر ادا کرنا حکم۔
۴۰	صدقۃ فطر میں موضع مال کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔	۴۰	صدقۃ فطر میں موضع مال کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔
۴۱	یا صدقۃ ادا کر نیکی جگہ کا ہے۔	۴۱	یا صدقۃ ادا کر نیکی جگہ کا ہے۔
۴۱	صدقۃ فطر کئی مسکینوں کو دینا۔	۴۱	صدقۃ فطر کئی مسکینوں کو دینا۔
۴۱	غیر منصوص اشیاء میں صدقۃ فطر ادا کرنا طریقہ۔	۴۱	غیر منصوص اشیاء میں صدقۃ فطر ادا کرنا طریقہ۔
۴۲	وزن صاع کی تحقیق۔	۴۲	وزن صاع کی تحقیق۔
۴۳	فطرہ اور حرم قربانی کی قیمت میں تمسک شرط ہے۔	۴۳	فطرہ اور حرم قربانی کی قیمت میں تمسک شرط ہے۔
۴۳	تحقیق مدار صدقہ۔	۴۳	تحقیق مدار صدقہ۔
۴۴	غیر منصوص اشیاء میں قیمت کا اعتبار ہے۔	۴۴	غیر منصوص اشیاء میں قیمت کا اعتبار ہے۔
۴۵	صدقۃ فطر وصول کر کے غرض سے کمیٹیاں قائم کرنا۔	۴۵	صدقۃ فطر وصول کر کے غرض سے کمیٹیاں قائم کرنا۔
۲۲	نصابِ زکوٰۃ کی تحقیق۔	۲۲	نصابِ زکوٰۃ کی تحقیق۔
۲۴	مسئلہ وجوبِ زکوٰۃ۔	۲۴	مسئلہ وجوبِ زکوٰۃ۔
۲۵	پراویڈنٹ فنڈ پر وجوبِ زکوٰۃ کا مسئلہ۔	۲۵	پراویڈنٹ فنڈ پر وجوبِ زکوٰۃ کا مسئلہ۔
۲۵	بینک کا دیوالیہ بننے سے تو اس میں جمع کردہ رقم پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟	۲۵	بینک کا دیوالیہ بننے سے تو اس میں جمع کردہ رقم پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟
۳۸	مسئلہ وجوبِ زکوٰۃ۔	۳۸	مسئلہ وجوبِ زکوٰۃ۔
۳۸	ہندوستان کی زمینوں پر عشر واجب ہے یا کیا؟	۳۸	ہندوستان کی زمینوں پر عشر واجب ہے یا کیا؟
۳۸	وجوبِ عشر و خراج کی ایک صورت کا حکم۔	۳۸	وجوبِ عشر و خراج کی ایک صورت کا حکم۔
۳۹	حکومت کے مکان سے عشر ادا نہیں ہوتا۔	۳۹	حکومت کے مکان سے عشر ادا نہیں ہوتا۔
۳۹	کچی فصل کی کٹائی میں عشر ہے یا نہیں؟	۳۹	کچی فصل کی کٹائی میں عشر ہے یا نہیں؟
باب صدقۃ الفطر		باب صدقۃ الفطر	
۳۹	صدقۃ فطر کی ادائیگی میں دوسرے شہر کے بھاء کا اعتبار نہیں۔	۳۹	صدقۃ فطر کی ادائیگی میں دوسرے شہر کے بھاء کا اعتبار نہیں۔
۳۹	صدقۃ فطر میں موضع مال کی قیمت کا اعتبار ہے۔	۳۹	صدقۃ فطر میں موضع مال کی قیمت کا اعتبار ہے۔
۴۰	چاول اور دھان سے صدقۃ فطر ادا کرنا حکم۔	۴۰	چاول اور دھان سے صدقۃ فطر ادا کرنا حکم۔
۴۰	صدقۃ فطر میں موضع مال کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔	۴۰	صدقۃ فطر میں موضع مال کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔
۴۱	یا صدقۃ ادا کر نیکی جگہ کا ہے۔	۴۱	یا صدقۃ ادا کر نیکی جگہ کا ہے۔
۴۱	صدقۃ فطر کئی مسکینوں کو دینا۔	۴۱	صدقۃ فطر کئی مسکینوں کو دینا۔
۴۱	غیر منصوص اشیاء میں صدقۃ فطر ادا کرنا طریقہ۔	۴۱	غیر منصوص اشیاء میں صدقۃ فطر ادا کرنا طریقہ۔
۴۲	وزن صاع کی تحقیق۔	۴۲	وزن صاع کی تحقیق۔
۴۳	فطرہ اور حرم قربانی کی قیمت میں تمسک شرط ہے۔	۴۳	فطرہ اور حرم قربانی کی قیمت میں تمسک شرط ہے۔
۴۳	تحقیق مدار صدقہ۔	۴۳	تحقیق مدار صدقہ۔
۴۴	غیر منصوص اشیاء میں قیمت کا اعتبار ہے۔	۴۴	غیر منصوص اشیاء میں قیمت کا اعتبار ہے۔
۴۵	صدقۃ فطر وصول کر کے غرض سے کمیٹیاں قائم کرنا۔	۴۵	صدقۃ فطر وصول کر کے غرض سے کمیٹیاں قائم کرنا۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۹	بغیر اجازت منگوانے کی غیر مصرف میں زکوٰۃ خرچ کرنے کا حکم۔	۲۵	باب المصارف
۹۰	مدارس عربیہ میں زکوٰۃ دینے کے متعلق ایک استفتاء مشتمل پر چند سوالات۔	۲۵	سویڈن زمین کے مالک کا عیال دار ہونے کی صورت میں زکوٰۃ لینا۔
۹۵	مال و وصیت بالصدق سے اغنیاء کو دینا۔	۲۶	تراویح کسٹا نیوانے کو اجرت میں دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔
۹۵	صاحبِ نصاب کے لئے زکوٰۃ، صدقۃ فطر وغیرہ لینے کا حکم۔	۲۶	بیوی، شوہر، باپ اور بیٹے کو صدقۃ فطر دینا جائز نہیں۔
۹۶	جس کا صرف باپ تہجد ہو اس کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟	۲۶	زکوٰۃ کے رقبہ سے فیاض کر کے فقیریوں کو کھانا کھلانا۔
۹۶	کپنی کے شیئرز کی زکوٰۃ	۲۶	کافر کو زکوٰۃ دیکر صدقات واجبہ دینے کے متعلق "بہشتی زیور" کے مسئلہ پر شبہ کا جواب۔
۹۶	ریلوے کپنی کے حصص پر وجوبِ زکوٰۃ کا حکم۔	۲۹	اپنے لڑکے کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔
کتاب الصوم		۲۹	جس پر قربانی واجب ہو، زکوٰۃ واجب نہ ہو، وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے؟
۹۸	افطار میں جلدی کرنا۔	۵۰	ایضاً ایضاً ایضاً
۱۰۰	حکم صوم یوم الشک	۵۰	الاحتیاط اللازم فی التصدق علی بنی ہاشم۔
۱۰۳	مسجد میں افطار کرنا جائز ہے یا نہیں؟	۵۵	رسالہ رفع التثبیک فی دفع الزکوٰۃ بالتذکیر۔
۱۰۳	ایضاً ایضاً ایضاً	۵۵	تفصیل الآثار فی تعبیل الافطار۔
۱۰۸	نیت معلق سے صوم مستحق نہیں ہوتا۔	۸۳	مبلغین کی تنخواہ میں زکوٰۃ صرف کرنا۔
۱۰۹	سحری کے وقت طلوع فجر سے قبل اذان دینے کا حکم۔	۸۶	اولویت صرف زکوٰۃ ببلد کے کمال موجود باشد۔
۱۱۰	حکم افطار قبل از اذان۔	۸۷	واپسی زکوٰۃ کی ایک صورت کا حکم
۱۱۰	فصل فی رویۃ الہلال	۸۸	ذکیل نے زکوٰۃ کی رقم ہاشمی کو دیدی تو ذکیل پر ضمان لازم آئیگا یا نہیں؟
۱۱۰	فصل فی رویۃ الہلال	۸۹	ہاشمی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۲	کیا اگر جتی کا دعوا ملحق میں جانے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے؟	۱۱۰	رویت ہلال کی شہادت عید کے دن طلوع آفتاب سے قبل مل جائے تو کیا حکم ہے؟
	فصل فی القضاء والکفارة	۱۱۲	کیا خط اور تار کے ذریعہ رویت ہلال کی خبر معتبر ہے؟ تحقیق رویت ہلال درمات غیر قبول شہادت وغیرہ
۱۳۵	سافر روزہ افطار کرے تو کفارہ نہیں۔	۱۱۷	رویت ہلال اور صوم یوم الشک کے بارے میں ایک استفتاء۔
"	کفارہ میں بہت بوڑھے کو کھلانا جائز ہے۔	۱۱۹	شعبان کے تیس دن پورے ہونے پر چاند نظر نہ آئے تو کیا حکم ہے؟
۱۳۶	حکم نیت کفارہ رمضان بالتعلیق۔	۱۲۰	رویت ہلال کے متعلق ایک استفتاء
"	کفارہ صوم میں رمضان کا توسط مبطلت تابع ہے۔	۱۳۱	خط اور ٹیلیفون کے ذریعہ رویت ہلال کی خبر کا حکم
۱۳۷	نذر روزے اگر کسی عذر کی وجہ سے نہ رکھ سکے تو کتا کفارہ ہوگا؟	۱۳۲	رویت ہلال کے متعلق سرکاری فتاویٰ کا حکم۔
"	استفتاء متعلق کفارہ صوم	"	ثبوت رویت کے بارے میں۔
	فصل فی الاعذار المبيحة للافطار	۱۲۵	ٹیلیفون کے ذریعہ رویت ہلال کی خبر کا اعتبار ہے یا نہیں؟
۱۳۸	فصل کی کتابی کے لئے روزہ انظار کرینیکا حکم۔		فصل فیما یفسد الصوم و ما یکره للصائم
۱۳۹	عذر کی بنا پر افطار کر نیوالے کو افطار کا اعلان نہیں چاہیے؟	۱۲۸	روزہ کی حالت میں مغزوف تباکومہ میں رکھنا۔
"	عورت کو حالت روزہ میں حیض آجائے تو کھاپی سکتی ہے یا نہیں؟	"	ادخال مہائے بواہیری بید مبلوہ در صوم۔
۱۳۰	مغزور کے لئے افطار کا حکم۔	۱۳۰	طاغوتی ٹیکہ لگوانا مفسد صوم ہے یا نہیں؟
	فصل فی صوم النذر والقضاء	۱۳۳	بعد افطار اندام نہانی دوار کھی جو بحالت صوم باقی رہی تو کیا حکم ہے؟
۱۳۱	تفنا روزے رکھنے والا اگر مطلق قضائے رمضان کی نیت کرے تو کیا حکم ہے؟	"	طاغوتی ٹیکہ اور فصد لگوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔
		۱۳۴	صوم مغزور کا حکم۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	کتاب الحج!		باب الاعتکاف
	فصل فمیں لفرض علیہ الحج	۱۳۱	اعتکاف کیلئے مسجد میں رتغ صادر کرینیکا حکم۔
۱۵۱	صاحب سناطت معذور شخص کے حج کا حکم۔	۱۳۲	اعتکاف کیلئے خارج مسجد نماز ادا کرینیکا حکم۔
۱۵۲	حج کے پاس صرف جائیداد جو اس پر وجوب حج کا حکم۔	"	اعتکاف حاجت ضروریہ سے نکلنے کے بعد کیا غسل جمعہ کر سکتا ہے؟
۱۵۳	تعمیر مکان سے حج فرض مقدم ہے جسکا ذریعہ آمدنی صرف جائیداد جو تو کیا اس پر حج فرض ہے؟	"	گاوں میں اعتکاف کر نیوالے کیلئے نماز جمعہ کا حکم۔
۱۵۴	ایضا ایضا ایضا اولاد ادا پر فرض کا وعدہ کرے تو مدتیوں باپ کو حج پر جانا جائز ہے۔	۱۳۳	کسی عذر کی بنا پر اعتکاف نہ کرینیکا حکم۔
۱۵۵	مہر موبل مانع وجوب حج نہیں ہے۔	۱۳۴	سحری کھانے کے بعد کئی کرنے کے لئے اعتکاف کا مسجد سے نکلنا۔
۱۵۶	عورت نے پاک لڑکے یا ہمسایہ عورتوں کے ساتھ حج پر نہیں جاسکتی۔	۱۳۵	جو حجرہ جزو مسجد نہ ہو اس میں اعتکاف باطل ہے۔
۱۵۷	مسئلہ وجوب حج علی انور اور کیا بعد وجوب حج وہ رقم حوانج ضروریہ میں صرف کرنا جائز ہے۔	"	کیا اعتکاف اذان دینے کے لئے مسجد سے باہر جاسکتا ہے؟
۱۵۸	ادائے حج سے قبل زیارت روضہ اقدس کا حکم کیا ہندو سے ریبیہ فرض لیکر حج کرنا بہتر ہے؟	"	اعتکاف مسجد میں جہاں چاہے اٹھ بیٹھ سکتا ہے۔
۱۵۹	جس نے حج فرض لانے سے پہلے کر لیا تو کیا فرض ادا ہو جائے گا؟	"	اعتکاف کے بارے میں متعدد سوالات پر مشتمل ایک استفتاء۔
"	کیا حج سفر میں اپنا پیشہ اختیار کر سکتا ہے؟	۱۳۶	عشرہ اخیر کامل کا اعتکاف سنت مؤکدہ ہے۔
		۱۳۸	اعتکاف کے متعلق متعدد سوالات پر مشتمل ایک اور استفتاء۔
		۱۳۹	مثل استفتاء مذکور۔
		۱۵۰	اعتکاف میں مسجد کی خدمت کرنا۔
		"	اعتکاف میں درزش کرنا اور خط لکھنا۔
		"	جسکو حج کا عار نہ ہو کیا وہ مسجد میں اعتکاف کر سکتا ہے؟

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۶۰	یارہویں کی رمی زوال سے پہلے جائز نہیں۔	۱۶۰	یارہویں کی رمی زوال سے پہلے جائز نہیں۔
۱۶۱	کیا بارہویں کو بعد مغرب طواف زیارت ہو سکتا ہے؟	۱۶۱	کیا بارہویں کو بعد مغرب طواف زیارت ہو سکتا ہے؟
۱۶۲	حج فرض ہونیکے بعد اس میں تاخیر کرنا جائز نہیں۔	۱۶۲	حج فرض ہونیکے بعد اس میں تاخیر کرنا جائز نہیں۔
۱۶۳	کسی نے راستہ کی محذوش ہونیکے وجہ سے حج نہ کیا پھر مال خرچ ہو گیا تو کیا حکم ہے۔	۱۶۳	کسی نے راستہ کی محذوش ہونیکے وجہ سے حج نہ کیا پھر مال خرچ ہو گیا تو کیا حکم ہے۔
۱۶۴	جس روپیے سے زکوٰۃ نہیں نکالی اس سے اور قرض کے روپیے سے حج کرنا۔	۱۶۴	جس روپیے سے زکوٰۃ نہیں نکالی اس سے اور قرض کے روپیے سے حج کرنا۔
۱۶۵	بدون عذر رمی میں نیابت کا حکم۔	۱۶۵	بدون عذر رمی میں نیابت کا حکم۔
۱۶۶	کیا بیت اللہ دیکھنے سے بچہ پر حج فرض ہو جاتا ہے؟	۱۶۶	کیا بیت اللہ دیکھنے سے بچہ پر حج فرض ہو جاتا ہے؟
۱۶۷	ملازمت ختم ہونیکے خوف سے حج میں تاخیر کرنا۔	۱۶۷	ملازمت ختم ہونیکے خوف سے حج میں تاخیر کرنا۔
۱۶۸	صاحب جائیداد وسیع کے پاس نقد روپیہ نہ ہو تو کیا ہندسے سودی قرض لیکر حج کر سکتا ہے؟	۱۶۸	صاحب جائیداد وسیع کے پاس نقد روپیہ نہ ہو تو کیا ہندسے سودی قرض لیکر حج کر سکتا ہے؟
۱۶۹	اشہر حج میں حج سے پہلے مدینہ جانا جائز ہے۔	۱۶۹	اشہر حج میں حج سے پہلے مدینہ جانا جائز ہے۔
		فصل فی الاحرام وما ہو محذور فیہ	
۱۷۰	محرم یا عدل کا عدو و حرم کے اندر شکار لانے کے متعلق غنیۃ اور زبیدہ کی عبارات میں تعارض کی تحقیق۔	۱۷۰	محرم یا عدل کا عدو و حرم کے اندر شکار لانے کے متعلق غنیۃ اور زبیدہ کی عبارات میں تعارض کی تحقیق۔
۱۷۱	احرام میں اعدا متعدد کی وجہ سے مختلف طے ہوئے کپڑے پہننے سے کفارہ واحدہ واجب ہوگا یا متعددہ؟	۱۷۱	احرام میں اعدا متعدد کی وجہ سے مختلف طے ہوئے کپڑے پہننے سے کفارہ واحدہ واجب ہوگا یا متعددہ؟
۱۷۲	حج بدل کرنیوالے کیلئے تمتع کا حکم۔	۱۷۲	حج بدل کرنیوالے کیلئے تمتع کا حکم۔
۱۷۳	ایصال الخیر فی سائل الحج عن الغیر۔	۱۷۳	ایصال الخیر فی سائل الحج عن الغیر۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۸۸	والدین کی طرف سے حج بدل کرنا جبکہ انہوں نے وصیت نہ کی ہو۔	۱۸۸	والدین کی طرف سے حج بدل کرنا جبکہ انہوں نے وصیت نہ کی ہو۔
۱۸۹	حج بدل کرنے والے کے پاس خرچ نہ رہے اور وہ قرض لے تو کیا حکم ہے؟	۱۸۹	حج بدل کرنے والے کے پاس خرچ نہ رہے اور وہ قرض لے تو کیا حکم ہے؟
۱۹۰	اجنبی کے مال سے بغیر وصیت و اذن وراثہ حج بدل کی ایک صورت۔	۱۹۰	اجنبی کے مال سے بغیر وصیت و اذن وراثہ حج بدل کی ایک صورت۔
۱۹۱	متعلق حج بدل۔	۱۹۱	متعلق حج بدل۔
۱۹۲	مامور اپنی جائے قیام سے حج کرے تو کیا حج آمر کا صحیح ہو جائے گا؟	۱۹۲	مامور اپنی جائے قیام سے حج کرے تو کیا حج آمر کا صحیح ہو جائے گا؟
۱۹۳	حج بدل میں واپسی شرط نہیں۔	۱۹۳	حج بدل میں واپسی شرط نہیں۔
۱۹۴	ایضاً ایضاً	۱۹۴	ایضاً ایضاً
۱۹۵	معذور کے حج بدل کرانیکے ایک صورت کا حکم۔	۱۹۵	معذور کے حج بدل کرانیکے ایک صورت کا حکم۔
۱۹۶	حج بدل اور ضمان مامور کی ایک صورت کا حکم۔	۱۹۶	حج بدل اور ضمان مامور کی ایک صورت کا حکم۔
۱۹۷	جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اس کے حج بدل کرنے کا حکم۔	۱۹۷	جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اس کے حج بدل کرنے کا حکم۔
۱۹۸	سفر حج سے عاجز ہونے کی صورت میں حج بدل کرانے کا حکم۔	۱۹۸	سفر حج سے عاجز ہونے کی صورت میں حج بدل کرانے کا حکم۔
۱۹۹	حج بدل کی ایک صورت کا حکم۔	۱۹۹	حج بدل کی ایک صورت کا حکم۔
۲۰۰	جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اسکے حج بدل کا حکم۔	۲۰۰	جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اسکے حج بدل کا حکم۔
		بکری اور ہوائی جہازوں پر سفر اور متعلق احکام	
۲۰۱	ہوائی جہازوں میں وقف عرفہ و طواف کعبہ کا حکم۔	۲۰۱	ہوائی جہازوں میں وقف عرفہ و طواف کعبہ کا حکم۔
۲۰۲	حج بدل کرنے والے کے پاس خرچ نہ رہے اور وہ قرض لے تو کیا حکم ہے؟	۲۰۲	حج بدل کرنے والے کے پاس خرچ نہ رہے اور وہ قرض لے تو کیا حکم ہے؟
۲۰۳	اجنبی کے مال سے بغیر وصیت و اذن وراثہ حج بدل کی ایک صورت۔	۲۰۳	اجنبی کے مال سے بغیر وصیت و اذن وراثہ حج بدل کی ایک صورت۔
۲۰۴	متعلق حج بدل۔	۲۰۴	متعلق حج بدل۔
۲۰۵	مامور اپنی جائے قیام سے حج کرے تو کیا حج آمر کا صحیح ہو جائے گا؟	۲۰۵	مامور اپنی جائے قیام سے حج کرے تو کیا حج آمر کا صحیح ہو جائے گا؟
۲۰۶	حج بدل میں واپسی شرط نہیں۔	۲۰۶	حج بدل میں واپسی شرط نہیں۔
۲۰۷	ایضاً ایضاً	۲۰۷	ایضاً ایضاً
۲۰۸	معذور کے حج بدل کرانیکے ایک صورت کا حکم۔	۲۰۸	معذور کے حج بدل کرانیکے ایک صورت کا حکم۔
۲۰۹	حج بدل اور ضمان مامور کی ایک صورت کا حکم۔	۲۰۹	حج بدل اور ضمان مامور کی ایک صورت کا حکم۔
۲۱۰	جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اس کے حج بدل کرنے کا حکم۔	۲۱۰	جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اس کے حج بدل کرنے کا حکم۔
۲۱۱	سفر حج سے عاجز ہونے کی صورت میں حج بدل کرانے کا حکم۔	۲۱۱	سفر حج سے عاجز ہونے کی صورت میں حج بدل کرانے کا حکم۔
۲۱۲	حج بدل کی ایک صورت کا حکم۔	۲۱۲	حج بدل کی ایک صورت کا حکم۔
۲۱۳	جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اسکے حج بدل کا حکم۔	۲۱۳	جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اسکے حج بدل کا حکم۔
۲۱۴	حج بدل کرنے والے کے پاس خرچ نہ رہے اور وہ قرض لے تو کیا حکم ہے؟	۲۱۴	حج بدل کرنے والے کے پاس خرچ نہ رہے اور وہ قرض لے تو کیا حکم ہے؟
۲۱۵	اجنبی کے مال سے بغیر وصیت و اذن وراثہ حج بدل کی ایک صورت۔	۲۱۵	اجنبی کے مال سے بغیر وصیت و اذن وراثہ حج بدل کی ایک صورت۔
۲۱۶	متعلق حج بدل۔	۲۱۶	متعلق حج بدل۔
۲۱۷	مامور اپنی جائے قیام سے حج کرے تو کیا حج آمر کا صحیح ہو جائے گا؟	۲۱۷	مامور اپنی جائے قیام سے حج کرے تو کیا حج آمر کا صحیح ہو جائے گا؟
۲۱۸	حج بدل میں واپسی شرط نہیں۔	۲۱۸	حج بدل میں واپسی شرط نہیں۔
۲۱۹	ایضاً ایضاً	۲۱۹	ایضاً ایضاً
۲۲۰	معذور کے حج بدل کرانیکے ایک صورت کا حکم۔	۲۲۰	معذور کے حج بدل کرانیکے ایک صورت کا حکم۔
۲۲۱	حج بدل اور ضمان مامور کی ایک صورت کا حکم۔	۲۲۱	حج بدل اور ضمان مامور کی ایک صورت کا حکم۔
۲۲۲	جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اس کے حج بدل کرنے کا حکم۔	۲۲۲	جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اس کے حج بدل کرنے کا حکم۔
۲۲۳	سفر حج سے عاجز ہونے کی صورت میں حج بدل کرانے کا حکم۔	۲۲۳	سفر حج سے عاجز ہونے کی صورت میں حج بدل کرانے کا حکم۔
۲۲۴	حج بدل کی ایک صورت کا حکم۔	۲۲۴	حج بدل کی ایک صورت کا حکم۔
۲۲۵	جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اسکے حج بدل کا حکم۔	۲۲۵	جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اسکے حج بدل کا حکم۔

کتاب النکاح

۲۰۱	دو لہانے وقت نکاح صرف اکھد لیتا کہا تو کیا حکم ہے؟	۲۰۱	دو لہانے وقت نکاح صرف اکھد لیتا کہا تو کیا حکم ہے؟
۲۰۲	منگنی کے وقت کا ایجاب و قبول ایک قسم کا وعدہ ہے۔	۲۰۲	منگنی کے وقت کا ایجاب و قبول ایک قسم کا وعدہ ہے۔
۲۰۳	منگنی میں اولیٰ برطرفین کا ایجاب و قبول ایک قسم کا وعدہ ہے۔	۲۰۳	منگنی میں اولیٰ برطرفین کا ایجاب و قبول ایک قسم کا وعدہ ہے۔
۲۰۴	نکاح بیوہ کا حکم۔	۲۰۴	نکاح بیوہ کا حکم۔
۲۰۵	زنا سے عاقل کے نکاح کا حکم۔	۲۰۵	زنا سے عاقل کے نکاح کا حکم۔
۲۰۶	سستی عورت کا شیعہ کے ساتھ نکاح کا حکم۔	۲۰۶	سستی عورت کا شیعہ کے ساتھ نکاح کا حکم۔
۲۰۷	اس شرط کیساتھ نکاح کرنا کہ بیوی شوہر کے وطن سے باہر نہیں جائیگی۔	۲۰۷	اس شرط کیساتھ نکاح کرنا کہ بیوی شوہر کے وطن سے باہر نہیں جائیگی۔
۲۰۸	علا لہ کے بعد نکاح کا حکم جبکہ محفل منکر و طہی ہو۔	۲۰۸	علا لہ کے بعد نکاح کا حکم جبکہ محفل منکر و طہی ہو۔
۲۰۹	منگنی کے وقت ایجاب و قبول کا حکم۔	۲۰۹	منگنی کے وقت ایجاب و قبول کا حکم۔
۲۱۰	مشکر عورت کو جبراً مسلمان کر کے اس سے نکاح کرنا۔	۲۱۰	مشکر عورت کو جبراً مسلمان کر کے اس سے نکاح کرنا۔
۲۱۱	حکم نکاح سنیہ بار افضی۔	۲۱۱	حکم نکاح سنیہ بار افضی۔
۲۱۲	جو زوج اول سے اپنا مطلقہ ہونا بیان کرے اس سے نکاح کرنا۔	۲۱۲	جو زوج اول سے اپنا مطلقہ ہونا بیان کرے اس سے نکاح کرنا۔
۲۱۳	اس شرط پر نکاح کرنا کہ پانچ سال یہاں رہنا ہوگا مطلقہ ثلاثہ کا بغیر جلالہ کے نکاح کرنا حکم۔	۲۱۳	اس شرط پر نکاح کرنا کہ پانچ سال یہاں رہنا ہوگا مطلقہ ثلاثہ کا بغیر جلالہ کے نکاح کرنا حکم۔
۲۱۴	نوسلہ محضہ کو دارالاسلام میں لاکر نکاح کرنا حکم۔	۲۱۴	نوسلہ محضہ کو دارالاسلام میں لاکر نکاح کرنا حکم۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۳۸	چار بیویوں میں سے ایک کا انتقال ہو جائے تو دوسری عورت سے فوراً نکاح جائز ہے۔	۲۱۹	زنا سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔
"	لوٹاری سے کراہت نکاح کی وجہ۔	"	مطلقہ ثلاث نے مرتد ہو کر کافر سے نکاح کریں اگر اس نے طلاق دی تو کیا مسلمان ہونے کے بعد وہ زوج اول کیلئے حلال ہوگئی۔
"	عورت مجلس نکاح میں موجود ہونو شادیوں کو نام وغیرہ بتانا ضروری نہیں۔	۲۲۰	حکم نکاح بالکتابت۔
۲۳۹	دلی کی طرف اضافت کی ایک صورت کا حکم۔	۲۲۱	رافضی کے ساتھ سنی لڑکی کی نکاح کے بعض صورتوں کی تفصیل۔
۲۴۰	مسئلہ نکاح۔	۲۲۶	بوقت نکاح غلطی سے دوسری لڑکی کا نام بتا دیا تو کیا حکم ہے۔
فصل فی المحرمات		۲۲۷	کیا بیوہ یا مطلقہ پر والد کے حکم سے نکاح ثانی فرض ہو جاتا ہے۔
۲۴۲	ممانی اور چچی سے نکاح جائز ہے۔	"	جواز نکاح بالکتابت کی ایک صورت۔
"	ولد زانی کے مزنیہ کی بیٹی سے نکاح کی ایک صورت کا حکم۔	۲۲۸	احکام وظی زوجہ صغیرہ۔
۲۴۳	بختیہ کی بیوہ سے نکاح جائز ہے۔	۲۳۰	بصیغہ حال قبول کافی ہے یا نہیں؟
۲۴۵	جمع بین الاختین کے متعلق ایک استفادہ۔	"	بوقت نکاح لڑکی نام سننے میں لڑکے کو اشتباہ ہو گیا مگر وہ لڑکی کو جانتا ہے۔
"	دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔	۲۳۱	نکاح کو مخفی رکھنا گناہ ہے۔
۲۴۶	زانی کی اولاد کا نکاح فرس مزنیہ سے جائز ہے۔	۲۳۲	زنا سے نکاح فاسد نہیں ہوتا
۲۴۷	ایضاً	۲۳۳	اجنبی عورت اور مرد یہ کہیں کہہ سکتے ہیں کہ ہم سے نکاح میں کوئی شرعی اسرار نہیں تو کیا قاضی انکا نکاح کر سکتا ہے؟
"	ایضاً	"	استفتار ضمیمہ سابق۔
"	سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے۔	۲۳۴	نکاح ستری کی تعریف اور اس کا حکم۔
"	کیا بیوی کے انتقال کے فوراً بعد سالی سے نکاح جائز ہے؟	۲۳۵	حرہ عورت کو خریدنا اور اپنے ساتھ اسکا نکاح کرنا۔
۲۴۸	سوتیلی والدہ کی بہن سے نکاح جائز ہے۔		
۲۴۹	اپنے بیٹے کی سالی سے نکاح جائز ہے۔		
"	ماں کے شوہر کی بیٹی سے نکاح جائز ہے۔		
۲۵۰	سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے۔		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۴۶	نکاح معتدہ۔	۲۵۰	بیوی کے انتقال کے بعد فوراً سالی سے نکاح جائز ہے۔
۲۴۷	نوسلمہ سے قبل از انقضاء عدت نکاح کا حکم۔	"	ساس کی سوتیلی ماں محرمات میں داخل نہیں ہے۔
"	حکم نکاح بین الرضعیین۔	"	حکم نکاح دختر پیراخت عینیہ و علائقہ و اخیاقیہ۔
۲۸۰	نوسلمہ سے قبل از انقضاء عدت نکاح جائز نہیں۔	۲۵۱	مزنیہ کے لڑکے سے زانی کی لڑکی کے نکاح کا حکم۔
"	دوران عدت نکاح کی خاص صورت کا حکم۔	"	باپ کی رضیہ سے نکاح جائز ہے۔
۲۸۱	ایضاً	"	رضیہ مزنیہ سے نکاح حرام ہے۔
۲۸۲	ایضاً	۲۵۲	حکم نکاح کتابیہ۔
۲۸۳	اقرار نامہ کے خلاف درزی کی صورت میں بیوی کے نکاح ثانی کی ایک صورت۔	۲۵۵	پھوپھی بختیہ ایک نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں۔
فصل فی الاولیاء والاكفاء		فصل فی الاختیاء الفاسدة	
۲۸۵	نابالغہ کا نکاح چچانے کر دیا اور یا ندرامض ہے۔	۲۵۵	شوہر قید ہو تو زوجہ کا نکاح ثانی کرنا باطل ہے۔
۲۸۶	والدین کی رضامندی سے نکاح ہو تو لڑکی کو خیال بلوغ نہیں ہے۔	۲۵۷	غیر کی منکوحہ سے نکاح باطل اور اسکی اولاد حرام ہے۔
"	ولی ابعدا نکاح کرادے اور ولی اقرب سکوت اختیار کرے تو کیا حکم ہے۔	۲۵۸	زوجہ عتین کا بغیر طلاق کے نکاح ثانی کرنا باطل ہے۔
۲۸۸	احکام کفارت اور نسب مرد میں معتبر ہے یا عورت میں؟	۲۵۹	زوجہ کی موجودگی میں سکی بھانجی سے نکاح فاسد ہے۔
۲۸۹	جہاں سیدہ کا نکاح غیر سیدہ کے ساتھ عار سمجھا جاتا ہو وہاں یہ دونوں کفو نہیں ہیں۔	۲۶۰	غیر کی منکوحہ سے نکاح کرنا اور اس سے اولاد ہونا۔
۲۹۰	دھوکہ سے غیر کفو میں نکاح کا حکم۔	۲۶۲	عورت کا عدت و فوات میں نکاح کرنا اور شرائط متارکہ۔
۲۹۲	مسلمان کشدہ کی ولایت سے نابالغہ نوسلمہ کے نکاح کا حکم۔	۲۶۷	مزنیہ کی بیٹی سے نکاح کا حکم اور طریق متارکت۔
۲۹۵	چودہ سال کی عمر میں لڑکی کا دعویٰ بلوغ اور باپ کا غیر کفو میں بلا اجازت نکاح کرنا۔	۲۶۸	باپ نے نابالغہ کا نکاح کیا، بعد میں معلوم ہوا شوہر مشرابی ہے۔
		۲۶۹	عدت و فوات میں نکاح کرنے اور چھ ماہ بعد تجدید نکاح کرنے کا حکم۔
		۲۷۲	نکاح باطل و فاسد کی تعریف اور مزید چند صورتوں کا حکم۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۹۸	دل نے نابالغ کا حق نکاح مان کو دیا، ماں نے	۲۹۸	علم توت نکاح غیر۔
۲۹۹	نکاح کر دیا پھر دل نے بھی کسی اور سے نکاح کر دیا۔	۲۹۹	گونگے نے اشارے سے اذن دیکر نابالغ لڑکی کا
۳۱۶	بالغ بدون اذن ولی کفو میں مہر مثل سے کم پر	۳۰۰	نکاح کر دیا تو کیا حکم ہے؟
۳۱۹	اپنا نکاح کرے تو نکاح صحیح ہو گا یا نہیں۔	۳۰۰	صورت ولایت نکاح و جائیداد بنا بالفان۔
۳۲۲	نکاح بالغ کی ایک صورت کا حکم۔	۳۰۱	کفارت کا اعتبار مرد کی جانب سے ہے۔
۳۲۲	باپ نے ایک جگہ نکاح کی وصیت کی تو ولی	۳۰۲	بالغ حرمہ کا نکاح بلا اجازت اسکے باپ سے کر دیا۔
۳۲۳	دوسری جگہ نکاح کر سکتا ہے؟	۳۰۳	ماموں اور خالوں نے بالغ کا نکاح بلا اسکی اجازت
۳۲۳	باپ بالغ کا نکاح اس کے اذن سے غیر کفو میں	۳۰۶	کر دیا تو کیا نکاح ہو جائیگا۔
۳۲۳	کرے تو نکاح ہو جائیگا۔	۳۰۶	باپ کا لڑکی کے نکاح پر روپیہ طلب کرنا
۳۲۳	ولی خود نابالغ سے نکاح کرے تو کس کی ولایت	۳۰۷	کیا اسکی رضامندی کی دلیل ہے۔
۳۲۳	سے نکاح ہوگا۔	۳۰۷	قاضی ولی کی غیر موجودگی میں نابالغ لڑکے کو لڑکی
۳۲۶	دھوکے سے غیر کفو میں نکاح ہو گیا تو فسخ نکاح کا	۳۰۸	کا ایجاب و قبول کرے تو کیا حکم ہے۔
۳۲۶	حق ہوگا۔	۳۰۸	ماں کی ولایت سے نابالغ کے نکاح کی ایک صورت۔
۳۲۷	بیان الحکم والاصواب فی مسئلۃ الکفایۃ بالانساب۔	۳۰۹	ماموں نے نابالغ بھائی کی موجودگی میں نابالغ کا
		۳۱۱	نکاح کر دیا۔
		۳۱۱	جس کو تنگی بہری لڑکی کا کوفی ولی نہ ہو اس کا نکاح
			کس طرح کیا جائے۔
			اب وجہ کے لئے بوسے نکاح صغیر میں خیار بلوغ
			نہ ہونے کی دلیل۔
		۳۱۳	نابالغ لڑکی کا غیر کفو میں بلا اجازت اولیاء
			نکاح باطل ہے۔
		۳۱۳	باپ نابالغ لڑکی کا نکاح کیا بعد میں معلوم ہوا کہ لڑکی شرابی
			اور فاسق ہے۔
		۳۱۵	ولایت نکاح میں حقیقی بہن ماموں اور خانی بھائی سے مقدم ہے
			است۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۹۳	سقوط مہر کے متعلق بیان القرآن کی ایک عبارت کی تشریح۔	۲۵۲	فصل فی الجہاز والمہر
۳۰۵	عورت مہر کا روپیہ کس کس کام میں لاسکتی ہے۔	۲۵۵	زوجه کے مہر میں مہرٹا اضافہ کرنا۔
۳۰۵	مہر مثل کے بارے میں۔	۲۵۵	نا قابل جماع عورت کے مہر کا حکم۔
		۲۵۶	ولی صغیرہ کے معاف کرنے سے مہر ساقط نہیں ہوتا
		۲۵۷	مطالبہ مہر کو واسطے ڈگری کرنا جائز ہے یا نہیں۔
		۲۵۷	الزیادۃ فی مہر احدی الزوجتین بعد العقد صل
			توجب تسویۃ الاخری فیہا ام لا؟
		۲۶۲	رہن نامی بہن سے لائمی میں نکاح ہو جائے تو
			اس کے مہر کا حکم۔
		۲۶۲	مہر کو کبھی ادا کیا جائے یا قسط وار۔
		۲۶۳	علم منع المرأة نفسها عن زوجها بقبض المعجل۔
		۲۶۵	صحیح مہر معلوم نہ ہو اور وارث کے دعویٰ پر
			گواہ نہ ہونے پر مہر مثل پر فیصلہ ہو گا۔
		۲۶۶	جس کی مہر ادا کرنے کی نیت نہ ہو تو کیا اس
			کی اولاد کو ولدا محرام کہہ سکتے ہیں۔
		۲۶۸	مجلس نکاح میں زیادت مہر کے لئے دوبارہ
			نکاح پڑھا گیا تو کونسا مہر واجب ہوگا۔
		۲۶۸	جو عورت جماع کے قابل نہ ہو اسکے مہر کا حکم۔
		۲۷۰	ایضاً ایضاً۔
		۲۷۱	جہیز وغیرہ دینے کا حکم۔
		۲۷۲	ادائیگی مہر میں میاں بیوی کے درمیان بعض شرط
			کا حکم۔
		۲۷۳	مہر مثل کی تحقیق نہ ہو سکے تو کس مہر پر فیصلہ کیا جائے۔
			درست ہے۔
			فصل فی القسم عند تعدد الزوجات
			دن میں بیویوں کے درمیان عدل کرنا واجب نہیں
			بیویوں کے درمیان عدل کرنے کے معنی اور
			فقہاء کے کلام پر ایک اشکال کا جواب۔
			مسائل متفرقة متعلقہ نکاح
			حضرت حسین اور حضرت شہر بانو کے نکاح کی تحقیق۔
			بیوی پر گھر کا کام اور روٹی پکانا واجب یا نہیں؟
			نوسلہ اگر بیت خانہ جا کر افعال شریکہ کرے تو
			مسلمان ہے یا نہیں۔
			سالی سے زنا کرنے سے بیوی حرام نہیں ہوتی۔
			شوہر اپنی بیوی کو والدین کے گھر سے جبراً
			لا سکتا ہے۔
			بیوی سے کتنی مدت تک نہ طے کی اجازت ہے۔
			کیا عورت کا مرد پر حق ہے کہ وہ اسے رات کو
			اپنے بستر پر لٹائے۔
			خریدی ہوئی آزاد عورت سے بغیر طے کی حکم۔
			کیا بدون ادائیگی مہر مجمل بیوی سے جماعت
			درست ہے۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۸۲	بیوی کے بعض حقوق کی وضاحت۔	۳۸۲	بیوی کو کہا کہ میں نے تجھے ماف ذل سے چھڑیا ہے۔
			”ہم تم کو طلاق دیدیں گے“ کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔
			انتہائی غصہ کی حالت میں طلاق دی تو کیا حکم ہے۔
			شوہر نے طلاق دی مگر یاد نہیں کہ دو دیں یا تین۔
			صیغہ مضارع سے طلاق دینے کا حکم۔
			”طلاق دادم“ کہنے کے بعد طلاق بائن دی۔
			عصا سے تین لکیریں کھینچیں اور کہا ”ایک تین میرے گھر سے چلی جا“۔
			کابین نامہ کے مطابق طلاق واقع ہو جائیگا حکم زوج طلاق کا منکر ہے اور ایک مرد و ایک عورت طلاق کے گواہ ہیں۔
			ازالة الافلاق عن اضافة الطلاق۔
			تفصیل الجواب۔
			طلاق کے بارے میں زوجین میں اختلاف ہو تو عورت کے قول کا اعتبار ہے۔
			کابین نامہ میں لکھا کہ دوسرا عقد کروں تو اسپر ایک دو تین طلاق ہو جائیگی پھر اسکی غلط فہمی کی مجھ کو تمہاری لڑکی کی ضرورت نہیں انہی کہنے سے طلاق نہیں ہوتی۔
۳۸۶	حکم طلاق بلفظ ”اگر گئے نزد تو کلام دماغ گویم“ تا بعد نکاح زوجہ ام سے طلاق خواہ شد۔	۳۸۴	بیوی کو کہا کہ میں نے تجھے ماف ذل سے چھڑیا ہے۔
۳۸۷	اگر تو اپنے باپ سے لے گی یا اپنے باپ کے گھر جائیگی تو تجھ پر طلاق اور عورت باپ کے مرنے کے بعد اسے گھر گئی۔	۳۸۵	”ہم تم کو طلاق دیدیں گے“ کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔
۳۸۸	اگر تو چاند جیسی حسینہ نہیں تو تجھے تین طلاق کہنے سے طلاق نہیں ہوگی۔	۳۸۶	انتہائی غصہ کی حالت میں طلاق دی تو کیا حکم ہے۔
۳۸۹	بطور وظیفہ صیغہ طلاق کہنے سے قضاء طلاق ہو جاتی ہے۔	۳۸۷	شوہر نے طلاق دی مگر یاد نہیں کہ دو دیں یا تین۔
۳۹۰	حکم طلاق ہازل۔	۳۸۸	صیغہ مضارع سے طلاق دینے کا حکم۔
۳۹۱	طلاق کی ایک صورت کا حکم۔	۳۸۹	”طلاق دادم“ کہنے کے بعد طلاق بائن دی۔
۳۹۲	طلاق اور رجعت کی ایک صورت کا حکم۔	۳۹۰	عصا سے تین لکیریں کھینچیں اور کہا ”ایک تین میرے گھر سے چلی جا“۔
۳۹۳	طلاق کے ساتھ اشارہ اشارہ ماشا را اشارہ کہنا۔	۳۹۱	کابین نامہ کے مطابق طلاق واقع ہو جائیگا حکم زوج طلاق کا منکر ہے اور ایک مرد و ایک عورت طلاق کے گواہ ہیں۔
۳۹۴	طلاق کا مطالبہ کہنے پر شوہر نے کہا ”طلاق ہی سی ہے“۔	۳۹۲	ازالة الافلاق عن اضافة الطلاق۔
۳۹۵	مسلکہ طلاق۔	۳۹۳	تفصیل الجواب۔
۳۹۶	طلاق اور مطلقہ وغیرہ الفاظ سے بیوی کو طلاق کرنا۔	۳۹۴	طلاق کے بارے میں زوجین میں اختلاف ہو تو عورت کے قول کا اعتبار ہے۔
۳۹۷	طلاق کے مطالبہ پر شوہر نے کہا جادی، جادی، جادی، جادی۔	۳۹۵	کابین نامہ میں لکھا کہ دوسرا عقد کروں تو اسپر ایک دو تین طلاق ہو جائیگی پھر اسکی غلط فہمی کی مجھ کو تمہاری لڑکی کی ضرورت نہیں انہی کہنے سے طلاق نہیں ہوتی۔
۳۹۸	اسکی بیوی کہتی ہے کہ تین مرتبہ یہ لفظ کہا۔	۳۹۶	کابین نامہ میں لکھا کہ دوسرا عقد کروں تو اسپر ایک دو تین طلاق ہو جائیگی پھر اسکی غلط فہمی کی مجھ کو تمہاری لڑکی کی ضرورت نہیں انہی کہنے سے طلاق نہیں ہوتی۔
۳۹۹	بوقت نکاح یہ لفظ ہو کہ شوہر کے کہیں اور چلے جائیگو تین طلاق سمجھا جائے گا اس کے بعد شوہر چلا گیا تو کیا حکم ہے؟	۳۹۷	کابین نامہ میں لکھا کہ دوسرا عقد کروں تو اسپر ایک دو تین طلاق ہو جائیگی پھر اسکی غلط فہمی کی مجھ کو تمہاری لڑکی کی ضرورت نہیں انہی کہنے سے طلاق نہیں ہوتی۔
۴۰۰	بیوی کا نام بدل کر طلاق دینا۔	۳۹۸	کابین نامہ میں لکھا کہ دوسرا عقد کروں تو اسپر ایک دو تین طلاق ہو جائیگی پھر اسکی غلط فہمی کی مجھ کو تمہاری لڑکی کی ضرورت نہیں انہی کہنے سے طلاق نہیں ہوتی۔
۴۰۱	حکم طلاق بلفظ طلاق ہی سمجھو۔	۳۹۹	کابین نامہ میں لکھا کہ دوسرا عقد کروں تو اسپر ایک دو تین طلاق ہو جائیگی پھر اسکی غلط فہمی کی مجھ کو تمہاری لڑکی کی ضرورت نہیں انہی کہنے سے طلاق نہیں ہوتی۔

صفحہ	مضمون
۴۰۲	تحقیق مسئلہ ہم بزبان عربی۔
۴۰۳	شوہر نے کہا کہ خدای مسم تیرے ہاتھ کا کھانا کھاؤں تو اپنی ماں سے زنا کروں اور پھر اس کے ہاتھ کا کھانا کھایا۔
۴۰۴	وقوع طلاق کیلئے الفاظ طلاق کا تلفظ شرط ہے۔ حکم طلاق مد ہوش وغیرہ۔
	فصل فی الطلاق الصریح

امداد الاحکام جلد سوم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کتاب الزکوٰۃ

سوال (۱) اگر پیشگی زکوٰۃ غلطی سے زائد ادا کر دی جائے تو اسے آئندہ
کریجے تو اس کا حکم سالوں میں محسوب کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ مثلاً دس ہزار کی مالیت کا
اندازہ کر کے سال حال اور ایک سال آئندہ کی زکوٰۃ ادا کر دی، اور بعد میں حساب کے جانچ کرنے
سے معلوم ہو کہ اصل مالیت آٹھ ہی ہزار کی ہے، تو یہ جو دو ہزار سال حال اور دو ہزار سال آئندہ
کی جملہ چار ہزار کی زکوٰۃ غلطی سے پیشگی ادا ہو گئی ہے یہ اس کے بعد کے سال میں وضع کی جاسکتی ہے
الجواب؛ وضع کی جاسکتی ہے، قال فی العالمکبریۃ: رجل له اربع مائة درهم
فلن ان عندنا خمسمائة فادی زکوٰۃ خمسمائة ثم علم انه ان يحسب الزيادة
للسنة الثانية ام (ص ۱۱۳ ج ۱) ۲۶ ربيع الثاني سنة ۳۰

سوال (۲) ایک شخص کو وکیل بنایا کہ وہ رقم زکوٰۃ اپنی مال کو لے جا کر
رقم میں خیانت کرنا دیدے، اس نے درمیان میں خیانت کی، کہ کچھ رقم خود صرف کر ڈالی، اور
کچھ اپنی مال کو دیدی وہ شخص خود بھی صرف زکوٰۃ ہے، مگر اس کو وکیل بنایا گیا تھا مالک نہیں بنایا گیا تھا اس صورت
میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا بقدر خیانت پھر ادا کرنا پڑے گی؟

الجواب؛ اگر وکیل خود بھی فقیر ہے جب بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، البتہ جس قدر اس نے
اپنی مال کو دیدیا ہے اس قدر زکوٰۃ ادا ہو گئی، باقی کا ضمان وکیل سے لے سکتے ہیں، قال فی
الدر: ولو خلط زکوٰۃ موکلیه ضمن وللوکیل ان یدفع لولده الفقیر وذو جته (الفقیر)
لانفسه الا اذا قال ربما ضعا حیث شئت ام قال فی الشامیة: وهذا حیث لو یأمره
بالدفع، اذ لو خالف ففیه قولان ام (ص ۱۲ ج ۲) ۲۶ ربيع الثاني سنة ۳۰

سوال (۳) ایک مسافر کو زاد راہ کے واسطے کچھ رقم
بٹلور زکوٰۃ دی، اگر وہ مسافر مستم واپس
کرنے تو کیا زکوٰۃ ادا ہو جائے گی
اور بہ نیت زکوٰۃ اُسے دیدیا اور وہ بحالت قیام بھی
مصرف زکوٰۃ ہے، اب وہ روپیہ واپس کرنا چاہتا ہے، اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہو گئی یا نہیں؟
الجواب؛ ادا ہو گئی۔

سوال (۴) اگر ادا ہو گئی تو اس کا واپس کیا ہو روپیہ کیا کیا جائے؟
الجواب؛ بہتر یہ ہے کہ وہ روپیہ واپس نہ لیا جائے، اور اگر لے لیا ہے تو افضل
یہ ہے کہ اس کو صدقہ کر دیا جائے، اور اگر خود بھی رکھ لیں تو جائز ہے۔

دلیل الجواب؛ ما ذکرہ فی الدر بقولہ وتسقط الزکوٰۃ عن موهوب له فی
نصاب مرجوع فیہ مطلقا سواء رجح بقضاء او غیر بعد الحول لورود الاستحقاق
علی عین الموهوب ولذا الرجوع بعد ہلاکہ قید بہ زای بقولہ عن موهوب له
لانہ لا تزکوٰۃ علی الواهب اتفاقا لعدم الملك ام قال الشامی بقولہ اتفاقا لعدم
الملك لان ملك الواهب انقطع بالہبۃ و اشار بقولہ اتفاقا لالی ان فی سقوطها
عن الموهوب له خلا قالان زفر یقول بعد ما ان رجح الواهب بلا قضاء لانه
لما بطل ملكه باختیاره صار ذلك كہبۃ جدیدة وكستہلك، قلنا بل هو غیر
مختار لانه لو امتنع عن الرد اجبر بالقضاء فصارت كہبۃ، شرح درر البحار
ام، ص ۵۹ ج ۲، قلت واتم فی الصورة المسئلة فلا شك فی كون رد الموهوب له ہبۃ
جدیدة لانه لا جبر علیہ من الواهب فیسقط الزکوٰۃ عن الواهب قطعاً الا انہ
ینبغی للواهب ان لا یقبل هذا الرد لما ورد فی الصحیح عن عمر رضی اللہ عنہ
انہ حمل رجلاً علی فرس فی سبیل اللہ ثم رآه یباع فی السوق فاراد شراہ فنہا
النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلك وقال لا تعد فی صدقتك ام، واللہ اعلم
۲۰ رمضان سنة ۳۰

سوال (۴) اگر کسی کے ذمہ اب تک دین مہربانی ہے تو اس پر احکام
مربون بدین مہرب
نصاب عائد ہوتے ہیں یا نہیں، دران حالیکہ علاقے دین مہرب سے زیادہ
مالیت کے موجود ہوں؟

الجواب: احکام نصاب و قسم کے ہیں ایک وجوب زکوٰۃ اور دوسری جواز اخذ مال زکوٰۃ، وجوب زکوٰۃ تو محض علاقہ کے موجود ہونے سے نہیں ہوتا، جب تک چاندی یا سونا بقدر نصاب موجود نہ ہو، اور اس پر حولان حول نہ ہو، یا مال تجارت نہ ہو، ہاں علاقے کی پیداوار پر عشر ہوگا اگر یہ خود کاشت کرتا ہے، پس اگر اس شخص کے پاس چاندی یا سونا یا مال تجارت بقدر نصاب فاضل از حوائج اصلیه ضروریہ موجود ہو، اور اس پر سال بھی گزر جائے، تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اور دین مہر وجوب زکوٰۃ سے اس وقت مانع ہے جبکہ اس رقم کو دین مہر میں ادا کرنے کی نیت ہو، اور اگر مہر میں ادا کرنے کی نیت نہیں تو زکوٰۃ واجب ہوگی، اور صورت اول میں بھی قدر مالیت مہر سے زائد رقم میں زکوٰۃ واجب ہوگی، اگر وہ نصاب کو پہنچ جائے، اور زکوٰۃ لینے کا جواز اس وقت ہے جبکہ زمین کی آمدنی اس کے اہل و عیال کے نفقہ قوت کو سال بھر کے لئے کافی نہ ہوتی ہو، مگر سوال کرنا جائز نہیں، کوئی خود دیدے تو لینا جائز ہوگا، اور اگر آمدنی نفقہ سالانہ کے لئے کافی ہے تو زکوٰۃ کار و پیہ لینا اس شخص کو جائز نہیں، اسی طرح صدقہ فطر و حرم قربانی کا حکم ہے، قال فی العالمگیریہ ولو کان له ضیعة تساوی ثلثة الاف ولا تخرج ما یکنفی له ولعیاله اختلفوا فیہ قال محمد بن مقاتل: یجوز له اخذ الزکوٰۃ ام (ص ۱۲۲ ج ۱) و فیہ ذکر البزدوی فی شرح الجامع الکبیر قال مشائخنا رحمہم اللہ فی رجل علیہ مہر مؤجل لامرأته وهو لا یرید اداءہ لایجعل نفاً من الزکوٰۃ لعدم المطالبة بہ عادة وانه حسن ایضاً ہذا فی جواهر لفتاویٰ ام (ص ۱۱۱ ج ۱) - ۲۵ شعبان ۱۳۲۲ھ -

سوال (۵) ایک شخص ہر چھ سو دس ہزار روپے سالانہ آمدنی تو جائز مال مخلوط باحرام پر وجوب زکوٰۃ کا حکم مثلاً زمین کے اناج وغیرہ سے اور پانچ ہزار سالانہ مشکوک ذرائع سے، مثلاً لاٹری و جوڈ گھوڑ دوڑ کے انعام و رشوت سے آتا ہے، تو کیا یہ شخص اگر اپنے نوکروں کو تنخواہ دے گا، تو ملازم لوگوں کی آمدنی جائز ہے یا کہ نہیں، اور زکوٰۃ اس کو دس ہزار روپے پر دینا چاہئے یا کہ پندرہ ہزار پر، جس میں کہ پانچ ہزار مشکوک رقم ہے؟

الجواب: گھوڑ دوڑ کے انعام میں جو رقم اس کو ملتی ہے اس کو تو مطلقاً حرام نہیں کہا جاسکتا، بلکہ اس کی بعض صورتیں حلال بھی ہیں، البتہ جو اور سود و رشوت سے جو رقم آتی ہے وہ حرام ہے، اور اس کو اگر جائز آمدنی سے مخلوط نہیں کرتا تو اس پر زکوٰۃ

نہیں بلکہ اصلی مالوں کو واپس کرنا لازم ہے، اور اگر حلال آمدنی سے اس کو مخلوط کر دیا ہے اور دونوں میں تمیز نہیں ہو سکتی تو زکوٰۃ مجموعہ پر فرض ہوگی، اور اصل مالوں کو مال کا واپس کرنا بھی لازم ہے، اور ملازموں کو اس حرام آمدنی سے عدم خلط کی حالت میں تو تنخواہ لینا جائز نہیں اور حلال آمدنی کے ساتھ خلط کی صورت میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔

قال فی البدو لو خلط السلطان المال المعصوم بماله ملكه فتجب فیہ الزکوٰۃ ویورث عنه لان الخلط استهلاك اذا لم یکن تمییزہ الخ قال الشامی قوله بماله متعلق بخلط واما لو خلطه بمعصوب اخر فلا زکوٰۃ فیہ كما یدکرہ فی قوله كما لو كان المال خبیثا ام (ص ۳۹ ج ۲) قلت ظهر بذلك انه لا یملك شیئاً بخلط مال القمار والربوا ما لم یخلط بماله و قال فی قاضی خان ان كان غالب مال المهدی من الحلال لا بأس بان یقبل المهدیة ویاكل مالہ یتبئن عنده انه حرام لان اموال الناس لا تخلو عن قلیل حرام فیعتبر الغالب كما مر فی ص ۱۲۸ من هذا الجزء والملقب بالقال المضبوط رتمة الكلام علی الجواب، فی حکم المال المخلوط، قال فی الدرر و جاز اخذ دین علی کافر من ثمن خمر لصحة بیعہ بخلاف دین علی المسلم لبطلانه الا اذا وكل ذمیاً ببیعہ فیجوز عنده خلافاً لهما و علی هذا الوما مسلم و یرک ثمن خمر باعہ مسلم لا یحل لورثته كما بسطہ الزلیعی و فی الاشباہ: الحرمة تنتقل مع العلم الا للوارث الا اذا علم رقبہ قلت و مر فی البیع الفاسد لکن فی المجتبى مات وکسبه حرام فال میراث حلال ثم رمز و قال لاناخذ بهذه الروایة ام قال الشامی تحت قوله كما بسطہ الزلیعی الخ حیث قال لانه كما لمغصوب و قال فی النہایة قال بعض مشائخنا کسب المغنیة كما لمغصوب لم یحل اخذہ و علی هذا قالوا الوما ت الرجل و کسبه من بیع الباذق او الظلم او اخذہ الرشوة یتورع الورثة ولا یأخذون منه شیئاً و هو اولی بهم و یردونها علی اربابہا ان عرفوهم والا تصدقوا بہا لان سبیل الکسب الخبیث التصدق اذا تعدر الرد علی صاحبه ام و حدة قوله فی الاشباہ الخ قال الشیخ عبد الوهاب الشعرا فی کتاب المنن

وما نقل عن بعض الحنفية من ان الحرام لا يتعدى الى ذمتين سالت عنه
 الشهاب بن الشيبان والحنفي فقال هو محمول على ما اذا لم يعلم بن لك اما
 من رأي المكاس يأخذ من احد شيئا من المكس ثم يعطيه اخر ثم يأخذ
 من ذلك الاخر فهو حرام اه وفي الذخيرة سئل ابو جعفر عن اكتسب ماله
 من امر السلطان والغرامات المحرمة وغير ذلك هل يحل لمن عرف ذلك
 ان يأكل من طعامه قال احب الى في دينه ان لا يأكل ويسعه حكما ان لم يكن
 غصبا ورشوة اه وفي الخانية امرأة زوجها في أرض الجور اذا اكلت من طعام
 ذلك ولم يكن عينه غصبا او اشترى طعاما او كسوة من مال اصله ليس بطيب
 فهي في سعة من ذلك والاشتم على الزوج اه حموي تحت قوله وهو حرام مطلقا
 على الورثة اله اي سواء علموا اربابه او لا فان علموا اربابه ردوه عليهم والاتصدقوا به كما قد مناه
 النفا عن الزليعي اقول ولا يشكل ذلك بما قد مناه النفا عن الذخيرة والخانية
 لان الطعام او الكسوة ليس عين المال الحرام فانه اذا اشترى به شيئا يحل
 اكله على تفصيل تقدم في كتاب الغصب بخلاف ما تركه ميراثا فانه عين
 المال الحرام وان ملكه بالقبض والخلط عند الامام فانه لا يحل له التصرف
 فيه قبل اداء ضمانه وكذا الوارثه في الديانة لا الحكم فلا يجوز لوصي لقائه
 التصديق به ويضمنه القاصر اذا بلغ تأمل اه رص ٣٨٠ ج ١٥ وفي الدرر
 في باب الغصب فان غصب وغيره المغصوب فزال اسمه واعظم منافعه
 اي اكثر مقاصده او اختلط المغصوب بملك الغاصب بحيث يمتنع
 امتيازته كاختلاط بيرة بيرة او يسكن بجر كبترة بشعبيرة ضمنه وملكه بلا
 انتفاع قبل اداء ضمانه اي رضا ما لكه باداء او ابراء او تضمين قاض و
 القياس حله وهو رواية فلو غصب طعاما فمضغه حتى صار مستهلكا
 يبتلعه حلالا في رواية وحراما على المعتد حسا المادة الفساد اه قال الشامي

قلت هذا مبني على قولها الاعلى قوله كما يظهر ١٢ عند قلت نعم يعني بالحرمية في حق الغاصب
 وهو كالتحريم مادة الفساد واما في حق غيره فالاقضاء بالحل ارفق لدفع الجرح كما سيأتي ١٢

تحت قوله وهو رواية الخ جعلها في الخلاصة وغيرها قول الامام والاستحسان
 قولها وفي النزازية وكان الامام نجم الدين النسفي يتكران يكون هذا قول
 الامام ويقول اجمع المحققون من اصحابنا انه لا يملكه الا باحدى الامور
 الثلاثة وقالوا جميعا القوي على قولهما اه قلت ما قاله المحققون مخالف
 لعامة المتون كما مر فتدبر ثم رأيت بعضهم نقل ان العلامة قاسم
 تعقبه اه (ص ١٨٤ ج ٥) قلت وقد ذكر الشامي قبل ذلك في رص ١٨٦ ج ٥
 وما افاده كلامه اي كلام المصنف من ان الملك في المغصوب ثابت قبل
 اداء الضمان وانما المتوقف على اداء الضمان الحل هو ما في عامة المتون اه
 ثم رد على صاحب النوازل في توقيفه الملك ايضا عليه وفي الدرر في باب
 البيع الفاسد الحرام ينتقل فلو دخل بامان واخذ مال حربي بلا رضاه و
 اخرجه اليه مملوكه وصم بيعه لكن لا يطيب له ولا المشتري منه بخلاف
 البيع الفاسد فانه لا يطيب له لفساد عقده ويطيب للمشتري منه لصحة
 عقده وفي حظر الاشباه الحرمه تتعدى مع العلم بها الا في حق الوارث
 وقيدة في الظهيرية بان لا يعلم ارباب الاموال وستحققه ثمة اه
 قال الشامي وفي منية المفتي مات رجل ويعلم وارثه ان اياه كان يكسب
 من حيث لا يحل ولكن لا يعلم الطالب بعينه ليرد عليه حل له الارث
 والافضل ان يتوزع ويتصدق بنية خصماء ابيه اه وكذا لا يحل اذا علم
 عين الغصب مثلا وان لم يعلم ما لكه لهما في النزازية اخذ مورثه
 رشوة او ظلمما ان علم ذلك بعينه لا يحل له اخذه والافله اخذه حكما
 اما في الديانة فيتصدق به بنية ارضاء الخصماء اه والحاصل انه
 ان علم ارباب الاموال وجب ردّه عليهم والافان علم عين الحرام
 لا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه وان كان مال مختلطا مجتمعا من
 الحرام ولا يعلم اربابه ولا شيئا منه بعينه حل له حكما والاحسن دينا

اه اي بالاداء او البراء او تضمين قاض قلت ومقتضاه ان لا يجب على الخاط
 الزكاة بعد لخلط وقد صرح اصحاب المتون بخلافه كما ذكرناه ١٢ منه

المتزعة عنه ۲۱ ص ۲۰۱ ج ۲) قلت ومفاده ان الحرمة انما تتعدى الى الغير اذا علم شيئاً بعينه حراماً وعلم ربه والا فيحل له اخذه والتورع المتزعة عنه وهذا هو الذي قلته في المختلط ويؤيده ما في قاضي خان: ان كان غالب مال المهدى حلالاً لا بأس بان يقبل الهدية ويأكل مال المريتين عنده انما حرام لان اموال الناس لا تخلو عن قليل حرام فيعتبر الغالب ام قيل ليس فيه تصريح بالخلط قلت قوله لان اموال الناس لا تخلو عن قليل حرام يشعر بالخلط والالقال لان احداً لا يخلو عن كسب حرام وايضاً فالحكم يدور مع العلة وهي في المسئلة المذكورة دفع الحرج ولا يخفى كثرة اختلاط اموال الناس بقليل حرام وفي الافتاء بحرمة اخذها حرج عظيم فيعتبر الغالب مطلقاً سواء كان قليل الحرام مخلوطاً او غير مخلوط وفي الدرر ولو خلط السلطان المال المعصوم بماله ملكه فتجب الزكوة فيه ويورث عنه لان الخلط استهلاك اذا لم يمكن تمييزه عند ابن حنيفة وقوله ارفق اذ قل ما يخلو مال عن غصب ۲۹ ج ۲ قلت وفي قوله دلالة على انقله الحرمة عن الاخذ اذا اخذ المال المختلط بالحرام بحيث لا يمكن تمييزه والا فلا رفق بالناس مع بقاء الحرمة وفي المهنديّة ولا يجوز قبول هدية امرء الجور لان الغالب في مالهم الحرمة الا اذا علم ان اكثر ماله حلال بان كان صاحب زرع او تجارة فلا بأس به لان اموال الناس لا تخلو عن قليل حرام فالمعتبر الغالب وكذا اكل طعامهم كذا في الاختيار (ص ۲۲۸ ج ۲) وحمل على غير المخلوط بعيد وكيف يقال ان مقتضاه ان اموال الناس الغير المخلوطة لا تخلو عن قليل حرام اي والمخلوطة تخلو عنه كلافان التفسير بهذا المعنى لا يقبله احد، وفيه ايضا قال الفقيه ابو الليث: اختلف الناس في اخذ الجائزة من السلطان قال بعضهم يجوز ما لم يعلم انه يعطيه من حرام قال محمد بن يوبه ناخذ ما لم يعرف شيئاً حراماً بعينه وهو قول ابى حنيفة واصحابه كذا في الظهيرية وفيه ايضا ولا ينبغي للناس ان يأكلوا من اطعمة الظلمة لتقبيح الامر عليهم وزجرهم عما يرتكبون وان كان يحل كذا في الغرائب ام وفيه ايضا لو ان فقيراً يأخذ جائزة السلطان

مع علم ان السلطان يأخذها غصباً ايحل له قال ان خلط ذلك بدرهما خردى فاقه لا بأس به وان دفع عين المغصوب من غير خلط لم يجز قال الفقيه و هذا الجواب خرج على قياس قول ابى حنيفة لان من اصله ان الدرهم المغصوبه من اناس متى خلط البعض بالبعض فقد ملكها الغاصب ووجب عليه مثل ما غصب وقال لا يملك تلك الدرهم وهي على ملك صاحبها فلا يحل له الاخذ كذا في الحاوي ام (ص ۲۲۸ ج ۲) -

وحاصل الكلام ان خلط دراهم الغير بماله بحيث لا يمكن التمييز بينهما سبب الملك عند الامام فيملك الغاصب ولا يحل له الانتفاع بهما قبل الضمان بالا مورالثلاثة في رواية ويحل قبله في رواية والمعتمد في حق الغاصب الافتاء بالرواية الاولى اى لا يجوز له الانتفاع بهما قبل الاداء ولما في حق الغير فينبغي الافتاء له بالحل والجواز في قبول الهدية واكل الطعام والبيع والشراء معه اذا كان غالب ماله حلالاً ولم يعرف شيئاً بعينه حراماً لان اموال الناس لا تخلو عن قليل حرام فالمعتبر الغالب وفي الافتاء بخلاف ذلك حرج عظيم على الامم والحرج مدفوع والمتورع ما جوره والله تعالى اعلم
حرره الاحقر ظفر احمد عفا عنه ۲ ج ۸ ۲ سنه ۳۵

احقر اشرف على جوان روايات کے مجموعے سمجھا ہی جس سے سب روایات عملاً جسوع ہو جاتی ہیں یہ ہے کہ حرام غیر مخلوط تو یقیناً حرام ہے، اور اس میں جہاں حل کا حکم کیا گیا ہے، مراد اس سے حرمت خاصہ کی نفی ہے، یعنی جو حرمت بلکہ غیر ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے، اور نفی خاص سے نفی عام لازم نہیں، اور مخلوط میں یہ تفصیل ہے کہ جہاں خلط یقینی نہ ہو، محض بناء بر عارۃ عامہ مظنون ہو وہاں غالب کا اعتبار ہے، اور جہاں خلط یقینی ہو وہاں خالط کے لئے تو مطلقاً حرام ہے، گو حرام قلیل ہو، اور غیر خالط کے لئے اگر وہ غیر مضطر ہے یعنی بیچ سکتا ہے بدون حرج، غلبہ حلال کے وقت قضاء حلال اور دیانہ حرام ہے، اور مضطر کے لئے جو بچنے سے حرج میں داخل ہو جائے غلبہ حلال کے وقت گنجائش ہو دیانہ بھی۔

حکم اداء زکوٰۃ بصورت سپردگی وکیل | سوال (۶) کیا زکوٰۃ دینے والا جب زکوٰۃ کار روپیہ کسی شخص کو تقسیم کرنے کے واسطے دیدے یا بذریعہ منی آرڈر وغیرہ کے بھیج دے، پھر بھی وہ اس بات کا ذمہ دار رہتا ہے کہ جس شخص کو روپیہ تقسیم کرنے کو دیا ہے وہ اس کو سخی لوگوں کو دے گا، اور جائز مصرف میں صرف کرے گا؟

الجواب: قاعدہ ہے کہ محض وکیل کو دیدینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، جب تک کہ وکیل اس کو مستحقین میں صرف نہ کر دے، پس اگر وکیل ثقہ، معتبر، دیندار ہے جس پر اطمینان ہے کہ وہ مستحقین ہی میں صرف کرے گا، غیر مستحقین کو نہ دے گا، اس وکیل کو رقم دیکر مؤکل اپنے کو فرض زکوٰۃ سے سبکدوش سمجھ سکتا ہے، ہاں اگر بعد میں تحقیق سے معلوم ہو کہ وکیل نے مستحقین کو نہیں دیا بلکہ غیر مستحقین کو دیا ہے، اور وکیل بھی دیتے وقت ان کو غیر مستحق جانتا تھا، تو اس صورت میں مؤکل کو زکوٰۃ دوبارہ دینا پڑے گی، لیکن جب وکیل معتبر و دیندار ثقہ ہے تو مؤکل کے ذمہ یہ تحقیق واجب نہیں، ہاں اگر بعد میں خود معلوم ہو جائے کہ وکیل نے بے موقع صرف کیا، تو اب آئندہ اس وکیل کو ثقہ نہ سمجھے اور گذشتہ زکوٰۃ جو اس نے بے موقع صرف کی ہے دوبارہ ادا کرے، واللہ اعلم۔ ۲ رجب ۱۳۵۴ھ

اداء زکوٰۃ بلفظ قرض اور اس میں | سوال (۷) زید نے عمرو سے کہا کہ میں دس روپے قرض رجوع کی ایک صورت کا حکم دو، ہم چند روز میں ادا کر دیں گے، عمرو نے خیال کیا بیچارہ

زید غریب ہی، اور مستحق زکوٰۃ ہے مگر غیرت مانع ہو رہی ہے، اس نے دس روپے زکوٰۃ کے دیدیئے، زکوٰۃ کی نیت سے اور بری الذمہ ہو گیا، مگر سوال یہ ہے کہ زید بعد میں اگر دس روپے لاکر عمرو کو دے کہ لو بہائی آپ کے دس روپے، تو عمرو کو لینے جائز ہیں، یا نہیں؟ (جبکہ یہ بھی خطرہ ہو کہ اگر نہ لوں گا تو زید بگڑے گا، اور کہو گا کہ کیا تم نے ہمیں ایسا گمان کیا تھا اور کوئی سبیل بھی زید کے سمجھانے کی نہ ہو، اور اگر جائز ہے تو پھر اس دس روپے کو اور کسی غریب مستحق زکوٰۃ کو دینے ضروری ہوں گے یا کہ عمرو کو اپنے کام میں لانے جائز ہیں؟

الجواب: اگر زید نے عمرو کو روپے دیتے ہوئے یہ کہہ دیا تھا کہ یہ روپیہ قرض مت سمجھنا، بلکہ تمہاری ملک میں تم کو ویسے ہی ہبتہ بلا قرض دیتا ہوں دگو یہ نہ کہا ہو کہ زکوٰۃ دیتا ہوں) تب تو زید پر سے زکوٰۃ ساقط ہو گئی، اور اس صورت میں عمرو اگر اس کو دس روپے دے گا تو یہ ہبتہ مستأنفہ ہوگا، اس کا لینا جائز ہے، مگر خلاف اولیٰ ہے،

اور لے لینے کے بعد صدقہ کرنا بہتر ہے احترازاً عن صورة العود فی الصدقة، اور اگر زید نے عمرو سے اس کے سوال قرض کے بعد یہ نہیں کہا کہ یہ روپیہ قرض نہیں بلکہ ہبتہ ہیں تو زکوٰۃ بوجہ نیت زکوٰۃ کے اس صورت میں بھی ادا ہو گئی، لیکن اس رقم کو عمرو سے واپس لینا جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں یہ بالکل عود فی الصدقہ ہے، عمرو اس رقم کو اپنے اوپر قرض سمجھ کر واپس کر رہا ہے، اور زید کی نیت قرض دینے کی نہ تھی، تو اب زید کو اس کی واپسی کا کچھ حق نہیں بخلاف صورت اولیٰ کے کہ وہاں عمرو کو بوقت عطا یہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ رقم قرض نہیں، پس صورت ثانیہ میں اگر زید نے اس رقم کو واپس لے لیا تو لازم ہے کہ اس کو کچھ کسی حیلہ سے عمرو ہی کو واپس کرے، ورنہ اداء زکوٰۃ میں شبہ رہے گا، قال فی الثامیۃ تحت قول الدر: و شرط صحتہ اداہا نیتہ مقارنتہ لہ ای للاداء ما نصہ اشار الی انہ لا اعتبار للتسمیۃ فلو ستماها ہبتہ او قرضاً تجزیہ علی الاصح ام (ص ۱۶، ۱۷)، قلت ای وراعی مع تسمیۃ قرضاً حقیقۃ معنی التصدق بالنیۃ ولم یرجع علی الفقیر اما لو رجع علیہ بما اذی ذل حکم عدم جواز الرجوع لاختہ ملک الغیر و شبہۃ عدم سقوط الزکوٰۃ عنہ لو رجع علی الفقیر، واللہ تعالیٰ اعلم۔

قال الشامی فی مسئلۃ تصادق الدائن والمديون علی ان لا دین علیہ یستردہ الدافع ولیس للمديون ان یأخذہ زلیعی ام ثم قال ناقلًا عن الذہبی: ان اطلاق مسئلۃ التصادق محمول علی ما اذا کان الوفاء بغیر امر المديون اما لو کان بامرہ فینبغی ان یرجع علی المديون الخ قال وهو ملخص من کلام الفتح لکن قول فینبغی ان یرجع علی المديون لیس فی عبارة الفتح وهو سبق قلنا لان هذا اذا لم ینوب الدفع الزکوٰۃ كما قد مناه و الکلام الآن فیما اذا نواھا و حینئذ لا رجوع لہ ای للدافع علی احد لو وقعہ زکوٰۃ ام (ص ۱۰۰، ۱۰۱)۔

سوال (۸) زکوٰۃ جس مال کی دیدی گئی ہے اور اس مال سے کوئی تجارت وغیرہ نہیں کی وہ بدستور موجود ہے تو دوسرے سال اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

دی جاوے گی یا نہیں؟

الجواب: جب تک یہ رقم مقدار نصاب یا اس سے زائد رہے گی اس وقت تک

ہر سال اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، ہاں جب زکوٰۃ ادا کرتے کرتے مقدار نصاب سے کم رہ جائے پھر سال پورا ہونے سے زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، مگر یہ کہ سال پورا ہونے سے پہلے کچھ اور رقم اس میں مل کر نصاب کامل ہو جائے، تو پھر زکوٰۃ واجب ہوگی، دعویٰ بنا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۵، زری الحجہ ۲۲ھ

بذریعہ نوٹ زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم | سوال (۹) بدون سیم و خالص کے نوٹ اور گھٹ کی اکتی دونی چوٹی اور تانبہ کے پیسے سے زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب؛ چونکہ نوٹ مال نہیں ہے بلکہ سند ہر مال کی اور محض حوالہ ہے، یعنی سرکار کے جو ذمہ جو قرضہ ہے اس کے وصول کرنیکا، اور زکوٰۃ مال کی تملیک سے ادا ہوتی ہے، بدون تملیک مال ادا نہیں ہوتی، اور فقط وصول قرض کا وکیل بنانے سے وکیل مالک نہیں ہو جاتا، بلکہ جب وصول کر لے اور قبضہ کر لے اس وقت مالک ہوتا ہے، اس لئے نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، لیکن جسکو زکوٰۃ میں نوٹ دیئے گئے ہیں اگر وہ ان کے بدلے میں کسی سے روپیہ وغیرہ لے لے تو ادا ہو جائے گی، اور اگر اس نے یعنی جس کو زکوٰۃ میں نوٹ دیئے گئے تھے کسی کو قرض یا ادائیگی قرض میں نوٹ ہی دیدیئے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی،

فی تنویر الابصار متن الدر المختار ہی تملیک جو عمال عینہ الشارح الخ اور بعد توکیل بالقبض قبضہ دین سے ادا زکوٰۃ کی روایت صحیحہ آئندہ میں درج ہے، باقی اکتی دونی وغیرہ سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، کیونکہ زکوٰۃ خلاف جنس سے ادا کرنا جائز ہے جس چیز پر زکوٰۃ واجب ہے اس کی قیمت کا چالیسواں حصہ ان سکوں سے دیدیا جاوے، کما فی الشامی ص ۳۳، قحت قول الدر والمعتبر و ذمہما اداء و وجوباً، واجمعوا علی انہ لو اذی من خلاف جنسہ اعتبرت القيمة، واللہ اعلم، احقر عبدالکریم عفی عنہ ۱۶ شوال ۲۲ھ

الجواب صحیح، - نظر احمد عفا عنہ ۱۶ شوال ۲۲ھ

سیامنی آرڈر کے ذریعہ | سوال (۱۰) ڈاکخانہ کے ذریعہ زکوٰۃ کار روپیہ کسی مستحق کے پاس زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے؟ بھینچنے کی صورت میں جو روپیہ ڈاک خانہ میں داخل کیا جاتا ہے، وہ روپیہ مستحق کو نہیں ملتا بلکہ اس کے عوض میں دوسرا روپیہ ملتا ہے تو اس طرح پر زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب؛ فی الدر المختار (تملیک الدین ممن لیس علیہ الدین

باملل الآ فی ثلاث حوالۃ و وصیتہ و إذا سلطہ ای سلط المملک غیر المملک (علی قبضہ) ای الدین (فیصح حیثین ومنہ ما لو و هبت من ابنہا ما علی ابیہ فالمتعین الصتحة للتسلیط وقال الشامی تحت (قوله علی قبضہ) و حیثین یصیر وکیلاً فی القبض عن الامر ضم اصیلاً فی القبض لنفسہ و مقتضاً صحۃ عزله عن التسلیط قبل القبض و اذا قبض بدل الدرہم و تا نیو صحہ لاته صار الحق للمرہوب له فمملک للاستبدال و اذا ذوی فی ذلك التصدیق بالزکوٰۃ اجزاء کما فی الاشباہ (شامی ص ۳۳ ص ۹۵)۔

اس میں تصریح ہے کہ اگر کسی شخص کو اپنا قرض وصول کرنے کے لئے کہہ دیا جاوے تو وہ شخص وکیل بالقبض ہو جاتا ہے، اور جب وہ وصول کرے گا تو مؤکل کی طرف وکیل اور اپنی طرف سے اصیل ہو کر وصول کرے گا، اور اگر وہ درہم کی جگہ دینار وصول کرے تب بھی صحیح ہے، پس جب ڈاک خانہ داخل شدہ روپے کو بعینہ نہیں پہنچاتا تو وہ اس کے ذمہ قرض ہو جاتا ہے، اور مرسل الیہ وکیل عن الامر اور اصیل عن نفسه ہونیکا حیثیت سے اس کو وصول کرتا ہے، تو وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے اور زکوٰۃ کی نیت روانگی منی آرڈر کے وقت کر چکا تھا، اس لئے زکوٰۃ ادا ہوگی، دوبارہ یعنی وقت قبض نیت ادا ایگی زکوٰۃ کی ضرورت نہیں ہے، کما ہو مفرح فی قولہ و اذا ذوی من ذلك التصدیق بالزکوٰۃ اجزاء

واللہ اعلم، البتہ اگر ڈاک خانہ سے مرسل الیہ کو نوٹ وصول ہوئے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، بلکہ ان کے بدلے میں روپیہ وغیرہ جب کسی سے لے گا تب ادا ہوگی، کما فی الجواب عن السؤال الاول، احقر عبدالکریم عفی عنہ ۱۶ شوال ۲۲ھ، الجواب صحیح، نظر احمد عفا عنہ ۱۶ شوال ۲۲ھ

سوال (۱۱) ایک شخص کے ذمہ پر کسی سال کی ایک شخص پر کسی سالوں کی زکوٰۃ واجب تھی بعد میں مال ضائع ہو کر وہ مقروض ہو گیا، زکوٰۃ ادا کرنی واجب تھی، اس شخص نے اپنے مال کو جس کی زکوٰۃ واجب تھی تجارت میں لگایا، تجارت تو سنین گذشتہ کی زکوٰۃ اس پر واجب ایگی نہیں۔

میں نقصان ہوا یعنی خسارہ آیا، اور تجارت کے باعث وہ مقروض ہو گیا، تو اس صورت میں اس شخص کے ذمہ سے زکوٰۃ معاف ہوگی یا واجب رہی؟ بہشتی زیور کے تیسرے حصہ میں زکوٰۃ کے بیان میں اس طرح لکھا ہے، کسی کے مال پر پورا سال گذر گیا، لیکن ابھی زکوٰۃ نہیں نکالی تھی کہ سارا مال چوری ہو گیا، یا اور کسی طرح جاتا رہا، تو زکوٰۃ بھی معاف ہوگی

زکوٰۃ کے بیان کے ختم کے دستلوں سے پیشتر یہ مسئلہ ہے۔

الجواب: فی الدر المنثور والتوسی بعد القرض والاعارة واستبدال مال التجارة بمان التجارة هلاك ويعتبر مال التجارة والتاشمة بالتاشمة استهلاك وفي الشامی تحت قوله: ويعتبر مال التجارة الخ، تمه وحكم النفود مثل مال التجارة ففي الفتح رجل له الف حال حولها فاشترى بها عبدا للتجارة فمات او عروضا للتجارة فهلك بطلت عنه زکوٰۃ الالف ولو كان العبد للخدمه لم تسقط بموته وتمامه فيه (ص ۲۳۳ ج ۲)۔

اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ میں (یعنی جبکہ ایسے مال کو تجارت میں لگایا جس میں زکوٰۃ واجب تھی اور اس تجارت میں خسارہ ہوا تو) زکوٰۃ ساقط ہوگئی، البتہ اگر تجارت میں بیع و شرا، غبن فاحش کے ساتھ کی ہو تو غبن کی مقدار ساقط نہ ہوگی، کما فی الشامی (صفحہ مذکورہ) عن البدائع وان حابی بمال يتغابن فيه ضمن قدر زکوٰۃ المحاباة الخ کتبہ الاحقر عبد الکریم عنی عنہ ۲۶ رجب ۱۲۷۲ھ، الجواب صحیح نظر احمد عفا عنہ ۲۹ رجب ۱۲۷۲ھ ایک شخص اللہ واسطے محتاج کو ماہانہ رقم دیتا ہے، سوال (۱۲) ایک محتاج شخص کو عمر پانچ روپیہ شعبان اور رمضان کے مہینہ میں، اگر زکوٰۃ کی نیت کے رقم دیدے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ ماہوار بلا کسی محنت و احسان کے لے کر دیا کرتا ہے، عمر پندرہ روپیہ زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، ماہ شعبان و رمضان شریف میں پانچ روپے دیتے وقت ادا کی زکوٰۃ کی نیت کر لیتا ہے، کیا اس صورت سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

الجواب: ہاں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، زکوٰۃ دینے کے لئے یہ بیان سے کہنا ضروری نہیں، کہ یہ رقم زکوٰۃ کی ہے، واللہ اعلم، ۱۱ شعبان ۱۲۷۲ھ۔

نوٹ سے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم | سوال (۱۳) ما زکوٰۃ یا عتسرا ادا کرنے کے لئے نوٹ اگر فقیر کو دیا جائے تو زکوٰۃ یا عتسرا ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

۱۔ اگر نوٹ زکوٰۃ میں دینا جائز نہیں تو جو لاطعی کی وجہ سے زکوٰۃ میں نوٹ دینا چاہئے ہیں جن کی تعداد بھی معلوم اور یاد نہیں اس کا کیا حکم ہے؟ وہ زکوٰۃ یا عتسرا ادا ہوا یا نہیں؟ الجواب: اصل یہ ہے کہ نوٹ خورد مال نہیں ہے، بلکہ سند مال ہے، اس لئے اس کے دینے سے زکوٰۃ اس وقت تک ادا نہ ہوگی جب تک فقیر اس کو بھنا کر اس کی رستم پر

قبضہ نہ کرے یا اس سے کوئی شے خرید کر اس شے پر قبضہ نہ کرے، اگر اس نوٹ کو بھنا کر روپیہ پر قبضہ نہ کیا اور نہ اس سے کوئی شے خرید کر قبضہ میں کی بلکہ بعینہ وہی نوٹ کسی کو اپنے قرضہ میں دیدیا یا نوٹ اس کے پاس سے گم ہو گیا، یا وہ اس نے کسی کو ہبہ کر دیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، کیونکہ فقیر کے قبضہ میں مال نہیں پہنچا۔

۲۔ گذشتہ کے متعلق دو صورتیں ہیں، ایک تو تحقیق: کہ جو قدر بدون تعب شدید کے تحقیق ہو سکے، دریافت کر کے معلوم کیا جائے کہ جن لوگوں کو زکوٰۃ میں نوٹ دیا گیا تھا انہوں نے اس کو کس طرح صرف کیا، دو سکر تحریری ہے جس مقدار کے متعلق تحقیق دشوار ہو اس کے متعلق یہ سوچا جائے کہ عادتاً اتنے آدمیوں میں جن کو ہم نے نوٹ دیے ہیں ایسے آدمی کتنے ہوں گے جنہوں نے نوٹ کو ہم سے لیتے ہی اپنے قرضہ میں دیدیا ہوگا، یا نقد کر دیا ہوگا، یا کسی کو ہبہ کر دیا ہوگا، اس کو سوچا جائے، اندازہ سے اگر کوئی مقدار ذہن میں آئے تو جو مقدار راجح اور غالب ہو اس کے موافق زکوٰۃ کا اعادہ کر دیا جائے، اور اس انداز میں بڑے دو چار احباب سے امداد لینے کا مضائقہ نہیں، واللہ اعلم، ۱۲ رمضان شریف ۱۲۷۲ھ۔

حکم زکوٰۃ بر منافع کارخانہ | سوال (۱۴) میرے یہاں جو کارخانہ ہے اس میں ہڈی کی پسیا ہوتی ہے، اور چکنی سے آٹا پسیا جاتا ہے، ہڈی کی فروختگی پر اور چکنی کی پسیا پر زکوٰۃ پوری قیمت ہڈی اور پوری قیمت چکنی کی پسیا پر ہوگی یا قیمت خرید ہڈی اور خرچہ تیل اور تنخواہ ملازماں وغیرہ کل اخراجات مجری ہو کر منافع پر ہوگی؟ جواب: مطلع فرمایا جائے گا، حسن علی

الجواب: ہڈی کی فروختگی پر زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ زکوٰۃ ختم سال سے پہلے واجب نہیں ہوتی، حولانِ حول (سال تمام) ہونے پر واجب ہوتی ہے، پس سال تمام ہونے کے بعد دیکھا جائے کہ اس وقت کتنا مال جو ہے، اور کتنی رقم موجود اور کتنے لوگوں کے ذمہ چڑھی ہوتی ہے، پس ختم سال پر چکنی ہڈی موجود ہو اور چکنی رقم باقی ہو اس پر زکوٰۃ واجب ہے، اور اس کا چالیسواں حصہ نکال دیا جائے، اور درمیان سال میں چکنی رقم تنخواہ ملازماں اور صرفہ تیل وغیرہ میں خرچ ہو چکی یا جو اپنی ذاتی ضرورت میں صرف ہوئی یا قرضہ میں دی گئی اُس پر زکوٰۃ نہیں، زکوٰۃ صرف اُس سرمایہ پر ہے جو اُس دن موجود ہو جس دن سال ختم ہوا، اور اس کے ساتھ وہ رقم بھی ملائی جائے گی جو کارخانہ کے منافع سے جمع ہو یا خریداروں کے ذمہ قرض ہو، اور پسیا آٹا میں جو کہ آماج و غلہ

دوسروں کا ہوتا ہے، اپنا سرمایہ نہیں ہوتا، اس میں زکوٰۃ کی صورت یہ ہے کہ ختم سال پر پسانی آٹا کی جو رقم موجود ہو یا پسوانے والوں کے ذمہ ہو اس کا چالیسواں حصہ نکال دیا جاوے اور جو رقم خرچ ہو گئی اس پر زکوٰۃ نہیں۔

یہ جواب حضرت مولانا کا فرمودہ ہے، والسلام۔ ۷ ارجب ۱۳۲۴ھ

امانت زکوٰۃ بطور قرض لینے کا حکم | سوال (۱۵) زید کے پاس بکر کے زکوٰۃ کے روپے ہیں، اور اس کو زکوٰۃ کی ادائیگی کا وکیل بنایا ہے، چنانچہ حسب موقع و محل اس زکوٰۃ کی امانت کو فقراء و مساکین پر تقسیم کرتا ہے، اور کبھی کوئی حاجت مند اگر قرض مانگتا ہے تو قرض کی نیت سے اس کو دیتا ہے، اور واپسی پر پھر اس روپیہ کو زکوٰۃ کے بند میں رکھ دیتا ہے، اور اس قرض کے ثواب کو بھی بکر کو بخش دیتا ہے، چونکہ زید کو معلوم ہے کہ بکر میرے اس تصرف کو بخوشی اجازت دیدے گا، اس لئے ایسا کرتا ہے، تو ایسی صورت میں یہ تصرف اقرض زکوٰۃ کے روپے میں جائز ہے یا نہیں، یا صریحی اجازت کی ضرورت ہوگی؟ ایسے تصرف کے بعد تدارک کی کیا صورت ہوگی، آیا بکر کو اطلاع دینا کافی ہوگا؟

الجواب؛ زکوٰۃ کی رقم بھرتہ قرض استعمال کرنا چونکہ غرض معطلی کے خلاف ہے اس لئے اس کا ایک ٹمہ تو یہ ہوگا کہ در صورت ضیاع رقم کے وکیل قرض دینے کی صورت میں اس رقم کا ضامن ہوگا، اور اگر وہ قرض نہ دیتا بلکہ اس رقم کو بجنسہ محفوظ رکھتا تھا ضامن نہ ہوتا، دوسرے اس میں احتیاط کے بھی خلاف ہے، کہ بدون صریح اجازت مؤکل کے اس کے خلاف تصرف کیا جائے، پس لازم ہے کہ وکیل ماضی و مستقبل دونوں کے متعلق مؤکل کو اطلاع کرے، اور اجازت حاصل کرے، اور جب بکر کو معلوم ہے کہ زید اس کے اس تصرف کو بخوشی قبول کرے گا تو اطلاع کرنے میں کیا حرج ہے، واللہ اعلم، ۲۸ شعبان ۱۳۲۴ھ

ختم سال پر چینی رقم ہوا | سوال (۱۶) بندہ صاحب نصاب تمام سال رہا، اور بندہ زکوٰۃ کا سبب زکوٰۃ واجب ہوگی | حساب ہر سال ۲۸ شعبان کو کرتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ بندہ نے اپنی زمین اجارہ پر ۸ ذیقعدہ میں بعوض مبلغ ۵۰۰ پانچ سو روپے دی اور یہ وعدہ جانبین سے ہوا کہ فصل کٹنے کے بعد یعنی آئندہ ذیقعدہ میں مبلغ ۵۰۰ روپے دوں گا، کیونکہ ہمارے یہاں اسی طرح اجارہ پر دیتے ہیں، اس مدت سے قبل نہ میں مانگ سکتا ہوں نہ وہ دیتا ہے اب جبکہ بندہ ۲۸ شعبان کو زکوٰۃ کا حساب کرے گا، تو جس قدر روپیہ زیور ہوئے اس کے

ساتھ اجارہ کی اجرت کے روپے پانچ سو کی بھی زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب؛ ختم سال پر زکوٰۃ اسی رقم کی واجب ہوتی ہے جو ختم سال پر اس شخص کے پاس ہو، اور دین قوی پر زکوٰۃ واجب ہے، مگر بعد وصول کم از کم چالیس درہم کے ادا واجب ہوتی ہے، اور دین مؤجل جس کی اجل ختم سال سے متجاوز ہی اس کے مطالبہ کا قبل از اجل حق نہیں، نہ اس پر قبضہ ہے، اس لئے وہ اس رقم کے ساتھ شمار کرنا واجب نہیں، جس کی زکوٰۃ ختم سال پر واجب الادا ہے، لیکن اس رقم کی زکوٰۃ بھی قبل وصول دیدی جاوے تو ادا ہو جائے گی، اور اسی میں سہولت ہے، ورنہ بعد وصول کے ادا کرنا واجب ہے۔

۲۰ رمضان المبارک ۱۳۲۴ھ

دین محیط مانع وجوب زکوٰۃ ہے | سوال (۱۷) میری جائداد تقریباً ڈیڑھ ہزار کی ہے، اس پر بارہ سو روپے قرضہ ہے، اور جائداد میں اپنی دخلی رہن کر چکا ہوں، اس کا منافع مجھے کچھ نہیں ملتا، اور سود بھی دینا نہیں پڑتا، میرے پاس تقریباً چار سو ساڑھے چار سو روپیہ کا زیور طلائی و نقرئی ہے، ایسی صورت میں مجھ پر زکوٰۃ واجب ہو یا نہیں؟

الجواب؛ صورت مستولہ میں قرض کی وجہ سے زیور پر زکوٰۃ واجب نہیں، قال فی المدبر مع الشامیۃ یصرف الدین اولاً الی مال الزکوٰۃ لا الی غیرہ ولو من جنس الدین خلافاً لفرقہ ۱۵ واللہ اعلم، ۲۵ شوال ۱۳۲۴ھ

پرائیونٹ فنڈ پر زکوٰۃ کا مسئلہ | سوال (۱۸) زید عھکۃ تعلیم میں ملازم ہے، اس کے ایک نابالغ لڑکی ہے، جس کی ماں مر چکی ہے، زید نے مرتے وقت لڑکی کی ماں سے ہر معاف نہ کرایا تھا، بعد میں حساب کر کے جملہ حقداروں کو مہر دیا گیا، چونکہ لڑکی کے حصہ کا مہر زیادہ تھا اور زید کی طاقت سے باہر تھا، کہ ایک دم سے ادا کر سکے، لہذا اس نے ایک ماہوار رقم کے ذریعہ سے ادا کرنے کا ارادہ کیا، پھر یہ خیال کر کے کہ روپے کی کافی حفاظت نہ ہو سکے گی اس نے اپنی تنخواہ سے پرائیونٹ فنڈ کھولنا شروع کر دیا، یعنی وہ ماہوار رقم جو سرکار ہر ماہ میں تنخواہ سے کاٹ لیتی ہے، اور اس پر سود دیتی ہے، اور سرکار میں لکھ دیا کہ اگر زید کی موت واقع ہو جائے تو یہ رقم جو جمع ہو زید کی لڑکی کو دی جائے، اور اگر لڑکی اس وقت بھی نابالغ ہو تو ولی کے ذریعہ سے دی جاوے، چنانچہ اب وہ رقم ماہ بہ ماہ جمع ہوتے ہوتے ایک خاصی تعداد میں ہو چکی ہے، مگر ابھی بہت دنوں تک اسی طرح

جمع ہونا چاہئے، تین سال سے یہ رقم جمع ہو رہی ہے، اور سود اور اصل دونوں مل کر اس میں ماہ ہماہ اضافہ ہو رہا ہے، اب تک کچھ خیال نہ کیا گیا، مگر اب یکایک خیال آیا کہ زکوٰۃ نہیں دی گئی، لہذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ زکوٰۃ اس مال پر واجب ہے یا نہیں، اور یہ کہ اصل ہی پر زکوٰۃ ہوگی یا سود اور اصل دونوں پر، اگر زکوٰۃ واجب ہو تو اس کا طریقہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ آئندہ جو رقم ماہوار جمع ہوئی ہے اس میں سے زکوٰۃ بہرے کا رزق نکال کر زکوٰۃ ادا کر دی جائے اور بقیہ جمع کر دیا جائے، کیونکہ جو رد پیہ جمع ہو چکا ہے اس میں سے واپس ملنا فی الحال بہت مشکل ہے، یا اگر کوئی اور طریقہ ادائیگی کا ہو تو اس سے مطلع کیا جائے، زید یہ بھی سمجھتا ہے کہ جو کچھ اصل رو پیہ جمع ہو رہا ہے اتنا ہی ہر کے قرضہ سے وضع ہو رہا ہے، باقی جو سود ملتا ہے وہ نابالغ کے مال پر ہے، اور ہر کے قرضہ میں وضع نہیں ہو سکتا، کیا زید کا یہ خیال صحیح ہے، جواب با صواب سے مطلع فرمایا جاوے؟

الجواب: صورت مسئلہ میں یہ رقم ابھی زید کی ملک میں نہیں آئی، اس لئے بھی ادارہ زکوٰۃ واجب نہیں، ہاں یہ رقم چونکہ گورنمنٹ کے ذمہ دین ہے، اور یہ دین ضعیف ہے اس لئے ادارہ زکوٰۃ بعد قبض مال و تحویل آن حوالہ کے واجب ہوگا، ہاں اگر مال پر زید نے اپنی زندگی ہی میں قبضہ کر لیا اور وقت قبضہ کے اس کے پاس پہلے سے نصاب موجود ہو تو اس کے ساتھ ملا کر سب کی زکوٰۃ دیدے، یعنی جس وقت نصاب سابق کا سال پورا ہو اسی وقت اس رقم کی بھی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، اور اگر زندگی میں قبضہ نہ ہوا تو زید کے ذمہ اس کے متعلق وصیت کرنا لازم نہیں اور نہ وارث کے ذمہ گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ہے،

قال الشامی مقتضى ما مر من ان الدين القوي والمتوسط لا يجب اداء زكوته الا بعد القبض ان المورث لومات بعد سنين قبل قبضه لا يلزمه الا يصاب باخراج الزكوة عند قبضه لانه لم يجب عليه الاداء في حياته راي فكان كما اذ مات قبل الحول (۱۲) ولا على المورث ايضا لانه لا يملكه الا بعد موت مورثه فابتداء حوله من وقت الموت وفيه ايضا عن المحيط ان اجرة دار التجارة بعد التجارة الرواية الاولى من الدين الضعيف لان المنفعة ليست بمال حقيقة فصارت كما هو، وعلى ظاهر الرواية من المتوسط لان المنافع مال حقيقة لكنها ليست بمحل لوجوب الزكوة لانها لا تصلح

نصاباً ادلا تبقی سنہ، ووقع فی البحر عن الفتح انه كالقوی فی صحیح الروایة ثم رأیت فی الوالوالجیة التصحیح فیہ ثلاث دایات اھ رص، ۵۰۰، ۵۰۰، ۲۲۳۔

قلت: وهذا المشهور في اجرة دار التجارة وعبد التجارة واما اجرة الحر فينبغي ان تكون كالمهر بلا خلاف لان منافع الحر ليست بمال حقيقة وعلى هذا فهي من الضعيف لا تجب فيه الاداء الا بعد القبض وحولان الحول...

والله اعلم۔

تمت: اور اس رقم میں جو بطور فنڈ کے وضع کرانی گئی ہے بعد وصول کے صرف اصل تنخواہ پر زکوٰۃ واجب ہے، اور سود کی رقم کو تمامہ صدقہ کر دیا جاوے، اور یہ تصدق زید پر واجب ہے، لڑکی پر واجب نہیں، جبکہ اس کے قرض میں اصل اور سود کو ملا کر دیا جائے، فقط۔ ۴، ذیقعدہ سنہ ۱۳۸۵ھ

سوال (۱۹) زید نابالغ کا نکاح ہوا، اس کے والدین نے بیوی کو زیور چڑھایا، بعد کہ زید نابالغ ہوا اور بلوغت سے دس بارہ سال کے بعد والدین نے کہا کہ زیور ہم تمہیں ہبہ کر چکے ہیں تو اس پر زکوٰۃ کب سے واجب ہوگی، زمانہ بلوغ سے یا علم ہابہ سے

یہ زیور تو ہم تمہیں ہبہ کر چکے ہیں، چڑھانے کے ہی وقت سے، مگر زید کو اس ہبہ کا علم نہ تھا، صورت ہذا میں زید پر زکوٰۃ اس وقت سے ہے کہ جب سے اسے ہبہ کا علم ہوا ہے، یا اس وقت سے جبکہ والدین نے زیور چڑھایا ہے، اور بے علمی کے زمانے کی قربانی کی قضا کر یا نہیں، زید کے والدین اپنے مال سے کبھی کبھی زید کی طرف سے قربانی کرتے تھے، اگر زید پر قربانی واجب ہوئی ہو تو یہ قربانی جو والدین زید کی طرف سے کرتے تھے زید کی قضا، قربانی میں مجری ہو سکتی ہے یا نہیں، اگر قربانی واجب ہوئی تو ہر سال کتنے دام نکلنے چاہئیں؟

الجواب: زید پر اس زیور کی زکوٰۃ وقت بلوغ سے ہے، زمانہ قبل بلوغ کی زکوٰۃ واجب نہیں، اور وہ بھی اس شرط پر واجب ہے کہ زید والدین کے قول کو سچا سمجھتا ہو اور اگر گمان غالب یہ ہو کہ اس وقت انھوں نے مجھے شرا کر یا اور کسی وجہ سے یہ بات کہہ دی ہے تو زید پر اس زیور کی زکوٰۃ اس وقت سے واجب ہے جس وقت سے اس کو ہبہ کا علم ہوا،

خدا سے معاملہ ہے، اس لئے زید بلا وجہ والدین پر بدگمانی نہ کرے، ہاں اگر واقعی کسی وجہ سے گمان غالب ان کے قول کے خلاف ہو جاوے تو گمان غالب پر عمل کرنا جائز ہے، اور یہی حکم تفصیل کے ساتھ قربانی کا ہے، اور قربانی کی قضا متوسط بکری کی قیمت صدقہ کرنے سے ہوتی ہے، ہمارے یہاں تو پانچ چھ روپے متوسط بکری کی قیمت ہے، زید اپنے یہاں کانزخ بھی دیکھ لے، اگر اس کے یہاں اس سے کم یا زائد ہو تو اسی جگہ کانزخ معتبر ہے، پس ہر سال کی طرف سے ایک متوسط بکری کی قیمت مساکن و غرباء کو صدقہ کر دی جائے، اور صدقہ میں اپنے خاندان کے غرباء کو مقدم کرنا چاہئے، نانا، نانی، دادا دادی، باپ، ماں، اولاد، میاں بیوی کے سوا اور سب قرابت داروں کو زکوٰۃ وغیرہ دینا جائز ہے، واللہ اعلم، ۶ رمضان ۱۳۸۴ھ

موٹر اگر تجارت کے لئے نہ ہو اس پر زکوٰۃ نہیں | سوال (۲۰) زید کے پاس تعدادی چار ہزار روپے اب اس سے حاصل شدہ کرایہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی نقد ہے، جس میں اس نے دو ہزار روپے کر مبلغ

چار ہزار روپے کا موٹر کرایہ پر چلانے کے واسطے خریدا، اور کمپنی کا دو ہزار روپے اس پر قرض رہا، خریدنے کے بعد پانچ مہینہ موٹر چلا اور بذریعہ کرایہ مبلغ پانچ سو روپے وصول ہوا، اب زید کا زکوٰۃ نکلنے کا سال پورا ہو گیا، اور حال یہ ہے کہ زید دو ہزار روپے موٹر کی قیمت میں بے چکا ہے اور دو ہزار نقد پاس موجود ہیں، مگر وہی ہزار کمپنی کا قرض دار ہے اور مبلغ پانچ سو روپے منافع موٹر کا موجود ہے، تو اب کمپنی کے قرض کو جدا کر کے صرف پانچ سو روپے جو منافع موٹر کے ہیں ان کی زکوٰۃ ادا کرے، یا دو ہزار جو گھر میں ہیں ان کو بھی ملا کر زکوٰۃ لے، یا اس منافع اور ان دو ہزار کو جو گھر میں ہیں اور ان دو ہزار کو جو قیمت موٹر میں ہے چکا نکل ساڑھے چار ہزار کی زکوٰۃ نکالے، ہر صورت میں کون صورت اختیار کرے، اور یہ موٹر مال تجارت مانا جائے گا یا آلہ تجارت؟ بتیو اور جواب فقط

الجواب؛ زید کے ذمہ صرف پانچ سو روپے کی زکوٰۃ واجب ہے، جو منافع میں وصول ہوئے، موٹر پر، اور دو ہزار جمع پر زکوٰۃ واجب نہیں، یہ موٹر مال تجارت نہیں بلکہ مثل مکان کرایہ کے ہے، ولا زکوٰۃ فیہ الا فی المنافع، اور دو ہزار جمع فاضل عن الدین نہیں، فلا زکوٰۃ فیہ ایضاً، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۳ رمضان ۱۳۸۴ھ

بیوی صاحب نصاب ہو تو زکوٰۃ و قربانی اسی پر واجب ہوگی، شوہر پر | سوال (۲۱) کسی عورت واجب نہیں اور یہ کہ بیوی کو شوہر کی خدمت کا معاوضہ لینا جائز نہیں کوہر کے عوض سو تولے

چاندی یا سونے کے زیورات ملے، اس کے سوا اور کچھ مال اس کے پاس نہیں، اب اس پر زکوٰۃ و قربانی واجب ہے تو کیونکر ادا کرے، کیا زیورات بیچ کر دے گی یا اس کے شوہر کو اپنی بیوی کی طرف سے ادا کرنا لازم ہوگا، کیونکہ عورت مرد کے لئے ایک نوکری کا کام بھی انجام دیتی ہے، لیکن اجرت کے لئے کوئی عقد نہیں، یوں ہی شوہر کی رضا جوئی کے لئے اپنی غیر متعلق کام تک کو بھی انجام دیتی ہے، اس صورت میں اگر شوہر اپنی بیوی کی طرف سے زکوٰۃ یا قربانی نہ دے تو مواخذہ عورت پر ہوگا یا مرد پر؟

الجواب؛ زکوٰۃ و قربانی عورت پر واجب ہے، اس کی طرف سے مرد پر ادا کرنا واجب نہیں، اور عورت کو شوہر سے اپنی خدمت کا معاوضہ لینا بھی جائز نہیں، کیوں کہ خدمت زوج طاعت ہے اور طاعت کی اجرت لینا حرام ہے، الا ما استثناه الفقہاء، للفقہ ورة البتہ عورت اپنے مہر کا زوج سے مطالبہ کر سکتی ہے، اگر مرد مہر بھی نہ دے تو عورت زیور جیپکر زکوٰۃ و قربانی ادا کرے، فقط۔ ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۸۴ھ

زکوٰۃ یکمشت کے بجائے سال بھر | سوال (۲۲) زید صاحب نصاب ہے اور بجائے سال تمام پر میں تھوڑی تھوڑی ادا کرنا حساب کر کے کل رقم زکوٰۃ یکمشت ادا کرنے کے دوران سال میں اپنی سہولت کے لئے وقتاً فوقتاً تھوڑی تھوڑی رقم علی الحساب شروع سال سے ادا کرتا رہتا ہے، ختم سال پر حساب سے اگر کمی رہتی ہے تو اس کو پورا کر دیتا ہے، اور اگر زیادتی ہو جاتی ہے تو اس کو آئندہ سال کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں درج کر لیتا ہے، اور ختم سال پر حساب کے وقت اس پچھلی زیادتی کو اس سال کی ادائیگی میں شمار کر لیتا ہے، اسی طرح آئندہ بھی دریافت طلب یہ ہے کہ یہ عمل شرعاً جائز ہے یا نہیں اور زکوٰۃ ادا ہوتی یا نہیں؟

الجواب؛ یہ صورت بھی جائز ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ سال تمام پر اس سال کی کل زائد زکوٰۃ ادا کر دی جائے، کیونکہ موت و حیات کا اعتبار نہیں، اگر مرض موت میں مبتلا ہو گیا تو وہ رقم جو زکوٰۃ کے لئے الگ رکھی ہو درشہ کی ملک ہو جائے گی، پھر وہ کیا خبر دیں یا نہ دیں | سوال (۲۳) زکوٰۃ بذریعہ منی آرڈر ارسال کرنے

بذریعہ منی آرڈر زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں | سوال (۲۳) زکوٰۃ بذریعہ منی آرڈر ارسال کرنے میں بڑی دشواری ہوتی ہے، کہ ڈاک خانہ اس کا پابند نہیں ہے کہ وہاں روپیہ ہی ادا کرے بلکہ اکثر نوٹ ہی ادا کئے جاتے ہیں، اور نوٹ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، اگر قواعد فقہیہ سے

قطع نظر کر کے منشاء شارع پر نظر کی جائے تو نوٹ سے زکوٰۃ علی وجہ الکمال ادا ہونا چاہی، ایک تو اس لئے کہ نوٹ میں بھی اغناہ مساکین حاصل ہے، بلکہ بعض اعتبارات سے یہ روپیہ سے بھی انفع ہے، روپیہ میں تو کھرا کھوٹا بھی ہے اور پھر کھرے میں آواز بے آواز اور آواز دار میں گسا اور بے گسا بھی دیکھا جاتا ہے، اور نوٹ پھٹا چٹا میلا کچھلا ہر طرح کا آسانی سے چل جاتا ہے، پھر جس شخص نے نوٹ ہی پاس ہوں یا حوالان حول کے وقت اس کے پاس نوٹ ہی ہوں تو وہ اور بھی زیادہ اس کا مستحق ہے کہ نوٹوں میں سے نوٹ ہی زکوٰۃ میں دیدے۔

الجواب من حضرت حکیم الامت مد فیوضہم؛ نص کے ہوتے ہوئے ہم لوگوں کا قیاس کافی نہیں، اور پھر قیاس بھی حقیقی قیاس نہیں، جس میں علت جامعہ سے حکم متعدی ہوتا ہو یا جو کچھ لکھا گیا ہے وہ حکم کا تعدیہ نہیں ہوتا، وجہ یہ کہ حکمت حکم پر مرتب ہوتی ہے، اور علت پر حکم مرتب ہوتا ہے، سوا ذل حکم کا تحقق ہونا چاہئے، اس میں حکمتیں نکالی جاسکتی ہیں، اور حکم ہے زکوٰۃ کا، اور زکوٰۃ کا محل مال ہے اور نوٹ مال نہیں سند مال ہے، اور منی آرڈر سے ادا ہونے کی صورت یہ صورت ہے کہ کسی اور شخص کے پاس بھیج دے کہ وہ اس کے روپے بٹھنا کر مسکین کو دیدے، فقط۔

اس کے بعد ان کا دوسرا خط آیا جس کا جواب جامع امداد الاحکام لے تحریر فرمایا جو مع جواب کے ذیل میں مذکور ہے:-

خط

دراصل ابتلا سے عام کی وجہ سے حیلہ کی ضرورت ہے، بذریعہ منی آرڈر دوسرے کے نام سے بھیجنے میں اول تو مسکین کی دل شکنی اور اس دوسرے شخص کی بددیانتی کا احتمال ہے، سوائے اس کے کہ روپے کا پارسل کیا جائے، دوسرے اگر زکوٰۃ اس طرح ادا ہو سکتی ہے کہ زید نے ایک رقعہ عمر کو لکھ دیا کہ حامل ہذا کو اتنا روپیہ ہمارے حساب میں دیدیا جاوے، اور اسے یہ ہدایت کی کہ تم ہمارے جس ایجنٹ یا وکیل یا نمائندہ کو چاہو یہ رقعہ دکھلا کے اتنے روپے لے لینا اور زید نے اپنی جگہ پر یہ نیت کر لی کہ جو کچھ دلار ہوں یہ زکوٰۃ ہے، اگر اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے تو پھر نوٹ بھی اسی طرح کی سند حوالہ ہے، اب اسی نوٹ سے وہ مسکین جو روپیہ وصول کرے وہ زکوٰۃ ہے یا جو دوسری اشیا حاصل کریں وہ بھی زکوٰۃ ہیں، یہ نوٹ خود زکوٰۃ نہیں ہے۔

الجواب من جامع امداد الاحکام؛ آپ نے جو صورت بیان کی ہے اس میں بھی محض رقعہ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، جب تک وہ شخص کسی ایجنٹ سے روپیہ وصول نہ کرے، اور اگر ایجنٹ نے اس کو روپے نہ دیئے، بلکہ کاغذ ہی دیدیا کہ فلاں سے لے لو جب بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، جب تک وہ روپیہ وصول نہ کرے، اور اگر فقیر نے تاجر کا رقعہ کسی کو اپنے قرض میں دیدیا کہ تم فلاں ایجنٹ سے اپنا قرض یہ رقعہ دکھلا کر وصول کر دو تو زکوٰۃ بالکل ادا نہ ہوگی، پس یہ صورت مسئلہ نوٹ کے خلاف حکم نہیں رکھتی، بلکہ جو احکام اس کے ہیں وہی اس کے ہیں، اور نوٹ سے زکوٰۃ کا ادا نہ ہونا صرف اس صورت میں ہے جبکہ فقیر بعینہ اس نوٹ کو اپنے قرض میں دیدے یا ہبہ کرے یا اس سے چوری ہو جائے یا چھوڑ کر مر جائے، اور اگر اس کے روپے وصول کر کے اپنے قبضہ میں لائے یا اس سے سودا خرید کر اپنی ملک میں لے آئے، تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، پس دشواری کچھ نہیں، صرف اتنی ضرورت ہے کہ مرسل ایہ کو کوپن میں تنبیہ کر دی جائے کہ پوسٹ میں سے نوٹ نہ لے، اور اگر لے تو نوٹ کو بعینہ اپنے قرض وغیرہ میں نہ دے، بلکہ روپیہ حاصل کر کے قرض ادا کرے، یا جمع رکھے۔

سوال (۲۴) یہ امر دریافت طلب ہے کہ مقدار فرض سے زائد زکوٰۃ ادا کی تو وہ آئندہ سال زکوٰۃ میں محسوب ہو سکتی ہے یا نہیں کہ دوران سال میں وقتاً فوقتاً زکوٰۃ تقسیم کی جاتی ہے، اور سال تمام پر حساب پورا کر دیا جاتا ہے، اگر زکوٰۃ اس سال مقدار فرض سے زائد تقسیم ہو جائے تو اس زائد رقم تقسیم شدہ کو آئندہ سال کی زکوٰۃ میں بحجری و محسوب کر دیا جائے یا نہیں؟

الجواب؛ مقدار واجب زائد جو رقم زکوٰۃ میں دی گئی ہے وہ آئندہ سال کی زکوٰۃ میں محسوب ہو سکتی ہے، کما فی الشامی ص ۲۲ ج ۲ فی الولوالحیة الوکالت عندہ اربعاً نہ درہم فاذا زکوٰۃ خمساً ظاناً انہما کذا لک کان نہ ان یحب الزیادۃ للسنۃ الثانیۃ لانه امکن ان تجعل الزیادۃ تعبلاً

احقر عبد الکریم عفی عنہ ۲۴ صفر ۱۳۵۰ھ۔ الجواب صحیح ظفر احمد ۲۵ صفر ۱۳۵۰ھ۔

نصاب زکوٰۃ کی تحقیق | سوال (۲۵) صاحب زکوٰۃ فریضہ کس کو کہتے ہیں، اور اس پر کب زکوٰۃ کا حکم دیا جائے گا کہتے ہیں کہ اگر اس کے پاس دو سو روپے ہوں تو اس کو

نصاب کہتے ہیں اور اس پر پانچ درہم زکوٰۃ واجب ہے، لیکن یہ یقینی نہیں معلوم ہوا کہ درہم کی کیا قیمت ہے، پھر بعض علماء سے معلوم ہوتا ہے کہ ۳۹ یا ۴۰ یا ۵۰ یا ۵۲ ہو یا اس قدر کی چاندی ہو تو صاحب نصاب ہے، اور پھر ایک روپیہ چار آنہ زکوٰۃ واجب ہے، اسکے مروجہ سے ایک روپیہ چار آنہ ہے، اور درہموں سے پانچ درہم، نہ معلوم درہم سکے مردجہ انگریزی سے کتنے بھر ہوتا ہے، اور اختلاف مابین علماء کرام میں کیوں ہے، صحیح قول بالآخر مفتی بہ کون ہے، حساب سے الگ الگ کر کے صورت بتلائی جائے، جو کہ ذہن نشین علی الفور ہو، ایسا ہی سونے کے بارے میں جب دریافت کیا جاتا ہے، کہ سونے پر کس قدر زکوٰۃ واجب ہے؟ تو جواب دیا جاتا ہے کہ بیس مثقال سونے پر نصف مثقال، پھر عدم فہم پر فرماتے ہیں کہ سات مثقال دس درہم کا ہوتا ہے، بلکہ دوسری جگہ ہے کہ فی کل اربعۃ مثاقیل قیراطان، لہذا دونوں شقوں کو لکھ دیا جائے کہ پہلی صورت سے کیا مراد ہے؟ اور ثانی سے کیا، وجہ اختلاف کیا ہے؟ حساب کی صورت میں ملا کر تحریر فرمائیے کہ بیس مثقال انگریزی تول کے حساب سے کس قدر ہوگا اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ بیس مثقال ساڑھے سات تولہ کا وزن ہوتا ہے، اور اس میں ۲ ماشہ اڑھائی رتی زکوٰۃ نکلتا ہے یہ کس حساب کی بنا پر ہے، خلاصہ حساب صحیح صحیح تحریر فرما کر ممنون و مشکور فرمایا جائے، نیز یہ بھی تحریر کیجئے کہ جتنا وزن زکوٰۃ کا سونا نکلے بعینہ وہی سونا مخر وجہ زکوٰۃ دیا جائے یا اس کی قیمت دی جائے؟ مدلل اور مفصّل جواب تحریر فرمایا جائے؟

بیّنوا بالذلیل و توجسروا عند استدلال الجراجزیل من جناب ربّ الجلیل۔

الجواب: حساب مذکورہ بالا کی رو سے صاحب مظاہر حق وغیرہ علماء کرام کے نزدیک چاندی کا نصاب باؤن تولہ تھپہ ماشہ ہی ہمارے اکابر اس پر فتویٰ دیتے ہیں، دوسرا قول کی بنا وہی اختلاف فی الوزن ہے۔

نوٹ (۱)۔ سونے چاندی میں وزن کا اعتبار ہے، قیمت معلوم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، وہ ہر زمانہ میں بدلتی رہتی ہے، البتہ وزن کے اعتبار سے حساب کر کے پھر اس کی قیمت وقتیہ ادا کرنے کو یہ جائز ہے۔

نوٹ (۲)۔ قول فقہار فی سن اربعۃ مثاقیل قیراطان، محض تمثیل کے طور پر ہے،

صحیح حساب سے ایک روپیہ پانچ آنہ ہو میں ۱۲ مجیب۔ سلسلہ صحیح یہ ہے کہ ۲ ماشہ ۲ رتی زکوٰۃ نکلتی ہے ۱۲ مجیب۔

یا بیس مثقال سے زائد کا حساب ہے، اس سے یہ مقصود نہیں کہ فقط چار مثقال میں زکوٰۃ واجب ہے۔ کتب الاحقر عبد البرکیم، ۱۳ جمادی الاولیٰ مشکہ ۴

الجواب صحیح: ظفر احمد عفا عنہ، ۱۳ جمادی الاولیٰ مشکہ ۴

مسئلہ وجوب زکوٰۃ سوال (۲۶) فرض کیا زید کے پاس سو روپے ہیں، اس نے سال کے آخر میں جب یہ دیکھا کہ یہ سو روپے اس کے خرچ سے بچ رہا ہے، تو اس نے ڈھائی روپے زکوٰۃ دیدی، لیکن یہی ساڑھے ستانوے روپے جو اسی سو روپے میں ڈھائی روپے زکوٰۃ دینے کے بعد بچا ہے پھر سال تمام کے اخراجات کے بعد بچ گیا تو کیا اس ساڑھے ستانوے روپے کی بھی زکوٰۃ دی جاوے یا وہی اڑھائی روپے جو سو روپے کی زکوٰۃ تھا، اس رقم کے لئے کافی تھا، غرض یہ ہے کہ وہی سو روپیہ کی رقم رکھی ہے، نہ اس میں شامل کوئی رقم کی گئی، نہ اس میں سے کوئی رقم لی، اس کی زکوٰۃ کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب: دو روپیہ آٹھ آنہ تو ایک سال کی زکوٰۃ ہے، دوسرا سال اگر یہ روپیہ رہ گیا تو اس کی زکوٰۃ دوبارہ دینی پڑے گی، اسی طرح آئندہ بھی ہر سال موجودہ رقم کا چالیسواں حصہ دینا چاہئے جب تک کہ مقدار نصاب رہی، اور جب مقدار نصاب نہ رہی تب واجب نہ رہے گی۔ احقر عبد البرکیم عفی عنہ، ۱۴ جمادی الاولیٰ مشکہ ۴

الجواب صحیح: ظفر احمد عفا عنہ، ۱۸ جمادی الاولیٰ مشکہ ۴

پراویٹنٹ فنڈ پر وجوب زکوٰۃ کا مسئلہ سوال (۲۷) زید سرکاری ملازم ہے، اس کی تنخواہ سے بیس روپے ماہوار سرکار کاٹ لیا کرتی ہے، وہ رقم اس کی جو بیس روپے ماہوار سرکار میں جمع ہو رہی ہے بعد پنشن یکمشت سرکار ادا کرے گی، تو ایسی رقم پر بھی زکوٰۃ واجب ہے؟

الجواب: صورت مسئلہ میں زکوٰۃ اس وقت واجب نہیں، بلکہ یہ رقم جب اس کے قبضہ میں آجائے اور حوالان حوال ہو جائے تو — زکوٰۃ واجب ہوگی، قال قاضی خان: اذا اجد امره او عبداً بمانتی درہم لا تجب الزکوٰۃ ما لم یحل العول بعد

معہ اور اگر اس پر اس رقم کے آنے سے پہلے بھی زکوٰۃ واجب ہو تو اس رقم کے وصول ہونے کے بعد جب پہلے مال کا سال تمام ہو اسی وقت اس سب رقم کی زکوٰۃ بھی اس کے ساتھ دی جائے ۱۲

اعترضونی قول ابی حنیفہ فان کانت الدار والعبید للتجارة و فنیص اربعین درهما
 بعد الحول کان علیہما درہم بحکم العول لما مضی قس القیض الخ (ص ۲۰۶) قلت و اذا
 لم یکن علیہما زکوٰۃ فی احوۃ الدار والعبید الا اذا کونا للتجارة فاجرة لفسد اولی
 فان ائتمرت لیس بمال - احقر عبد الکریم عفی عنہ ، ارحمادی الاولی س ۲۰۶
 الجواب صحیح ، ظفر احمد عفا عنہ ، ارحمادی الاولی س ۲۰۶

سوال (۲۸) زید نے کچھ روپیہ بینک میں جمع کیا ،
 روپے پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں ؟
 بینک کا دیوالہ نکل گیا ، بینک سے روپیہ ملنے کی امید بھی
 ہے ، اور اسی قدر مال امید ہی کی کیونکہ تہ نہیں کہ روپیہ ملے بھی کہ نہ ملے ، یا کچھ ملے اور کچھ نہ ملے ،
 ایسی صورت میں کیا جمع کسندہ پر زکوٰۃ واجب ہے ؟

الجواب : اس روپے کی زکوٰۃ واجب رہے گی ، مگر سہر دست ادا کرنا لازم نہیں
 بلکہ سب سے روپے اٹھانے کی وصولی کے بعد وصول شدہ رقم کی سب گذشتہ برسوں
 کے متعلق زکوٰۃ ادا کرنا پڑے گی ۔ احقر عبد الکریم عفی عنہ ، ارحمادی الاولی س ۲۰۶
 الجواب صحیح ، ظفر احمد عفا عنہ ، ارحمادی الاولی س ۲۰۶

سوال (۲۹) زید کے پاس دس ہزار روپے کی مالیت کی زمین ہے ، اور اس
 زمین کا کچھ حصہ بعض یا بجزار زمین ہے ، اور شخص مذکور کے پاس یا بجزو روپے کی مالیت
 کا زیور ہے ، آیا اس زیور پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب : اس زیور پر زکوٰۃ واجب ہے ۔ عبد الکریم عفا عنہ ، ج ۲ س ۲۰۶
 الجواب صحیح ، ظفر احمد عفا عنہ ، ارحمادی الثانی س ۲۰۶

ہر مؤجل مانع وجوب زکوٰۃ ہے یا نہیں ؟
 سوال (۳۰) زید کے پاس یا بجزو روپے کا زیور ہے ،
 اور ایک ہزار روپیہ اس کی زوجہ کا ہر اس کے ذمہ واجب الادا ہے ، آیا اس زیور پر مرد کے ذمہ
 زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب : اگر باوجود ہر مؤجل ہونے کے یہ شخص فی الحال ادا کرنے کی فکر میں ہی
 تب تو اس زیور پر زکوٰۃ واجب نہیں ، ورنہ واجب ہے ، کما فی العالمگیریہ و ذکر البنودی
 فی شرح الجامع الصغیر قال مشائخنا فی رجل علیہ دین مؤجل لا مرأته وهو
 لا یرید اداۃ رای فی الحال ، لا یجعل مانعا من الزکوٰۃ لعدم المطالۃ فی

العادة انه حسن ايضا هكذا في جواهر الفتاوى فقط - عبد الکریم عفا عنہ ، ج ۲ س ۲۰۶
 الجواب صحیح ، ظفر احمد عفا عنہ ، ارحمادی الثانی س ۲۰۶

سوال (۳۱) کسی کے پاس کچھ روپیہ تھا جس پر وہ زکوٰۃ نکال کر لیا تھا ،
 ایک صورت کا حکم اب وہ روپیہ دو سکر شخص کو قرض دیدیا ، اب وہ مقروض کہتا ہے
 کہ مجھ سے نقد روپیہ نہیں ادا ہو سکتا ، بلکہ اس کے عوض کچھ جائیداد مجھ سے لکھا لو اور اس کو
 بہرہ ادا کیگی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ، ایسی صورت میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہے ؟

الجواب : اس صورت میں مدیون منکر تو نہیں ہی بلکہ قرض کا مقرب ہے ، اور
 جائیداد رقم قرض کے عوض دینے کو تیار ہے ، اس لئے قرض دینے والے کے ذمہ سے سنین
 کی زکوٰۃ ساقط نہیں ، ہاں جب جائیداد لے لے گا تو آئندہ زکوٰۃ واجب ہوگی ۔

واستبدال مال التجارة بمال التجارة هلاك وبغير مال التجارة استهلاك ،
 قال الشاھی تشمل ما لو استبدل بعوض ماليس به مال اصلا او بعوض هو
 مال ولكنه ليس بمال الزکوٰۃ بان باعه بعد الخدمۃ او ثياب السبلۃ فیضمن
 الزکوٰۃ فی ذلك كله لانه استهلاك ام رشامی ۲۲۳ -

مثال سوال مذکور | سوال (۳۲) کسی شخص کے ذمہ کچھ روپیہ باقی ہے ، اور وہ کہتا ہے
 کہ ایک دم روپیہ نہیں ادا ہو سکتا ہی ، بلکہ دفعہ دفعہ ادا کریں گے ، اور دفعہ دفعہ کرنے سے
 روپیہ اس قدر نہیں ہوتا ہے کہ جس کی زکوٰۃ فرض ہی ، بلکہ کل روپیہ جو اس کے ذمہ ہی بکشت
 ادا کرنے سے زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے ، تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے ؟

الجواب : جب اس قرض میں سے گیارہ روپے چار آنہ وصول ہوں خواہ بکشت
 یا تدریجا تو اس گیارہ روپے چار آنہ کی زکوٰۃ یعنی چالیسواں حصہ دینا واجب ہوگا ، اور جتنے
 برسوں کے بعد وصول ہوا ہو سب کی طرف سے اس گیارہ روپے چار آنہ کی زکوٰۃ واجب ہے ،
 اس کے بعد پھر جب کبھی گیارہ روپے چار آنہ وصول ہوں تو اس کا بھی یہی حکم ہے ، جب تک
 پورے گیارہ روپے چار آنہ پر قبضہ نہ ہو اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں ، قال الشاھی
 فاذا قبض ذلك كله او اربعین درهما منه باقتطاع ذلك من اجرة الدار تجب
 زکوٰۃه لما مضی من السنين والناس عنہ غافلون (ص ۲۰۶) کتبہ الاحقر عبد الکریم
 عفا عنہ ۲۰۶ - الجواب صحیح ، ظفر احمد عفا عنہ ۲۰۶

زکوٰۃ کی رقم اور دیگر سامان دینے کی نیت سے علیحدہ رکھا تھا، مگر اپنے مال کے ساتھ زکوٰۃ کا مال بھی چوری ہو گیا تو زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں

سوال (۳۳) زید نے اپنے مال کی زکوٰۃ نکالی، اور اس زکوٰۃ کے پیسے سے کچھ تو مستحقین زکوٰۃ پر خرچ کیا، اور کچھ کپڑے مستحقین کے واسطے خرید کر رکھ لئے، اور پھر بھی کچھ نقد باقی رہ گئے تھے کہ اس کے ہاں چوری ہوئی، چوری میں زکوٰۃ کے پیسے اور کپڑے اور اس کا اپنا مال بھی چوری ہو گیا، سوال یہ کہ زکوٰۃ سے سبکدوش ہو آیا نہیں، اگر نہیں تو کس طریقہ سے ادا کرے، بینا بالصواب تو جروا بالثواب؟

الجواب؛ اگر فقط وہ مال چوری ہوتا جو کہ زکوٰۃ کی نیت سے الگ رکھا ہوا تھا تب تو زکوٰۃ سے سبکدوشی نہ ہوتی، لیکن جب دوسرا مال بھی چوری ہو گیا ہے تو اس مال مسروقہ کی زکوٰۃ معاف ہو گئی ہے، البتہ اگر کچھ مال صاحب واقعہ کے پاس باقی رہ گیا ہو تو اس باقی کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے، کما فی الدر المختار ولا ینخرج عن العہدۃ بالعرض بل بالاحیاء للفقہاء وقال الشامی فلو صاعدت لا تسقط عنه الزکوٰۃ الخ (ص ۱۸ ج ۲) ولانی ہالک بعد وجوبہا ومنع السامی فی الاصح لتعلقہا بالعین لا بالثمن وان ہلک سقط حفظہ فقط واللہ اعلم، ۲۴ رجب سنہ ۱۳۵۴ھ۔

الحکم وجوب زکوٰۃ در زیورات | سوال (۳۴) کسی عورت کے پاس دو سو تولہ کے زیورات ہیں، اس کے ہاتھ بیڑکان اور گٹے میں مدام باون تولہ سے زائد رہتا ہے، اور یہ اس کی ضرورت میں سے ہے، اس کو پورے زیورات کی زکوٰۃ دینی ہوگی، یا ما بقیہ زیور کی دینی ہوگی کتابکوالزکوٰۃ فرمائیے؟ آپ کی اصلاح تحریر ادا ہوگا۔

الجواب؛ اس عورت کے تمام زیورات پر زکوٰۃ واجب ہے، ان پر بھی جو رکھے رہے ہیں اور ان پر بھی جو استعمال میں رہتے ہیں، صرح بہ فی الدر وغیرہ من المستون و الشرح، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ، رذیقۃ سنہ ۱۳۵۴ھ۔

مسئلہ زکوٰۃ | سوال (۳۵) گورنمنٹ نے بعض فوجی پنشنر اشخاص کو مہربہ جات راضی جو نہر کے پانی سے سیراب ہو، بطور عطیہ کے عطا کئے، میں جن پر مطالبہ مال آبیانہ مشمشا ہی لگتا رہتا ہے، علاوہ ازیں یہ شرط ٹھہرائی گئی کہ عرصہ پانچ سال تک مع معاملہ کچھ رقم بطور مالکانہ ادا کرنی پڑے گی، اس وقت معینہ کے بعد مبلغ کیا یہ صدر و بیہ قیمت فی مہربہ ادا کرنے کے ہر شخص مالک مہربہ بن سکتا ہے، اور وہ مالکانہ بند ہو جائیگا اور ساتھ ہی اختیار دیا گیا ہے کہ اگر وہ مالک نہیں بننا چاہتا تو مالکانہ

بیتوراد ادا کرتا ہے، ہر قیمت نہیں لی جائیگی، اس شخص کی یاں قیمت مہربہ قبل از عطیہ موجود ہے اور اس نے اس نیت سے رکھی ہوئی ہے کہ قیمت مہربہ ادا کر کے مالک مہربہ بنوں گا اس پر بعد گزرنے سال کے زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب؛ ہاں اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہے، کیونکہ وہ قرض سے فارغ ہے، گورنمنٹ کی رقم اس پر قرض نہیں، جبکہ یہ خود مختار ہے کہ اس رقبہ کا مالک نے یا نہ بنے اور اس زمین کو خریدے یا نہ خریدے، تو عقد کا تحقق نہ ہوا، اور نہ ثمن اس کے ذمہ لازم ہوا، واللہ اعلم۔

۱۰ رذیقہ سنہ ۱۳۵۴ھ
قرض بہر حال میں مانع وجوب زکوٰۃ ہے | سوال (۳۶) ایک شخص نے چار ہزار روپے میں ایک زمین خریدی، جس کی ادا اس قسطوں میں فترار پائی ہے، ایک قسط وہ ادا کر چکا اور زمین پر قابض ہو گیا، دوسری قسط کے لئے مال فترار روپیہ اس کے پاس رکھا ہے، جس پر جولان حول ہو چکا ہے، تو اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہو یا نہیں، اور زمین کا قرض مانع وجوب زکوٰۃ ہو یا نہیں؟

الجواب؛ اس رقم پر زکوٰۃ واجب نہیں، قرض بہر حال مانع وجوب زکوٰۃ ہے، خواہ زمین کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے، اور خواہ اس کی ادا بلا قسط مشروط ہو یا بلا قسط، واللہ اعلم، ۳ رذی الحج سنہ ۱۳۵۴ھ۔

مسوٰۃ زکوٰۃ بل کے بارے | سوال (۳۷) حضرت حکیم الامتہ دام مجدہم کی خدمت میں ایک میں ایک استفطار سوال اس مضمون کا آیا تھا کہ تنظیم زکوٰۃ کے لئے مرکزی اسمبلی میں زکوٰۃ بل پیش کرنے کا ارادہ ہے جس کا مسوٰۃ ارسال خدمت ہے، شرعی نقطہ نظر سے اس مسوٰۃ کے متعلق جو رائے ہو اس سے مطلع فرمایا جائے، اس کا جواب حضرت کے ایمان سے یہ دیا گیا۔

الجواب؛ مکرم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مسوٰۃ زکوٰۃ بل دیکھا گیا، آپ کی نیت کے نیک ہونے اور خیر خواہی پر مبنی ہونے میں شبہ نہیں، مگر ہم اس بل کی تائید سے بوجہ چند معذوریں:-
الف؛ کافر گورنمنٹ کے ذریعے شرائع اسلام کی ترقی جب طلب کی جاتی ہے بجاتے ترقی کے تنزل ہی ہوتا ہے، دقت بل، اور خلع بل کی نظائر سامنے ہیں، کہ ان دونوں کے بجاتے فائدہ کے شرعی حیثیت سے نقصان ہی ہوا۔

ب؛ چونکہ قانون کا پاس کرنا صرف مسلمانوں کے ہاتھ میں نہیں بلکہ اکثریت کے ہاتھ میں ہے، اس لئے جس صورت سے بل پیش کیا جاتا ہے اس سے بدتر صورت میں پاس ہوتا ہے، چنانچہ خلع بل جس صورت سے پاس ہوا ہے وہ سب کے سامنے ہے کہ حاکم مسلم کی شرط جو اس بل کی جان کھنی حذت کر دی گئی، اور سب بڑی مصیبت یہ ہے کہ خود مسلمان ہی بوجہ جہل کے مخالفت ہو جاتے ہیں، اور احکام شرع میں رائے زنی کرتے ہیں، کہ اس قید کی کیا ضرورت ہے؟ ج؛ اموال باطنہ کی زکوٰۃ میں خلیفۃ المسلمین و امیر المؤمنین کو بھی جبر کا حق نہیں، یہ بل ان میں بھی جبر کا حق دیتا ہے۔

د؛ اموال ظاہرہ میں خلیفہ دانا کو حق جبر ضرور حاصل ہے، مگر اس کو عشر یا ربع عشر سے زیادہ مسلمانوں سے وصول کرنے کا حق نہیں، یہاں کا فر حکومت پہلے ہی سے زمینوں پر لگان اور تجارتوں پر ٹیکس وصول کر رہی ہے، اور اب کانگریسی حکومت رات دن مسلمانوں کو پیسے کی فکر میں لگی ہوئی ہے، اگر اس کو عشر اور ربع عشر کے وصول کا حق بھی دیدیا گیا اور اس کی تشخیص بھی اس کے ہی ہاتھ میں رکھی گئی، جیسا کہ بل میں ظاہر کیا گیا ہے تو مسلم مزارعین اور مسلم تجارت پر وہ جتنا بار ڈالیں گے ظاہر ہے۔

۴؛ زکوٰۃ کی رقوم میں سے ۵ فی صد گورنمنٹ کے عاملین کے لئے رکھا گیا ہے جس میں کچھ تصریح نہیں کہ وہ عاملین مسلمان ہی ہوں گے، یا مسلم وغیر مسلم دونوں ہو سکتے ہیں، شق ثانی میں یہ حصہ زکوٰۃ کا غیر مصرف میں جائے گا۔

۵؛ زکوٰۃ کا ۲۰ فی صد دیگر اغراض کے لئے رکھا گیا ہے اس کی کوئی تصریح نہیں کی گئی، کہ کن مصارف میں صرف ہوگا، صرف کرنے والے مسلمان بھی ہوں گے تو مسائل سے ناواقف ہوں گے نہ معلوم کہاں کہاں صرف کریں اور مسلمانوں کی زکوٰۃ برباد ہو، اس طرح ۱۰ فی صد بطور سرمایہ محفوظ رکھا گیا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ زکوٰۃ دینے والوں کی پوری زکوٰۃ ہر سال ادا نہ ہوگی، بلکہ اس کا کچھ اداسے رہ جائے گا۔

ن؛ انفرادی شخص کا مسلم ہونا تو بل میں مصرح ہے، مگر اس کے فیصلہ کی اپیل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے یہاں رکھی گئی ہے، جس کا مسلم ہونا شرط نہیں کیا گیا، اگر وہ غیر مسلم ہو تو اس کے فیصلہ سے زکوٰۃ کا جو حشر ہوگا ظاہر ہے۔

ح؛ انجمنوں کے اور ان کے بیت المال کے معائنہ کے لئے جو انسپکٹر اور ان انسپکٹروں کے

تقرر کا اختیار گورنمنٹ کو دیا گیا ہے، اس میں بھی یہ تصریح نہیں کہ وہ انسپکٹر مسلم ہوں گے یا غیر مسلم بھی ہو سکتے ہیں، شق ثانی میں ان کی تنخواہ جو زکوٰۃ کی مدد سے دی جائے گی، وہ محض برتا ہوگی، اور کافروں کو مسلمانوں کی زکوٰۃ اور بیت المال پر جو حق تصرف ہوگا وہ جدا رہا، اس آئندہ جو کچھ خرابیاں پیدا ہوں گی وہ احکام وقت کے حالات سے باخبر طبقہ پر مخفی نہیں۔ ط؛ وزیر اوقاف اور افسر شخص اگر نام کا مسلمان ہو اور عقیدہ قاریانی یا اور کسی فرقہ کا ہو اور جو عامہ مسلمین کے نزدیک مسلمان نہیں بلکہ مرتد ہے، اور پورے مسائل سے سب ہی ناواقف ہوں گے، تو اس کے برائے نام اسلام سے بچائے نفع کے ضرر کا اندیشہ ہے، اس خطرہ سے حفاظت کی کیا سبیل ہے؟

ی؛ خلیفہ اسلام جو عاملین کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مقرر کرتا ہے، چونکہ خلیفہ تمام مسلمانوں کا نائب ہے جن میں فقراء بھی داخل ہیں تو خلیفہ یا اس کے عاملین کے ہاتھ میں زکوٰۃ پہنچنے ہی ارباب اموال کے ذمہ سے ادا ہو جاتی ہے، گویا فقراء کے ہاتھ میں پہنچنے مگر حاکم غیر مسلم یعنی غیر مسلم گورنمنٹ کا شرعی حکم نہیں اس کے یا اس کے عاملین کے قبضہ میں زکوٰۃ پہنچنے سے فوراً ادا ہونا شرعاً باطل ہے، پس اگر کوئی شخص زکوٰۃ ادا کر کے مر گیا اور اس کی زکوٰۃ ابھی تک مصرف میں صرف نہ ہوئی تھی تو وہ رقم ورثہ کی طرف منتقل ہو کر ترکہ میں داخل ہوگی، اور اس کو مصارف زکوٰۃ میں صرف کرنا جائز نہ ہوگا، اس کا کوئی حل اس بل میں نہیں۔

الغرض جب تک باقاعدہ اسلامی حکومت نہ ہو زکوٰۃ کا انتظام غیر مسلم حکومت کے ذریعہ سے نہیں کیا جاسکتا، اس کی واحد صورت یہی ہے کہ گورنمنٹ مسلمانوں کو اجازت دے کہ وہ اپنا ایک حاکم مسلم مقرر کر لیں جس پر گورنمنٹ کا ویسا ہی اقتدار ہو جیسا دلیان ریاست پر ہوتا ہے، اندرونی نظم و نسق میں وہ بالکل آزاد ہو، پھر حاکم مسلم زکوٰۃ کو قاعدہ شرعیہ کے موافق وصول کرے تو یہ صورت جائز ہے۔

آپ نے اس بل کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے ہندوؤں کے کھاتہ پن کا تذکرہ کیا ہے، مگر ہندوؤں کا کھاتہ پن گورنمنٹ کے قانون کی طاقت سے نہیں چل رہا بلکہ خود ہندوؤں کی قومی طاقت سے چل رہا ہے، اگر مسلمان بھی اپنے یہاں کوئی خیراتی فنڈ ایسا قائم

کریں جو قومی طاقت سے چلے تو یہ ایک مفید صورت ہوگی، اور ہم خوشی کے ساتھ اس کی تائید کریں گے۔

اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کا اس وقت دشمنی صدر زکوٰۃ دینے والے ہوں گے مگر غالباً یہی اوسط نماز پڑھنے والوں کا ہے، تو کیا کل کو نماز کے لئے بھی کوئی قانون بنوایا جائے گا، اور غالباً حج کرنے والے تو اس سے بھی بہت کم ہوں گے، تو کیا حج کی صورت پر قانون بنوایا جائے گا؟ اگر نہیں تو زکوٰۃ ہی کے لئے قانون بنوانے کی کیا ضرورت ہے؟

دراصل ضرورت اس کی ہے کہ مسلمانوں کو احکام دین سے واقف کیا جائے، مذہبی تعلیم کو عام طور سے رواج دیا جائے، تبلیغ کی طرف پوری توجہ کی جائے، مسلمانوں کو نماز اور زکوٰۃ، روزہ اور حج اور تمام احکام کی ضرورت سے مطلع کیا جائے، ایسی انجمنیں قائم کی جائیں جن کا فریضہ تبلیغ احکام ہو، جن کا کام مسلمانوں میں مذہبی رنج پیدا کرنا ہو، جس دن قوم میں مذہبی بیداری پیدا ہو جائے گی وہ ہندوؤں کے کھاتہ پُرنے سے بہتر نظام قائم کرے گی، اور اگر مذہب اور احکام مذہب سے ہی غفلت رہی جو اس وقت ہے تو زکوٰۃ پل بھی کچھ مفید نہ ہوگا، بلکہ بجائے مصارف خیر کے گورنمنٹ کا عملہ اور افسر شخص یا ذریعہ کا خاندان اس بیت المال کو لقمہ تر سمجھ کر ہضم کر جائے گا، اور مسلمان دیکھنے کے دیکھتے رہ جائیں گے، جس چیز کی ضرورت ہو کہ مسلمانوں کو حقیقی معنی میں مسلمان بنایا جائے، اور اس کی سہل صورت یہ تھی کہ مسلمانوں کا ادباً طبقہ جو علمی اور مالی اعتبار سے بڑا ہے وہ دین کی طرف توجہ کرتا، خود دیندار بنتا اور دوسروں کے لئے نمونہ ہوتا، جس سے اعلیٰ درجہ کی تنظیم ہو جاتی، اس سے تو سب ڈر بھاگو ہیں اور بجائے اس کے اپنی عبادت تک گورنمنٹ کے ہاتھ میں دیتے جا رہے ہیں جس کا انجام نہایت ہی خراب ہے، ظفر احمد والسلام۔

باب زکوٰۃ مال التجارۃ

کتاب تجارت میں زکوٰۃ کا حکم [سوال (۱) میں نے دو سو پچپن روپے خرچ کر کے ۱۵۵۵ کتاب چھپوائیں اور فروخت کے لئے دکان دار کے پاس رکھ دیں (ابھی) میرے ہاتھ میں روپے پچیس کچھ بھی نہیں، ختم سال پر مجھ کو ۲۵۵ روپے ملیں گے، پھر وہی ۲۵۵ روپے بھی دہری پر کتاب چھاپنے میں خرچ کیا جائے گا، میرا کچھ اور مال متاع نہیں ہے، پس مجھ پر زکوٰۃ واجب

ہے یا نہیں؟

الجواب: آپ پر زکوٰۃ واجب ہے اور مال تجارت کی زکوٰۃ کے لئے روپے پچیس ہاتھ میں ہونے کی ضرورت نہیں، بلکہ مال تجارت کا موجود ہونا اور اس پر سال گذرنا شرط ہے، پس جب وہ ۱۰۰۰ کتابیں آپ کے پاس موجود ہیں، اور ان پر سال گذر گیا تو ابھی ایک ہزار میں سے ۲۵ عدد کتابیں زکوٰۃ میں نکال دی جائیں، یا ۲۵ کتابوں کی قیمت دیدی جائے جو آسان ہو اور نفع للمفقر ہو، واللہ اعلم، ۱۲ رمضان ۱۳۵۵ھ۔

باب صدقۃ السوائم

سوال (۱) ایک شخص زمین کے پاس کچھ بکریاں بھی ہیں، سرکاری اور زمیندار کی زمین اور اس کی زمین میں اس کے نوکر چراتے ہیں، ان میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

الجواب: بکریاں اگر چالیس یا اس سے زیادہ ہوں تو سال گذر جانے پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اگر بکریاں محض کھانے کے واسطے نہیں پالتا بلکہ اصل مقصود مال کا بڑھانا ہے، گو طبعا کبھی کبھی لیتا ہو جس کا مفصل بیان کتب فقہ میں موجود ہے، خواہ وہ اپنی زمین میں چراتا ہو یا سرکاری زمین میں یا زمیندار کی زمین میں، سب صورتیں برابر ہیں، البتہ اگر چالیس سے کم ہوں تو زکوٰۃ واجب نہیں۔

سوال (۲) ایک شخص کے پاس بکریاں ہیں، دو سو، مگر زمین نہیں ایک انگل، سرکاری زمین میں یا زمینداروں کی زمین میں چراتا ہے، بازار میں دودھ بچکر گذر کرتا ہے، اس میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

الجواب: سرکاری اور زمیندار کی زمین میں چرانہ درست ہے، بشرطیکہ کھیتوں اور درختوں کا نقصان نہ کرے، خود روگھاں یا پتے چراتے، اور جس شخص کے پاس دو سو بکریاں ہیں اور وہ دودھ بچکر گزارا کرتا ہے اس کا مقصود بکریوں کے پالنے سے کیا ہے، آیا صرف دودھ بچنے ہی کے واسطے بکریاں پالتا ہے، یا مقصود مال کا بڑھانا ہے، اور بکریوں سے بچے لینا اور تبعا دودھ سے بھی نفع حاصل کر لیتا ہے، ان دونوں باتوں میں سے جو مقصود ہو اس کو واضح لکھا جائے تو جواب دیا جائے گا۔

سوال ۱۲۲: چند زمیندار آپس میں ایک دوسرے کی زمین میں ڈنگر بکریاں خیرا لیتے ہیں آپس کی رضامندی سے عام رواج سے یہ کیسا ہے؟

الجواب: جائز ہے بشرطیکہ کھیتوں اور درختوں کا نقصان نہ کرے، ۱۸۰ رمضان ۱۳۲۲ھ
 علوفہ اور تجارتی مویشی پر سوال ۱۲۳: زید کے پاس ایک سو علوفہ بھینسیں ہیں، جن کا دودھ فروخت کرنا ہی مسو۔ فروخت کرتا رہتا ہے، اور جب کبھی ان بھینسوں میں سے کسی بھینس کا دودھ کم ہو جاتا ہے تو وہ بھینس کا خسارہ برداشت کرتے ہوئے اگر چار سو کی بھی بوتب بھی ایک سو یا کچھ کم و بیش سے قصابوں کو فروخت کر دی جاتی ہے، اور فوراً اگر اس کی حکم پر دوسری بھینس خرید کر کے ایک سو کی تعداد پوری کر لی جاتی ہے، چھ یا سات ماہ بعد ہر ایک بھینس کا دودھ کم ہو جانا لایمی امر ہے، اور دودھ کم ہونے پر اسے فروخت کر دینا اور اس کے قائم مقام دوسری رکھ چھوڑنا بھی ضروری ہے، غرض کہ کمال سال کسی بھینس پر بھی نہیں گذرتا، مگر بلکہ مرقومہ بالا صورت سے فروخت ہوتی رہتی ہیں اور نئی آتی رہتی ہیں۔

زید روزانہ اپنا حساب اس طور سے کرتا رہتا ہے کہ روزانہ جس قدر آمدنی ہوتی ہے اس میں سے خرچ شدہ رقم کے علاوہ ہر ایک بھینس کے عوض میں ایک روپیہ کا شمار ہوتا ہے، اور اسی ایک روپے کے عوض میں بھینس کو روزانہ ایک روپیہ کم قیمت کی سمجھتا رہتا ہے، مثلاً ایک روز دودھ مال ۲۵ روپیہ کا فروخت ہوا تو ان میں سے سو خرچ کے بحال دیئے اور ایک سو روپے ہر ایک بھینس کی قیمت سے ایک ایک کاٹا ہوا الگ خرچ میں لیا گیا تو گویا کل مال روپے خرچ ہو کر ۲۵ روپیہ سالم بچے، ان کو اس روز کا نفع تصور کرتے ہوئے حساب میں لاتا ہے، اور بھینس کی قیمت میں سے کم کرنے کی مثال یہ ہے کہ مثلاً تین سو روپے کی ایک بھینس دودھ فروخت کرنے کے لئے آج خرید کی، تو آج ہی سے اس کی قیمت میں سے ایک روپیہ کم کرتے ہوئے وہ بھینس مال لعلی کی تصور کی گئی، علیٰ ہذا القیاس ایک روپیہ روزانہ اس کی قیمت میں سے کم سمجھتا رہتا، حتیٰ کہ دو سو دنوں کے بعد دو سو روپے کم تصور کرتے ہوئے بھینس صرف ۲۵ روپے کی تصور کی گئی، اور دودھ کم ہونے پر ۲۵ روپے میں قصاب کو فروخت کی گئی اور اپنے دل کو طفل تسلی کے طور پر یوں سمجھا لیا کہ ڈھائی سو کی بھینس گویا ڈھائی سو ہی میں فروخت کی گئی، اب جو اس کی جگہ پر نئی بھینس خریدی جائے گی اس کے لئے پچاس روپے تو یہ بھینس کی قیمت کے وصول شدہ موجود ہیں، اور دو سو ایک ایک روپیہ روزانہ قیمت میں

۴

کم کئے ہوئے اور آمد میں سے کاٹ کر خرچ میں لئے ہوئے موجود ہیں، تو اس صورت سے کاٹنے سے کیا علوفہ بھینس تجارت کی بن جاتی ہے؟ بینوا، توجروا۔

ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ دودھ فروخت کرنے کی وجہ سے یہ کل علوفہ بھینس مال تجارت بن چکیں، فلہذا ان پر زکوٰۃ واجب ہے، حالانکہ متون میں سے کسی کتاب سے بھی علوفہ پر زکوٰۃ ثابت نہیں ہے، بلکہ تمام میں نفی موجود ہے، صاحب درمختار و جوہ زکوٰۃ کے لئے نیت تجارت کو شرط قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں، ولان فی العوامل وعلوفۃ ما تکن العلوۃ للتجارۃ، جلد دوم۔

صاحب ہدایہ علوفہ پر عدم وجوب زکوٰۃ کی علت بایں طور تحریر فرماتے ہیں کہ لان فی العلوۃ تراکب التوثقہ، صورت مسئلہ میں تو بجوم مؤنت و نفقات کا یہ عالم ہے کہ طویلہ کا کرایہ الگ دیا جاتا ہے اور بھینسوں کی خدمت کے لئے جو نوکر رکھے جاتے ہیں ان کو تنخواہیں الگ دی جاتی ہیں، اور دونوں وقت صبح و شام بھینسوں کو چارہ بانٹا الگ دیا جاتا ہے، فقہاء نے چوپاؤں میں علت وجوب زکوٰۃ نمو کو قرار دی ہے، کہ نماخواہ حقیقہ ہو خواہ حکماً، لیکن زید کی نیت اپنی موجودہ بھینسوں کے متعلق بھی اور آئندہ جو خرید کرے گا ان کے بارے میں بھی یہ ہوتی ہے کہ جب کبھی کسی بھینس کا دودھ کم ہو جائے گا تو خسارہ برداشت کرتے ہوئے چار سو کی بھینس بھی سو یا سو سو تک قصابوں کو فروخت کر ڈالوں گا، تو اس صورت میں بایں طور نیت کرنے سے نہانہ تو حقیقی پایا گیا، اور نہ حکمی، پھر کیا یہ نیت وجوب زکوٰۃ کے لئے مؤثر ثابت ہوگی یا لغو جائے گی؟

حضرت مولانا مولوی مفتی محمد حسین صاحب صدر المدرس مدرسہ راندر تھریہ فرماتے ہیں کہ صورت مسئلہ میں زکوٰۃ واجب نہیں، درمختار کی یہ عبارت اس کے لئے شاہد ہے کہ ولونوی التجارۃ بعد العقد او اشتراکی شیئاً للقتیۃ نادیا بائتہ ان وجد ریحاً باعہ لان زکوٰۃ علیہ، جلد دوم قبیل باب السائمتہ۔

لیکن مولوی صاحب موصوف اسے تسلیم نہیں کرتے، براہ کرم ان تمام امور کو مد نظر رکھتے ہوئے جواب مع حوالہ کتب محقق تامل تحریر فرماتے ہوئے عند اللہ ماجور ہوں۔

سوال ۱۲۴: جوہرہ نیرہ مطبوعہ خیرہ جلد اول صفحہ ۱۲۰ میں سائمتہ کے متعلق قولہ والسائمتہ الخ کے تحت میں درج ہے کہ لان اصحاب التوائم قد لا یجدون بدان

ان یعلفوا سوائهم فی بعض الادقات فیجعل الاقل تابعاً للاکثر ثم هن الذی
ذکره من الاسامة فی حق ایجاب زکوٰۃ السوائم انما یصح ان لو كانت الاسامة
للذکر والنسل اما اذا كانت للتجارة او للحمل والركوب فلا تجب فیها الزکوٰۃ
اصلاً، یہ عبارت کسی اور کتاب میں نہیں ہے، لہذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ عبارت
صحیح ہے یا غلط؟ بیوا توجسروا۔

الجواب وهو الموفق للصواب؛ یہ بات تو ظاہر ہے کہ جب وہ بھینسیں علوفہ میں
تو ان پر زکوٰۃ سوائم واجب نہیں، اور درمختار کی عبارت دلائل العوامل وعلوفہ میں زکوٰۃ سوائم
ہی کی نفی ہے، و نیز جوہرہ نیزہ کی عبارت مرقومہ بلا یعنی اما اذا كانت للتجارة او للحمل
والركوب فلا تجب فیها الزکوٰۃ اصلاً، میں زکوٰۃ سوائم ہی کی نفی ہے، اور درمختار کی
عبارت مذکورہ ولو نوى التجارة بعد العقد الخ سے معلوم ہوا کہ اگر فروخت کرنے کا حتمی
قصد نہیں ہے تو علوفہ میں زکوٰۃ تجارت بھی واجب نہیں۔

اب رہی یہ بات کہ زید کی نیت مذکورہ فی السؤال حتمی نیت ہی یا نہیں اور دودھ
فروخت کرنا بھی تجارت مواسی ہے یا نہیں، سو بظاہر یہ نیت بیع مواسی کی حتمی نہیں اور
نہ تجارت لبس کو تجارت مواسی کہہ سکتے ہیں، لہذا زکوٰۃ تجارت ان بھینسوں پر نہ ہوگی، والتداعی
عبدالکریم عفی عنہ۔

۱۹ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

باب عشر الخراج

مسجد کی زمین پر عشر کا حکم | سوال (۱) کیا وقف زمین متعلق مسجد پر عشر ہے؟

الجواب؛ زمین وقف متعلق مسجد پر بھی عشر ہے، قال فی العالمکبیرۃ وکنذلمک
الارض لیس بشرط للوجوب لوجوبه فی الاساضی الموقوفة ام (ص ۱۹۱ ج ۱)۔
۲۶ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ۔

زمین عشری اور خراجی کی تعریف | سوال (۲) کیا زمین عشری کی تعریف کیا ہے اور زمین
اور بعض زمینوں کے عشری یا
خراجی ہونے کی تحقیق
مرقوم ہیں وہ عشری ہیں یا خراجی؟

ملا؛ لخراج باز یافتی اس زمین کو کہتے ہیں جو نصاریٰ کے تسلط کے قبل لخراج تھی،

اور اس میں خزانہ وغیرہ دینا نہیں پڑتا تھا، جب ان کا غلبہ ہوا اور مالک زمین لخراج ہو گیا
کوئی ثبوت نہ ملے سکا تو سرکار نے کچھ خزانہ و ٹیکس معسر کر کے مالک زمین کو وہ زمین واپس کر دی
ملا، نیا باد اس زمین کو کہتے ہیں جس کو رعایا نے گورنمنٹ سے میعاد می اجازت لیکر آباد
کیا، اور جو خزانہ سرکار نے اس پر معسر کیا وہ ادا کرتا ہے، اور جب میعاد اجازت ختم
ہو جاتی ہے گورنمنٹ خزانہ وغیرہ بڑھا دیتی ہے، اگر وہ لوگ زیادتی کو قبول کریں تو زمین ان
کے پاس بحالہ رہتی ہے، ورنہ جو اس پر راضی ہو اس کو دیدیتے ہیں۔

ملا طرف دوسری قسم کی زمین والوں سے سرکار نے بوجہ ضرورت کے ایک روپیہ خزانہ کے
مقابلہ میں دس روپے لیکر انھیں قائمی بندوبستی دیا، اور ان سے وعدہ کیا کہ میں اس زمین کو
تم لوگوں سے لے کر دوسروں کو نہ دوں گا۔

۵؛ در رعایتی اس زمین کو کہتے ہیں جس کو زمینداروں نے سرکار سے خزانہ پر بندوبستی
کر کے رعایا کو میعاد بندوبستی دیا بعض سے کچھ نذر وغیرہ لے کر بعض کو یوں ہی مثلاً ۹ سال
کے لئے بندوبستی دیا اور ان سے وعدہ کیا میں یہ زمین تم لوگوں سے واپس نہ کروں گا، لیکن
زمیندار اگر ان سے واپس کرنا چاہیں رعایا کو رکھنے کی کچھ قدرت نہیں۔

ملا؛ زمین خراجی میں جو غلہ ایک سال کی خورد پوش سے زائد پیدا ہوتا ہو اس کی زکوٰۃ دینا
واجب ہے یا نہیں، بر تقدیر اذل اس کا حکم مال تجارت کی طرح ہے یا نہیں؟

الجواب؛ (۱) الارض العشریۃ ما فتحها المسلمون عنوة وقسموها بین
الغانمین او اسلم اهلها برضاهم واقروا علیہا ولم یملکها کافر منذ فتحوها
الی الان، والخراجیۃ ما فتحوها صلحا واقرا اهلها علیہا او كانت عشریۃ فملکها
کافر فی وقت۔

(۲) یہ زمین عشری ہے، (۳) یہ زمین خراجی ہے (۴) یہ بھی خراجی ہے،
(۵) اگر وہ زمین پہلے سے مسلمانوں ہی کے قبضہ میں تھی تو عشری اور اگر کسی وقت بعد قبضہ
اہل اسلام کے کسی کافر کی ملک میں آچکی ہے تو خراجی ہے، اور اگر مسلمانوں کے قبضہ میں
اس وقت سے اور پہلے کسی کافر کے قبضہ میں آنا معلوم نہیں تب بھی عشری ہے، (۶) زمین
خراجی یا عشری کی پیداوار زائد میں زکوٰۃ نہیں لگتی پیدوار کو فروخت کے جو رقم جمع کی جائے، اگر وہ ضرورتاً اصل سے فصل
ہو تو بعد جولان حول کے اس میں زکوٰۃ ہوگی۔ ۸ رجب ۱۳۳۵ھ۔

انگریزی حکومت کو مالگذاری دینے سے عشر ادا نہ ہوگا

سوال (۳) زمینداری میں یہ ہو کہ چالیسواں حصہ غلہ سے زکوٰۃ دیا جاتا ہے، عشر نہیں دیا جاتا ہے، صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ جب کہ اس زمین کی مالگذاری جیسا کہ اس زمانہ میں ہے اگر نہ دی جاوے اُس وقت عشر ہوگا اس وقت زمین کی ہم گورنمنٹ کو مالگذاری دیتے ہیں، تو اس وقت میں عشر یا چالیسواں حصہ ساقط ہو جانا چاہئے، کچھ زکوٰۃ نہ آنا چاہئے!

الجواب: انگریزوں کو مالگذاری دینے سے عشر ادا نہ ہوگا، اگر زمین عشری ہے تو عشر کا ادا کرنا لازم ہے، زمین کی پیداوار میں زکوٰۃ نہیں بلکہ عشر ہی واجب ہے، ۸ رجب ۱۳۳۵ھ میں حربی میں عشر و خراج کا واجب نہ ہونا سوال (۴) ایک شخص کے پاس ہزار بیگہ زمین ہے، اور چھ آنہ بیگہ سرکار میں بھرتا ہے، باقی پھر کچھ کاشت کرتا ہے، کچھ دوسرے لوگوں کو عہدہ بیگہ مال لے کر دیتا ہے، وہ اس میں کھیتی کرتے ہیں، کچھ تہائی چوتھائی حصہ بٹائی پر دیتا ہے، وہ لوگ کاشت کرتے ہیں، اگر نہر کا پانی دیتے ہیں تو اس کا الگ مال دیتے ہیں، کنوئیں کا دیتے ہیں تو خود دیتے ہیں، بعض بارش کے پانی سے کھیتی کرتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ جس کی زمین ہے وہ کیا زکوٰۃ نکالے یا نہیں، اور نکالے تو کس قدر نکالے، دسواں یا بیسواں یا چالیسواں، روپیہ سے یا جنس سے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ انگریزی میں جو زمیندار ہیں اُن پر زکوٰۃ فرض نہیں، یہ سنا کیسے ہو اور جو لوگ دوسرے زمیندار کی زمین لے کر کھیتی بیچتے ہیں، بتفصیل مذکور الصدر تو ان پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں، اگر ہے تو کس قدر اور روپیہ سے یا جنس سے؟

الجواب: قال فی رد المحتار تحت قول الدر فی تعریف الرکاز وجدہ مسلم اذ ذہبی فی ارض خراجیۃ او عشریۃ مانصہ قال فی فتح القدیر قید بالخراجیۃ والعشریۃ لیخرج الذارفانہ لا شیء فیہا لکن ورد علیہ الارض التي لا وظیفۃ فیہا کالمغاز اذ یقتضی اذہ لا شیء فی الماخوذ منها ولیس کذلک فالصواب ان لا یجعل ذلک لقصد الاحتراز واقول یمکن الجواب بان المراد بالحشریۃ والخراجیۃ ما تکر وظیفۃ ہما العشر والخراج سوا کانت بید احد، ولا فضل المفازہ وغیرہا بدلیل ما قد مناه عن الخانیۃ من ارض الجبل عشریۃ فیکون المراد الاحتراز بہا عن دار الحرب ویدل علیہ اذہ فی متن در البجار عبر بمعدن غیر الحرب فعلم ان المراد معدن ارضنا ولہذا قال القہستانی بعد قولہ فی ارض خراج او عشر

الاخصر فی ارضنا سوا کانت جبلاً او سهلاً مورثاً او ملکاً واحترز بہ عن دارہ وارضہ وارض الحرب ام ثم رأیت عن ما قلته فی شرح الشیخ اسمعیل حیث قال ویحتمل ان یکون احترازہ اعتنا وجد فی دار الحرب فان ارضہا لیست ارض خراج او عشر ام (ص ۲۳۰، ۲) فی العالمگیریۃ ثم هذه الدار رای دار الاسلام (۱۲) اذا صارت دار الحرب لو افتحها الامام ثم جاء اهلہا قبل القسمۃ اخذ وہا بغیر شیء وبعد القسمۃ بالقیمۃ ولو افتحها الامام عادت الی الحکم الاول الخواجی یصیر خراجیاً والعشری یصیر عشریاً یا ام (ص ۲۳۰، ۱۲) قلت فیہ دلالة علی ان ارض الاسلام اذا صارت دار الحرب لا تبقى خراجیۃ ولا عشریۃ دل علیہ قولہ عادت الی الحکم الاول فافہم۔

ان عبارات کا مقتضی یہ ہے کہ اس وقت ہندوستان کی زمین نہ خراجی ہے نہ عشری پس زمیندار پر زمین کی پیداوار میں کچھ واجب ہے، نہ کاشتکار پر و الاضایۃ فی رد المحتار ۳۸۷ تحت قول الدر کما یمنع لو وضع علیہ رای علی الحربی المستامن، الخراج بان الزم بہ واخذ منه عند حلول وقته لان خراج الارض کخراج الراس ام ونصہ: ای فی انه اذا التزمہ صار ملتزماً المقام فی دارنا، بحرام، دل علی اختصاص الخراج بدارنا کالجزیۃ، قال الشامی ناقلاً عن السخسی ولا یتوک ان ینخرج الی دارہ لان خراج الارض لا یجب الا علی من هو من اهل دار الاسلام ام (ص ۳۸۷، ۳) ۱۸ رمضان ۱۳۳۵ھ۔

سوال (۵) اس ملک کی پیداوار پر عشر واجب ہے یا نہیں؟ عشر واجب ہے یا کیا

الجواب: روایات فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دار الحرب میں عشر واجب نہیں، لیکن اس ملک کے دار الحرب ہونے میں علماء کا اختلاف ہے، اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ عشر دیا جاوے، واللہ اعلم، احقر عبدالکریم عفا اللہ عنہ ۸ رجب ۱۳۳۵ھ الجواب صحیح، ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۸ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ۔

سوال (۶) ہنرہ کے یہاں ۲۰ شعبان کو دس بیس من روٹی پک کر ایک صورت کا حکم آئی اور نصف سے زائد ابھی کھیت میں کچی ہے، وہ ۲۰ رمضان تک تمام آجائے گی، تو ۲۸ شعبان کو اگر زکوٰۃ کا حساب لگائے تو اس روٹی پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی یا

اس کی قیمت کا اندازہ کر کے دینا واجب ہے یا نہیں اور اگر زکوٰۃ واجب ہوگی تو جس قدر مکان میں آگئی اسی قدر پر واجب ہوگی یا جو کچی ہے اس پر بھی دینا ہوگا؟

الجواب: یہ روٹی تجارتی ہے، یا تجارتی نہیں، اگر اپنی زمین کی پیداوار ہے تو اس پر حلال حول واجب نہیں، بلکہ جب پیداوار حاصل ہو جائے اسی وقت عشر یا خراج واجب ہے، اگر زمین عشری ہو یا خراجی، اور اگر تجارتی ہو تو سوال واضح لکھا جائے، ۲۰ رمضان ۱۳۲۵ھ۔

حکومت کے لگان سے سوال (۷) ہمارے علاقہ کی زمین صرف بارش کے پانی سے سیراب ہوتی ہے عشر ادا نہیں ہوتا کوئی ہنر وغیرہ نہیں، لہذا گورنمنٹ کی طرف سے آبیانہ وغیرہ کچھ نہیں لگتا

صرف مطالبہ مال یعنی زر لگان بحساب مقررہ گورنمنٹ ہر ششماہی لگ جاتا ہے، کیا یہ زر لگان عشر میں سے منہا کر لیا جاسکتا ہے، یا عشر پورا لگ دیا جائے اور گورنمنٹ کو مطالبہ الگ؟ الجواب: گورنمنٹ کے زر لگان سے عشر نہیں ادا ہو سکتا، ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ۔

کچی فصل کی کٹائی میں سوال (۸) ہمارے یہاں بہت فصل کچی کاٹنی جاتی ہے، مثلاً جوار، عشر ہے یا نہیں نخود وغیرہ اور دانہ ان سے نہیں حاصل ہوتا، ایسی سبز کاٹی ہوئی فصل برعشر ہے یا نہیں؟

الجواب: امام صاحب کے نزدیک اس پر بھی عشر ہے، جتنا کاٹا جائے اس کا سوال حصہ نکال دیا جائے، ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ۔

بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ

صدقہ فطر کی ادائیگی میں دوسرے سوال (۱) جہاں گھبوں نہ ملے اور آٹا نہایت گراں قیمت ہو شہر کے بھاؤ کا اعتبار نہیں تو اگر دوسرا کسی اور شہر کے گھبوں کے بھاؤ سے صدقہ فطر ادا کرے تو جائز ہوگا یا نہ؟

الجواب: دوسرے شہر کی قیمت کا اعتبار نہ ہوگا، اگر گھبوں نہ ملے تو ایک صاع جو کی قیمت ادا کرے، اور اگر کچھ نہ ملے تو تجار سے پوچھے کہ اگر یہاں گھبوں اس وقت ہوتا تو اس کا کیا بھاؤ ہوتا، اس کے حساب سے قیمت ادا کرے، واللہ اعلم، ۲۰ رمضان ۱۳۲۵ھ۔

صدقہ فطر غیر منصفین چیزوں میں سوال (۲) چاول فطرہ میں گھبوں جو کی قیمت کے حساب سے قیمت کا اعتبار ہے مقدار کا نہیں دیا جائے گا یا ہر ایک کی مقدار شروع کے حساب سے دیا جائے

چاول کا اصل کہیں ہی یا نہیں؟ فقط۔

الجواب: نظر میں چاول دینا جائز ہے، مگر وزن اس کا مقرر نہیں، بلکہ نصف صاع گندم کی جو قیمت ہو اتنی قیمت کے چاول دیوے یا قیمت ہی دیدے، کافی الدر المختار ص ۳۰۱۲۲ وما لم ينص عليه كذرة وخبز يعتبر فيه القيمة فقط۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ، ۱۰ شوال ۱۳۲۵ھ الجواب صحیح ظفر احمد عفا اللہ عنہ، ۱۰ شوال ۱۳۲۵ھ۔

چاول اور دھان سے صدقہ سوال (۳) ہمارے ملک بنگالہ میں گھبوں نہیں ہے، دھان ہے، فطر ادا کرنے کا حکم اور چاول ہے، اگر کسی نے روزہ کا فطرہ چاول سے یا دھان سے

ادا کرنا چاہا تو ادا کر سکتا ہے یا نہیں، اور اگر ادا کر سکتا ہے تو کس طور پر حساب لگانا پڑے گا، گھبوں چار آنہ سیر اور چاول پونے تین آنہ سیر اور دھان دو آنہ سیر ہے، امید قوی ہے کہ ابدال آباد کے لئے ایک خلاصہ حکم فرما کر اطمینان فرمادیں؟

الجواب: نصف صاع گندم وغیرہ یا ایک صاع جو وغیرہ کی جو قیمت ہو اس قیمت کے جتنے چاول یا دھان آتے ہوں اتنے ویسے چادیں، فی الدر المختار ص ۳۰۱۲۲ وما لم ينص عليه كذرة وخبز يعتبر فيه القيمة اه احقر عبد الکریم عفی عنہ۔

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا اللہ عنہ، ۲۱ شوال ۱۳۲۵ھ۔

صدقہ فطر میں موضع مال کی قیمت کا اعتبار سوال (۴) ایک آدمی تمھانہ بھون میں رہتا ہے، ہوگا یا صدقہ ادا کرنے کی جگہ کا اور یہاں کے گھبوں سیر چھ آنہ کر کے خرید کرتا ہے،

اور شہر مراد آباد میں تاجر لوگ گھبوں چار آنہ کر کے خرید کرتا ہے، اس تقدیر پر جو آدمی تمھانہ بھون کا رہنے والا ہے وہ اگر مراد آباد کے بھاؤ سے فطرہ ادا کرے تو ادا ہوگا یا نہیں، یا تمھانہ بھون کے بھاؤ سے دینا ہوگا؟

الجواب: قیمت صدقہ فطر میں قیاس علی الزکوٰۃ کا مقتضی تو یہ ہے کہ موضع مال کی قیمت کا اعتبار ہو قال فی الدر وبقوم فی البلد الذی فیہ المال ولو فی معازرة فقہی اقرب المواضع البہ ۱ھ ص ۲۳۵ وفيه المسا صدقة الفطر كالزکوٰۃ فی المسارفت

وفی کل حال الا فی جواز الدفع الی الذمی وعدم سقوطها بہلاك المال وقد مر ام ص ۱۲۳۰ اور اس فرق پر نظر کی جائے کہ زکوٰۃ کا سبب وجوب مال ہے، اس لئے موضع مال معتبر ہوا، اور صدقہ فطر کا سبب وجوب مال ہے تو اس کا مقتضی یہ ہے کہ صدقہ فطر

میں اُس جگہ کی قیمت کا اعتبار کیا جائے جہاں مستصدق وقت ادائے صدقہ فطر کے موجود ہے،
والثانی راجح عندی نظراً الى العلة ولم اره صريحاً في راجح، والله اعلم، ۲۴ رجب ۱۳۵۲ھ۔

ایک شخص ایک مسکین کو صدقہ فطر لے | سوال (۵) فتاویٰ امدادیہ میں ہے: وجاز دفع کل شخص
یا کئی مسکینوں کو دینا بھی جائز ہے | فطرته الى مسکین علی المذہب کما جاز دفع صدقہ

جماعة الى مسکین ومن بلا خلاف، اور عالمگیریہ جلد اول کتاب الزکوٰۃ میں ہے کہ
وجب دفع صدقہ فطر کل شخص الى مسکین واحد حتى لو فرقہ علی مسکینین او

اکثر لم یجز ویجوز دفع ما یجب علی الجماعة الى مسکین واحد کذا فی التبيين
ص ۱۳۲، ۱۳۳، پس ان دونوں قول میں کس کا قول مرتجح ہے، اور کس پر عمل کرے، ادلہ شرعیہ
سے ارشاد فرمادیں؟

الجواب: قال فی الذر وجاز دفع کل شخص فطرته الى مسکین او متسا
علی ما علیہ الا کثرو به جزم فی الوالوجیه والغانیة والبدائع والمعیط وتبعهم
الزیلعی فی الظہار من غیر ذکر خلاف وصححه فی البرهان فکان هو المذہب
کتفریق الزکوٰۃ والامر فی حدیث اغتوهم للثرب فیفید الاولیة کما دفع
صدقہ جماعة الى مسکین واحد بلا خلاف یعتد بہ ام ص ۲۵۱ ج ۲۔

اس سے معلوم ہوا کہ فتاویٰ امدادیہ میں جو لکھا ہے وہی صحیح ہے، اور عالمگیریہ میں جو ایک
شخص کا صدقہ فطر ایک ہی مسکین کو دینا واجب اور تفریق کو غیر جائز لکھا ہے وہ قول ضعیف ہے
یعنی ہے، ہاں علم میں ادلی وہی ہے جو عالمگیریہ میں ہے، گو اس کے خلاف بھی جائز ہے، واللہ اعلم۔
۲۲ جمادی الثانیہ ۱۳۵۲ھ۔

جس جگہ گندم اور دوسری منصوص اشیاء | سوال (۶) دیریں دیار برابر ہمازراعت گندم نیست،
موجود نہ ہوں وہاں صدقہ فطر اور ان کا کیا ہے | اگر بعض گندم قیمتش دادہ شود، پس قیمت گندم

وغیرہ منصوص علیہ کرام جا کردہ صدقہ فطر دادہ شود، از روی ہر بانی رفع اشتباہ فرمایند؟
الجواب: والمعتبر فی الزکوٰۃ مکان المال وفی الوصیة مکان الموصی وفی
الفطرة مکان المؤدی عند محتمد وهو الاصح در ذیل ص ۳۳ فی النہایة والعنایة

باتہ ظاہر الزوایة وهو المذہب کما فی البحر، شامی (ص ۱۱۲ ج ۲) وفی الدر
ایضا ولو فی مفاہیہ فی اقرب، مصار الیہ، فتح (ص ۳۵ ج ۲)۔

جس شہر میں گندم نہ ہو اگر وہاں جو (شعیر) موجود ہو یا اور کوئی منصوص تو صدقہ فطر ایک
صاع جو کی یا دوسرے منصوص کی قیمت سے ادا کیا جائے، اگر گندم اور جو وغیرہ منصوص نہ ہوں
تو اس شہر سے قریب تر شہر جو ایسا ہو جس میں گندم و جو موجود ہوں تو اس قریب تر شہر میں نصف
صاع گندم یا ایک صاع جو کی قیمت جو کچھ ہو اس سے صدقہ فطر ادا کیا جائے، واللہ تعالیٰ اعلم
۲۴ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ

وزن صاع کی تحقیق | سوال (۷) صدقہ فطر جو کہ ہر شخص کے ذمہ نصف صاع گہوں یا ایک
صاع جو وغیرہ واجب بتلا یا جاتلہ ہے، مگر یہ یقینی نہیں بتلا یا جاتلہ کہ نصف صاع یا ایک صاع

انگریزی تول کے حساب سے جو کہ انسی تولہ کا ہوتا ہے، کیا ہونا چاہئے؟ بعض کہتے ہیں کہ احثا
کے نزدیک ایک صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے، مگر یہ معلوم نہیں کہ رطل کتنے وزن کا ہوتا ہے،

اور کیا قیمت رکھتا ہے؟ بعض کا قول ہے کہ صاع انگریزی تول کے حساب سے ساڑھے
تین سیر یا تین سیر دس چھٹانک کا ہوتا ہے، اور نصف صاع ایک سیر تیرہ چھٹانک یا

ساڑھے بارہ چھٹانک یا ساڑھے نو چھٹانک یا دو سیر سچتہ بتاتے ہیں، اب یہ بات دریافت
طلب ہے کہ صاع اور نصف صاع کو حساب کی شکل میں لا کر بالتفصیل تحریر فرمایا جاوے

تاکہ یقینی طور پر صاع اور نصف صاع کی بابت معلوم ہو جائے کہ وہ انسی تولہ کے حساب سے
کتنے کا ہوتا ہے، بیٹو؟

الجواب: دو مختار میں صاع کا وزن ایک ہزار چالیس درہم لکھا ہے، اور درہم
کے بارے میں اختلاف ہے، لیکن شرح دقاییہ میں دس درہم کو سات مثقال کے برابر لکھا ہے

اور مثقال کا صحیح وزن بقول غیاث اللغات ۰۲ ماشہ ہے، پس درہم ۳ ماشہ ۱/۲ ارتی کا ہوا،
ر منظر ہر حق میں بھی درہم کا یہی وزن لیا ہے) اور صاع دو سو تہتر تولہ کا ہوا، جیسا کہ

مولانا محمد یعقوب صاحب نے اپنی بیاض میں درج کر دیا ہے، اب ان کے سیر ہر شخص اپنی اپنی
علاقہ کے مطابق کر سکتا ہے، انسی کے حساب سے نصف صاع پونے دو سیر کا ہوتا ہے، اور

ہمارے علماء کے کرام کا یہی قول ہے، مگر احتیاطاً پورے دو سیر ادا کرنے کے لئے فرمادیا کرتے
ہیں، انسی پر عمل کرنا چاہئے، اور دوسرے اقوال جو صاع کے متعلق ہیں ان کی بناء درہم کے ذر

عہ خاصاً اس وجہ سے کہ مذکور وزن ماش یا مسور کا ہے یعنی جس برتن میں دو سو تہتر تولہ مسور ساتی ہو
اس میں گہوں بھر کر دینا چاہئے اور ظاہر ہے کہ گہوں کا وزن اور ماش و مسور کا وزن متفاوت ہے،

۳ و نیز گہوں خود ہلکی و بھاری ہوتی ہے، پس احتیاطاً دو سیر میں ہی تاکہ یقیناً صدقہ فطر ادا ہو جاوے ۱۳ منہ

میں اور خود صاع کے وزن میں رکہ وہ کتنے درہم کلبے) اختلاف ہوتا ہے، واللہ اعلم بالشواب۔
فائدہ عظیمہ؛ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے پاس ایک مدتہا جن کی سند
 حضرت زید بن ثابتؓ تک مسلسل ہے کہ حضرت زید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مد سے ناپ کر
 وہ مد بنایا تھا، اُس مد کو حضرت مولانا تھانوی مد ظہم العالی نے دو مرتبہ بھر کر وزن کیا تو اُنسی
 کے سیر سے پونے دو سیر ہوا تھا، جو حساب مذکورہ بالا کے مطابق ہے، واللہ اعلم بالذکر حدیثاً
 کثیراً کثیراً۔

نوٹ؛ نصف صاع ۶ ماشہ، ۱۳۶ تولہ کا ہوا، اور چونکہ روپیہ ۱۱ ماشہ کا ہوتا ہے،
 اس واسطے ۲۸ ماشہ تولہ کا اٹانہ کر کے روپیوں کے حساب سے نصف صاع ۳ رتی ۲ ماشہ
 ۱۲۲ روپیہ بھر ہوتا ہے، کتبہ الاحقر عبدالکریم، ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۸ھ۔
 الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ، ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۸ھ۔

فقہ اور جرم قربانی کی قیمت | سوال (۸) میرے محلہ والے لوگ اکثر قرضدار ہیں اور بعض
 میں تملیک شرط ہے | تو انگریز نہیں ہیں، اس لئے چاہتا ہوں کہ اپنے محلہ کی قربانیوں کے
 جہڑے اور روزوں کے فطرے ایک جگہ جمع کر کے ایک تحویل بنا کے اس کے روپے سے
 محلہ والوں کو نفع پہنچاؤں، خواہ نسبتاً بیع کے طریقہ پر خواہ قرض حسنہ کی روش پر تاکہ
 محلہ والے لوگ سودی قرض سے بچیں، شرعیہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب؛ یہ صورت جائز نہیں ہے، کیونکہ جرم قربانی کی قیمت اور صدقہ فطر کا
 بطور تملیک دینا ضروری ہے، اور صورت مذکورہ فی السؤال میں تملیک مفقود ہے، مک
 لا یخفی، واللہ اعلم، احقر عبدالکریم عفا عنہ، ۵ رمضان ۱۳۲۸ھ۔

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ۔

تحقیق مقدار صدقہ فطر | سوال (۹) مقدار صدقہ فطر بحساب بنگالہ کہ از دازدہ ماشہ
 تولہ واز پنج تولہ چھٹانک واز شانزدہ چھٹانک یا ہشتاد تولہ سیر باشد چلیت؟

الجواب؛ تقدیرش موقوف بر تحقیق صاع است، لما ردی عن النبی صلی اللہ
 علیہ وسلم اذ واد صدقائکم الخ ودر ان اختلاف کثیر است، لیکن بقول فقہائے محققین وزن
 صاع ۱۰۴۰ درم است، رکبذانی الدر المنخار وغیرہ، وده درم از اہنا وزن ہفت مثقال
 رکبذانی الدر وشرح الوقایہ وغیرہما، و مثقال بقول صحیح چہار ویم ماشہ رکبذانی الغیاث،

پس از ۵۴۰ درم مبلغ ۳۲۷۶ ماشہ و بحساب مسئول از یک صاع ۲۷۳ تولہ یا بشرہ
 چنانچہ در بیاض یعقوبی و مظاہر حق میں حساب موجود است) و صدقہ فطر نصف صاع از
 گندم یک سیر و یازدہ چھٹانک یک تولہ شش ماشہ گردید (بوقتیکہ تولہ بوزن بارہ ماشہ
 گرفتہ شود) (چنانچہ در بیاض یعقوبی و مظاہر حق میں حساب موجود است) لیکن علماء اکرام
 یک سیر و یازدہ چھٹانک بلکہ برائے مزید احتیاط دو سیر سم فرمودہ اند، واللہ اعلم و علمہ تم
 واحکم، احقر عبدالکریم عفا عنہ، ۲۵ شوال المکرم ۱۳۲۸ھ، الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ۔

غیر منصوص اشیاء سے صدقہ فطر | سوال (۱۰) آفتاب دولت سراج ملت جناب حکیم الامت
 ادا کرنے میں قیمت کا اعتبار ہو | دام ظلہ - السلام علیکم، بعد تمنائے قد مبوسی عرض خدمت
 مقدار کا نہیں | اقدس یہ ہے کہ فدوی کو بوجہ کم علمی ذیل کے مسئلوں میں نہایت

شک پیدا ہوا، لہذا امید واثق ہے کہ جواب بالمراد عطا فرما کر فلاح دارین بخشیں گے۔
 ۱۔ صدقہ فطر گیہوں اور جو وغیرہ وغیرہ کے علاوہ چاول جو ہائے ملک میں خاص غلہ ہر
 سال بسال انگریزی تول سے ڈھائی سیر بمقابل نصف صاع دینے سے ادا ہوگا یا نہ، یا ہندوستان
 سے گیہوں کا بھاؤ سال بسال دریافت کر کے اس کی قیمت کے مقابل جتنے سیر چاول آسے دینا
 ہوگا، یہاں کے بعض عالم یہ بتاتے ہیں کہ جس ملک میں جس غلہ کا زیادہ تر رواج ہے، اور اسی
 سے اوقات بسری ہوتی ہے، مذکورہ بالا مقدار پر دینے سے ادا ہوگا، اگر ہو یہ ہمارے مذہب
 میں ہے یا نہ، مگر یہاں کی اصلی خوراک صرف چاول ہے۔

الجواب؛ قال فی الدر و فی الفطرۃ مکان المؤدی عند محمد و هو
 الاصح ۸۵ و فیہ ایضاً و ما لم یخص علیہ کذرقہ وخبز یعبر فیہ القیمۃ ۸۵
 (ص ۱۲۲، ۲۳) جس ملک میں چاول کا رواج زیادہ ہو وہاں چاول کا نصف صاع ادا کرنے
 سے صدقہ فطر ادا ہوگا، بلکہ نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو یا ایک صاع چھوڑہ
 کی قیمت ادا کرنے سے صدقہ فطر ادا ہوگا، اور گیہوں کی ہندوستانی قیمت سال بہ سال معلوم
 کرنا معتبر نہیں، بلکہ بنگال ہی میں نصف صاع گیہوں کی جو قیمت ہو اس کا لحاظ لازم ہوگا
 پس یا تو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو یا ایک صاع چھوڑہ ادا کیا جائے، یا ان میں
 سے کسی ایک کی قیمت نقد یا اس قیمت کے برابر چاول ادا کئے جائیں۔

سوال ۱۱، کتاب صدقہ فطر میں جو ایک صاع مذکور ہے چاول اس کے مقابل

میں دو چند دینے سے انگریزی قول سے اس کی مقدار کتنی ہوگی؟

الجواب: اس سوال کی حاجت کیلئے، نصف صاع کا وزن پونے دو سیر ہے، اسٹی کے سیر سے اس کا دو چند خود معلوم کر لیا جائے، لیکن اگر ایک صاع چاول بھی نصف صاع گیہوں کی یا ایک صاع جو و چھوڑہ کی قیمت کو نہ پہنچے تو صدقہ فطر ادا نہ ہوگا، ذیقعدہ سے صدقہ فطر وصول کرنے کی غرض سے کمیٹیاں قائم کر کے لوگوں سے صدقہ الفطر وصول کریں، اور اس کی تقسیم کا انتظام کمیٹیاں کریں، آیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: آجکل کمیٹیوں کی جو حالت ہے اس سے یہ امید نہیں کہ صدقہ الفطر کو صحیح طور پر مصارف میں صرف کیا جائے گا، نیز یہ بھی اندیشہ ہے کہ کمیٹی والے مسلمانوں سے صدقہ الفطر جبراً وصول کریں گے، حالانکہ اس میں جبر کا کسی کو حق نہیں، اس لئے یہ صورت درست نہیں، ہر شخص جہاں چاہے اور جہاں چاہے اپنا صدقہ دے، یہی بہتر ہے، واللہ اعلم بالصواب
ظفر احمد عفا عنہ ۲۴ رجب ۱۳۵۷ھ، الجواب عن الصواب، اشرف علی عفی عنہ ۲۹ رجب ۱۳۵۷ھ

باب المصارف

تو بیگہ زمین کے مالک کو عیال دار اس سوال را زید غریب مسکین ہے، مگر اس کی دختر ہونے کی صورت میں زکوٰۃ لینو کا حکم مرحومہ کا زر مہر مثلاً ہزار دو ہزار روپے زید کے داماد کے ذمہ واجب ہے، جو کہ نالاش کرنے پر ممکن ہے وصول ہو جائیں اور ممکن ہے وصول نہ ہو سکیں مگر زید کا عزم نالاش کر کے وصول کرنے کا ہی معاف کرنے کا نہیں ہے۔

اور ایسے ہی بکرمفلس خستہ حال عیال دار ہے مگر اس کے نام ایک موضع ویران مشہرہ میں آراضی زرعی ہزار بیگہ ہے، جو کہ موضع ویران ہو جانے سے محض بیکار پڑی ہے، کچھ آمد نہیں، البتہ فروخت کرنے تو کسی ہزار مل سکتے ہیں، تو ایسے دونوں شخصوں کو زکوٰۃ کا مال شرعاً جائز ہے یا نہیں، جواب باصواب معہ دستخط مرحمت فرمادیں؟

الجواب: صورت مسئلہ میں ان دونوں شخصوں کو زکوٰۃ لینا جائز ہے، مگر جس کے پاس افتادہ زمین ہے اس کو لازم ہے کہ اس کو فروخت کرنے کی کوشش کرے، اور جب تک خریدار نہ پیدا ہو زکوٰۃ کا مال لے سکتا ہے، قال اللہ تعالیٰ مالک مالہ مؤجلًا او

علی غائب او محسوس او باحد ولولہ بنیۃ فی الاصح ام قال الشامی وفي الفتح دفع الی فقیرۃ لہا دین مہر علی زوجها یبلغ نصابا وہو موس بحیث لو طلبت اعطاها لا یجوز وان کان لا یعطى لو طلبت جازا م ص ۹۹ ج ۲ ذکر فی الفتاویٰ فی من لا حیوانیت و دور للفقۃ لکن غلتہا لا تکفیه ولعیالہ انہ فقیر و یحل لہ اخذ الصدقۃ عند محتمد وعند ابی یوسف لا یحل ام ص ۱۰۳ ج ۲ شامی و لو کان لہ ضیعۃ تساوی ثلاثۃ الاف ولا یتخرج ما یکفی لہ ولعیالہ اختلفوا فیہ قال محمد بن مقاتل یجوز لہ اخذ الزکوٰۃ عالمگیریہ ص ۱۲۲ ج ۱، ۲۲ ر ۱

تراویح سنانے والے کو اجرت میں سوال (۲) میرے ملک میں بعض حافظ بعض مسجدوں میں رقم دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی باجرت تراویح میں قرآن سناتے ہیں، اور بعض کو بچہ تہ کے لئے وغیرہ کہہ کر دیتے ہیں، ایسے ملک میں جو حافظ اجرت و شبہ اجرت کو ناجائز مانتے ہیں اگر اس کو مصیبتوں نے صدقہ فطر و زکوٰۃ کہہ کر کچھ روپیہ پیسہ دیں، لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جو حافظ اجرت پر قرآن سناتے ہیں ان کو زکوٰۃ و فطرہ دینے سے واجب ذمہ سے ساقط نہ ہوگا، کیونکہ مال زکوٰۃ و فطرہ کا تصدق و تملیک مجانب ضروری ہے، اور یہاں اجرت میں دیا گیا، البتہ جو حافظ باجرت نہیں سناتے، بلکہ اجرت و شبہ اجرت کو ناجائز سمجھتے ہیں اگر وہ فقیر ہوں صاحب نصاب نہ ہوں ان کو زکوٰۃ و فطرہ کار و پیر دینا جائز ہے، مگر یہ تصریح کر دینی چاہئے کہ یہ تم کو اجرت میں نہیں دیا گیا نہ تمہارا کچھ حق تھا، محض غریب سمجھ کر دیا گیا ہے، نیز جب ان حفاظ کے پاس قدر نصاب رقم جمع ہو جاوے اس کے بعد ان کو زکوٰۃ و فطرہ نہ دیا جاوے، ورنہ واجب ادا نہ ہوگا، الا ان یكون مدیونًا بقدر ما یحیط بہا لہ فیصح فافہم، ۳ شعبان ۱۳۵۷ھ

بیوی شوہر باپ، بیٹے کو سوال (۳) معروض اینکه حضور رفیق بنجورد میں زیارہ مسئلہ مذکور صدقہ و نذر دینا جائز نہیں اختلاف افتاد، ولہذا بخدمت حضور عرض کم تا کہ از ہنگام تنازعہ بخیر و دحق ظہور شود اقتداء ہنگام بر راتے حضور ند، جناب از روئے ہر بانی مسلمہ مرقومہ الذیل را بیان فرمودہ فیصلہ کنند کہ اگر زوج محتاج باشد زوجہ صدقہ نذر خود را دون جائز است یا نہ یا بالعکس اگر پدر محتاج باشد پدر خود را صدقہ نذر دادن جائز است یا نہ یا بالعکس مسئلہ نذر فتاویٰ عزیزی از مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی جلد دوم صفحہ ۱۰۶

مرقوم است و مجموعہ فتاویٰ جلد دوم ص ۲۹۹ و جلد سوم ص ۱۲۳ از مولانا عبدالحی صاحب مرقوم است و بہشتی زیور حصہ سوم ص ۶۳ مرقوم است لیکن ہنگنان را ازیں کتب مسئلہ مذکور با تہریر و در فہم نمی آید لاجرم بخدمت حضور عرض نمایم، زیادہ والسلام۔

الجواب: فی العالمگیریہ (ص ۱۱۲، ۱۱۳) ولایدفع الی اصلہ وان علا و فراعہ وان سفل کذا فی الکافی ولایدفع الی امرأته للاشتراك فی المنافع عاۃ ولایدفع المرأۃ الی زوجہا عند اہل حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کذا فی الہدایۃ وھذا فی الدرر وقال الشامی تحت قول الذر مصرف الزکوٰۃ الخ وھو مصرف لصدقۃ الفطر والکفارۃ والتذر وغیر ذلک من الصدقات الواجبة کما فی القہستانی، پس زوج و زوجہ و پدر و پسر را صدقہ نذر دادن جائز نیست، فقط کتبہ عبدالکریم عفی عنہ ۸ جمادی الاول ۱۲۲۲م الجواب صحیح نظر احمد عفا اللہ عنہ۔

زکوٰۃ کے روپیہ سے ضیافت کر کے | سوال (۴) زکوٰۃ کے روپے سے اگر ضیافت کر کے فقیروں کو کھلانے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی | کو کھلا دیوے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب: فقیروں کو کھانا کھلانے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، البتہ اگر ان کو کھانا بطور بلک دیدیا جاوے تو ادا ہو جاوے گی، کما فی الشامی (ص ۳ ج ۲) فلواطعم یتیمانا ویتا للزکوٰۃ لایجزیہ الا اذ اذ دفع الیہ المطعوم کتبہ الاحقر عبدالکریم ۸ جمادی الاولیٰ ۱۲۲۲م۔

کافر کو زکوٰۃ و دیگر صدقات واجبہ دینے کے متعلق | سوال (۵) بہشتی زیور مدلل و مکمل جلد سوم بہشتی زیور کے مسئلہ پر شبہ کا جواب صفحہ ۳۳ مسئلہ نمبر ۸ میں بحوالہ در مختار ص ۶ ج ۱ مرقوم ہے کہ زکوٰۃ کا پیسہ کسی کافر کو دینا درست نہیں، مسلمان ہی کو دیوے، اور زکوٰۃ اور عشر اور صدقہ فطر اور نذر اور کفارہ کے سوا اور خیر خیرات کا کافر کو بھی دینا درست ہے، در مختار میں دیکھا گیا تو یہ عبارت ملتی ہے۔

وجاز دفع غیرھا وغیر العشر والخراج الیہ ای الذمی ولو واجبا کمنذر وکفارۃ و فطرۃ خلافا للثانی وبقولہ یفتی حاوی القدسی، اور شامی میں خلافا للثانی کے تحت مرقوم ہے، حیث قال ان دفع سائر الصدقات الواجبة الیہ

عہ بعد اس کھانے کے قیمت کے خواہ اس کی تیاری میں لاگت کم لگی ہو یا زیادہ ۱۲ از حضرت مولانا مدظلہم العالی۔

لا یجوز اعتبارا بالزکوٰۃ وصرح فی الہدایۃ وغیرھا بان ہذا روایۃ عن الثانی و ظاہرہ ان قولہ المشہور کقولہما اور بقولہ یفتی کے تحت میں ہے الذی فی حاشیۃ الروملی عن الحاوی وبقولہ ناخذ قلت ولكن کلام الہدایۃ وغیرھا یفید ترجیح قولہما وعلیہ المتون، ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسف سے صرف ایک روایت ہے، کہ نذر و کفارہ و دیگر صدقات واجبہ کافر کو دینا جائز نہیں ہے، مگر طرفین کے نزدیک اور خود امام ابو یوسف کے نزدیک جیسا کہ وہ روایت عنہ سے ظاہر ہے، زکوٰۃ کے علاوہ باقی تمام صدقات واجبہ اور نافلہ کا دینا جائز ہے۔

اور بہشتی زیور کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ و صدقات واجبہ کے سوا کا دینا جائز ہے، اور صدقات واجبہ نہیں دے سکتا، اب شبہ یہ ہو رہا ہے کہ متون اور طرفین رحمہما اللہ کے خلاف بہشتی زیور میں کیوں درج ہوا، کیا کوئی دوسری دلیل ان سب دلائل پر فوقیت رکھتی والی موجود ہے، اگر موجود تھی تو کیوں نہیں درج فرمائی گئی، اور اگر نہیں موجود ہے تو یہ دلائل کیوں نظر انداز کر دیئے گئے، امید کہ شانی جواب سے تشفی بخشی جاوے؟

الجواب: چونکہ امام ابو یوسف کی وہ روایت مفتی بہ سے جس میں نذر و کفارہ کو زکوٰۃ کے حکم میں داخل کیا ہے، چنانچہ سوال میں بقولہ یفتی وبقولہ ناخذ خود نقل کیا ہے، پس اس بناء پر بہشتی زیور میں نذر و کفارہ کو زکوٰۃ کے ساتھ درج کیا ہے، باقی رہی یہ بات کہ متون کے خلاف کیوں لکھا، اس کا جواب یہ ہے کہ متون کے خلاف اگر فتویٰ کی تصریح موجود ہو تو فتوے پر عمل کیا جاوے گا، کما فی الشامی (ص ۲، ج ۱) اما لو ذکرنا مسئلۃ فی المتون ولم یصرحوا بتصحیحہا بل صرحوا بتصحیح مقابلیہا فقد افاد العلامۃ قاسم ترجیح الثانی لانہ تصحیح صریح ومانی المتون تصحیح التواضیح والتصحیح الصریح مقدم علی التصحیح الالترامی، اور ہم کو فقہاء کی تصریح کے بعد وجہ تلاش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، لیکن ان کی تصریح بالفتویٰ کے بعد اس کے کہنے کی جرأت ہو سکتی ہے، کہ امام ابو یوسف کی روایت میں حیثیاط ہی، اس لئے وہی مفتی بہ ہے، کافر کو نذر وغیرہ دے کر ادا ہونا مکمل ہے، کما ہوا الظاہر، بلکہ ہندوستان میں تو طرفین کے قول کو لے کر بھی نذر وغیرہ صدقات واجبہ نہ دینا چاہئے، کیونکہ طرفین کے نزدیک بھی ہر کافر کو دینا جائز نہیں، بلکہ ذمی کی قید ہے، جیسا کہ سوال کی عبارت میں موجود ہے، دیندر مختار ہی میں عبارت مذکورہ فی السؤال کے بعد ہے: واما

واما الحربی ولو مستامنا فجميع الصدقات لا تجوز له اتفاقا بجر عن الغایه
 (رشامی ص ۱۰۸ ج ۲) اور ہندوستان کے کفار کا ذمی ہونا مختلف فیہ ہے، ہذا ما نسخ فی
 واللہ اعلم بالصواب، کتبہ الاحقر عبد الکریم ۶ رمضان المبارک ۱۲۲۴ھ۔

زکوٰۃ اپنے لڑکے کو دینے سے ادا نہیں ہوتی | سوال (۶) خالد اپنے مال کی زکوٰۃ خود نکالتا ہے اس
 زکوٰۃ کا پیسہ سے اپنے لڑکے کے لئے کتابیں خرید دیتا ہے، آیا یہ زکوٰۃ ادا ہوتی یا نہیں، اور یہ
 لڑکا حقیقی اور شامل حال ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، کیونکہ اولاد والدین و زوجین
 زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہیں، واللہ اعلم، ۲۱ شعبان ۱۲۲۵ھ۔

جس شخص پر قربانی واجب ہو مگر زکوٰۃ | سوال (۷) بندہ کے اسباب مکان کی رو سے قربانی تو
 واجب ہو وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے یا نہیں

واجب ہے، اور بوجہ نہ جمع ہونے رو پیہ کے زکوٰۃ واجب
 نہیں، اب میرے پاس جاڑے کا لٹا نہیں ہے، جو کچھ رو پیہ حساب کا ہو وہ اگر لٹا میں
 خرچ کیا جاوے تو ضروری خرچ میں تنگی ہوگی، اب مدرسہ میں جو لٹا زکوٰۃ آنے میں بندہ کو
 لینا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: جو شخص صاحب نصاب زکوٰۃ نہ ہو مگر صاحب نصاب صدقۃ الفطر و
 قربانی ہو اس کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں، قال فی الدر فی بیان نصاب صدقۃ الفطر و
 بہ ای بهذا النصاب تحرم الصدقة كما تزوجب الاضحية ام رص، ۱۱ ج ۲
 قال الشامی قوله نحرمة الصدقة ای الواجبة اما القافلة فاشما يحرم عليه
 سوالہا واذا كان النصاب لمذکور مستغنی ما بحاجتہ فلا تحرم عليه الصدقة
 ولا يجب به ما بعد ما قلنا ولكن السؤال يفيد فراغ النصاب عن الحاجة
 لقول التامل انه ممن تجب عليه الاضحية وهي لا تجب الا على الذی
 عنده نصاب غیر نام فارغ عن الحاجة الاصلية فلا يجوز للسائل ان ياخذ
 مال الزکوٰۃ، واللہ اعلم، ۱۸ جمادی الاول ۱۲۲۵ھ۔

ایضا ایضا ایضا | سوال (۸) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، گذارش ہے کہ
 بندہ پر بوجہ اسباب مکان کے اضحیہ اور صدقۃ الفطر تو واجب ہے، لیکن بوجہ نہ ہونے نصاب
 نامی کے زکوٰۃ واجب نہیں، اور اس وقت مسافری کی حالت میں دفعیہ جاڑے کے واسطے

لحاح کی ضرورت ہے، اور اگر اپنے پاس سے خرچ دے کر تیار کر لیا جاوے تو آئندہ ضروری خرچ
 میں تنگی کا احتمال ہے، پس اس صورت میں مدرسہ میں جو لٹا ہمد زکوٰۃ آنے میں، بندہ کو
 لینا جائز ہوگا، والسلام،

الجواب: ہاں اس صورت میں بوجہ ابن اسبیل ہونے کے آپ کو زکوٰۃ کی چیز لینا
 جائز ہے، لیکن سوال کرنا جائز نہیں، بدو دن سوال کے مل جائے تو جائز ہے، اور اگر مال
 زکوٰۃ تقسیم کرنے والا یہ کہو کہ جسکو حاجت ہو وہ درخواست پیش کرے خواہ آپ سے کہے یا عام
 طور پر خانقاہ والوں سے کیا جائے تو اس صورت میں حاجت کی اطلاع کرنا سوال میں داخل
 نہیں، پس اطلاع کر دینا جائز ہے، واللہ اعلم، ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۲۲۵ھ۔

الاحتیاط اللازم فی التصدق علی بنی ہاشم | سوال (۹) ما قولکم دام ظلتکم فی رجل
 زائد غیر، والقول الخاتم فی حرمة الزکوٰۃ علی بنی ہاشم | اعطی زکوٰۃ مالہ سنین عدیدۃ لبنی ہاشم

عارفاً ایہم وهو لظن انہم من مصارف الزکوٰۃ فهل يجب علیہ ان یعید ما دفع
 الیہم بعد ما علم انہ لا يجوز لہم دفع الزکوٰۃ ام کیف الامر وهل ترون دفع
 الزکوٰۃ الی بنی ہاشم فی زماننا هذا بناء علی روایۃ ابی عصمۃ رحمہ اللہ؟
 فانه لا تخفی علی ساداتکم العالۃ البائسۃ اللتی نزلت بالمسلمین عامۃ و
 لبنی ہاشم خاصۃ بالدیار الهندیۃ والناس لا یکادون ان یتوجهوا الیہم
 بما یسد فاقترہم بید ان البعض ممن یخاف اللہ سبحانہ تکاد نفسه ان
 تسمع بدفع بعض الصدقات الواجبة هذا ولله الفضل والمنۃ ولرسوله
 ثم لکم۔

الجواب عن مسألۃ الصدقة علی بنی ہاشم

اقول لا یخفی علی فضیلتکم ان مذہب ائمتنا الثلثۃ تحريم الصدقة
 علی بنی ہاشم مطلقاً فریضتہا ونافلتہا الا ما كانت بطریق الہدیۃ والہبۃ
 كما ذکرہ الطحاوی فی شرح الآثار وقواہ بالذلائل الثقلیۃ والنظریۃ ثم
 قال فلما حرم علی بنی ہاشم اخذ الصدقات المفروضات حرم علیہم اخذ
 الصدقات غیر المفروضات هذا هو النظر فی هذا الباب وهو قول ابی حلیفۃ
 وابی یوسف ومحمد رحمہم اللہ (ص ۳۰۱ ج ۱) قال المحقق ابن الہمام فی الفتح

وهو رأي تحريم الصدقة عليه بسم مطلقاً من الموافق للعمومات فوجب اعتباره فلا يذبح
اليهم النافلة الاعلى وجه الهبة مع الادب وخفض الجناح تكريمة لاهل بيت
رسول الله صلى الله عليه وسلم رص ۲۱۲ ج ۲ ولكن المشائخ توسعوا في ذلك وقالوا
لجواز النافلة لهم واجابوا عن العمومات بانها وان كانت عامة لفظاً كقوله صلى الله
عليه وسلم انا آل محمد لا ناكل الصدقة وفي رواية انا اهل بيت قد نهينا
ان ناكل الصدقة وفي لفظ ان آل محمد لا يجل لهم الصدقة ولكنهما مخصصو
معنى يدل ما اخرج به مسلم من رواية عبد المطلب بن ربيعة مرفوعاً ان هذا
الصدقات انما هي اوساخ الناس وانها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد الحديث
ففيه ما يشعر بعلية حرمة الصدقة عليهم وهي كونها من اوساخ الناس والمال
ليس بنجس وانما يتدلس خلافاً للقياس باسقاط الفرض ضرورة انه صاس
مطهراً بالنص وهو قوله تعالى خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيتهم بها لا
يقال ان الصدقة النافلة مطهرة ايضاً لاننا نقول لا دليل على كونها مطهرة بل يجوز
ان تكون محسنة مزنية مجلية والتحسين والتزيين والجللاء جعله بعد التطهير
فلا يلزم منه تدلس ما يحصل به ذلك فيبقى ما وراءه على ما يقتضيه القياس
من الطهارة الاصلية فان الثابت خلاف القياس يقتصر على مورده والنص هو
قوله من اوساخ الناس ورد في المكتوبة خاصة كما هو ظاهر حديث عبد المطلب
بن ربيعة فيجوز ما سوى الزكوة ونحوها من الواجبات لبني هاشم وهذه التسعة
التي وسع بها المشائخ على بني هاشم هي غاية ما يصار اليه ولا يتصور عندنا الزيادة
عنه ويرد عليه ان حرمة الصدقة على بني هاشم كحرمتها على النبي صلى الله عليه وسلم سواء
سواء كما هو ظاهر لتخصص وليس فيها ما يعين الفرق ولا يخفى انها كانت محرمة على النبي
صلى الله عليه وسلم مطلقاً يدل عليه حديث سلمان انه اتى النبي صلى الله عليه وسلم
بصدقة حين قدم المدينة فردها عليه وقال انا لا ناكل الصدقة وكان سلمان عنده ممن
لا يجب عليه الزكوة وقد صح انه صلى الله عليه وسلم اذا علم بشي انه صدقة امسك
عنه مطلقاً ولم يسئل الله صدقة من زكوة او غيره ذلك كما لا يخفى

عليه واما ما رواه ابو عصمة عن الامام و اشار اليها الطحاوي ايثارة يجوز دفع سائر
الصدقات اليهم في زمانه لان عوضها وهو خمس الخمس لم يصل اليهم الا كما في
رد المحتار رص ۱۰۶ ج ۲ فهو ضعيف رواية ودراية لا يجوز الاخذ به اصلاً اما ضعفه
رواية فلان اباعصمة ضعيف رواه ابن المبارك وغيره بالكذب والوضع واما
ضعفه دراية فلان مبناه على كون خمس الخمس لبني هاشم عوضاً عن تحريم
الصدقة عليهم فان كان قاله الامام بالتراعي قلنا هذا تعليل ببعض النص فان
حديث عبد المطلب بن ربيعة عن مسلم دال على ان علة التحريم كون الصدقات
من اوساخ الناس وان قاله بالنص فلا بد له من نص يدل على كون ذلك عوضاً
عن هذا ولم يرد نص صحيح بذلك اصلاً فيما علمناه واما اللفظ الذي رواه صاحب
الهداية انه صلى الله عليه وسلم قال يا بني هاشم ان الله تعالى حرم عليكم غسالة
الناس واوساخهم وعوضكم منها بخمس الخمس فغريب جداً كما صرح به
الزيلعي وانما الصحيح ما اخرج به مسلم بلفظ ان هذه الصدقات انما هي
اوساخ الناس وانها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد وليس فيه ما زاده في الهداية
من قوله وعوضكم منها بخمس الخمس نعم قد رواه الطبراني بطريق حش عن عكرمة
عن ابن عباس وفي اخره فقال لهم صلى الله عليه وسلم انه لا يجل لكم اهل البيت
من الصدقات شئ وان لكم في خمس الخمس ما يغنيكم انتهى كما في نصب الراية
رص ۲۱۸ ج ۱ ولكن ليس فيه دلالة على كون خمس الخمس لبني هاشم عوضاً
عن تحريم الصدقات عليهم بل يحتمل ان يكون قوله ان لكم في خمس الخمس
ما يغنيكم تسليية لهما ومعناه انه لا حاجة لكم الى الصدقات الآن لان لكم
في خمس الخمس ما يغنيكم ولا يجب عموم التسليية والابقاء لها على حالها اذا
بل يجوز ان يسئل واحد بشي واخر بشي وان يكون التسليية في زمان بشي وفي
زمان الاخر بشي الاخر وذلك لان التسليية لا تكون علة للحكم بل المقصود منها حرض
المخاطب على الامتثال وتقوية قلبه لذلك كما لا يخفى
وان سلمنا كونه دالاً على معنى التعويض فنقول لفظ الطبراني هذا لم يصح
سنداً لان حشاً متروك ولا يروى عن عكرمة مولى ابن عباس احد غيره

من يلقب بجلش كما لا يخفى على من مارس الاسانيد واسمه حسين بن قيس ابو
 على الرحبي (تقريب) وروى ابن ابي شيبة في مصنفه حدثنا وكيع ثنا شريك عن
 خصيف عن مجاهد قال كان آل محمد صلى الله عليه وسلم لا تعمل لهم الصدقة
 فجعل لهم خمس لخمس ورواه الطبري في تفسيره ثنا ابن وكيع به (سندا او متنا)
 كما في نصيب الراية وفيه تأييد للفظ الهداية فانه مشعر بكون خمس لخمس
 عوضا عن تحريم الصدقة عليهم ولكنه موقوف على مجاهد وفي سنده خصيف
 هو صدوق شيء الحفظ خلط بأخوه ولما قيل ان يقول ان حديث مثلة حسن في الدر
 الثانية وهو صالح للاحتجاج به والاعتدال عن وقفه ممكن بان معناه مما لا يدرك
 بالرائي واذا روى التابعي ما لا يدرك بالرائي كان في حكم المرسل المرفوع وهو حجة
 عند الحنفية تأمل ويرد عليه ان الاحتجاج بقول مجاهد يقتضي ان يكون سهم
 ذري القربي وهو خمس الخمس باقيا ويجب على الامام ان يصرف خمس لخمس
 من الغنمة على بنى هاشم وهذا انما هو قول الشافعي دون ابي حنيفة فعندنا يقسم
 الخمس على الثلثة سهم لليتامى وسهم للمساكين وسهم لابن السبيل يدل
 فقراء ذري القربي فيهم ولا يدفع الى اغنيائهم كما صرح به في الهداية (ص ۵۵۶) لم
 وليس لهم خمس لخمس عندنا متعينا ولو كان ذلك عوضا عن تحريم الصدقات
 عليهم لوجب صرفه اليهم وذلك يقتضي تخميس الغنمة لا تثليثه وهذا خلاف
 المشهور من مذهب ابي حنيفة وصاحبيه كما لا يخفى على من مارس لفقه واذا
 كان كذلك فالقول باباحة صرف الصدقات الى بنى هاشم لعدم وصول خمس
 الخمس اليهم انما يصح لمن قال تبعين حقهم في خمس لخمس في حياة النبي
 صلى الله عليه وسلم وبعد وفاته كما قاله ابن عباس واخذ به الشافعي واما
 من قال ان خمس الخمس لم يكن لبنى هاشم لا في حياة النبي صلى الله عليه وسلم
 ولا بعد مماته وانما ذكر الله ذري القربي في الآية مع اليتامى والمساكين
 بحال فقرهم وحاجتهم فادخلهم مع الفقراء والمساكين وقدم فقرهم
 ومساكينهم على فقرهم فلا يخرج لهم سهم من الغنمة على حد تبين
 سهم الفقراء والمساكين يكفونهم ويقدمون على غيرهم من الفقراء كما مذ ابي حنيفة

واسعابه فلا يجوز له القول باباحة صرف الصدقات الى بنى هاشم الا
 لعدم وصول خمس اليهم ولا يصح منه القول بذلك ابدا لانه لا يقول
 بحقهم في خمس لخمس فانهم والله تعالى اعلم هذا ما عندنا ولا يخفى ان الال
 في المذهب هو الصحيح رواية دراية ولا يجوز الاقحام بالضعيف مع العلم بضعفه
 وبعد ذلك فاللائم على الرجل المستول عنه اعادة زكوة هذه السنين التي انفق
 زكوتها على بنى هاشم عارفا اياهم وظنه انهم من مصارف الزكوة باطل فعليه
 ان يعيد زكوتها وان لم يستطع ذلك لعدم المال فليعد ما بحيلة الاستزاد
 من الفقير والاستيها ب منه وهي لا تخفى على مثلكم واما ما ذكرتم من الحالة
 البائسة التي نزلت بالمسامين فهي لا تختص ببنى هاشم منهم بل تعبرهم وغيرهم
 ولو اجنا لهم الحرام لاجل ذلك فلبح الربوا والرشوة لغيرهم ايضا لاجل هذه
 الحالة البائسة ولا يجترى على ذلك احد والسلام

فان قيل قال في البحر عن الحاوي القدسي وعن ابي يوسف ان الخمس
 يصرف لذوي القربي واليتامى والمساكين وابن السبيل وبه نأخذ ام فهذا
 يقتضي ان الفتوى على التصرف الى الاقرباء الاغنياء فليحفظ انه رس (ص ۵۳۹)
 وهذا اي يدر رواية ابي عسمة ويذفع الايراد الذي اورد قبل علم الاستدلال
 باثر مجاهد بانه يقتضي تخميس الخمس لا تثليثه وهذا خلاف مذهب
 ابي حنيفة واصحابه وانما هو مذهب الشافعي الخ فان ما رواه الحاوي القدسي
 عن ابي يوسف يدل على بقاء التخميس في مذهب الحنفية ايضا ولو كان ذلك
 خلافا للمشهور فليؤخذ به للضرورة

قلت هذا لا يجدي
 شيئا فان ما رواه الحاوي يفيد كون خمس لخمس حقا لبنى هاشم كلهم غنيهم
 وفقيرهم فلو كان تحريم الصدقة عوضا عنه كما يفيد اثر مجاهد للزم جواز
 الصدقة على اغنياء هم ايضا اذا لم يصل اليهم خمس الخمس ولم يقل به احد
 ولو اعنت النظر لعرفت ان رواية ابي يوسف هذه تفيد تحريم الصدقة

علی بنی ہاشم مطلقاً لکن ہذا اللہ علی ان حقہم فی خمس لعمس باق و اثر مجاہد
قد افاد ان علة التشريع في تحريم الصدقة علی بنی ہاشم کو تمہم قد عوضوا مہما
بخمس الخمس فمادام هذا التشريع باقیا كان الحكم باقیا ولا یغدرم الابانعد ان
التشريع واما بظلم الولاة وضعہم بنی ہاشم عن حقہم فلا یغدرم الحكم به اصلا
فان من ار الا حکام انما هو علی التشريع وعلته لا علی افعال الولاة والامراء فاذا
كان الشارع قد شرع تحريم الصدقة علی ذوی القربی بعلہ تفویضہ خمس الخمس
لہم عنہ ووضعه حقہم فیہ وجب ان یبقی حکم التحريم بقاء حکم هذا التعلیض
لہم و هذا اظاہر جدا و مبنی هذا الجواب علی تسلیم ان اثر مجاہد یدل علی
ان کون خمس لعمس بنی ہاشم علة لتحريم الصدقة علیہم ولقائل ان یقول
ان اثر مجاہد فیہ بیان حکمة هذا التشريع لاعلته والعلہ انما ہی کون الصدقة
من اوساخ الناس وھی المنصوصة فی کلام الشارع والحکم انما یدور مع العلل
دون الحكم والله تعالی اعلم، ۱۲ صفر ۱۳۲۲ھ

رسالہ رفع التملیک فی دفع الزکوٰۃ بالتملیک
سوال ۱۱۱ بسم اللہ الرحمن الرحیم
مذکرہ در مصارف زکوٰۃ
الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام

علی رسولہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین، اما بعد واضح ہو کہ دینی ضروریات
روز بروز بڑھتی جاتی ہیں، اور ان میں سے اکثر کے لئے آمدنیوں کی قلت ہوتی ہے، اور شرعاً
آجکل زکوٰۃ کے سوا کوئی ایسی مد نظر نہیں آتی جس کے ترک پر وعید شرعی سنائی جائے،
اور اس زکوٰۃ میں حضرات فقہائے کرام نے تملیک کی شرط لگائی ہے، جس کی وجہ سے مساجد،
مدارس دینی، تبلیغ و اشاعت اسلام اور تصلیف و تالیف کتب دینیہ کے بہترے کام رک جاتے
ہیں یا جیسے چلنے کی ضرورت ہو دیے چلنے نہیں پاتے، کیونکہ ان پر مال زکوٰۃ، فطرہ اور حرم قربانی
خرچ نہیں کئے جاسکتے، اس لئے کہ امور مذکورہ میں تملیک نہیں ہو سکتی، اور ان مذکورہ میں
تملیک جاری کرنا ہو تو حیلہ کی تلاش کرنا پڑتی ہے، جس کا ثبوت آیات و احادیث اور اقوال
سلف سے نہیں ملتا ہے، پس امور مذکورہ کا اجراء یا تو صدقات غیر واجبہ سے کیا جاوے،
جن کے نہ دینے سے مسلمان وعید کے مستحق نہیں ہو سکتے، یا آیات و احادیث کے عموم ہی سے کیوں
نہ ہو، ان امور مذکورہ کو مصارف زکوٰۃ میں داخل کیا جائے۔

مسئلہ بالا کے متعلق ایک عرضہ دراز سے بلکہ زمانہ طالب علمی سے خلیجان رہا، اور حضرات
شیوخ کرام کے افادات سے کچھ کچھ منزل مقصد و کائنات نظر آ رہا تھا، بالآخر دو چار سال کے عرصہ
میں بعض معزز و محترم خیر خواہ حضرات اس مسئلہ کو چھیڑتے رہے، جس پر فاضل محقق عالی جناب مولانا
مولانا محمد عبدالوہاب صدر مدرس جامعہ دارالسلام عمر آباد نے آیت "فی سبیل اللہ" کی تعمیم اور
چند احادیث سے استدلال فرما کر امور مذکورہ کو مصارف زکوٰۃ میں شامل فرمایا، مولانا ممدوح
کی تحریر سے خاکسار کے خیالات میں امید و جرات پیدا ہوئی، جس کے بعد خاکسار بغرض استفادہ
اپنے ناچیز منتشر خیالات کو حضرات رہنمایان دین کی خدمات میں پیش کرتا ہے، جن کے متعلق
امید کہ آنحضرت اپنے اپنے تنقیدانہ و تحقیقانہ افادات سے ممنون فرمائیں گے، ایشا شفاء
الغی السوال۔

جمع حضرات علمائے کرام پر یہ امر بخوبی روشن ہے کہ امت محمدیہ کے پاس مصارف زکوٰۃ
کی دلیل آیت عظیمہ ذیل ہے:-

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهِمَا وَالْمَوْلَاتِ
قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ
فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

”صدقے صرف فقیروں کے لئے ہیں اور محتاجوں کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جو صدقات
پر کام کرتے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جن کی تالیف قبول کی جاوے، اور غلاموں کے
آزاد کرنے اور قرضداروں کے قرض ادا کرنے اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کی مدد میں
خرچ کئے جاوے، خداوند پاک کی جانب سے یہ حکم ہے، اور اللہ تعالیٰ جاننے والا اور
حکمت والا ہے۔“

(۱) للفقراء کلام جمع سلف صالحین کے پاس تملیک کے لئے جو یا نہ ۹ تفاسیر
و شرح حدیث کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس طرف بھی ائمہ کرام کی ایک جماعت
گنتی ہے کہ لام اس آیت میں تملیک کے لئے نہیں ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر نے شرح بخاری
میں یہ رقم فرمایا ہے کہ:-

ان اللام فی قوله تم للفقراء
لبیان المسرف لا للتملیک ۱۵
”لام فقر“ کے شروع میں مصروف
کے لئے ہو تملیک کے لئے نہیں۔“

اور علامہ سیوطی نے اتقان کی کتاب الادوات میں لام کے متعدد معنی جو پسند رہ سے زیادہ ہوں گے بیان کئے ہیں، ان میں سے صرف لام تعلیل کے متعلق حقیقی یا مجازی معنی ہونے کا اختلاف اہل لسان سے ذکر کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ باقی معانی حقیقی ہیں۔

اصول فقہ کی کتاب "حصول المامول من علم الاصول" مطبوعہ مصر میں لام کے بائیس معنی ذکر کئے ہیں، جن میں سے ہر ایک کی مثال قرآن پاک سے دی گئی ہے۔

اور کتب نحو میں عموماً اور شرح جامی میں خصوصاً یوں مرقوم ہے:-

اللام للاختصاص بملکیتہ | لام اختصاص کے لئے آتا ہے خواہ ملکیتہ
او بغير ملکیتہ | کے طور پر ہو یا بلا ملکیت کے

امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں پہلے چار مصرفوں میں لام کے آنے اور بعد کے چار مصرفوں میں تی کے آنے کا فرق یوں بیان فرمایا ہے کہ پہلے چار مصرف والوں کو اپنے حاصل کردہ مال زکوٰۃ میں مالکانہ تصرف کا اختیار ہے اور پچھلے چار مصرف والوں کو اپنے حسب منشاء تصرف کا اختیار نہیں، پس لام سے تملیک کی شرط اجتهادی محتمل چیز ہوتی نہ کہ قطعی اور منصوص۔

(۲) فی سبیل اللہ کے معنی میں تعیین اور اس تعیین پر اجماع ہوا ہے یا نہ؟ اگر تعیین اور اس پر اجماع ہو چکا ہے تو کتب فقہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شافعیہ کے پاس اختیار مجاہدین کو مال زکوٰۃ سے دے سکتے ہیں، اور یہ امر حنفیہ کے پاس ناجائز ہے، اور امام ابو یوسف نادار مجاہدین کو ہی مال کی زکوٰۃ دینے کی اجازت دیتے ہیں، اور امام محمد نادار حاجیوں کو بھی مال زکوٰۃ سے دیکر حج کرانے کی اجازت اس لفظ فی سبیل اللہ سے نکالتے ہیں۔

اتنے مختلف اقوال کے بعد اگر کوئی یہ کہے کہ ان اقوال و مذاہب کے سوا نیا قول گویا اجماع کے مرکب کا خرق ہے، اس لئے وہ نیا قول ناجائز قرار دیا جائے، تو یہ عرض ہے کہ جن لوگوں نے اس مقام میں اجماع کا ذکر فرمایا ہے وہ اصولی اصطلاحی اجماع نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اجماع امت کا لفظ اس مقام میں کسی نے ذکر کیا ہو، دیکھنے میں نہیں آیا، بلکہ اجماع الجہود لکھا ہے، اجماع اور جہود کی اصناف خود اصولی اصطلاحی لفظ ہونے سے انکار کرتی ہے۔

علاوہ بریں امام تفال نے بعض ائمہ سے عام مصارف خیر جیسے کہ امور مذکورہ اوقات وغیرہ کو فی سبیل اللہ کے معنی میں نقل فرمایا ہے جسکو امام رازی، علامہ بیضاوی اور صاحب خازن نے اپنی تفسیروں میں بیان فرمایا اور سب کے الفاظ قریب قریب حسب ذیل ہیں:-

وقال بعضهم ان لالفظ عام فلا يجوز
قصره على الغزاة فقط ولهذا اجاز
بعض الفقهاء صرف مہم سبیل
اللہ الی جمیع وجہ الخیر من
تکفین الموتی وبناء الجور الحسون
وعمارۃ المساجد وغیر ذلک وقال
لان قولہ تعوی فی سبیل اللہ عام
فی کل فلا یختص بصنف دون

غیرہ، ام

اور کہا بعض علماء نے کہ لفظ عام ہر اس کو مراد
مجاہدین پر قصر کرنا جائز نہیں، اسی لئے بعض
فقہائے کرام نے "سبیل اللہ" کا حصہ سب
نیک کام مثلاً تکفین موتی، پلوں اور قلعوں
اور مساجد وغیرہ کے بنانے میں خرچ کرنے
کو جائز رکھا، اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان
فی سبیل اللہ سب نیک کاموں کو شامل ہے،
صرف ایک جماعت کے ساتھ خاص کرنا نہیں
چاہئے۔

اور شرح وقایہ کے حاشیہ عمدۃ الرعاہ میں حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی نے
مصارف زکوٰۃ کے مقام میں فقہ کی کتاب بدائع سے نقل فرمایا ہے کہ:-

وذكر في البدائع انه يشمل جميع
القرب، "فی سبیل اللہ کا لفظ جمیع نیک مصرفوں
کو شامل ہے"

(۳) امام بخاری نے اپنی جامع صحیح بخاری کے "باب العرض فی الزکوٰۃ میں ابو ہریرہ سے
ابن جبیل، خالد بن ولید اور حضرت عباس کے منع زکوٰۃ کی توجیہ والی حدیث نقل فرماتے ہیں
اور اسی روایت کو باب والغارمین فی سبیل اللہ میں مکرر لائے ہیں، امام بخاری کا مدعا
امام ابن حجر نے فتح الباری میں یوں ذکر فرمایا ہے:-

واستدل البخاری بقصة خالد
على مشروعية تجسیس الحيوان
والسلاح وان الوقف یجوز
بقاؤه تحت يد محتسبه على
جواز اخراج العروض فی الزکوٰۃ،

"امام بخاری نے حضرت خالد کے قصہ سے
جانوروں اور ہتھیاروں کے وقف کرنے اور
وقف کی ہوتی چیزوں کا وقف کی نگرانی میں
رہنے اور زکوٰۃ میں نقد کے عوض متاع کے
دینے پر دلیل بکری ہے بہر طور مال زکوٰۃ
وقف میں دیا گیا"

پس شروع بخاری سے معلوم ہوا کہ امام بخاری نے خالد کے واقعہ وقف کو زکوٰۃ میں
شمار فرمایا، اور آیت "فی سبیل اللہ" میں تملیک کو غیر ضروری سمجھا جو حضرات احباب کرام

کے خلاف ہی، اور وقت منقول کو بھی جائز سمجھا، اور یہ ارفقیہائے کوفہ کے مخالف ہے، اور زکوٰۃ میں نقد کے عوض متاع دینا ثابت کیا، جو فقہائے حنفیہ کے موافق ہے، جس کو مولانا حافظ احمد علی صاحب حنفی محدث بہار پوری محشی صحیح بخاری نے اپنے حاشیہ بخاری میں یوں رقم فرمایا ہے:-

قال العینی احتج اصحابنا فی جواز دفع القيم فی الزکوٰۃ ولقد اقال ابن رشید وافق البخاری فی هذا المسئلة الحنفیة مع کثرة مخالفتہ لهم، قال الکرمانی: وفيه دلیل علی صحة وقف المنقول وبه قالت الامة باسرها الا بعض الکوفیین،

”علامہ عینی نے فرمایا کہ ہمارے حضرات نے زکوٰۃ میں قیمتوں یعنی متاع کو دینا جائز کہا، اور اس پر اس حدیث سے دلیل پکڑی، اور اسی لئے ابن رشید نے کہا کہ بخاری نے اس مسئلہ میں حنفیہ کی موافقت کی، حالانکہ وہ ان کے اکثر مسائل میں مخالف کرتے ہیں، علامہ کرمانی نے فرمایا کہ اس حدیث میں منقولات کے وقف کی اجازت

ثابت ہوتی ہے، جس کی قائل بعض اہل کوفہ کے سوا ساری امت ہے۔“

الحاصل امام بخاری کے استدلال کے جواب میں کوئی آیت یا حدیث صریح حضرات مانعین میں فرما سکتے ہیں؟ رہے مانعین کے احتمالات وہ مجوزین کے پاس ناشی عن الدلیل نہ ہوں، اور مجوزین کی تجویز ان کے احتمالات کی بہ نسبت واضح ترین اور اقرب الی الدلیل ہو تو امام بخاری کے استدلال کا قطعی اور تشفی بخش جواب کیا ہوگا؟

مذکورہ بالا معروضات میں کرنے کے بعد مجوزین کا مطلب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ آیت مصارف میں سے سات حصہ خاص خاص افراد یا جماعتوں پر خرچ کئے جائیں، اور ایک حصہ عام مصارف خیر کے لئے رکھ دیا جاوے تاکہ آٹھویں مصرف میں سہولت کے ساتھ امور مذکورہ ادا کئے جائیں، ورنہ تبرعات اور تطوعات اختیار ہی امور میں جن پر جبر واکراہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ کرنے والوں پر وعید بھی نہیں ہوتی، اور بنا بر مساجد و مدارس دینی اور مصارف تبلیغ وغیرہ خدا نخواستہ بالکل متروک کئے جائیں گے۔

چونکہ زمانہ موجودہ میں یہ مسئلہ جہات مسائل میں سے ہے، لہذا بغرض استفادہ یہ امر بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بوقت شدت حاجت حضرات فقہائے کرام نے بھی

اپنے امام کے خلاف دوسرے امام کے فتوے پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے، چنانچہ اجرت تعلیم قرآن کی بابت صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ اجرت علی تعلیم القرآن جائز نہیں، مگر متاخرین نے بوجہ ضرورت اجازت دی ہے، تاکہ تعلیم قرآن محسوس نہ ہو، اور اسی طرح مفقود الزوج کے نکاح کا مسئلہ معروف بن العلماء ہے۔

انہی امور کو مد نظر رکھ کر حضرت شیخ الاسلام شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے حجۃ اللہ الیہ میں گویا امام بخاری کا مسلک خستیار فرماتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا ہے:-

وعن ابی الامام حسننا التبی صلعم علی اهل الصدقة للحجج و فی الصیح و اما خالد فانکم تظلمون خالداً وقد احتبس ادرعه واعتده فی سبیل اللہ و فیہ شیئان جو ازان یعطى مکان شیئاً اذا کان الفع للفقر و وان الحبس مجزی عن الصداقہ قلت و علی هذا فالحصص فی قوله انما الصدقات اصنافی بالنسبة الی ما طلبہ المنافقون فی صرہا فیما یشترکون علی یقتضیہ سیاق الآیة و التی فی ذلك ان العاجب غیر محصور و لیس فی بیت المال فی البلاد الخالصة للسلیم غیر الزکوٰۃ کثیر مال فلا بد من سبحة لتکفی نواب المدینة واللہ اعلم۔

”ابوالاسم سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صدقہ (زکوٰۃ) کے اونٹوں پر حج کے لئے سوار کرایا، اور صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم خالد پر ظلم کرتے ہو، جو اس کے زکوٰۃ طلب کرتے ہو، حالانکہ اس نے بکتر اور تمھیں اللہ کی راہ میں وقف کئے ہیں اس حدیث سے دو چیزیں ثابت ہوتی ہیں ایک تو ایک چیز کے عوض دوسری چیز زکوٰۃ میں دے سکتے ہیں، جبکہ دوسری چیز فقراء کے لئے زیادہ نافع ہو اور یہ کہ وقف صدقہ زکوٰۃ کے بدلے کافی ہے، میں کہتا ہوں یعنی حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس صورت میں حصر فرمان حسدا وندی انما الصدقات کے جمل میں اضافی ہے، منافقوں کے مطلب کے مقابلہ میں کہ وہ چاہتے تھے کہ ان کی خواہشوں کے مطابق زکوٰۃ

کی رقم بجا خرچ کی جاوے، جیسا کہ آیت کی روانی کا مقصود ہے، اور زکوٰۃ کے مصرف میں وقف کو داخل کرنے میں راز یہ ہے کہ ضروریات بے شمار ہیں، اور مسلمانوں کے خالص شہر و

میں زکوٰۃ کے سوا کوئی معتد بہ مذہب نہیں ہوتی، لہذا ضرور ہوا کہ مصرف زکوٰۃ میں وسعت ہو، جو کافی حاجات ہو جیسا کہ آیت کے نزول کے موقع پر مدینہ مسلمان کا خالص شہر تھا واللہ اعلم

الجواب؛ بسم الله الرحمن الرحيم، الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى، لا سيما على سيدنا النبي محمد الذي قد افلح من به اقتفى، وبننته وسنته خلفائه المهديين المجتهدين اقتدى وبها اكتفى، ومن احداً في امره وشرعه ما ليس منه واتبع هواه فقد خاب وخسر وظلم نفسه وجفا، صلى الله تعالى عليه وعلى آله واصحابه رؤس اهل الوفاء وافضل الخلق بعد الانبياء وسادات اهل الصفاء،

اما بعد، اس سوال کے جواب میں سب سے پہلے میں ان دلائل کو ذکر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں جن کی بناء پر ائمہ مجتہدین نے زکوٰۃ کی تعریف میں تملیک فقیر کی قید بڑھائی، اور بدون اس کے عدم اداء زکوٰۃ کا حکم فرمایا ہے۔

مَبْعَثَ اَوَّلِ دَرَدٍ لَّا تَمْلِكُ تَمْلِيكَ بَرَاءَةَ زَكَاةٍ؛

(۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نماز کے حکم کے ساتھ جہاں بھی زکوٰۃ کا حکم فرمایا ہے وہاں لفظ ایتاء اختیار فرمایا ہے، اَقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ، والیٰ اَمْاَلٌ عَلٰی حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ اِلٰی قَوْلِهِ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلَاةَ وَالْمُوْتُوْنَ الزَّكَاةَ وَقَوْلِهِ رِجَالٌ لَا تُلْمِزُهُمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَاِقَامِ الصَّلَاةِ وَاِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَغَيْرِهَا مِنَ الْاٰیٰتِ اَوْرَنْتَهُ اِيتَاءَ كَيْ مَعْنٰی اِعْطَاءَ عِنْدَ تَمْلِيْكَ كَيْ هِيَ، صَاحِبِ بَرَآءٍ فَرَمَاتِيْ هِيَ؛ وَقَدْ اَمْرًا لِلَّهِ تَعَالٰی الْمَلَائِكَةُ بِاِيتَاءِ الزَّكَاةِ لِقَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ وَالَّذِيْنَ هُوَ التَّمْلِيْكَ اِم (ص ۲۳۹ ج ۲) (ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے مالکان (اموال) کو ایتاء زکوٰۃ کا حکم فرمایا ہے، اور ایتاء کے معنی مالک بنا دینا ہے، فی الحدیث المشہور بنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله واقام الصلوة وایتاء الزکوٰۃ الحدیث الخیر الشیخان والجماعۃ۔

(۲) مصارف زکوٰۃ کے متعلق جو آیت عظیمہ ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو صدقات سے تعبیر فرمایا ہے، اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِيْنِ الایۃ اور صدقہ اور تصدق

بھی تملیک کو چاہتا ہے، صاحب برآء فرماتے ہیں؛ وَلَا اَسْمٰی اللّٰهُ تَعَالٰی الزَّكَاةُ صَدَقَةٌ يَقُولُ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِيْنِ تملیک ام (ص ۲۳۹ ج ۲) اور شرح سیر کبیر للامام محمد بن الحسن میں ہے لَا اَنْ هَذَا جَعَلَ ثَلَاثَ مَالٍ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ عَلٰی وَجْهِ الصَّدَقَةِ وَالصَّدَقَةُ تَمْلِيْكَ مِنْ اَهْلِ الْحَاجَةِ قال الله تعالى انما الصدقات للفقراء الخ (ص ۲۳۲ ج ۲) اور محمد بن حسن رحمہ اللہ امام عربیت ہیں، ان کا قول لغت میں حجت ہے، اسی شرح سیر کبیر میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول وقف منقول کے بارہ میں جو ذکر کیا ہے اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ کے معنی تملیک ہیں، فاما ابو حنیفہ رحمہ اللہ فاته كان لا يجوز الوقت والعيب في حالة العيو فلا يجوز عندة اذا وصى بعد موته الا ما كان له اصل في الشريعة والوصية بالقله لها اصل في الشريعة فاته لو وصى بان يصرف غلته يستانه على الفقير فذلك جائز لما يقع فيه من التملیک فذلك حسن الا لاضى والعبد والدار ليكون غلتهما في سبيل الله يجوز لان فيه معنى التملیک لان الغلته يتصدق بها على اهل الحاجة ممن يغزو فتصير ملكا لمن يأخذها يصنع بها ما شاء فاما ما ليس فيه معنى التملیک ولكن فيه انتفاع بالعين نحو سكنى الدار وركوب الفرس وقرأة المصحف ولبس السلاح وخدمة العبيد الا صل في جوارحه في الشرع اذا وقع لا قوام مجهولين والمعنى في ذلك انه اذا لم يكن فيه تملیک العين لم يكن صدقة ام (ص ۲۶۲ ج ۲)۔

اس میں صاف تصریح ہے کہ شریعت میں صدقہ بدون تملیک عین کے کوئی اصل نہیں، نیز اس سے پہلے امام ابو یوسف کا قول وقف منقول میں اس طرح مذکور ہے؛

وكان ابو يوسف يقول القياس ان لا يجوز وقت الا لاضى لما فيه من تعطيل الملك ولا تملیک من احد الا ان الشرع عطل ملكنا عن المساجد لقربة تعلقت بها عائد نفعها اليها من حيث الثواب فجزوا في مثله في وقت الا لاضى لانها من جنس المساجد فاتها تبقى وعائد نفعها كالمساجد، فاما الا موال المنقولة ما وجد نافعها قربة او جنبها الله تعالى الا قربة تقع بتملیک الفقير فكذا لا يجوز ايجاب القربة من العبد الا على وجه التملیک اذا ايجاب العبد معتبر بايجاب الله تعالى، اس میں صاف تصریح ہے کہ کوئی قربة

مالیہ واجبہ منقولات میں بدون تملیک فقیر کے شریعت میں نہیں، اور امام ابو یوسفؒ کے اس دعویٰ میں کوئی کلام نہیں کر سکتا، نہ کسی کو کلام ہے، اور جو لوگ وقف منقول کو جائز کرتے ہیں وہ اس کے جواب میں صرف یوں کہیں گے کہ قربت نافلہ تو شریعت میں بدون تملیک کے واقع ہے، پس ایجاب قربت من بعد کے لئے قربت نافلہ کی نظیر کافی ہے، قربت واجبہ کے مثل ہونا لازم نہیں، بہر حال امام ابو یوسفؒ کا یہ ارشاد کہ کوئی قربت مالیہ واجبہ منقولات میں شرعاً بدون تملیک فقیر نہیں ہے، اس بات کو بتلا رہا ہے کہ صدقہ کے معنی تملیک کے ہیں۔

اور کثافت اصطلاحات الفنون میں ہے الصدقة بفتح تین من الصدق سمي بعاطية يراد بها المثوية لا التكمية (لان بها يظهر صدقة في العبودية) كما في جامع الرموز (ص ۸۵) اس میں صدقہ کی تفسیر عطیہ سے کی ہے، اور عطیہ میں تملیک ظاہر ہے کیونکہ عطیہ وہ لفظ متحد ہے، اسی لئے فقہاء نے فرمایا ہے، الصدقة كالهبية فلا تجوز الا مقبوضة، كذا في الدر۔

(۲) حدیث مشہور قصہ بعث معاذی الیمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: فان هم اطاعوا لك بذلك فاجبرهم ان الله قد فرض عليهم صدقة تؤخذ من اغنياءهم فتروى على فقرائهم، الحدیث رواه الشيخان وغيرهما، (ترجمہ) ”اگر وہ لوگ اس بارہ میں (یعنی نماز کی فرضیت کے بارہ میں) تمہاری اطاعت کر لیں تو اس کے بعد ان کو خبر کرو کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے، جو ان کے اغنیاء سے لیا جائے گا، پھر ان کے فقراء پر واپس کیا جائے گا، یہ حدیث بھی اس بات کو بتلاتی ہے کہ زکوٰۃ تملیک فقیر ہی کے لئے موضوع ہے۔

اور اسی کے مثل حدیث ضمام بن ثعلبہ میں وارد ہے: قال انشدك الله ان الله امرك ان تأخذ هذه الصدقة من اغنيائنا فتقسمها في فقرائنا قال اللهم نعم، الحدیث رواه الشيخان وغيرهما وهو مشهور ايضا،

(ترجمہ) ”ضممام بن ثعلبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی عرض کیا کہ میں آپ کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ امر فرمایا ہے کہ آپ یہ صدقہ ہمارے اغنیاء سے لیں، پھر اس کو ہمارے فقراء میں تقسیم فرمادیں؟ حضور نے فرمایا بخدا ہاں (اللہ تعالیٰ ہی نے مجھ کو یہ حکم دیا ہے) یہ حدیث بھی بتلا رہی ہے کہ زکوٰۃ فقراء

میں تقسیم کرنے کے موضوع ہے، اور یہ تقسیم بطور تملیک ہی کے ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

(۴) تعریف زکوٰۃ میں شرفاً تملیک فقیر بالاتفاق معتبر ہے، قال العافظ في الفتح قال ابن العربي وتصريفها في الشرع اعطاء جزء من النصاب الحولي الى فقير وغیره غیر ہاشمی ولا مطلبی ثم لہما رکن وهو الاخلاص وشرط هو الہب وهو ملک النصاب الحولي وشرط من تجب علیہ وهو العقل والبلوغ والحریۃ الخ قال العافظ وهو جید لکن فی شرط من تجب علیہ اختلاف ۵۱ (ص ۳۰، ۳۱) قلت: قد ل علی ان ما سواہ متفق علیہ عند الكل، یہ عبارت صاف بتلا رہی ہے کہ زکوٰۃ کی تعریف میں تملیک فقیر اتفاقاً معتبر ہے۔

کثافت اصطلاحات الفنون (ص ۶۲۳) میں ہے: انہما فی اللغة القوا الحاصل من بركة الله تعالى وفي الشريعة قدر معين من النصاب الحولي يخرجہ الحرام المسلم المكلف لله تعالى الى الفقير المسلم الغير ہاشمی ولا لمولاه قطع المنفعة عنه من كل وجه وفي جامع الرموز ان الزکوٰۃ فی الشریعۃ القدر الذي يخرجہ الى الفقير وفي الكرماني انہما فی القدر ہجاز شرعاً فاتہما ایتاء ذلك القدر وعلیہ المحققون كما فی المضمومات انتهى ویؤیدہا انہا توصف بالوجوب وهو من صفات الافعال ویؤید الاول قوله تعالى واتوا الزکوٰۃ اذ ایتاء الایتاء محال والاطہران الزکوٰۃ فی الشریعۃ صحیحاً بکلام المعنیین کذا فی البرجندی ۵۱، اس میں زکوٰۃ کے شرعاً و معنی بیان کئے ہیں، اور دونوں میں تملیک فقیر معتبر ہے، جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں۔

(۵) مال زکوٰۃ کو ایسے مواقع میں صرف کرنا جن میں تملیک نہ ہو، بالاتفاق ائمہ مذاہب و باجماع جملہ مجتہدین جائز نہیں، رحمۃ اللہ فی اختلاف الائمۃ میں تصریح ہے: واتفقوا علی منع الاخراج لبناء مسجد او تکفین میت ۵۱ (ص ۲۵)

(ترجمہ) ”اور علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ زکوٰۃ بنائے مسجد اور کفن میت میں صرف کرنا ممنوع ہے، اور یہ اتفاق صرف ائمہ اربعہ ہی کا نہیں، بلکہ جملہ ائمہ مجتہدین کا اتفاق ہے، مثل اوزاعی و مکحول و سفیان ثوری و حسن بصری وغیرہم، کیونکہ صاحب رحمۃ اللہ نے مقدمہ کتاب میں اس کی تصریح کی ہے کہ جس مسئلہ میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہو اور

کسی دوسرے کا اختلاف ہو تو میں مخالف کا قول بھی نقل کروں گا، تاکہ مسئلہ کا اختلاف ہی ہونا معلوم ہو جائے، اور یہاں کسی کا اختلاف نقل نہیں کیا، اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں تمام مجتہدین کا اتفاق ہے، وھذا نصہ اذا كان في المسئلة خلاف لاحد من الائمة الاربعة الكفيت بذلك ولا اذكر من خالف فيها من غيرهم فان لم يكن احد منهم خالف في تلك المسئلة وكان فيها خلاف لغيرهم احتجت الى ذكر المخالف ليظهر ان في المسئلة خلافاً ص ۲۳۲۔

مبحث دوم؛ سائل کے جواب سے پہلے میں اس کو بھی ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ آیت انما الصدقات للفقراء میں حصر حقیقی مقصود ہے کہ زکوٰۃ مفروضہ کے مصارف ہی مصارف ثمانیہ ہیں ان کے سوا مصروف زکوٰۃ کوئی نہیں۔
دلائل ملاحظہ ہوں:-

زیاد بن حارث صدیقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے بیعت ہوا، پھر ایک شخص آیا اور کہا یا رسول اللہ مجھ کو صدقہ کے مال میں سے دیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صدقات کے بارے میں رسول کے فیصلہ پر راضی ہو کر نہ کسی اور کے، یہاں تک کہ اس کا فیصلہ خود ہی فرمایا ہے، اور صدقہ کو آٹھ حصوں پر تقسیم کیا، پس اگر تو ان آٹھ حصوں میں سے کسی حصہ میں داخل ہو تو میں تجھ کو دیدوں گا

(۱) عن زیاد بن العوث الصدیقی قال آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فبايعته فاني رجل فقير اعطاني من الصدقة فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ان الله لم ير بحكمه نبي ولا غيره في الصدقات حتى حكم فيها هو فجزتها ثمانية اجزاء فان كنت من تلك الاجزاء لا اعطيتك، رواه ابوداؤد ومكت عنه وسنده حسن،

(اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند حسن ہے)؛

یہ حدیث صاف تصریح کر رہی ہے کہ صرف اموال زکوٰۃ انہی مصارف ثمانیہ میں منحصر ہے، ان کے سوا اور کسی مصروف میں صرف نہیں کی جاسکتی، اور اس کے بعد کسی دلیل کے

عنہ فی عبد الرحمن بن زیاد بن العزم الاقرنی وثق غیر واحد وکلم فیہ بعضهم وثلثه حسن الحدیث وقد حسن الترمذی

بیان کی حاجت نہیں، مگر تاہم اور دلائل بھی ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۲) امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں المسئلة الاولى قوله انما الصدقات للفقراء الآية تدل على انه لا حق في الصدقات لاحد الا هذه الاصناف الثمانية وذلك مجمع عليه وايضا لفظه انما تفيد الحصر ويدل عليه وجوه ثم ذكرها واطال (ص ۲۵۹ ج ۲)۔

تفسیر کبیر ہی میں ص ۲۶۲ ج ۲ میں ہے اتفقوا على ان مال الزکوٰۃ لا يخرج عن هذه الثمانية واختلفوا انه هل يجوز وضعه في بعض الاصناف فقط وقد سبق ذكر الدلائل المسئلة من ام، اس میں صاف تصریح ہے کہ مال زکوٰۃ کا ان مصارف ثمانیہ میں منحصر ہونا متفق علیہ اجماعی مسئلہ ہے۔

(۳) صاحب کشاف اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں انما الصدقات للفقراء قصر لجنس الصدقات على الاصناف المعددة وانها مختصة بها لا تتجاوزها الى غيرها كانه قيل انما هي لهم لا لغيرهم ونحوه قولك انما الخلافة لقرش تبريد لا تتعداهم ولا تكون لغيرهم ام (ص ۳۸ ج ۲) اس میں بھی صاف تصریح ہے کہ آیت کا مقصود و مطلب یہ ہے کہ جنس صدقات اصناف ثمانیہ پر مقصور اور انہی میں منحصر ہے، ان کے سوا دوسروں کو صدقہ، زکوٰۃ نہیں دیا جاسکتا، اور صاحب کشاف امام عربیت ہیں، ان کی تفسیر معانی عربیت میں حجت ہے۔

مبحث سوم فی سبیل اللہ کے معنی میں؛ چونکہ سائل نے فی سبیل اللہ کے معنی میں تعمیم کی کوشش کی ہے، اس لئے اس پر بھی گفتگو لازم ہے، اس میں کچھ شبہ نہیں کہ لغت لفظ فی سبیل اللہ طاعت کو عام ہے، مگر اصطلاح قرآن و حدیث میں غزات و مجاہدین کے ساتھ مخصوص ہے، مفسرین کا اس پر اتفاق ہے:-

(۱) امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:- الصنف التابع قوله تعالى وفي سبيل الله، قال المفسرون يعنى الغزاة ام (ص ۲۶۳ ج ۲) المفسرون جمع معرفت باللام ہے جو عموم کے لئے موضوع ہے، مطلب یہ ہے کہ تمام مفسرین نے فی سبیل اللہ کی تفسیر غزاة سے کی ہے۔

(۲) امام حافظ امام علامہ طبری نے بھی فی سبیل اللہ کی تفسیر یہی کی ہے اور فرمایا کہ

کہ اہل تفسیر کا یہی قول ہے۔

وهذا نصه واما قوله في سبيل الله فانه يعني في النفقة في نصرة دين الله وطريقته وشريعته التي شرعها لعباده بقتال اعداءه وهو غزوا لكفار وبالذی قلنا في ذلك قال اهل التاويل ذكر من قال ذلك حدیثی یونس انا ابن وهب قال قال ابن زید فی قوله وفي سبيل الله قال الغازی فی سبيل الله اه (ص ۱۱۲)

شم سرد احادیث عدیدہ۔
ابن علم جانتے ہیں کہ امام ابن جریر طبری اپنی تفسیر میں ہر آیت کے تحت میں علماء قرآن و ائمہ تفسیر کے مختلف اقوال بکثرت بیان کرتے ہیں، اور اختلاف نقل کرنے کے بعد کسی ایک معنی کو ترجیح دیا کرتے ہیں، لیکن فی سبیل اللہ کی تفسیر میں انھوں نے بجز غزوہ کفار کے کچھ نہیں بیان کیا، اور حصر کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہے و بالذی قلنا فی ذلك قال اهل التاويل فان تعدیم ما حقه التاخير یفید الحصر فقد یم الجار والمجرور فی قوله وبالذی قلنا افاد انتم لم یقولوا بغير ذلك اصلا، کہ جو تفسیر ہم نے کی ہر ائمہ تفسیر نے بھی صرف یہی تفسیر کی ہے، اس سے یہ بات روشن ہے کہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے، اور اگر کسی کا اختلاف منقول ہے تو وہ ائمہ تفسیر میں سے نہیں ہے، بلکہ علماء حدیث و فقہ میں سے ہوگا۔

اور درمنثور میں جو ابن ابی شیبہ و ابن المنذر کے حوالے سے ابن عباس کا (جو ائمہ تفسیر میں سے ہیں) یہ قول مذکور ہے: انه كان لا یروی بأسان یعطى الذیجل من زکوٰۃ فی الحج الخ (ص ۱۵۲ ج ۳) اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ابن عباس نے فی سبیل اللہ کی تفسیر بمعنی عام کی اور حج میں زکوٰۃ دینا اس لئے جائز سمجھا ہے کہ ان کے نزدیک حج بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے بلکہ ممکن ہے کہ انھوں نے حاج کو ابن سبیل میں داخل کر کے زکوٰۃ سے اس کی امداد کو جائز سمجھا ہو جیسا کہ مدونہ میں مالک سے منقول ہے کہ انھوں نے حاج منقطع کو ابن سبیل میں داخل کر کے مستحق زکوٰۃ قرار دیا، و هذا نصه قال مالک یعطى من الزکوٰۃ ابن السبیل وان كان غنیا فی بلدة قلت فالحاج المنقطع به فقال قال مالک هو ابن السبیل یعطى من الزکوٰۃ اه (ص ۲۵۰ ج ۱)۔

اس توجیہ سے میرا مقصود یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کی تفسیر میں ائمہ تفسیر کا اس پر اتفاق ہے کہ مراد غازی ہے، مفسرین سے اس کا خلاف منقول نہیں، بلکہ سب اس پر متفق ہیں کہ ابن عباس

سے جو منقول ہے وہ اس کے خلاف میں نص نہیں۔

(۳) علامہ امام ابو بکر بن عسری نے احکام القرآن میں امام مالک سے نقل کیا ہے کہ مجھے اس میں کسی اختلاف کا علم نہیں ہے کہ فی سبیل اللہ سے آیت صدقات میں صرف غزوہ جہاد مراد ہے، اس کے بعد امام ابن عسری نے احمد و اسحق سے نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک سبیل اللہ صرف حج ہے، پھر یہ کہا کہ ان کا صحیح قول یہ ہے کہ حج بھی غزوہ کے ساتھ سبیل اللہ میں داخل ہے اس پر امام ابن عسری فرماتے ہیں کہ یہ قول قانون شریعت کو توڑتا اور قیاس کی لڑی کو بکھیرتا اور مضبوط گروہ کو کھولتا ہے، اور ہرگز کسی اثر میں یہ وارد نہیں ہوا کہ زکوٰۃ حج میں دی جائے، و هذا نصه قوله في سبيل الله قال مالک سبیل اللہ کثیرة ولكنی لا اعلم خلافا فی ان المراد بسبیل اللہ ههنا الغن و من جملة سبیل اللہ الا ما یؤثر عن احمد و واسحق فانهما قالاه الحج والذی یصح عندهی من قولهما ان الحج من جملة السبیل مع الغن ولا یتعلق برفاعطی منه باسم السبیل و هذا یحل عقد الباب ویخرم قانون الشریعة و یتدرسلک النظر و ما جاء قطبا عطاء الزکوٰۃ فی الحج اشراہ (ص ۳۹۶ ج ۱)۔

امام مالک کا لا اعلم خلافا فرمانا اس امر کی دلیل ہے کہ سلف صالح اور مشائخ و معاصر مالک کا طبقہ اس پر متفق تھا کہ فی سبیل اللہ سے مراد غزوات ہیں، اور اصولی قاعدہ ہے کہ اجماع لاحق خلاف سابق کو رفع کر دیتا ہے، اور خلاف لاحق اجماع سابق کو منقوض نہیں کر سکتا، پس اگر صحابہ میں سے کسی نے (مثلاً عبد اللہ بن عمر) حج کو فی سبیل اللہ میں داخل کیا ہو تو اسے جملہ شرطیہ کے ساتھ اس کو اس لئے تعبیر کیا گیا کہ عبد اللہ بن عمر وغیرہ سے جو فی سبیل اللہ میں داخل حج منقول ہے وہ آیت زکوٰۃ کی تفسیر میں نہیں بلکہ وصیت کے باب میں ہے، کہ ایک شخص نے اپنے مال کے متعلق وصیت کی کہ اس کو سبیل اللہ میں صرف کیا جائے تو عبد اللہ بن عمر نے حج میں اس کے صرف کو جائز کہا اور فرمایا کہ یہ بھی سبیل اللہ میں سے ہے، کافی شرح التیر، ص ۲۳۵، اور وصیت کا معنی عرف عام پر ہے، ممکن ہے عرف عام میں سبیل اللہ حج کو عام ہو، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عرف شرع میں سبیل اللہ حج کو عام ہے، اور آیت قرآن کی تفسیر عرف شرع کیساتھ لازم ہے، عرف عام کیساتھ صحیح نہیں، پس عبد اللہ ابن عمر وغیرہ کے اس قول سے آیت مصارف میں فی سبیل اللہ کی تفسیر میں حج کو داخل کرنا صحیح نہیں، اس لئے امام ابن عسری نے احمد و اسحق کے قول کو عام قانون شریعت کہا، اور درمنثور میں محمد کے قول کو قبیل سے تعبیر کیا ہے جو

اجماع مابعد سے یہ اختلاف مرتفع ہو جائے گا، اور اس اجماع کو اختلاف لاحق منقوض نہیں کر سکتا۔

(۴) احمد و اسحق اور اسی طرح امام محمد بن حسن نے جو فی سبیل اللہ کی تفسیر میں حج کو داخل کیا ہے ہر چند کہ یہ قول ضعیف ہے، اور بقول امام ابن حجر بنی حارم قانون شریعت پر مگر ان کا بھی یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حج میں زکوٰۃ کا مال بدون تملیک کے دیدیا جائے، کیونکہ باتفاق ائمہ مجتہدین اداء زکوٰۃ میں تملیک بشرط ہی، کما مر، بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ حاج منقطع کو بطور تملیک کے مال زکوٰۃ دینا جائز ہے، کیونکہ وہ بھی فی سبیل اللہ کا فرد ہے۔ شرح سیر کبیر میں امام محمد کا قول مذکور ہے وان اعطاه للاحاج منقطعاً علی وجه الصدقة علیہ جازاً، اس میں لفظ اعطاء اور علی وجه الصدقة معنی تملیک میں صریح ہے، مگر اسی کے ساتھ امام محمد کو یہ بھی تسلیم ہے کہ فی سبیل اللہ کا اطلاق اصل میں معنی جہاد وغیر وہی کے لئے ہے، چنانچہ شرح سیر ہی میں ہے لان کل خیر طاعة وان کان فی سبیل اللہ ولكن

مطلقہ يستعمل فی الغزو والجهاد قال اللہ تعالیٰ قاتلوا فی سبیل اللہ والمراد منه الجهاد ام (ص ۲۲۳، ۲۲۴) اگر کوئی شخص اپنے ثلث مال کے متعلق وصیت کرے کہ اس کو سبیل اللہ میں صرف کیا جائے تو محمد فرماتے ہیں کہ اس کو محتاج غاری پر صرف کیا جائے یہی افضل ہے، گو حاج منقطع پر بھی صرف کرنا ان کے نزدیک جائز ہے، شرح سیر میں ہے:

ولکن الافضل ان يعطى المحتاج الذى يخرج فی سبیل اللہ لما بیننا ان سبیل اللہ اذا اطلق يراد به الغزو والجهاد دون غيره فكان صرح الیہ اولی الیہ ام (ص ۲۲۵، ۲۲۶) جب وصیت کے باب میں محمد کا یہ قول ہے حالانکہ اس کا مبنی عرف عام پر ہے دعوت شرع پر تو زکوٰۃ کے بارہ میں آیت مصارف کے جملہ فی سبیل اللہ کی تفسیر تو غازی کے ساتھ یقیناً لازم ہے، کیونکہ عرف شرع میں فی سبیل اللہ کا اطلاق جہاد وغیر وہی کے ساتھ خاص ہے، جیسا کہ مفسرین کے اتفاق اور امام مالک کے قول لا اعلم فی ذلک خلافاً سے ظاہر ہے، یہ گفتگو بطور تعمیم کلام کے تھی، اصل مقصود اس مقام پر یہ ہے کہ جن ائمہ مجتہدین نے فی سبیل اللہ میں حج کو داخل کیا ہے، ان کی مراد یہ ہے کہ حاج منقطع کو مال زکوٰۃ بطور تملیک کے دیا جائے، بہر حال اس تعمیم کا اثر شرط تملیک پر اصلاً عائد نہیں۔ (۵) اسی طرح صاحب بدائع نے جو فی سبیل اللہ میں تمام قرب کو داخل کیا ہے انکی

مراد بھی یہی ہے کہ بطور تملیک کے ہر مشغول قربت کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، یہ مراد نہیں کہ غیر تملیک کے بھی صرف زکوٰۃ جائز ہے، چنانچہ ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں، واما قوله تعالیٰ

وفی سبیل اللہ عبارة عن جميع القرب فی دخل فیہ کل من سعی فی طاعة اللہ و سبیل الخیرات اذا کان محتاجاً ام (ص ۲۴۵، ۲۴۶) اس میں قول کل من سعی فی طاعة اللہ صاف بتلا رہا ہے کہ صاحب بدائع کی مراد سبیل اللہ کے عموم جمیع قرب سے یہ ہے کہ اس میں وہ سب لوگ داخل ہیں جو مشغول طاعت اور محتاج ہوں، اور یقیناً ان پر جو کچھ صرف ہوگا تملیک ہوگا، پس اس سے یہ سمجھنا کہ صاحب بدائع فی سبیل اللہ میں تکفین موتی و بناہ مساجد وغیرہ کو بھی داخل کرتے ہیں، بالکل غلط ہے، کیونکہ صاحب بدائع نے اس سے پہلے تملیک کے رکن زکوٰۃ ہونے کی تصریح کی ہے، اور اس پر یہ حکم متفرع کیا ہے کہ بناہ مساجد و ریاطات و سقایات و اصلاح قناطر و تکفین موتی وغیرہ میں صرف زکوٰۃ بوجہ عدم تملیک کے جائز نہیں و هذا انقضاء فکون الزکوٰۃ هو اخراج جزء من النصاب الی اللہ تعالیٰ وتسليم ذلك الیہ بقطع المالك ید عنه بتملیک من الفقیر وتسليم الیہ اولی ید من هونائب عنه وهو المصدق الی ان قال وعلی هذا ینخرج صرف الزکوٰۃ الی وجوه البر من بناء المسجد والریاطات والسقایات و اصلاح القناطر و تکفین الموتی و دفنهم انه لا یجوز لانه لم یوجد التملیک اصلاً ام (ص ۲۴۶) ان ابواب ثلاثہ سے فراغت کے بعد میں سائل کے دلائل پر توجہ کرتا ہوں:

(۱) سائل نے سب پہلے للفقراء کے لام میں بحث کی ہے، کہ یہ لام بلک کے لئے ہے یا نہ؟ پھر حافظ ابن حجر کا قول فتح الباری سے نقل کیا ہے ان اللام فی قوله تعالیٰ للفقراء لبیان المصروف لا للتملیک ام، اس بحث کا حاصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ میں تملیک کی شرط اسی پر موقوف ہے کہ لام للفقراء میں بلک کے لئے ہے، اور اس میں اختلاف ہے، لہذا زکوٰۃ میں قید تملیک بھی مختلف فیہ ہوگی، مگر اس سے ہر شخص کو جو فقہ

اس مقام پر یہ بات قابل تبصیر ہے کہ حافظ ابن حجر نے یہ قول اپنی طرف سے بیان نہیں کیا، بلکہ امام حسن بصری کے قول کی توجیہ میں بیان فرمایا ہے، پوری عبارت یہ ہے وفيه نصیر من الی ان اللام فی قوله للفقراء لبیان المصروف لا للتملیک فلو صرفت الزکوٰۃ فی صنف واحد کفی احدہا پس نقل میں سائل نے مسامحت کی ہے جس سے اہل علم کو احتراز لازم ہے ۱۲ منہ

سے مناسبت رکھتا ہو، سائل کے تصور نظر پر تعجب ہوگا، کیا سائل کو معلوم نہیں کہ ائمہ حنفیہ زکوٰۃ میں تملیک کو رکن کہتے ہیں، اور اس کے ساتھ ہی وہ لام للفقراء کو بلک کے لئے نہیں مانتے اور حافظ ابن حجر کا قول حنفیہ کے عین موافق ہے، ہدایہ میں ہے فہذہ اہم جہات الزکوٰۃ فلما لاک ان یدفع الی کل واحد منہم ولہ ان یقتصر علی صنف واحد وقال الشافعی لا یجوز الا ان یرفع الی ثلاثہ من کل صنف لان الاضافة بحرف اللام للاستحقاق ولنا ان الاضافة لبيان انہم مصارف لا لاثبات الاستحقاق الی ان قال ولا یبني بہا مسجد ولا یکن بہا میت لانعدام التملیک وهو الرکن ام، اس میں صاف تصریح ہے کہ لام للفقراء حنفیہ کے نزدیک بیان مصارف کے لئے ہے، استحقاق و ملک کے لئے نہیں، مگر پھر بھی وہ تملیک کو زکوٰۃ میں رکن قرار دیتے ہیں، اس سے صاف معلوم ہوا کہ شرط تملیک کی دلیل لام للفقراء نہیں بلکہ اس کے علاوہ ہے، جس کا مفصل بیان مبحث اول میں گذر چکا، پس سائل کا لام میں گفتگو کرنا محض فضول و لاطائل ہے۔

(۲) اس کے بعد سائل نے فی سبیل اللہ کے معنی میں بحث کی ہے، کہ اس کے معنی میں تعین اور اس تعین پر اجماع ہوا ہے یا نہیں؟ اس کا جواب مبحث سوم سے بخوبی واضح ہو چکا ہے، کہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے، اور امام مالک کے زمانہ تک اس میں اختلاف نہ تھا، کہ فی سبیل اللہ سے مراد فاری ہیں، اختلاف ان کے بعد حادث ہوا، اور علامت اسے اس قول کو فی سبیل اللہ میں جو بھی نفع ہے نام قانون شریعت اور ضعیف ہو کر دیا ہے اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ فی سبیل اللہ میں حج اور جمع قرب و اقرب تو ائمہ مجتہدین میں سے کسی کا قول ہو کر نہیں کہ حج یا جمع قرب میں بدون تملیک کے زکوٰۃ کا دینا جائز ہے، بلکہ جو لوگ حج کو اس میں داخل کرتے ہیں یا جمع قرب کو عام کہتے ہیں وہ تملیک کی شرط کو ضروری کہتے ہیں، ائمہ اربعہ اور جمیع مجتہدین کا اس پر اتفاق ہے کہ تملیک رکن زکوٰۃ ہے، محمد نے جو حج کو فی سبیل اللہ میں داخل کرتے ہیں اس کی تصریح کی ہے کہ حاج منقطع کو تملیک کے طور پر صدقہ دیا جائے، صاحب بدائع نے جمع قرب کو فی سبیل اللہ میں شامل کیا ہے، مگر تملیک کی شرط کو بار بار ذکر کرتے ہیں، پس یہ بحث بھی سائل کو کچھ مفید نہیں، کیونکہ فی سبیل اللہ کا عموم شرط تملیک کی نفی نہیں کرتا، ہاں سائل نے تفسیر کبیرہ و بیضاوی اور خازن کے حوالہ سے بعض فقہاء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہم سبیل اللہ کو تمام وجوہ خیر مثل تکفین موتی و بناہر جیسور و عمارت مساجد وغیرہ میں صرف کرنا جائز ہے،

کیونکہ لفظ سبیل اللہ سب کا ہے اور یہ قول البتہ بظاہر شرط تملیک کی نفی کر رہا ہے اگر سبیل اللہ سے مراد ہم زکوٰۃ ہے گویا قول ذوی اہل ہے، کیونکہ عرف شرعی میں فی سبیل اللہ جہاد و غزوہ کے ساتھ مخصوص ہے، جیسا کہ اوپر گذر چکا، اور امام ابو بکر ابن العربی نے جب احمد و اسحق کے اس قول کو کہ حج فی سبیل اللہ میں داخل ہے خارم قانون شریعت اور ناشر سبک نظر کہہ دیا، حالانکہ حج کو جہاد سے شرعاً مناسبت بھی ہے، کیونکہ حدیث میں عورتوں کے لئے دار رہے جہاد کن الحج کہ تمہارا جہاد حج ہے، تو یہ قول خارم قانون شریعت کیونکہ نہ ہوگا، جس میں حج کے سوا جمع وجوہ خیر کو سبیل اللہ میں داخل کیا گیا ہے، پھر یہ کچھ معلوم نہیں کہ یہ بعض فقہاء کون ہیں؟ مقلد ہیں یا مجتہد یا اہل ظاہر ہیں سے ہیں؟ اور جب تک قائل معلوم نہ ہو اس وقت تک کوئی قول مسموع نہیں ہو سکتا، ان ہذا الامور میں فانظر واعلم ان تاتخذ من دینکم ولولا الاسناد لعال من شاء ما شاء، مبحث اول میں شرط تملیک کی دلیل میں نص قرآنی و احادیث مشہورہ و اجماع مجتہدین مذکور ہوا ہے، اس کے مقابلہ میں قول مجہول کیونکہ مسموع ہو سکتا ہے! فقہ میں محض قال بعض الفقہاء یا قال بعضہم سے کام نہیں چل سکتا، جب تک قائل معلوم نہ ہو جیسا حدیث میں روایت مجہول معتبر نہیں اس سے زیادہ فقہ میں مجہول کا قول قابل اعتبار نہیں فافہم۔

علاوہ ازیں یہ کہ سائل نے تفاسیر کو غور سے دیکھا ہوتا تو اس کو معلوم ہو جاتا کہ ائمہ الصدقات کے متعلق فقہاء میں اختلاف ہوا ہے، کہ اس سے صرف زکوٰۃ واجبہ مراد ہے یا اس میں صدقات نافلہ بھی داخل ہیں، بعض فقہاء کا قول یہ ہے کہ اس میں صدقات نافلہ بھی داخل ہیں، تو ممکن ہے کہ یہ بعض فقہاء جو فی سبیل اللہ میں جمع وجوہ خیر کو داخل کرتے ہیں وہی ہوں، جو ائمہ الصدقات میں صدقات نافلہ کو بھی داخل کرتے ہیں اور چونکہ بالاتفاق صدقات نافلہ کا صرف کرنا جمع وجوہ خیر میں جائز ہے، مثل تکفین موتی و بناہر مساجد و بناہر جھون وغیرہ کے، اس لئے وہ اس طرف مضطر ہوئے کہ فی سبیل اللہ کو عام کہیں، مگر اس تعمیم کا حاصل صرف یہ ہوگا کہ صدقات نافلہ کا جمع وجوہ خیر میں صرف کرنا جائز ہے، نہ یہ کہ زکوٰۃ واجبہ بھی بدون تملیک کے تمام وجوہ خیر میں عرف ہو سکتی ہے، تفسیر کبیرہ ملاحظہ ہو: انفقوا علی ان قولہ تعالیٰ انما الصدقات دخل فیہ الزکوٰۃ الواجبة لان الزکوٰۃ الواجبة مستامة بالصدقة قال

عہ اور ظاہر ہے کہ مقلد و اہل ظاہر کا خلاف کسی درجہ میں معتبر نہیں ۳۳ منہ

تعالى شذ من أموالهم صدقة تطهرهم وقال عليه السلام ليس فيما دون خمسة اوسق صدقة واختلفوا في اذنه هل تدخل فيه الصدقة النافلة فمنهم من قال تدخل فيها لانت لفظ الصدقة منحصر بالتافلة فاذا دخلنا فيه الزكوة الواجبة فلا اقل من ان تدخل فيها الصدقة المنذوبة وتكون الفاعلة ان مصارف جميع الصدقات ليس الا هو لاء اه (ص ۴۶۴ ج ۴)

(۳) اس کے بعد سائل نے امام بخاری کے ایک ترجمہ الباب استدلال کیا ہے کہ امام بخاری زکوٰۃ میں تملیک کو واجب نہیں سمجھتے، اور مانعین سے امام بخاری کے استدلال کے جواب میں آیت یا حدیث صریح کا مطالبہ کیا ہے اور قطعی و تشفی بخشن جواب مانگا ہے،

مگر میں کہتا ہوں کہ پہلے سائل امام بخاری کا صریح قول تو دکھلائے اس کے بعد ہی اس کے جواب کے لئے آیت یا حدیث صریح و قطعی و تشفی بخشن جواب کا مطالبہ کرے، امام بخاری نے صراحتہً کہیں یہ نہیں کہا کہ زکوٰۃ میں تملیک شرط نہیں، انھوں نے تو صرف ایک ترجمہ الباب قائم کیا ہے، باب العروض فی الزکوٰۃ، جس کے معنی ہیں کہ زکوٰۃ میں متاع و اسباب کا دینا بھی (بجائے نفود کے) جائز ہے یا نہیں، پھر اس باب کے تحت میں چند احادیث لائے ہیں، اب اس ترجمہ کو اور ان احادیث کو ملا کر جو کچھ مطلب نکالا جائے گا وہ صراحتہً امام بخاری کا قول نہ ہوگا، بلکہ شارحین کا قول ہوگا، کیونکہ یہ بات اہل علم پر ظاہر ہے کہ امام بخاری کے تراجم ابواب کی مطابقت احادیث باب سے بہت دقیق ہوتی ہے اور بہت جگہ مطابقت ظاہر میں کچھ نہیں معلوم ہوتی، امام بخاری کے تراجم ابواب چیتا سے کم نہیں، جن کی تطبیق احادیث پر جا بجا نہایت دشوار اور دقیق ہوتی ہے، تو ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں ترجمہ الباب اور احادیث باب میں تطبیق دیتے ہوئے جو وجوہ مختلفہ شارحین بیان کرتے ہیں ان سے امام بخاری کا مذہب کیونکر متعین ہو سکتا ہے، اور اس کو جزئاً امام بخاری کا قول کیونکر کہا جاسکتا ہے۔

اب سنئے، اس مقام پر ترجمہ الباب یہ قائم کیا گیا ہے، باب العروض فی الزکوٰۃ، اور اس کے تحت میں حضرت خالد کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے واما خالد فقد احتبس ادراعه واعتده فی سبیل اللہ کہ جب حضرت خالد نے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا گیا اور انھوں نے زکوٰۃ نہ دی اور حضرت عمر نے حضور سے شکایت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ، خالد نے تو اپنی زر میں اور سامان سب کا سب اللہ کے راستہ میں وقف کر دیا ہے، شارحین نے ترجمہ کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت میں مختلف وجوہ اور متعذرات و دلیل ذکر کی ہیں، علامہ عینی فرماتے ہیں: مطابقتہ للترجمة من حيث ان ادراع خالد و اعتده من العرض ولولا انه وقفها لا عطاها في وجه الزكوة، اولما صح منه صرفها في سبيل الله دخلا في احد مصارف الزكوة الثمانية المذكورة في قوله تعالى انما الصدقات للفقراء فلم يبق عليه شيء اه (ص ۳۴۹ ج ۴) (ترجمہ) حدیث کی مطابقت ترجمہ الباب سے اس طرح ہے کہ حضرت خالد کی زر میں اور سامان عروض کی قسم سے تھا، اور اگر وہ ان کو وقف نہ کر چکے تو زکوٰۃ میں اپنی کودیتے، (معلوم ہوا کہ زکوٰۃ میں عروض کا دینا جائز ہے) یا یہ کہ جب حضرت خالد کا زرہ اور سامان کو سبیل اللہ میں صرف کرنا صحیح ہو گیا، تو یہ سامان مصارف زکوٰۃ کے ایک مصرف میں داخل ہو گیا، جو آیت صدقات میں مذکور ہیں تو اب ان کے ذمہ کچھ نہیں رہا، ام۔

اس میں توجیہ اول تو حنفیہ اور جمہور اہل سنت کے موافق ہے، اس سے شرط تملیک کا ابطال لازم نہیں آتا، ہاں توجیہ ثانی سے شبہ ہو سکتا ہے کہ وقف ہی سے بدون تملیک کے زکوٰۃ ادا ہو گئی، مگر علامہ عینی کا یہ مطلب ہرگز نہیں، بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ زرہ اور سامان حرب کو سبیل اللہ میں وقف کر دینے سے زکوٰۃ ساقط ہو گئی، کیونکہ مال موقوف محل زکوٰۃ نہیں، جیسا کہ صفحہ ۳۹۶ ج ۴ میں تفسیر کے ساتھ علامہ عینی نے حدیث خالد ہی کی شرح میں فرمایا ہے وفيه اسقاط الزكوة عن الاموال ام، کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اموال موقوفہ سے زکوٰۃ ساقط کر دی جاتی ہے، اور یہ بات حنفیہ کے موافق ہے کہ

لہ اس مقام پر یہ بات قابل تہنئہ ہے کہ سائل نے سوال میں یہ ظاہر کیا ہے کہ قسہ خالد سے بخاری نے زکوٰۃ میں نقد کے عوض متاع دینا ثابت کیا، جو فقہائے حنفیہ کے موافق ہے، اس کے بعد سائل نے مولانا احمد علی صاحب محشی بخاری کی عبارت نقل کی ہے جس سے دیکھنے والوں کو یہ دھوکہ ہوگا کہ حنفیہ نے بھی حدیث خالد سے وہی سمجھا ہے جو بزرگ سائل امام بخاری نے سمجھا کہ حضرت خالد نے زرہ بکتر کو زکوٰۃ میں نکالا اور ان کو بدن تملیک کے وقف کر دیا، حالانکہ حنفیہ نے ادراع عن دادا، قیمت فی الزکوٰۃ کا مسئلہ صرف حدیث خالد سے مستنبط نہیں کیا، بلکہ دراصل حدیث معاذ و انس سے مستنبط کیا ہے، اور جو عبارت دفع قیمت فی الزکوٰۃ کے متعلق سائل نے حاشیہ بخاری سے نقل کی ہے وہ حاشیہ مولانا احمد علی صاحب نے حدیث معاذ ہی پر تحریر کیا ہے، نہ حدیث خالد پر اور علامہ عینی نے بھی اس مسئلہ کو اولاً ص ۳۴۹ ج ۴ میں حدیث معاذ و حدیث انس ہی کے تحت بیان کیا ہے، سائل کو ایسی صریح مساجحت سے احتراز کلی لازم تھا، ۱۲ منہ

مال وقف منقول میں زکوٰۃ واجب نہیں، جبکہ حوالان حول سے پہلے وقف کر دیا گیا ہو اور حضرت خالدؓ نے حوالان حول سے پہلے ہی اپنا سامان وقف کر دیا تھا، کیونکہ جب انھوں نے مصدق سے انکار کر دیا جو حوالان حول پر زکوٰۃ وصول کیا کرتا ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صیغہ ماضی کے ساتھ فرمایا کہ خالدؓ تو اپنا سامان حرب وقف کر چکے ہیں، تم مطالبہ زکوٰۃ پر ان پر ظلم کرتے ہو اور وقف قبل حوالان حول کی بحث عنقریب مفصل آئے گی۔

اور ایک توجیہ حافظ ابن حجرؒ نے کی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے قصہ خالدؓ سے اس امر پر استدلال لیا ہے کہ زکوٰۃ کے مال کو ہتھیار و آلات حرب کی خرید میں لگانا اور جہاد میں ان سے مدد کرنا جائز ہے، اس بنا پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کو اس امر کی اجازت دی کہ وہ اپنے اس جس کو زکوٰۃ واجبہ کے حساب میں لگائیں (۱۸)۔ یہ توجیہ البتہ ظاہر میں شرط تملیک کے غیر ضروری ہونے میں مبنی ہے، گو تاویل کے ساتھ اس کو بھی علامہ عینیؒ کی تاویل ثانی کی طرف راجح کیا جاسکتا ہے۔

اور ایک توجیہ جمہور نے کی ہے کہ لو کان قوی باخوارجھا عن مملک الزکوٰۃ عن مالہ لان احد الاصناف سبیل اللہ وہم المجاہدون وھذا یقولہ من یجیز اخراج الفیق فی الزکوٰۃ کالحنفیۃ ومن یجیز التعجیل کالشافعیۃ ذکۃ الحافظ فی الفتح (ص ۲۶۲) کہ حضرت خالدؓ نے ان زرہوں وغیرہ کو اپنی ملک سے نکالتے ہوئے اپنے مال کی زکوٰۃ کی نیت کی تھی، کیونکہ سبیل اللہ یعنی مجاہدین بھی زکوٰۃ کا ایک مصرف ہے، اور یہ توجیہ لوگ کرتے ہیں جو زکوٰۃ میں قیمت کا ادا کرنا جائز سمجھتے ہیں، جیسے حنفیہ اور زکوٰۃ پیشگی ادا کرنا جائز سمجھتے ہیں، جیسے شافعیہ (۱۸)، اس توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ حضرت خالدؓ نے زکوٰۃ میں زرہیں وغیرہ نکالی اور ان کو جہاد کے واسطے رکھ چھوڑا کہ ضرورت کے وقت مجاہدین کو دیدی جائیں گی، اس توجیہ میں اخراج عن المملک سے مراد عزل ہے، اور جس سے مراد جس لغوی ہے، وقف مراد نہیں، کیونکہ حنفیہ و شافعیہ کے مذہب پر یہی صورت منطبق ہو سکتی ہے، اور حافظ نے اس کو حنفیہ و شافعیہ کی طرف منسوب کیا ہے، پس ان کے مذہب پر انطباق لازم ہے، علامہ عینیؒ کی عبارت حافظ کی عبارت سے زیادہ واضح ہے، انھوں نے اس میں اتنا اور زیادہ کیلئے فصرہا فی الحال کفرہا فی المال (۱۸) کہ زکوٰۃ کا اس وقت صرف کرنا اور بعد میں صرف کرنا برابر ہے، اس کا وہی مطلب ہے کہ حضرت خالدؓ نے ان

اشیاء کو زکوٰۃ کی نیت سے الگ کر کے آئندہ مجاہدین پر صرف کرنے کے لئے روک لیا تھا۔ ایک توجیہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے شرح تراجم بخاری میں بیان فرمائی ہے۔ واستدلال المؤلف بقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم واما خالد الخ استدلال بعض محتملاتہ بان یقال معناه انه اشتری بمال الزکوٰۃ الادراع والھبل فوقھا فی سبیل اللہ فقد سقطت زکوٰۃہ واما لو حصل الکلام علی معان أخر فلا یدل علی الترجمة (۱۸)۔

مؤلف کا قصہ خالدؓ سے استدلال بعض معانی محتملہ سے استدلال ہے، کہ یوں کہا جائے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت خالدؓ نے مال زکوٰۃ سے زرہیں اور غلام خرید کر کے ان کو سبیل اللہ میں وقف کر دیا ہے، اس لئے ان پر سے زکوٰۃ ساقط ہو گئی، اور اگر کلام کو دوسرے معنی پر محمول کیا گیا تو ترجمہ پر دلالت نہ ہوگی۔

میں کہتا ہوں اس کا حاصل وہی ہے جو علامہ عینیؒ کی توجیہ ثانی کا حاصل ہے، کہ خالدؓ نے حوالان حول سے پہلے زکوٰۃ کے مال سے آلات حرب خرید کر کے وقف کر دیے ہیں اس لئے زکوٰۃ ساقط ہو گئی، اور اس کو حنفیہ تسلیم کرتے ہیں، جبکہ تمام حوال پر نصاب کامل باقی نہ رہی، ایک توجیہ ہمارے بعض مشائخ حدیث نے یہ کی ہے کہ امام بخاریؒ نے زکوٰۃ کو وقف پر قیاس کر کے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ جب عروض کا وقف جائز ہے (جو کہ صدقہ کی ایک قسم ہے) تو زکوٰۃ میں بھی عروض کا دینا جائز ہے، کیونکہ زکوٰۃ بھی صدقہ ہی ہے، جب صدقہ ہونے میں دونوں مساوی ہیں تو عروض کے ساتھ جو ارتعلق میں بھی دونوں مساوی ہونگے اور یہ توجیہ ہمارے نزدیک تمام توجیہات سے اقرب ہے، کیونکہ بقیہ توجیہات کی بنا بعض احتمالی امور پر ہے، مثلاً یہ کہ حضرت خالدؓ نے سلاح و اعتماد وغیرہ کو زکوٰۃ میں محسوب کر کے وقف کیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس حساب کو جائز رکھا۔

یا حضرت خالدؓ نے مال زکوٰۃ سے ان اشیاء کو خرید کر وقف کیا تھا، اور ظاہر ہے کہ الفاظ حدیث میں ان احتمالات پر کوئی دلیل و قرینہ قائم نہیں، نہ حضرت خالدؓ کے حساب لگانے پر نہ حضورؐ کی اجازت حساب پر نہ حضرت خالدؓ کے شرار و بیع پر حدیث کا مدلول تو صرف اس قدر ہے کہ مصدق نے حضرت خالدؓ سے زکوٰۃ مانگی انھوں نے دینے سے انکار کیا، مصدق نے حضورؐ سے شکایت کی، حضورؐ نے حضرت خالدؓ کی طرف سے یہ عذر بیان کیا

کہ وہ تو اپنا سامان حرب زرہ و غلام و سامان وغیرہ سبیل اللہ میں وقف کر چکے ہیں، تم ان پر مطالبہ زکوٰۃ سے ظلم کرتے ہو، اس مدلول سے ظاہر صرف اس قدر ہے کہ مصدق نے حضرت خالدؓ کے سامان حرب کو بمقدار کثیر دیکھ کر یہ سمجھا کہ یہ تجارتی مال ہے، کیونکہ استعمالی اسباب اتنا زیادہ نہیں ہوتا، اور اس کثرت کی دلیل حدیث میں صیغہ جمع ادراع و اعتد اعبد ہے (اس لئے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا، حضور نے بتلا دیا کہ وہ تو اس کو وقف کر چکے ہیں، اس سے امام بخاریؒ نے یہ استدلال کیا کہ جب عروص کا وقف جائز ہے تو زکوٰۃ میں بھی عروص کا دینا جائز ہے۔

امام شوکانیؒ نیل الاوطار میں فرماتے ہیں: ومعنی ذلك انهم طلبوا من خالد زکوٰۃ اعتاده ظناً منهم انها للتجارة (ای نکتہ ۱۲) وان الزکوٰۃ فيها واجبة فقال لهم لان زکوٰۃ فيها على فقالوا للنبی صلی الله علیه وسلم ان خالداً منم الزکوٰۃ فقال انکم تظلمونہ لانه حبسها ووقفها فی سبیل الله تعالی قبل الحول علیها فلا زکوٰۃ فیها ام (ص ۳۷-۳۸)۔

اب اتنی توجیہ کے بعد یہ دعویٰ کرنا کہ امام بخاریؒ کی مراد وہی توجیہ ہے جو حافظ ابن حجرؒ نے بیان کی ہے دعویٰ بلا دلیل ہے، اور اس پر یہ تفریح کرنا کہ امام بخاریؒ کا اس قصہ خالدؓ کے ذکر سے یہ مقصود ہے کہ ادایہ زکوٰۃ میں تملیک شرط نہیں بنا، الفاسد علی الفاسد اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ امام بخاریؒ کا یہ مقصود ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا مذہب بھی یہی ہے، کہ زکوٰۃ میں تملیک شرط نہیں، کیونکہ محدثین اپنی کتابوں میں مختلف احادیث مختلف تراجم کے ساتھ بیان کرتے ہیں، اور ان کا مذہب ان میں سے ایک ہوتا ہے، جیسا کہ ترمذی و نسائی نے باب القراءۃ خلف الامام، والرخصۃ فی ترک القراءۃ خلف الامام منعقد کیا ہے، اور دونوں ان کا مذہب نہیں، اسی طرح ممکن ہے کہ امام بخاریؒ نے اس ترجمہ و حدیث سے اس بات پر تنبیہ کی ہو، کہ حدیث خالدؓ سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ زکوٰۃ وقف سے بھی ادا ہو سکتی ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام بخاریؒ کا مذہب یہی ہے۔

اب رہا یہ کہ حدیث خالدؓ سے یہ مطلب قطعی طور پر حاصل ہوتا ہے یا بطور احتمال کے، تو اس کو شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے واضح کر دیا کہ یہ استدلال بعض محتملات سے

استدلال ہے، اور اصولی قاعدہ ہے، اذا جاز الاحتمال بطل الاستدلال، کہ احتمال کے ساتھ استدلال باطل ہے، پھر یہ احتمال ان دلائل صریحہ کے مقابلہ میں کیا وقعت رکھ سکتا ہے جو بحث اول میں تملیک کی ضرورت پر نصوص فترانیہ و احادیث مشہورہ و اجماع مجتہدین سے بیان کئے گئے ہیں؟

تیسرے ہم یہ کہتے ہیں کہ بعد تسلیم اگر مان لیا جائے کہ امام بخاریؒ کا مذہب وہی ہے جو سائل نے سمجھا ہے تو اس کے بعد وہ یہ ثابت کرے کہ امام بخاریؒ مقلد ہیں، یا مجتہد، اگر مقلد ہیں تو مجتہدین کے اقوال کو چھوڑ کر مقلد کا قول لینا کب جائز ہے؟ خصوصاً جبکہ ان کا استدلال بھی بوجہ استدلال بالمحتمل ہونے کے باطل ہو، اور اگر مجتہد ہیں تو ان کا قول ائمہ مجتہدین سابقین کے خلاف ہے، اور اجماع سابق کو خلاف لاحق منقوض نہیں کر سکتا، بلکہ خلاف لاحق خود باطل ہے۔

اور کوئی یہ کہے کہ گو حافظ ابن حجرؒ کی توجیہ سے امام بخاریؒ کا مذہب متعین نہیں ہو سکتا مگر خود حافظؒ کے نزدیک تو اس توجیہ کا صحیح ہونا معلوم ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حافظ کا مذہب وہی ہے جو اس توجیہ میں مذکور ہے، کیونکہ شارح کا کام صرف یہ ہے کہ مؤلف کتاب کے قول کی شرح کر دے خواہ وہ شرح شارح کے موافق ہو یا مخالف، اور جب اس سے حافظ کا مذہب متعین نہ ہو تو اس کا اخذ کرنا جائز نہیں، کیونکہ جس قول کے خلاف خود قائل کا مذہب ہو وہ قول قائل ہی کے نزدیک باطل ہے، اور ہم جانتے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ امام شافعیؒ کے مقلد ہیں، اس لئے یہ توجیہ حافظ کا مذہب ہرگز نہیں، بلکہ ان کے مذہب کے خلاف اور ان کے نزدیک باطل ہے، نیز اس میں وہ جوابات بھی جاری ہیں جو امام بخاریؒ کے مقلد و مجتہد ہونے کی صورت میں اوپر مذکور ہوئے ہیں۔

اس کے بعد سائل نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی عبارت حجۃ اللہ البالغہ سے

۷۵ اس مقام پر یہ امر قابل تنبیہ ہے کہ سائل نے عبارت حجۃ اللہ البالغہ کے ترجمہ میں غلطی کی ہے، کیونکہ ترجمہ میں یہ جملہ "جیسا کہ آیت کے نزول کے موقع پر مدینہ مسلمانوں کا خالص شہر تھا" نہ معلوم کس جملہ کا ترجمہ ہے، اور اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ مترجم نے تکلفی نواب المدینہ میں المدینہ سے شہر مدینہ مراد لیا ہے، اور اس کا غلط ہونا ظاہر ہے، یہاں نواب المدینہ سے حوادث البلد مراد ہے، جو ہر بلد کو عام ہے ۱۲ منہ

نقل کی ہے، جس میں شاہ صاحب کا یہ قول ہے کہ حدیث خالدؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ وقف زکوٰۃ کی جانب سے کافی ہے، اور یہ کہ آیت صدقات میں حصر اضافی ہے، اور یہ کہ مصارف زکوٰۃ میں توسیع کی ضرورت ہے الخ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے خود شرح تراجم و ابواب میں تصریح کر دی ہے کہ حدیث خالدؓ میں مختلف احتمالات ہیں، اور امام بخاریؒ کا استدلال حدیث خالدؓ سے بطور احتمال کے ماخوذ ہے ۱۵، اور محتمل سے استدلال باطل ہے، اس لئے شاہ صاحب کا یہ استدلال ساقط ہے، اگر ان کی مراد وہی ہے جو سائل نے اس سے سمجھی ہے، نیز آیت میں حصر کو اضافی کہنا بھی حدیث و اجماع کے خلاف ہے، جس کا بموجب دوم میں ذکر ہو چکا۔

دوسرے شاہ صاحب نے شرح تراجم میں جو توجیہ بیان کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مال زکوٰۃ کے وقف کرنے سے زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے، اور حجۃ اللہ البالغہ میں یہ کہا ہے کہ وقف زکوٰۃ کی طرف سے کافی ہے، دونوں میں خستلات ہے، اور ایک شخص کے مختلف اقوال میں جمع یا ترجیح لازم ہے، پس اول یہ ثابت کرنا چاہئے کہ ان دونوں میں سے مقدم و مؤخر کونسا ہے، اگر یہ ثابت نہ ہو سکے تو جمع نہ ہو سکے کی صورت میں دونوں ساقط ہیں، اور اس کے قول سے احتجاج و استدلال نہیں ہو سکتا، خصوصاً جبکہ حضرت شاہ صاحب خود مقلد ہیں، اور ان کا رتبہ امام بخاریؒ اور حافظ ابن حجر سے بھی پیچھے ہے، تو ان کا قول ائمہ مجتہدین کے خلاف مسموع نہیں ہو سکتا۔

نیز حضرت شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں صدقات کی تقسیم اولاً اس طرح کی ہے: والبلاد الخاصة بالمسلمین عمدۃ ما یتخلص فیہا من المال نوعان بازاء نوعین من المصروف، نوع هو المال الذی زالت عتہ ید مالکھ کتوکت المیت لا وارث لہ وضوال من الیہا ثم لا مالک لہا واللقطۃ

۱۵۔ سائل نے شاہ صاحب کی عبارت کا یہ جملہ بھی نقل کیا ہے وعن ابی الاس حملنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی ابن الصدقہ للیج ام اس سے معلوم نہیں سائل کو کیا ثابت کرنا مقصود ہے، اگر یہ مقصود ہے کہ فی سبیل اللہ غزاة کے ساتھ خاص نہیں بلکہ حج بھی اس میں داخل ہے تو اس کو یہ ثابت کرنا لازم ہے کہ یہ اونٹ جن پر حجاج کو سوار کیا گیا سبیل اللہ کے تھے، سہم ابن سبیل کے نہ تھے، اور اگر مقصود ہے کہ یہ اونٹ زکوٰۃ کے بدون تملیک کے بطور وقف کے استعمال کئے گئے تو اس کو نفی تملیک پر دلیل قائم کرنا چاہئے، کیونکہ لفظ حملنا تملیک سے آبی نہیں بلکہ تملیک کے ساتھ بھی اطلاق ہوتا ہے ۱۲۔

أخذها أعوان بیت المال وعرفت فلم یعرف لمن ہی ومن حقہ ان یصرف الی المنافع المشتركة التي مما لیس فیہا تملیک لاحد ککری الانهار و بناء القنابر والمساجد وحضر الأبار والعیون وامثال ذلك ونوع هو صدقات المسلمین جمعت فی بیت المال ومن حقہ ان یصرف الی ما فیہ تملیک لاحد و فی ذلك قوله تعالی انما الصدقات للفقراء الآیة (ص ۳۳ و ۳۳۳)۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں کے بلا و خاصہ میں دو قسم کے اموال دو قسم کے مصرف کے مقابلہ میں ہیں، ایک قسم کا مال تو وہ ہے جس پر سے مالک کا قبضہ زائل ہو گیا، جیسے لاوارثی ترکہ، گم شدہ جانور اور لقطہ وغیرہ، اس کا مصرف تو منافع مشترکہ ہیں، جن میں تملیک کسی کی نہیں ہوتی، جیسے بنا، مساجد و قنابر اور نہریں اور کنواں اور چشمہ کھودنا وغیرہ۔ اور ایک نوع اموال کی وہ ہے جو مسلمانوں کے صدقات سے بیت المال میں جمع ہوتی ہے، اس کا حق یہ ہے کہ ایسے مصرف میں صرف ہو جس میں کسی کی تملیک ہو اور آیت انما الصدقات للفقراء اسی قسم کے اموال کے متعلق ہے، ۱۶۔

اس عبارت کے سیاق سے ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ اس میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس میں قانون شرعی کی ترجمانی کی گئی ہے، کیونکہ اس سے پہلے یہ جملہ ہے فجعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم لكل من ہذین سنة وجعل الجباية بحسب المصروف اور اخیر میں فرمایا ہے کہ اموال کی نوع ثانی کا حق یہ ہے کہ ایسے مصرف میں صرف ہو جس میں کسی کی تملیک ہو، پھر فرمایا کہ آیت انما الصدقات اسی قسم کے اموال کے متعلق ہے، اس سے صاف عیاں ہے کہ اس مقام پر شاہ صاحب نے اموال و مصارف کی جو تقسیم کی ہے وہ ان کے نزدیک شرعی تقسیم ہے، محض اجتہادی نہیں، کیونکہ خدا و رسول کی طرف شاہ صاحب نے اس کو منسوب کیا ہے، پس جب حضرت شاہ صاحب کے نزدیک اموال کی نوع ثانی کے لئے شرعاً تملیک کا ضروری ہونا متحقق ہے تو اب ان کے آئندہ کلام کو جو محض استدلالی کلام ہے ایسے معنی پر محمول کرنا جس سے تملیک کا ابطال ہوتا ہو ان کے کلام کو منقش کرنا اور آخر کلامہ منقض اولہ کا مصداق بنانا ہے، پس لازم ہے کہ آخر کلام کی ایسی توجیہ کی جائے جس سے پہلے کلام کا ابطال نہ ہو، اور وہ یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب کا مقصود آخر کلام سے یہ ہے کہ مال زکوٰۃ کا وقف قبل حوالان حوال جائز ہونا چاہئے،

۱۶۔ اور چونکہ اس میں انصار ابطال زکوٰۃ اور فرار عن الزکوٰۃ ہے، جس کو بعض فقہار نے جائز نہیں سمجھا، اس لئے شاہ صاحب نے اس کو منقش کرنا چاہئے، کیونکہ لفظ حملنا تملیک سے آبی نہیں بلکہ تملیک کے ساتھ بھی اطلاق ہوتا ہے ۱۲۔

اور اس سے زکوٰۃ ساقط ہو جانا چاہئے تاکہ زکوٰۃ کے اموال میں وسعت ہو جائے، اور اس صورت میں حصر کو اضافی ان صدقات کے لحاظ سے کہا گیا جو باعتبار اصل کے اموال زکوٰۃ تھے، اور باعتبار انتہاء کے اموال زکوٰۃ نہیں رہے، ولاکلام فیہ، اس صورت میں کلام میں تعارض نہ ہو گا، اور حاصل یہ ہو گا کہ مال زکوٰۃ کو قبل حولان حول دوسری نوع کی طرف منتقل کر دینا جائز ہے، اور ہم حضرت خالدؓ کے واقعہ کی تاویل میں علامہ شوکانیؒ سے بعینہ یہی نقل کر چکے ہیں کہ انھوں نے قبل حولان حول اپنی ادراع و اعتماد کو وقف کر دیا تھا، اور حضرت شاہ صاحبؒ کا حجتہ اللہ البالغہ میں المحبس بجزی عن الصدقة فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ وقف قبل حول سے زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے، اس صورت میں شرح تراجم کی عبارت اور حجتہ اللہ البالغہ کی اول و آخر عبارت میں تعارض نہیں ہے گا، اور اجزا عنہ کا بمعنی سقوط مستعمل ہونا اہل علم پر مخفی نہیں، محاورات فقہاء میں اس کے نظائر ملیں گے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ بہر حال شاہ صاحبؒ کے مرتبہ عالیہ پر نظر کر کے ان کے کلام کی یہ توجیہ کر دی گئی ورنہ ان کا کلام واضح بھی ہوتا جب بھی ائمہ کے مقابلہ میں کسی درجہ میں حجت نہ تھا، اور متعارض کلام تو کسی کے مقابلہ میں بھی کافی نہیں۔

وهذا وقت ايفاء ما وعدنا سابقا من البحث في كون الوقت قبل الحول مسقطاً للزكاة ودليله ما في الدر ولا زكاة في هالك بعد وجوبها بخلاف المستهلك، بعد الحول لوجود التعدي منه اه قال الشامي اما قبله لو استهلكه قبل تمام الحول فلا زكاة عليه لعدم الشرط واذا فعله حيلة لدفع الوجوب قال ابو يوسف لا يكره لانه امتناع عن الوجوب لا يبطل حق الغير وفي المحيط انه الاصح وقال محمد يكره واختاره الشيخ حميد الدين الضرير لان فيه اضراً بالفقراء وباطال حدس ما لا اه (ص ۳۲ ج ۲)۔

قلت ووقف مال الزكاة استهلاكه فيسقط الزكاة ان كان قبل الحول ولا يسقطها بعده فافهم۔

تتمہ (۱) سائل نے شروع سوال میں یہ ظاہر کیا ہے کہ مال زکوٰۃ، فطرہ، اور جرم قربانی (یعنی اس کی قیمت) کو بہت سے مصارف میں بدون تملیک کے صرف کرنے کی آجکل ضرورت ہے، اور تملیک جاری کرنا ہو تو حیلہ تلاش کرنا پڑتا ہے جس کا

ثبوت آیات و احادیث و اقوال سلف سے نہیں ملتا ہے الخ اس قول میں سائل نے فقہاء حنفیہ پر درپردہ اعتراض کیا ہے کہ انھوں نے حیلہ تملیک ایسا بیان کیا ہے جو شریعت میں کچھ اصل نہیں رکھتا، افسوس سائل کو پہلے کسی فقہی کتاب میں دلیل تلاش کرنے کی مشقت تو برداشت کرنا چاہئے تھی، اس کے بعد ہی یہ بات قلم سے نکالنا زیادہ سہی، اس حیلہ کی دلیل تو سائل کو امام بخاریؒ ہی سے معلوم ہو جاتی، جن کے قول مبہم و متشابہ کی تقلید کا اس کو بہت شوق ہو رہا ہے، امام بخاریؒ نے حدیث بریرہؓ کو تقریباً چالیس مقام سے زیادہ میں اعادہ کیا ہے، اور اس سے مسائل کثیرہ مستنبط کئے ہیں، منجملہ ان کے ایک یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ اگر فقیر کو صدقہ دیا جائے، پھر فقیر وہ صدقہ غنی کو دیدے تو غنی کے لئے جائز ہے، لقوله صلى الله عليه وسلم وهو لها صدقة ولنا منها هدية (ملاحظہ ہو بخاری، ص ۲۰۲ ج ۱) باب اذا تحولت الصدقة یہی اصل اس حیلہ کی ہے جو حنفیہ نے تملیک زکوٰۃ میں بیان کیا ہے۔

نیز ابو داؤد و ابن ماجہ اور حاکم نے ابو سعید خدریؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے: لا تحل الصدقة لغني الا لخمسة لعامل عليهما او لغارقي سبيل الله او غني اشتراها بماله او فقير تصدق عليه فاهدي لغني او غارم وقال الحاكم صحيح على شرط الشيخين كذا في العبداء للعيني (ص ۳۹۲ ج ۲)۔

اس میں او فقير تصدق عليه فاهدي لغني، اس حیلہ کی دلیل ہے جو تملیک زکوٰۃ میں فقہاء نے بیان کیا ہے، اس کا حاصل یہی ہے کہ زکوٰۃ فقیر کو دی جاتی ہے پھر وہ اپنی طرف سے غنی کو یا مدرسہ و مسجد میں دیدیتا ہے۔

(۲) اشکل علی البعض عدوله تعالیٰ عن اللام الی فی قوله وفي الرقاب والغارمین وفي سبيل الله وابن السبيل وعسى ان يتوهم منه لبعض لغارمین

عنه یہ حدیث بھی اس کی دلیل ہے کہ آیت صدقات میں فی سبيل الله سے مراد غزاة ہیں، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سبيل الله کو غازی کے ساتھ مقید نہ فرماتے، اس قید کی وجہ سے شرح حدیث نے ان روایات کی جن میں فی سبيل الله مطلق ہے، غازی کے ساتھ تفسیر کی ہے، ملاحظہ ہو کتب الاوطار باب فی سبيل الله وابن السبيل ۱۲ منہ

ان ظاہرہ یقتضی ان هؤلاء الاربعة لا یملکون ما یعطون من الصدقات کالاولی وان لا یتکون سبیل اللہ کلہ مقصوراً علی الخزانة بل ینفق منه فیہم شیء والباقی فی مصرف الخرفقول قال صاحب الکشاف انه تعالی انما عدل عن اللام الی فی فی الاربعة الاخیرة للایذان بانہم ارسخ فی استحقاق التصدق علیہم ممن سبق ذکرہ لان فی اللوعاء فلیتہ علی انہم احقاء بان توضع فیہم الصدقات ویجعلوا مظنة لہا ومصبا لہا۔

مبتلیغین کی تنخواہ میں زکوٰۃ صرف کرنا
سوال (۱۱) مبتلیغین کی تنخواہ میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟
نیمہ سوال مذکور

الجواب؛ مصارفِ ثنائیہ میں وہی سبیل اللہ جو ایک مصرف ہے اس میں طلبہ علم اور مبتلیغین احکام اسلام اور واعظین مسلمانان اور فتنہ ارتداد سے روکنے والے اور حفاظت اسلام کرنے والے سب داخل ہیں، ان سب کو زکوٰۃ کار و پیہر دینا خواہ متفرق غیر معین طریق پر دیں یا ماہانہ مقرر کر کے دیں درست ہے، اور زکوٰۃ ادا ہو جاوے گی بشرطیکہ وہ نصاب کے مالک نہ ہوں، کہا فتاویٰ شامی جلد ۲ صفحہ ۶۳ (مصری) میں وقد قال فی البدن نفع فی سبیل اللہ جمیع القرب فیدخل فیہ کل من سعى فی طاعة اللہ وسبیل الخیرات اذا کان محتاجاً لہ

اور کہا تفسیر مظہری ص ۱۰۱ سورۃ توبہ میں قلت ولما کان الفقر ماخوذاً من جمیع الاصناف فالاولی ان لا یخص سبیل اللہ بالحب ولا بالغزوب بل یتروک اعم منہما ومن ساء ابواب الخیر فمن انفق مالہ فی طلبہ العلم صدق انتہ انفق فی سبیل اللہ البتہ جو مصارف دیگر تبلیغ اسلام کے ہیں، مثلاً ڈاک تار، طباعت و کاغذات وغیرہ، ان میں زکوٰۃ کار و پیہر خرچ نہیں ہو سکتا، کہ کسی کی ملک میں نہیں آتا، البتہ کسی غریب یا غیر مالک نصاب زکوٰۃ کی ملک پہلے کر دیں، اور اس سے ان کاموں میں خرچ کر دیں تو یہ صورت ہو سکتی ہے، کیونکہ زکوٰۃ میں مالک بنا دینا شرط ہے بعض اشخاص مہتممین مدارس کے پاس زکوٰۃ کار و پیہر بھیجتے ہیں، ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ مہتمم صاحب محتاجین کو تقسیم کر کے اس کا مالک بنا دیں، اور جو مہتمم کسی مدرسہ کا یا کسی نیک کام کا منتظم زکوٰۃ کے روپے مرسلہ کو طلبہ یا غیر طلبہ غیر مالک نصاب کی

بلکہ میں اس روپے کو نہیں کرے گا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، واللہ اعلم وعلیہ التمس۔

الجواب من الخانقہ الامدادیہ تفتانہ بکھون؛ یہ جواب مذکورہ بالا جس میں زکوٰۃ کی رقم کو معاوضہ تبلیغ وغیرہ میں دینا بھی جائز کیا ہے، صحیح نہیں، اور جس عبارت سے استدلال کیا ہے اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کے مفہوم میں تمام قرب طاعاً داخل ہیں، رہا یہ کہ ادائے زکوٰۃ کے لئے محل صرف کاقربت و طاعت ہونا کافی ہے، اس کے سوا کچھ شرط نہیں، یہ اس عبارت سے مفہوم نہیں ہوتا، بدائع میں تملیک (بلاعوض) کی قید خود مصرح ہے، اور اس کو رکن اداء زکوٰۃ قرار دیا ہے، اور یہی مطلب تفسیر مظہری کا ہے کہ طلبہ العلم پر انفاق کرنا انفاق فی سبیل اللہ میں داخل ہے، یعنی جبکہ یہ انفاق بطریق تملیک بلا عوض کے ہو، ومن اراد البسط فی الدلائل فلیراجع رسالتنا رفع التمشیک فی دفع الزکوٰۃ بالتملیک

قال فی البدائع رکن الزکوٰۃ هو اخراج جزء من النصاب الی اللہ تعالیٰ وتسليم ذلك الیہ بقطع المالك یدہ عنہ بتملیک الفقیر وتسليمہ الیہ اوالی ید من ہونا عب عنہ والملک للفقیر یتثبت من اللہ تعالیٰ وصاحب المال نائب عن اللہ تعالیٰ فی التملیک والتسليم الی الفقیر بدلیل قولہ تعالیٰ السم یعدہ ان اللہ هو یقبل التوبۃ عن عباده ویأخذ الصدقات وقول الشبی صلی اللہ علیہ وسلم الصدقة تقع فی ید الرحمن وقد امر اللہ تعالیٰ بایتاء الزکوٰۃ والایتاء هو التملیک ولذا سمی اللہ تعالیٰ الزکوٰۃ صدقة بقوله انما الصدقات للفقراء والتصدق تملیک ولان الزکوٰۃ عبادة والعبادة اخلاص العمل بکلیتہ للہ تعالیٰ ویكون معنی القربۃ فی الاخراج الی اللہ تعالیٰ بابطال ملکہ عنہ لان فی التملیک من الفقیر بل التملیک من اللہ تعالیٰ حقیقۃ وصاحب المال نائب عن اللہ تعالیٰ ص ۳۹ ج ۲، قلت و الاخراج الی اللہ تعالیٰ یقتضی ان یتکون التملیک فی الزکوٰۃ بلا عوض وان کان بعوض لم یکن اخراجاً الی اللہ ولم تکن صدقة ولا عبادة کما لا یخفی فان الصدقة اشماہی تملیک العین من الفقیر مجاناً قال فی الدرر والصدقة کالمہبۃ بجوامع التبرع لان المقصود فیہا الثواب لا العوض ص ۵۱ ج ۲

(۲) قال في البدائع واما العاملون عليهم الذين نصبهم الامام لجباية الصدقات واختلف فيما يعطون قال اصحابنا يعطيهم الامام كفايتهم منها وقال الشافعي يعطيهم الثمن لئان ما يستحقه العامل انما يستحقه بطريق العمالة لا بطريق الزکوٰۃ بدليل انه يعطى وان كان غنيا بالاجماع ولو كان صدقة لما حلت للغني دل انه انما يستحقه بعمله لكن على سبيل الكفاية لا على سبيل الاجرة لان الاجرة مجهولة لان قدر الكفاية له ولا عوائده مجهول غير معلوم وجهالة احد البدلين يمنع جواز الاجارة فدل ان الاستحقاق ليس على سبيل الاجرة بل على طريق الكفاية له ام (ص ۲۲۳-۲۲۴)

اس عبارت سے امور ذیل مستفاد ہوئے :- (۱) عاملین زکوٰۃ کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ اجرت نہیں بلکہ نفقہ ہے، جیسے زوجہ کا نفقہ زوج پر بوجہ جس کے لازم ہوتا ہے یا مضارب کا نفقہ مال مضاربت میں ہوتا ہے۔

(۲) امام شافعی اس کو زکوٰۃ ہی قرار دیتے ہیں۔

(۳) عاملین وہ ہیں جن کو امام نے زکوٰۃ و صدقات وصول کرنے کے لئے مقرر کیا ہو، اس کے بعد ظاہر ہے کہ مبلغ یا چندہ وصول کرنے والوں کو عاملین میں داخل نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ وہ امام کے مقرر کردہ نہیں، اور ان کو زکوٰۃ و صدقات میں سے نہ تنخواہ دی جاسکتی ہے نہ نفقہ، کیونکہ یہ لوگ نہ عاملین میں داخل ہیں نہ ان پر ان کو قیاس کیا جاسکتا ہے، کیونکہ خود عاملین کو زکوٰۃ سے حق عمالت دینا خلافت قیاس نص سے ثابت ہوا ہے، اور خلافت قیاس کا تعدیہ نہیں ہو سکتا، رہا یہ کہ ان لوگوں کو یہ تنخواہ زکوٰۃ سے بوجہ سبیل اللہ کے مصداق ہونے کے ہے، اس کا جواب اوپر گزر چکا، کہ جو لوگ فی سبیل اللہ کے مصداق ہیں ان کو زکوٰۃ تملیک بلا عوض کے طور پر دی جائے گی، معاوضہ کی صورت نہیں دی جاسکتی۔

قال في الذارد لو دفعه المعلم لخليفته ان كان بحيث يعطى له لم يعط - ص ۱۱۳ ج ۲ ومثل ذلك في كتب الفقه كثير، والله تعالى اعلم -

ظفر احمد عفاعنه ۲۳ شوال ۱۲۸۵ھ

بیشک مبلغ وغیرہ کی تنخواہ میں زکوٰۃ کی رقم وغیرہ خرچ کرنا جائز نہیں، اس طرح زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، اور خرچ کرنے والے پر ضمان آتا ہے، زکوٰۃ کا مصرف زکوٰۃ کو مفت بلا کسی

معاوضہ کے دینا ایسا امر ہے کہ ہمیں اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں، نہ آئندہ کسی کے اختلاف کی توقع، واللہ اعلم، احقر عبدالکریم عفی عنہ ۲۲ شوال ۱۲۸۵ھ۔

وقال الامام ناصر الدين المالكي وثم من اخره واطهر واقرب واذ لك ان الاصناف الاربعة الاوائل ملاك لما عساه يدفع اليهم وانما يأخذونه ملكا فكان دخول اللام لا ثقا بهم واما الاربعة الاواخر فلا يملكون ما يصرف نحوهم بل ولا يصرف اليهم ولكن في مصالح تتعلق بهم فالمال الذي يصرف في الرقاب انما يتناول السادة المكاتبون وكذلك الغارمون انما يصرف نصيبهم لارباب ديونهم تخليصا لذي مدتهم لا لهم واما سبيل الله فواضح فيه ذلك واما ابن السبيل فكانه كان مندرجا في سبيل الله وانما افرده بالذكر تنبيها على خصوصيته ام اى فاقه ايضا لا يملك ما يعطاه بل يصرفه في الزاد والزاحلة معا فليس نصيبهم مصرفا الى ايدىهم حتى يعبر عن ذلك باللام المشعرة بتملكهم لما يصرف نحوهم وانما هم محال لهذا الصنف فقط وايضا فتوهم ان لا يكون سهم سبيل الله مصرفا الى الغنائة كلف بلفظة في لا يتاتي على مذهب الحنفية الذين لا يوجبون تقسيم الصدقات على ثمانية اسهم وكذا كون اللام للملك والعدل عن اللام الى في اشارة الى نفيه وانما يتاتي كل ذلك على مذهب الشافعية ويجيبون عن هذا التوهم بما ذكرناه في وجه العدل عن اللام الى في فانهم والله تعالى اعلم وليكن هذا اخر الكلام ومسك الختام في مسألة التملك في الزکوٰۃ الواجبة في النقود والعروض والزرع والانعام، وصلى الله تعالى وسلم على خير خلقه سيدنا النبي محمد افضل الصلوة وازكى السلام وعلى اله واصحابه البرة الكرام الى يوم القيام، ظفر احمد عفاعنه ۳ صفر ۱۲۸۵ھ۔

اولويت صرف زکوٰۃ بیلدے سوال (۱۲) ایک شخص سو داگر ہے، وہ اپنے مال کو سو داگری کے لئے مال فروخت کرنے کو آتا ہے، جب مال فروخت ہو جائے تو مکان چلا جاتا ہے، وہ شخص صاحب زکوٰۃ ہے، وہ شخص زکوٰۃ یہاں والوں کو دے یا اپنے وطن کے لوگوں کو دے؟

الجواب؛ اس مسئلہ کی نظیر مضارب کا مسئلہ ہے، اور اس میں علامہ شامی نے فلیراج کہہ کر تامل ظاہر کیا ہے (ص ۱۱۲ ج ۲) اصل مسئلہ کی یہ ہے کہ زکوٰۃ میں مکان مال معتبر ہے، پس اگر اس سوداگر کے مال پر وہیں سال گزر جائے جہاں وہ تجارت کرتا ہے، تو ظاہر ہے کہ اس کے ذمہ اسی جگہ کے فقراء کو زکوٰۃ دینا ہے، اور اگر حولان حول وہاں سے وطن واپس آکر ہوا ہے اور مال وطن میں ساتھ ہی تو اس صورت میں ظاہر یہ ہے کہ فقراء وطن کو زکوٰۃ لے، فقد اعتبروا يوم الاداء في تقويم المال فلقد يكون معتبراً هناك وهو الظاهر لكون وجوب الاداء بحولان الحول فحيث كان يحول الحول يعتبر مكانه فان كان حقاً فمن الله وان كان باطلاً فمن الشيطان اور اگر حولان حول وطن آکر ہوا مگر مال وطن میں ساتھ نہیں، بلکہ مال جائے تجارت ہے، تو زکوٰۃ مکان مال کے فقراء کو دی جائے، لکن مقتضی تو اہم المعبر فی الزکوٰۃ مکان المال فافهم، واللہ تعالیٰ اعلم

۷ رمضان ۱۳۸۵ھ

زکوٰۃ کی ایک صورت کا حکم | سوال (۱۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو سے قرض رقم طلب کی، اس پر عمرو نے زکوٰۃ کی نیت سے اس کو دام دیتے (اس لئے کہ زید معسر نہ ہونے کی وجہ سے غربت کی حالت میں بھی مانگنا پسند نہیں کرتا) زکوٰۃ تو ادا ہو گئی، مگر چند روز کے بعد زید اتنی ہی رقم عمر کی خدمت میں لے کر آیا، اور کہتا ہے کہ تمہارا دام لو، اب عمرو اس کو کسی صورت سے سمجھا نہیں سکتا، کہ بھائی ہم نہیں لیتے، اگر یہ کہا جائے تو زید بگڑتا ہے، اور کہتا ہے کہ کیا تم نے مجھے ایسا سمجھا تھا؟ تو ایسی حالت میں اس رقم کو زید سے عمرو لے سکتا ہے؟ اگر لے سکتا ہے تو کون سے قاعدہ سے، ایک صاحب فرماتے ہیں کہ عمرو لے سکتا ہے اور یہ عمرو کے لئے ہبہ ہو جائے گا، کہ ہبہ کی تعریف یہ ہے تملیک العین مجاناً اے بلا عوض، اور وہ بلا عوض مالک بنانا یہاں صادق آ رہا ہے، اس لئے جائز ہے، ... دوسرے صاحب فرماتے ہیں کہ یہ تعریف صادق نہیں آتی، کیونکہ یہ زید کا عمرو کو پھر دام دینا یہ تملیک بلا عوض نہیں، بلکہ زید بعوض دین یہ لے رہا ہے، ورنہ پھر اور زرا تریا دوسری شے کیوں نہیں دیتا، وہ اس نیت سے دے رہا ہے کہ اس کا ہم پر دین ہے، اور اس کو ادا کریں، کس کا قول صحیح ہے اور صحیح جواب مسئلہ کا کیا ہے؟

الجواب؛ اگر زید نے یہ رقم عمرو کو دیتے ہوئے یہ کہہ دیا تھا کہ یہ رقم قرض نہیں

بلکہ ہبہ ہے تب تو زید کو عمر کی دی ہوئی رقم قبول کر لینا جائز ہے، لکن ہبہ مستانفہ لاعوداً فی الصدقہ، اور اگر زید نے عمرو کو وہ رقم دیتے ہوئے نفی قرض و اثبات ہبہ کی تصریح نہیں کی تھی تو زید کو عمرو سے اس رقم کا لینا جائز نہیں، کیونکہ عمرو ہبہ مستانفہ کی وجہ سے نہیں لے رہا بلکہ محض دائی قرض کے لئے دے رہا ہے، اور زید کا قرض عمرو پر ہے نہیں، پھر یہ کیونکر اس رقم کو لے سکتا ہے، اور اگر کسی وجہ سے اس وقت عمرو کو نہ سمجھا سکے تو دوسرے وقت کسی حیلہ سے یہ رقم عمرو کو دیدے، واللہ اعلم، وان شئت تفصیل الجواب فاطلب فتویٰ مفصلۃً بارسال اجرة النقل والبرید۔ ۱۲ رمضان ۱۳۸۵ھ ظفر احمد عفا عنہ۔

الجواب، صورت مذکورہ میں عمرو زید سے زکوٰۃ دی ہوئی واپس نہیں لے سکتا، مگر بسبب ناراض ہونے و بگڑنے زید کے، عمرو سے زید اس وقت تولے لے، لیکن کوئی اور چیز خرید کر کے بطور تحفہ و ہدیہ کے عمرو کی تملیک کرے، واللہ اعلم، اجابہ و کتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔

التفسیر؛ نائب مفتی مدرسہ امینیہ کا یہ لکھنا کہ "لیکن کوئی چیز خرید کر کے بطور تحفہ و ہدیہ عمرو کی تملیک کرے اور یہ صورت ٹھیک نہیں، کیونکہ اس میں اول تو عمرو کی رقم میں تصرف بلا اذن لازم آتا ہے، اور چونکہ وہ رقم زید کے پاس امانت ہوگی اور امانت میں بلا اذن تصرف کرنا خیانت ہے، اس لئے یہ تصرف جائز نہیں، دوسرے اس رقم سے خرید کر جو چیز عمرو کو دی جاتی ہے وہ جنس حق سے نہ ہوگی، بلکہ غیر جنس سے ہوگی، اور غیر جنس سے ادا حق مختلف فیہ ہے، اس لئے یہ صورت درست نہیں، بلکہ بہتر صورت یہ ہے کہ زید اسی رقم کو دوسرے وقت ہدیہ کے طور پر عمرو کو دیدے، اور یہ کہہ دے کہ میرا حق چاہتا ہے کہ تم کو بچوں کے واسطے کچھ ہدیہ دوں، واللہ اعلم، ظفر احمد ۲۲ رمضان ۱۳۸۵ھ

سوال (۱۴) زید نے بکر کو رقم فدیہ یا زکوٰۃ کے دینے کا وکیل بنایا، اتفاق سے بکر نے اس کو کسی ہاشمی کو دیدیا، اب وکیل پر ضمان لازم آئے گا یا نہیں، یا اس کی اطلاع لازم ہے، ضمان لازم نہیں

ظاہر ہے کہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، اس صورت میں بکر کو اپنی طرف سے رقم زکوٰۃ کی ادا کرنی چاہئے، یا صرف اس کی اطلاع دہی زید کو لازم ہوگی، اور زید کو وہ رقم پھر سے ادا کرنی چاہئے، اور اگر وہ ہاشمی یہ معلوم کرے کہ جو رقم مجھ کو دی گئی ہے زکوٰۃ کی ہے، اور قبل معلوم ہونے کے وہ رقم حشر بھی

ہونگی ہے تو وہ رقم خورد بکر کو دینا چاہتا ہے اپنی طرف سے تو بکر کو وہ رقم لینا اس ہاشمی سے اور پھر اس کو زکوٰۃ میں دوسرے کو دینا زکوٰۃ کی طرف سے جس کا وہ مؤکل ہے جائز ہو گا یا نہیں؟

الجواب؛ اگر بکر کو ہاشمی کا ہاشمی ہونا معلوم نہ تھا نہ اس کا شبہ تھا، یا معلوم تھا مگر مسئلہ معلوم نہ تھا، اس لئے اس کو زکوٰۃ دیدی، تو صورت اول میں تو زکوٰۃ ادا ہو گئی، اور صورت ثانیہ میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، مگر بکر کے ذمہ ضمان بھی نہیں، بلکہ زکوٰۃ کو اطلاع کر دینا کافی ہے، لکن مسئلہ مختلفاً فیہا فیتعذر بالجہل عنہا ولا یعد متعذراً، اور اگر ہاشمی ہونا بھی معلوم تھا اور ہاشمی کا مصرف نہ ہونا بھی معلوم تھا تو بکر منما من ہے، صرف زکوٰۃ کو اطلاع کرنا کافی نہیں، لکن مخالف امر المؤمن کل فان التزکیل بصرت الزکوٰۃ وادانہا بصرف الی اعطائہا محلاً قابلاً ہا حتی لو اعطاہا ولدہ ووالدیہ یضمن کذا ہینا، واللہ اعلم بالصواب۔ اور اگر ہاشمی خوشی سے رقم زکوٰۃ واپس کرے یلی جاوے، ورنہ جبر کا حق نہیں، قال الشامی ولا یسترد منہ لو ظہر انہ عبد او حر بنی فی الہاشمی روایتان وھل یطیب لہ فیہ خلافا واذالم یطیب قیل یتصدق وقیل یرد علی المعطى ام

ص ۱۰۹ ج ۲) ولکن المختار عندنا عدم الاسترداد من الہاشمی ایضاً لکن روایۃ فی المذہب فی جواز اعطائہم الزکوٰۃ وھل یطیب لہ المختار عندنا لابل یرد علی المعطى واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۰ ذی الحجہ سنہ ۵۔

ہاشمی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے | سوال (۱۵) ہاشمی کو زکوٰۃ دینا اس روایت فقہ کی بنا پر کہ "خمس الخس نہ ملنے کے وقت ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے" آجکل عمل کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب؛ وہ روایت نوادر سے ہے، ظاہر مذہب کے مقابلہ میں قابل عمل نہیں ہے، ضرورت شدیدہ کے وقت حیلہ تملیک کے بعد ہاشمی کی خدمت ہو سکتی ہے، واللہ اعلم

بغیر اجازت، مزکی غیر مصرف میں | سوال (۱۶) آجکل جو سکہ چاندی کا یہاں رائج ہے اس کا زکوٰۃ خرچ کرنے کا حکم وزن دو روپے بھر ہے، اور قیمت ایک روپیہ چھ آنہ ہے، پس جس کے ذمہ سو روپیہ زکوٰۃ کے واجب ہوں اس کی طرف سے ایک سو پینتالیس روپیہ وزن بھر چاندی زکوٰۃ میں صرف کی گئی، جس میں دو چار شخص بنی ہاشم یا غنی نکل آویں تو بظاہر تو ادائیگی زکوٰۃ یقینی معلوم ہوتی ہے؟

الجواب؛ بظاہر اس تصرف کی اجازت مزکی سے لینا ضروری ہے، اس کی اجازت بغیر مصرف زکوٰۃ کے علاوہ خرچ کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر مصرف سمجھ کر دیا بعد میں غیر مصرف نکل آیا تو زکوٰۃ ادا ہو گئی، رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ۔

سوال (۱۷) جو لوگ مدارس اسلامیہ کو چندہ تو زکوٰۃ سے مدارس عربیہ میں زکوٰۃ دینے کے متعلق | سوال (۱۸) جو لوگ مدارس اسلامیہ کو چندہ تو زکوٰۃ سے ایک ہفتہ مشتمل بر چند سوالات دیتے ہیں ان کا مقصد تو صرف یہ ہوتا ہے کہ ادائیگی زکوٰۃ سے وہ عند اللہ بری الذمہ ہو جاویں، مدرسہ کی امداد اس سے ہو جائے یا نہ ہو قواعد مدرسہ کے موافق ہو تو فیہا ورنہ ان کو تو اپنی بری الذمگی عند اللہ مقصود ہو، اگر اس کے ساتھ دوسرا دینی فائدہ یعنی امداد مدرسہ میسر ہو جائے تو فیہا ورنہ حصول مقصود مقدم، پس مہتمم مدرسہ کا یہ شرط کرنا کہ اگر طالب علم ایسا ہے یا اس قابلیت کا ہے تو ہم وظیفہ دیں گے ورنہ نہیں کہاں تک درست ہے؟

الجواب؛ مدرسہ میں غیر زکوٰۃ کی رقم داخل کرنے سے تو مدرسہ کی ملک ہو جاتی ہے پس اس کو قواعد مدرسہ کے موافق ہی صرف کیا جائے گا، اور قواعد میں امداد کے لئے مناسب شرط لگانا مضائقہ نہیں رکھتا، اور زکوٰۃ کی رقم مدرسہ میں داخل کرنے سے گو ملک مدرسہ نہیں ہوتی، مگر مزکی نے جب اس کو طلبہ کو دینے کا وکیل بنایا ہے تو غیر طلبہ کو دینا جائز نہیں بدین اذن المؤمن اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مہتمم مدرسہ کو مہتمم ہونے کی وجہ سے وکیل بنایا گیا ہے، اس لئے مجلس شوریٰ وغیرہ کی تجاویز قواعد کے خلاف مہتمم کو صرف کرنا جائز نہیں، کیونکہ مدرسہ میں زکوٰۃ داخل کرنا ان تمام شرائط کے ماتحت وکیل بنانا ہے جو قواعد مدرسہ کے لحاظ سے مہتمم کے ذمہ عائد ہوں، واللہ اعلم۔

سوال؛ اگر طالب علم غنی یا کم محنت یا بدخلق یا لعاب ہو مگر مسکین مصرف زکوٰۃ ہے تو مہتمم مدرسہ کو باوجود وکیل ادائے زکوٰۃ ہونے کے ایسے طالب علم کی امداد نہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب؛ مدرسہ سے زکوٰۃ دینے کے لئے صرف مصرف زکوٰۃ ہونا کافی نہیں بلکہ قواعد مدرسہ سے استحقاق ہونے کی بھی ضرورت ہے، اور بدون استحقاق کے اگر مہتمم اپنی مصلحت سے دے تو جائز نہیں، اور مدرسہ کی تعلیمی مصلحت سے دے تو جائز ہے جب کہ طالب علم مصرف زکوٰۃ ہے،

سوال؛ زکوٰۃ دینے والے شخص کو جبکہ معلوم ہے کہ مثلاً زید مصروف زکوٰۃ اور مستحق ہے مگر وہ زید کو دینے سے منع کر کے عمر کو دلا دے تو کیا حکم ہے، خصوصاً اس صورت میں کہ عمر میں کوئی وجہ ترجیح نہیں ہے؟

الجواب؛ چونکہ زکوٰۃ کی رقم صرف ہونے سے پہلے پہلے معطلی کی بلکہ ہر لہذا اس کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی خاص شخص کے دینے سے منع کر دے۔

سوال؛ زکوٰۃ دینے والے کے وکیل یعنی مہتمم مدرسہ کو اپنے قواعد مہمدہ یا مصالح مدرسہ کی بناء پر رقم زکوٰۃ کو رد کر دینا یعنی دو دو تین تین برس تک مؤخر کرنا کہاں تک درست ہے، اور ایسی صورت میں مؤکل کی زکوٰۃ وکیل کے قبضہ کرنے کے ساتھ ہی ادا ہو گئی، یا جب وکیل مصروف زکوٰۃ میں خرچ کرے گا اس وقت ادا ہوگی؟

الجواب؛ جب وکیل مصروف میں خرچ کرے گا ادا ہے زکوٰۃ کا حکم اُس وقت کیا جائیگا اور جب مؤکل کی تاخیر میں کوئی مصلحت نہ ہو تو پھر دیر کرنا ٹھیک نہیں، اس لئے بہترین

صورت یہ ہے کہ وکیل اسی وقت زکوٰۃ ادا کرے، اور اگر مدرسہ کی ضرورت سے رکھنا پڑے تو اسی وقت حیلہ تملیک کر کے مدرسہ میں داخل کرے، تاکہ زکوٰۃ فوراً ادا ہو جائے،

اور مدرسہ کی مصلحت بھی فوت نہ ہو، نیز اس تاخیر میں اور بھی خرابیاں ہیں، اس لئے یہ

صورت کر لینا نہایت ضروری ہے۔

سوال؛ جس شخص کے ذمہ سو روپے زکوٰۃ کے واجب الادا تھے، اس نے سو روپے کا نوٹ مہتمم مدرسہ کو دیا، کہ یہ مذکورہ کے ہیں مہتمم مدرسہ کو سونے کے ساتھ بدلے گا کیونکہ چاندی کے ساتھ بدلنے میں ربا واقع ہوتا ہے، اب یہ سونا جو اس نوٹ کے عوض میں آیا ہے اُس شخص کی واجب الادا زکوٰۃ ہے، یا وہی سو روپے بھر چاندی، اور جبکہ پھر

اس سونے کو چاندی کے دو ستر مصروف میں خرچ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب؛ جس طرح نوٹ کے عوض زائد چاندی لینا جائز نہیں بوجہ لزوم ربا الفضل، اسی طرح بوجہ تقابض متحقق نہ ہونے کے نوٹ سے سونا لینے میں بھی ربا ہی

یعنی ربا النسئہ کما هو متعارف فی العالمیہ عن الکافی و تصدق علی المعیل در آئم

و دین المعیل دنا تیر فاحالہ علی ان یعطیہ الدنا نیر او علی ان یعطیہ دہم
من الدنا نیر التي علیہ بطلت اہ، پس نوٹ کے عوض روپیہ ہی لینا چاہئے،

پھر اگر چاہیں تو روپیوں سے سونا لے لیا جاوے، اور اگر اذلاً ہی سونا لینا مقصود ہو اور معطلی کی طرف سے اس کی اجازت بھی ہو تو یہ حیلہ ہو سکتا ہے، کہ صرف اس سے مثلاً سو روپے قرض لے لے پھر اُن روپیوں سے سونا خرید لے، اور نوٹ خواہ سونا خریدنے سے پیشتر یا بعد صرف کو ادا سے قرض میں دیدے، اور سوال ہذا کے جزو اول کے متعلق پیشتر معروض ہو چکا ہے کہ یہ تصرف بدون اذن معطلی جائز نہیں، واللہ اعلم۔

سوال؛ چندہ دینے والے جبکہ ہر طرح سے مہتمم کو وکیل و مفوض صراحتاً یا دلالتاً قرار دیتے ہیں، تو پھر جزئیات واقعہ کی صحت کے واسطے ان کے استخراج کی ضرورت ہے یا نہیں؟

الجواب؛ کوئی حاجت نہیں۔

السوال؛ مدرس کو اس کی تنخواہ معینہ کے علاوہ مہتمم مدرسہ اس کے مصروف زکوٰۃ ہونے کی صورت میں مذکورہ سے اس کی امداد کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب؛ اگر مدرس میں محض اعانت مساکین کی مدد ہو جیسا کہ عام طور سے یہاں کے مدارس میں نہیں ہے، تب تو یہ امداد مدرس جائز نہیں، اور اگر کوئی بذاعانت مساکین

دیگرہ کی موجود ہو تو جائز ہے۔

السوال؛ جبکہ مہتمم مدرسہ کے پاس مذکورہ کی رقم مصروف زکوٰۃ میں خرچ کرنے کے واسطے موجود ہے، اور یہ بھی بدیہی اور واضح ہے کہ صاحب زکوٰۃ کو ادائیگی زکوٰۃ سے

سبکدوش ہونا اہم ہے، پس طلباء یا مدرسین و متعلقین مدرسہ کے علاوہ شخص مستحق مصروف زکوٰۃ موجود ہونے پر مہتمم کو اس کی اعانت نہ کرنے کا استحقاق حاصل ہو یا نہیں؟

الجواب؛ اس کی اعانت کرنے کا استحقاق نہیں ہے، الا آنکہ محض مساکین کی اعانت کی مذکورہ ہو، کما مر۔

السوال؛ اپنے مؤکل سے اجازت حاصل کرنا تو اس وجہ سے غیر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسے مؤکل کا اہم مقصد ادائیگی زکوٰۃ ہے نہ کہ تخصیص زید یا عمرو، البتہ استفادہ اعانت امر دینی آخر کو اولیٰ والنسب سمجھتا ہے۔

الجواب؛ پیشتر لکھا گیا ہے کہ جو رقم زکوٰۃ مدرسہ میں اعانت طلبہ کے لئے داخل ہوگی قواعد مدرسہ کے خلاف صرف نہیں ہو سکتی، لکن الوکالۃ مقیدہ۔

سوال؛ مدارس اسلامیہ میں اکثر ہر طرح کی رقوم مخلوط ہوا کرتی ہیں، البتہ ان کا حسنا کتاب دفتروں میں میٹرو مہذب ہوتا ہے، پس اسی قدر ادائیگی زکوٰۃ کے واسطے کافی ہے، یا کسی اور احتیاط کی بھی ضرورت ہے؟

الجواب؛ رقوم کا خلط کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ خود زکوٰۃ کی رقمیں جو کئی شخصوں نے دی ہوں ان کو بھی یک جا مخلوط کر دینا جائز نہیں ہے، اور خلط کی صورت میں وکیل ضامن ہو جاتا ہے، اور وکالت ختم ہو چکی، لہذا جب تک صریحاً یا دلالتاً ادا کا امر دوبارہ نہ پایا جائے اس وقت تک اس کا ادا کرنا کافی نہیں ہے، البتہ اگر خلط عام طور پر مرد و ج ہو اور دفع کو بھی اس کا علم ہے تو پھر خلط اور بعد خلط ادا کی گنجائش نکل سکتی ہے بشرطیکہ رقوم زکوٰۃ ہی کو یا ہم مخلوط کیا جائے، غیر زکوٰۃ کی رقوم زکوٰۃ کی رقوم سے مخلوط نہ ہوں، کہ اس کی گنجائش نہیں۔

سوال؛ وکیل ادائیگی زکوٰۃ کے پاس جبکہ زکوٰۃ واجبہ اور صدقات نافلہ ہر طرح کی رقوم کا مجموعہ مخلوط موجود ہے، اور وہ بلا تمیز و تعین مصروف زکوٰۃ وغیر مصروف زکوٰۃ پر خرچ کر رہا ہے، مگر ظن غالب ہے کہ زکوٰۃ واجبہ کی مقدار مصروف زکوٰۃ ہی میں خرچ ہوتی ہے البتہ تحقیقی و تمیز تام حاصل ہونا مشکل ہونے کی وجہ سے متروک ہو رہا ہے، تو ایسی صورت میں توسع کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب؛ یہ خلط جائز نہیں، مکمل، اور مکمل حساب کرنا ضروری ہے، اور آئندہ رقوم جداگانہ رکھنا لازم ہے، جب سبیل یعنی حساب لکھا ہوا موجود ہے تو میزانون کی دشواری ایسی چیز نہیں جس کے باعث غلبہ ظن کو کافی سمجھا جائے۔

السوال؛ اطفال کو اگر ماہوار رقم بذکوٰۃ سے دی جائے اور ان پر لازم قرار دیا جائے کہ وہ اس رقم سے اپنی ضروریات تعلیم کاغذ قلم دوات وغیرہ خریدیں، تو یہ شرط تملیک لازمہ میں تو محفل نہیں ہوگی؟

الجواب؛ کچھ محفل نہیں۔

السوال؛ جو روپیہ تذکوٰۃ کا لوگ مدرسہ اسلامیہ میں علوم دینیہ حاصل کرنے والے طلبہ کے واسطے دیتے ہیں، اگر ان طلبہ کو آدھے دن علوم دینیہ و دنیویہ مثل حسنا وغیرہ کیلئے مختص کر کے بقیہ آدھے دن میں صنعت و حرفت طلبہ کو سکھائی جائے اور اس حالت بقابلہ تعلیم صنعت و حرفت ان

اطفال کی امداد زکوٰۃ سے کی جائے گی تو ادائیگی زکوٰۃ میں تو کوئی حرج واقع نہ ہوگا؟

الجواب؛ مصروف زکوٰۃ کے واسطے تعلیم دین بلکہ مطلق تعلیم بھی شرط نہیں ہے، پس اگر کسی کام کے واسطے چندہ دیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، لیکن جو چندہ تعلیم کے لئے آیا ہو اس کو خرچ نہیں کر سکتے۔

سوال؛ زمانہ تعلیم صنعت و حرفت میں جو کام سیکھنے والے طلبا صاحب محل کا کرتے ہیں اس کی اجرت کا استحقاق ان طلباء کو ہی یا نہیں؟ اور اگر صاحب محل اپنی شرائط کی بناء پر کوئی اجرت نہ دے تو وہ عند اللہ مستول ہو گا یا نہیں؟

الجواب؛ جب اس کے شرائط میں ہے کہ اجرت نہ ملے گی تو طلبہ کو اجرت کا کوئی استحقاق نہیں، اجرت جب واجب ہوتی ہے کہ عقداً اجارہ کیا گیا ہو، پس بلا اجارہ بلکہ تصریح عدم اجارہ میں اجرت کا حق کیسے ہو سکتا ہے؟

سوال؛ انعام میں تذکوٰۃ کی رقم سے کتب یا دیگر ضروریات تعلیم مثل قلم، دوات کاغذ وغیرہ خرید کر طلباء کو دینا، محتاج حیلہ شرعی کا ہے یا نہیں؟

الجواب؛ رقم زکوٰۃ سے اشیاء خریدنے کے بعد وہ اشیاء مصروف زکوٰۃ کو تملیکاً دیدینا کافی ہے، خرید سے پیشتر حیلہ کی حاجت نہیں، مگر معطی زکوٰۃ کا اذن شرط ہے۔

سوال؛ شریعت نے جو شروط مصروف زکوٰۃ ہونے کے ملحوظ فرمائے ہیں ان سے تجاوز کر کے ہتم مدرسہ کا اپنے مدرسہ کے بعض شرائط کا لحاظ کرنا تجاوز عن حدود اللہ تو نہیں شمار ہوگا، کیونکہ مبنی ان شروط زائدہ کا محض مصلحت دینی ہے، نہ غرض ذاتی، والمجتہد یخطئ ویصیب؟

الجواب؛ تجاوز عن الحدود تو یہ ہے کہ غیر مصروف کو دیدے، اور جو لوگ مصروف ہیں ان میں سے بعض کو دینا، بعض کو نہ دینا اگر بدون وجہ ترجیح محض اپنی رائے سے بھی ہو تب بھی مضائقہ نہیں، اور جب ترجیح کی وجہ ہو تو پھر کوئی شبہ ہی نہیں ہو سکتا۔

سوال؛ جو صورت کہ تملیک لفظی و ضروری قرار دی گئی، اس میں اگر مملکت احکام و مسائل سے واقف ہو مگر رغبتاً فی اللہ کوئی بات اس پر گراں نہیں ہوتی تو یہ تملیک حقیقی متصور ہوگی یا نہیں؟

الجواب؛ اس حیلہ معروفہ کو محض لفظی تملیک تو اس بناء پر قرار دیا گیا ہے کہ

دینے والے کی نیت تملیک کی نہیں ہوتی، بلکہ وہ صرف ہیر پھیر کا قصد کرتا ہے، اور ملک لہ کے اخلاص سے یہ محذور مرتفع نہیں ہو سکتا، کمالا یغنی۔

سوال؛ وکیل کے قبضہ کرنے اور اپنے مال میں ملالینے سے رقم موکل کے قبضہ سے نکل جاتی ہے، یا باقی رہتی ہے، غالب گمان ہے کہ نکل جاتی ہے، اور اس حالت میں وکیل میون شمار ہوتا ہے، ایسی حالت میں وکیل کو کن امور کی احتیاط اشد ضروری ہے؟

الجواب؛ بیشک اس صورت میں وکیل میون ہے، لیکن پیشتر گذر چکا ہے کہ بعد خلط وکیل کو بلا اذن مستقل (صراحت یا دلالت) ادائے زکوٰۃ کا اختیار نہیں، پس موکل سے دوبارہ اذن لے لینا چاہئے، حررہ احقر عبدالکریم عفی عنہ رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ

الاجوبہ کتبنا صحیحہ، ظفر حسد، ۵ رمضان ۱۳۸۸ھ۔

وصیت بالتصدق اور اغتیار۔ سوال (۱۸) ایک شخص نے کہا کہ پچاس من غلہ خیرات کر دو، کے لئے ایسے صدقہ کا حکم اس کے خدام نے کہا کہ کل کر دیں گے، اس پر اس نے کہا کہ اگر

میں زندہ نہ رہا تو تم خیرات کر دینا، بعد ازاں وہ شخص اسی روز فوت ہو گیا، اب سوال یہ ہے کہ اس صدقہ میں سے عتی صاحب نصاب کو دینا اور لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب؛ جائز نہیں ہے، بلکہ صرف فقراء کو دیا جاوے، لما فی الدار المختارہ (الوصیۃ المطلقة) کقولہ هذا القدر من مالی او ثلث من مالی وصیۃ (لا یحل

للغنی) لانها صدقۃ وہی علی الغنی حرام وان عمیت کقولہ یا کل منها الغنی والفقیر لان اکل الغنی منها انما یصح بطریق التملیک والتملیک انما یصح

لمعین والغنی لا یتعین ولا یحیی (ولو خصصت) الوصیۃ (بہ) ای بالغنی کقولہ هذا القدر من مالی وصیۃ لزید وهو غنی (القوم) اغنیاء (محصورین

حلت لهم) لصحة تملیکهم قال الشامی تحت قولہ (علی الغنی حرام) ولا یمکن جعلها ہبۃ لہ بعد موت الموصی بخلاف الصدقۃ علیہ، حالاً فانها تجعل

ہبۃ لما قالوا ان الصدقۃ علی الغنی ہبۃ والہبۃ للفقیر صدقۃ (طریحہ)۔ ۲۹ رجب سنہ ۱۳۸۸ھ۔

سوال (۱۹) اس عاصی را از مطالعہ کتب مفہوم صاحب نصاب کے لئے زکوٰۃ صدقہ فطر اور عشر وغیرہ لینے کا حکم

گر دیکھ کہ ملکیت مبلغ پنجاہ و پنج روپیہ کل دارالخ

از اخذ زکوٰۃ و عشر نملہ و صدقہ فطر می شود فیاضاً دریں دیار با ماماں مساجد حصول اینہا از اہل محلہ عرفاً جاہلست دیگر بیچ تنخواہ وغیرہ معین است و این رقم نیز بدین معاملہ گرفتار است و تا انداز نصاب مذکور زیور و یا نقدی در ملکیت خود موجود میدارد و برائے حوائج خانگی از معالجہ بیماری یا برائے تجہیز و تکفین میت از حد ضرورت است بلکہ باندا از نصاب شرعی کار یک ہم نیز بسرائنجامی کافی بند شود و بر سر ضرورت قرضہ ہم میسر نمیشود پس ازین قدر مایہ داری لابدی است، دریں امر از روی شرع شریف بصورت اگر بنظر فیض اثر بظہور آید تحریر کنند کہ بریں عامل شدہ نجات اخروی یا بیم دیگر بیچ حصول درکار امامت میسر نمی شود عنہ اللہ علاج کافی و نسخہ شافی ارشاد فرمایند؟

الجواب؛ قال فی البحر بجز دفع الزکوٰۃ الی من یملک ما دون النصاب او قدر نصفاً غیر نام و ہو مستغرق فی الحاجۃ ام (ص ۲۳۰ ج ۲) لاریب کہ دفع زکوٰۃ ہر کسے را کہ مالک

نصاب نامی باشد یا مالک نصاب غیر نامی فاضل از حاجت اصلیہ باشد روانیست و اورا اخذ زکوٰۃ ہم جائز نیست، پس این چنین کسان را اخذ زکوٰۃ و صدقات واجبہ نشاید مگر

آنکہ نصاب نامی را بلکہ زوجات یا اولاد خود نمایند و نصاب غیر نامی را مستغرق حاجت سازند مثلاً بعوض آن غلہ برائے خوردن خرید کنند کہ از حوائج اصلیہ ہست واللہ تعالیٰ اعلم

و بعد از ان نیز اخذ زکوٰۃ و عشر و صدقہ فطر بعوض خدمت امامت روانیست و زکوٰۃ و عشر و صدقہ فطر از ذمہ ادا کنندہ ساقط تنخواہ شدہ ازیرا کہ در صدقات واجبہ تملیک فقیر بلا

عوض واجب است و امام مسجد اگر صاحب نصاب ہم نہ باشد چوں عوض عمل می گیرد اورا زکوٰۃ و عشر وغیرہ دادن بعوض امامت ہرگز روانیست، ولا حیلۃ بجز اذ ذلک عملاً۔

۹ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ۔

سوال (۲۰) ایک لڑکی جس کا باپ سید اور ماں جولانہ ہے، اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

جس کی ماں جولانہ اور باپ سید ہو، یہ لڑکی یتیم ہے، صاحب نصاب نہیں، بیمار ہے، کیا اس کی مدد زکوٰۃ سے کی جاسکتی ہے؟

الجواب؛ نسب میں شرعاً باپ کا اعتبار ہے، ماں کا اعتبار نہیں، پس یہ لڑکی سید زادی ہے، اس کو زکوٰۃ کی رقم بچنبہ نہ دی جائے، بلکہ یہ حیلہ کیا جائے کہ ایک غریب سے جو سید نہ کہا جائے کہ تم اپنے پاس سے یا کسی سے قرض لے کر اس سید زادی کی اتنی روپیہ سے

اسد کرد و تم کو ثواب ہوگا اور ہم تم کو اسی قدر رقم اپنے پاس سے دیدیں گے، پس دنیا میں تمہارا نقصان نہیں اور آخرت میں ثواب ہوگا، جب وہ غریب اس سید زادی کی امداد اپنے پاس سے یا قرض لے کر کرے، تو اس کو اُس کے بعد زکوٰۃ کی رقم دیدی جائے کہ اس سے تم اپنا قرض ادا کر دو یا اپنی رقم کی تلافی کرو، اس صورت میں سید زادی کی امداد بھی ہو جائے گی، اور زکوٰۃ ادا ہونے میں شبہ بھی نہ رہے گا، گو بعض علماء نے آجکل سیدوں کو زکوٰۃ دینا ایک روایت کی بناء پر جائز کر دیا ہے، مگر احتیاط کے خلاف ہے، کہ فرض کو اختلاف روایت میں ڈالا جائے، خصوصاً جبکہ حیلہ آسانی ہو سکتی ہے، واللہ اعلم، ۲۷ محرم ۱۳۲۹ھ۔

کمپنی، اُس کے شیرز اور مشترک اموال تجارت کی زکوٰۃ؛

سوال (۱) زید نے ریلوے کمپنی کے حصص خریدے اور ٹرام کے بھی ریلوے کمپنی کے حصص پر خریدے، اور مذکورہ دونوں کمپنیاں کرایہ کا کام کرتی ہیں تو جس قدر روپے سے حصص خریدے ہوں، مثلاً ۲۰۰۰ روپے کو خریدے ہوں، تو دو ہزار پر زکوٰۃ واجب ہوگی، یا اس کی آمدنی پڑا جب ہوگی؟

الجواب؛ ریلوے کمپنی وغیرہ کو جو روپیہ دیا جاتا ہے اور اس سے حصص خریدے جاتے ہیں، بظاہر اس کی حقیقت یہ ہے کہ کمپنی کو یہ روپیہ قرض دے کر ریلوے کے کارخانہ میں یہ شخص شریک ہو جاتا ہے، اور ریلوے اُس روپے کو اپنے کام میں لگا لیتی ہے، اس صورت میں دو ہزار کی رقم جو سائل نے ریلوے کمپنی وغیرہ دی ہے، اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اس کے منافع پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، کذا فی حوادث الفتاویٰ لشیخنا، ص ۲۹ واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۰ رمضان ۱۳۲۶ھ۔

—————

کتاب الصوم

افطار میں جلدی کرنا | سوال (۱) الحمد للہ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، علماء دیارنا در تعیین وقت افطار و صلوة مغرب مختلف در دو فریق شدند فریق اول بحد غروب آفتاب از افق حسی و ظہور ظلام شرقی حکم با فطار صوم و صلوة مغرب می کنند بحجت دلائل ذیل حدیث اذا قبل اللیل من ہینا و ادبر النہار من ہینا فقد افطر الصائم و قول امام محمد فی الموطأ: تعجیل الافطار افضل من تاخیرھا و هو قول ابی حنیفۃ و العامة، قال شارح الموطأ قوله و العامة ای جمہور اہل السنۃ و بکثرت احادیث دیگر در تاکید تعجیل مغرب و اجتناب از تاخیر آن حسب عمل ابن عمرؓ اخر الصلوة یوما الی ان بدرا نجم فاعتق رقبتہ کما ذکر فی فتح القدر و دیگر حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کہ امت من بخیر باشند ادا میکہ در صلوة مغرب تاخیر نکنند، فریق ثانی بعد زوال حمرة شرقی و بلند شدن سواد شرقی تا نصف سما حکم با فطار و غیرہ می نمایند، بدلائل ذیل احتجوا بمارواه النسائی و الطحاوی عن ابی بصیرۃ الغفاری قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوة العصر بالمحصر فقال ان هذه الصلوة عرضت علی من کان قبلکم و ضیعواھا فمن حافظ علیہا منکم اوتی اجرہ کرتین و لا صلوة بعدھا حتی یطلع الشاہد و الشاہد النجم فقالوا طلوع النجم هو اول وقتہا قال الطحاوی و ما حاصلہ یتعمل ان یكون الشاہد هو اللیل، و علمائے خطہ پشاور و سرحد و اماں بر این متفق شدند کہ ازین حدیث در ضمن لفظ شاہد اختلاف واقع شدہ بعضی از شاہد نجم مراد گرفتہ و بعضی لیل، پس بناء بر قاعدہ اصول عمل باحتیاط کردہ و معنی شاہد کہ نجم است عمل بر این قرار دادہ اند و از ہر دو فریق در بارہ دعای خویش رسائل اشاعت یافتہ پس این لاشئ از مطالعہ ہر دو رسائل از جہت کم علمی و نا فہمی در تلامیح تبحر و تفکر غوطہ زن مانده لهذا بخدمت عالی التماس است کہ از اقوال و دلائل فریقین ہر کدام بسند قوی و آثار نبوی و صحابہ کرام مستند باشد بدلائل کتب معتبرہ تطبیق نمودہ با حقر روانہ فرمایند کہ با حجت دلائل کتب جواب مخاصم ازاں کردہ شود و بلا سند کتب غیر قبول و نامسموع مخاصم باشد

و بلکہ سکونتی اس مجرور در موضعی است کہ مغرباً آن تا فاصلہ شش میل جبل واقع است پس در اینجا چگونہ صورت مغرب باشد؟

الجواب؛ قال العلامة الشامی والمراد بالغروب زمان غیوبہ جرم الشمس بحيث تظهر الظلمة في جهة الشرق وقال صلى الله عليه وسلم: اذا اقبل الليل من ههنا فقد افطر القائم اي اذا وجدت الظلمة حسا في جهة المشرق فقد ظهر وقت الفطر اوصار مفطرا في الحكم لان الليل ليس طرفا للصوم وانما ادى بصورة الاخبار ترغيبا في تعجيل الاقطار كما في فتح الباري اه ص ۱۳۹ ج ۲ قال الحافظ ابن حجر في الفتح تحت حديث ابن ابي اوفى: قال يكتابع النبي صلى الله عليه وسلم في سفر فلما غابت الشمس قال لبعض القوم يا فلان قم فاجد لنا فقال يا رسول الله لو امسيت قال انزل فاجد لنا قال ان عليك نهارا قال انزل فاجد لنا الحديث ما نصه وفي الحديث ايضا استعجاب تعجيل الفطر وانه لا يجب امساك جزء من الليل مطلقا بل متى تحقق غروب الشمس حصل الفطر اه وقال تحت حديث سهل بن سعد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا ينزل الناس بخير ما عجلوا الفطر ما نصه زاد البوهري في حديثه: لان اليهود والنصارى يؤخرون اخرجه ابوداؤد وابن خزيمة وغيرهما وتأخير اهل الكتاب له امد وهو ظهور النجم وقد روى ابن حبان والحاكم من حديث سهل ايضا بلفظ لا تزال امتي على سنتي ما لم تنتظم بفطرها النجوم الى ان قال: قال ابن دقيق العيد: في هذا الحديث رد على الشيعة في تأخيرهم الفطر الى ظهور النجوم الخ ص ۱۳۹ وفي رد المحتار لان ظاهر مذهب اصحابنا جواز الافطار بالتحرى كما نقله في المعراج عن شمس الائمة السرخسي لان التحرى تفيد غلبة الظن وهي كاليقين كما تقدم فلو لم يتحرل لا يحل له الفطر لان الاصل بقاء النهار وفي البحر من البرازية: لا يفطر ما لم يغلب على طئه الغروب وان اذن المؤذن اه ص ۱۴۰ ج ۲ -

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ غروب آفتاب کے تحقق کے بعد معاً افطار و نماز

جائز ہے، بلکہ تعجیل فی الافطار مستحب ہی بشرطیکہ ظن غالب غروب کا ہو جائے، اور سائل کو تحریر و غلبہ ظن سے افطار کرنا چاہئے، باقی طحاوی و نسائی کی روایت ان احادیث متعارضہ نہیں کیونکہ ایک دوسارہ غروب کے ساتھ ہی طلوع ہو جاتا ہے، البتہ اشتباک نجوم غروب کے بعد دیر میں ہوتا ہے، اور اشتباک نجوم کا انتظار کمرہ ہے، ۲۰ ج ۱ ص ۱۳۹ -
حکم صوم یوم الشک سوال (۲) ما قولکم رحمکم اللہ فی صوم یوم الشک وما الراجح فیہ عندکم
الجواب؛ قلت اخرج الشيخان وغيرهما عن ابی ہریرة رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال: لا يتقدم من احدكم رمضان بصوم يوم او يومين الا ان يكون رجلا كان يصوم صوما فليصم ذلك اليوم. و للترمذي واحمد بلفظ: الا ان يوافق ذلك صوما كان يصومه احدكم اه
 قال الحافظ ابن حجر: قال العلماء: معنى الحديث لا تستقبلوا رمضان بصيام على نية الاحتياط لرمضان، اي لا يتقدم رمضان بصوم يوم يعد منه بقصد الاحتياط له فان صومه مرتبط بالرؤية فلا حاجة الى التكلف، و (قيل) الحكمة فيه التقوى بالفطر لرمضان ليدخل فيه بقوة ونشاط وهذا فيه نظر لان مقتضى الحديث انه لو تقدمه لصيام ثلاثة ايام او اربعه صياما وسند كرم ما فيه قريبا وقيل الحكمة فيه خشية اختلاط النفل بالفرض وفيه نظر ايضا لانه يجوز لمن له عادة كما في الحديث وقيل لان الحكم على رمضان بالرؤية فمن تقدمه بيوم او يومين فقد حاول الطعن في هذا الحكم وهذا هو المعتمد، ومعنى الاستثناء ان من كان له ورد فقد اذن له فيه لانه اعتاد ولفه وترك المأون شديد وليس ذلك من استقبال رمضان في شيء، وفيه رد على من يرى بتقديم الصوم على الرؤية كالترافضة ورد على من قال بجواز النفل المطلق وابتعد من قال المراد بالنهي التقدم بنية رمضان و استدلال بلفظ التقدم لان التقدم على الشيء بالشيء انما يتحقق اذا كان من جنسه فعلى هذا يجوز الصيام بنية النفل المطلق لكن السياق يابى هذا التاويل ويدفعه وفيه منع الثناء الصوم قبل رمضان اذا كان لاجل الاحتياط اه (ص ۱۱۰ ج ۲) ملخصا.

واخرج الترمذي عن عمار بن ياسر عن صام اليوم الذي يشك فيه فقد
عصى ابا القاسم صلى الله عليه وسلم وقال حسن صحيح والعمل على هذا عند اهل
العلم من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ومن بعدهم كرهوا ان يصوم الرجل
اليوم الذي يشك فيه اه (ص ۹۱ ج ۱) قلت واخرجه البخاري تعليقا ووصله
اصحاب السنن الاربعة واخرجه ايضا ابن خزيمة وابن حبان والحاكم
وقال صحيح على شرطهما ولم يخرجاه كذا في العمدة للعيني (ص ۱۹۰ و ۱۹۱ ج ۱)
قلت ولا يخفى انه موقوف في حكم المرفوع قال العيني بان فيه تفصيلا واختلافا
للعلماء فذهب داود الى انه لا يصح صومه اصلا ولو وافق عادة له وذهبت
طائفة الى انه لا يجز ان يصام الاخر يوم من شعبان تطوعا الا ان يوافق صوما
كان يصومه واخذوا بظاهر هذا الحديث روى ذلك عن عمر بن الخطاب
وعلى وعمار وحذيفة وابن مسعود ومن التابعين سعيد بن المسيب والشعبي
والنخعي والحسن وابن سيرين وهو قول الشافعي وكان ابن عباس وابوهس يرون
يامر ان يفصل يوم او يومين كما استجوا ان يفصلوا بين الصلوة الفريضة و
التافلة بكلام اوقيام او تقدم او تاخر وقال عكرمة من صام يوم الشك فقد
عصى الله ورسوله واجازت طائفة صومه تطوعا وهو قول الليث والاوزاعي
وابي حنيفة واحمد واسحق روى عن عائشة واسماء اختها انهما كانتا تصومان
يوم الشك اه (ص ۲۰۰ و ۲۰۱ ج ۵) ملخصا وقال في الهداية والمراد بقوله
صلى الله وسلم لا تتقدموا رمضان بصوم يوم ولا بصوم يومين الحديث
التقدم بصوم رمضان لانه يؤد به قبل اوائه ثم ان وافق صوما كان يصوم
فالصوم افضل بالاجماع وكذا اذا صام ثلاثة ايام من اخر الشهر فصاعدا
وان افرد (اي يوم الشك) فقد قيل الفطر افضل احترازا عن ظاهر النهي
روا القائل الفقيه محمد بن مسلمة كذا في العناية وقد قيل الصوم افضل
اقتداء بعلي وعائشة رضي الله عنهما فانها كانتا يصومان والمختاران
يصوم المفتي بنفسه اخذ ابا الاحتياط اه (ص ۲۳۴ ج ۲) قلت
اما تاويل صاحب الهداية في معنى الحديث فما بعده من السياق كما قاله

الحافظ ابن حجر وما استدلوا لهم بفعل علي فلا يصح فان مذهب علي خلاف ذلك
كما مر عن العيني وصرح به في فتح القدير نقلا عن الغاية واما بفعل عائشة فلا
يستقيم ايضا لان المنقول من قولها انها قالت لان اصوم يوما من شعبان احب
الي من ان افطر يوما من رمضان كما في الفتح وذكره العيني ايضا وصوم يوم
الشك بنيتة كذلك لا يجيزه اصحابنا قال العلامة ابن المهمل والاولى في
التمسك على الافضلية حديث السر راه (ص ۲۳۴ ج ۲) قلت وحديث السر
ما اخرج الشيخان انه صلى الله عليه وسلم قال لرجل هل صمت من سر
شعبان قال لا قال فاذا افطرت فصم يوما مكانه وفي لفظ فصم يوما وسر
الشهر اخره كذا ذكره ابن المهمل في الفتح ايضا (ص ۲۳۵ ج ۲) قلت ولا يخفى
ما فيه فانه يمكن جعل حديث السر على صوم كان يعتاده الرجل وبعد ذلك
فلا منافاة بينه وبين حديث النهي عن التقدم على رمضان ذكره الحافظ
ابن حجر في الفتح (ص ۲۰۱ ج ۲) وايضا فقد قيل السر وسط الشهر حكاه
ابو داود ورجحه بعضهم ووجهه بان السر جمع سرقة وسرقة الشيء وسطه و
يؤيده الندب الى صيام البيض وهي وسط الشهر (والندب الى صوم يوم
التصفت من شعبان خاصة ۱۲) وانه لم يرد في صيام اخر الشهر من شعبان
ندب بل ورد فيه نهى خاص اه قاله الحافظ ايضا وبالجملة قد ليل من
منع عن صوم يوم الشك الا للعتاد اقوى رواية ودراية وما ذكره اصحابنا في
تاويل الحديثين ومن استثناء الخواص عن هذا النهي مجرد تاويل في معرض
النص هذا ولكن لا افتي على كراهته للخواص فكيف مقلد الامام الاعظم
ابي حنيفة واصحابه ولكن الاولى عندي قول محمد بن سلمة من الحنفية ان
افراد يوم الشك بصومه خلاص الاولى والفطرية افضل للعوام والخواص
جميعا خصوصا وقد قال اصحابنا ان الخروج من خلاف العلماء مستحب وفيه
خلاف كما ترى والله اعلم ولا سيما في هذا الزمان فان صوم المفتي والقاضي
قلما يخفى على العامة كما هو مشاهد والحنفية انما اجازوه للخواص بشرط الخفاء
التام عن العوام كما ذكره في فتح القدير (ص ۲۳۴ و ۲۳۵ ج ۲) وان كان الصوم

بشط الاخفاء ايضاً خلاف الافضل عندي وبه قال محمد بن مسلمة من اصحابنا وكفى به لي قد وثق اذا تأيد قوله بالحديث ولقوى رواية ودلالة هذا والله تعالى اعلم وعليه اتم واحكم ، ۳۰ شعبان سنه ۴۴۰

مسجد میں افطار کرنا جائز ہے یا نہیں؟ سوال (۳) مسجد میں روزہ افطار کرنا اس خیال سے کہ اگر افطار کر کے مسجد میں گئے تو جماعت کا کچھ حصہ نہیں ملے گا، افطار سے مطلب یہ ہے کہ افطاری میں کھانا وغیرہ اچھی طرح سے کھالیا جاوے، ورنہ یہ ممکن ہے کہ اگر ایک گھونٹ پانی یا صرف چھوڑا وغیرہ کھا کر چلے تو اول رکعت میں بخوبی شامل ہو سکتا ہے، اور مسجد والوں سے یہ دشوار ہے کہ وہ اذان و تکبیر میں اس قدر وقفہ کریں کہ گھر کے افطار کرنے والے جماعت کی اول رکعت میں شامل ہو جاویں، تو ایسی صورت میں مسجد میں افطار کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب؛ ایسی حالت میں افطار مسجد میں کیا جائے، مگر مسجد کی حد کے اندر نہ کھائیں بلکہ باہر کھائیں، اور باہر کوئی جگہ مناسب نہ ہو تو مسجد ہی میں کھالیں، اور کھلنے سے کچھ دیر پہلے اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں آجایا کریں، امام محمد کے نزدیک اعتکاف قدر لیلین کا بھی صحیح ہے، قال فی الدار وکرة اکل ونوم المعتکف الخ قال الشامی فی قوله اکل ونوم الخ واذا اراد ذلك ینبغی ان ینوی الاعتکاف فیدخل ویذکر الله تعالی بقدر زمانوی او یصلی ثم یفعل ما شاء فتاوی ہندیہ (ص ۱۳۰۶۹۱) واللہ اعلم غرة رمضان ۴۴۰

ایضاً ایضاً سوال (۴) رمضان شریف میں اہل محلہ کا بخوف ترک جماعت نماز مغرب مسجد محلہ میں جمع ہو کر شربت وغیرہ قلیل شہاد سے روزہ افطار کرنا بلا کراہت جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب؛ مسجد میں اکل و شرب مکروہ ہے، مگر ضرورت کے وقت بلا کراہت جائز ہے، کالمسافر بیاح لہ النوم فیہ اور ترک جماعت کا اندیشہ بھی عذر ہے، اس لئے اگر مسجد سے باہر کوئی جگہ ایسی نہ ہو جہاں افطار کر سکیں تو مسجد ہی میں افطار کر لینا جائز ہے، بشرطیکہ مسجد کو ملوث نہ کیا جائے، قال علی القاری فی وجہ تاخیر عمر و عثمان فی الافطار عن الصلوة انہما کانافی المسجد وکانا غیر معتکفین ورأیا الاکل والشرب لغير المعتکف مکروہین فی المسجد، لکن اطلاق احادیث التعجیل ظاہر فی استثناء حال الافطار (ص ۲۳۰۵۱۳) کوئی کپڑا وغیرہ ایسا بچھالیا جائے جس سے مسجد کی حفاظت رہے، اور بہتر یہ ہے کہ اس وقت افطار سے کچھ پہلے اعتکاف کی نیت کر کے

مسجد میں داخل ہو، اور امام محمد کے نزدیک اعتکاف ساعت بھی درست ہے، وبقی، پھر یہ کراہت کلیہ مرتفع ہو جاوے گی، واللہ اعلم۔ ۲۰ رمضان سنہ ۴۴۰

تفصیل الآثار فی تعجیل الافطار سوال (۵) مؤطاً امام مالک میں کتاب الصوم میں ہے۔ ان عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان کانایصلیان المغرب حین ینظران الی اللیل الا سود قبل ان یفطر ان یفطر ان بعد الصلوة وذلك فی رمضان۔ اس پر موسیٰ میں شاہ ولی اللہ محدث نے کہا ہے وعلیہ اهل العلم انه ینتحب ذلك ما لم یقع فی شك الاستثناء التاخر، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تعجیل فطر پر احادیث کثیرہ موجود مؤطاً میں لستحب تعجیل الفطر کا ایک باب ہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ و حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تاخیر کیسے فرماتے تھے؟ اور پھر شاہ ولی اللہ صاحب نے اس تاخیر کو مستحب لکھ دیا، اگر تاخیر کے مشبہ میں نہ پڑے، غالباً شاہ صاحب کا منشاء یہ ہے کہ مشبہ کی وجہ سے تاخیر نہ کرے، اور بلاشبکہ تاخیر کرے تو مستحب ہی، پھر تعجیل فطر کا استحباب کہاں رہا؟

الجواب الملقب بتفصیل الآثار فی تعجیل الافطار؛ قال الحافظ فی الفتح قال ابن عبد البر احادیث تعجیل الافطار و تاخیر السحور صحاح متواترة وعند عبد الرزاق وغيره باسناد صحیح عن عمرو بن ميمون الاودی قال کان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم اسرع الناس افطاراً وابطأهم سحوراً واخرج البخاری عن سهل بن سعد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا یزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر، زاد ابوداؤد فی حدیثہ واخر والسحور اخرجہ احمد و زاد ابوہمیرة فی حدیثہ لان الیہود والنصارى یؤخرون اخرجہ ابوداؤد وابن خزیمة وغیرہ و تاخیر اهل الكتاب له امد وهو ظهور النجم وقد روی ابن حبان والحاکم من حدیث سهل ایضاً بلفظ لا تزال امتی علی سننی ما لم تنتظر بفطرها النجوم۔ قال المهلب والحکمة فی ذلك ان لا یزاد فی النهار من التیل ولانه انفق بالصائم واقوی له علی العبادة واتفق العلماء علی ان محل ذلك اذا تحقق غروب الشمس بالترویة او باخبار عدلین وکن اعدل واحد فی الارحام

رص ۴۳ ج ۵) وفيه دلالة على انفق العلماء على ان التعجيل المذكور في الحديث المنوط بنفي الخير بالتأخير عنه محله ما اذا تحقق الغروب ثم نية الحافظ في لصحة المذكورة على ما حدث في زمانه من البدعة المتكررة من القاع الاذان الثاني قبل الفجر بنحو ثلث ساعة في رمضان والقاء المصاييح التي جعلت علامة لتحريم الاكل والشرب على من يريد الصيام زعموا من احداثه انه للاحتياط في العبادة وقد جرهم ذلك الى ان صاروا لا يؤذون الا بعد المغرب بدرجة لتمكين الوقت زعموا فاخروا الفطر وعجلوا السجود وخالفوا السنة فلذلك قل عنهم الخير وكثر فيهم الشر والله المستعان (رص ۴۳ ج ۱) وهو يدل على ان التأخير بدرجة بعد تحقق الغروب بخلاف السنة ايضا وروى مسلم والثرمذي والنسائي من رواية ابي عطية قال دخلت انا ومسروق على عائشة فقلنا يا امة المؤمنين رجالان من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم احدهما يعجل الافطار ويعجل الصلاة والاخر يؤخر الافطار ويؤخر الصلاة قالت ايها يعجل الافطار ويعجل الصلاة قلنا عبد الله بن مسعود قال قلت هكذا كان يصنع رسول الله صلى الله عليه وسلم والاخر ابو موسى

واخرج ابو يعلى في مسنده عن انس رضي الله عنه قال ما رأيت النبي صلى الله عليه وسلم قط صلى صلاة المغرب حتى يفطر ولو كان على شربة من ماء واسناده جيد كذا في العيني على البخاري (رص ۲۹۲ ج ۵)

واخرج البخاري عن عمرو بن الخطاب رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا قبل الليل من ههنا وادبر النهار من ههنا وغربت الشمس فقد افطر الصائم اه وقال ابن خزيمة قوله فقد افطر الصائم لفظ خبير ومعناه الامراي فليفطر الصائم ولو كان المراد فقد صار مفطرا كما زعمه بعضهم لم يكن للتوغيب في تعجيل الافطار معنى وكان فطر جميع الصوام واحدا كذا في الفتح ايضا (رص ۴۱ ج ۲) وفيه ايضا في باب صوم الوصال واحتجوا بالتحريم اي تحريم الوصال بقول في الحديث المتقدم اذا قبل الليل من ههنا فقد افطر الصائم اذ لم يجعل الليل محلا سوى

الفطر فالصوم فيه مخالفة لوضعه كيوم الفطر (رص ۴۸ ج ۲) -

وفيه ايضا حديث بشير بن الخصاصية اخرج به احمد والبراني وسعيد بن منصور وعبد بن حميد وابن ابي حاتم في تفسيرهما بسند صحيح الى امرأته عنه مرفوعا صوموا كما امركم الله تعالى اتوا الصيام الى الليل فاذا كان الليل فافطروا (رص ۴۶ ج ۲) وقال العيني في العمدة قال ابو عمر في الاستدكار اجمع العلماء على انه اذا حلت صلاة المغرب فقد حل الفطر للصائم فرضا وتطوعا واجمعوا على ان صلاة المغرب من صلاة الليل اه (رص ۲۶ ج ۵) وفي الترمذي للمذري عن انس رضي الله عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يفطر قبل ان يصلي على رطبات فان لم تكن حصى احسوات من ماء رواه ابو داود والترمذي وحسنه اه (۱۸۵) وقال علي الفاري في شرح المشكوة تحت حديث لا يزال الناس بخير ما عجلوا الفطر اي ما داموا على هذه السنة وليس تفديمه على الصلاة للخير الصحيح به وقال التوريشي فان في التعجيل مخالفة لاهل الكتاب فانهم يؤخرونه ثم صار عادة لاهل البدعة في ملتناهم قال بعض علمائنا ولو اخر لتأديب النفس غير معتقد وجوب التأخير لم يضرب ذلك اقول بل يضربه حيث يفوته السنة وتعجيل الافطار يشبهه ماء لاينا في التأديب ثم رأيت التوريشي قال وهذه الخصلة التي لم يرضها رسول الله صلى الله عليه وسلم واقول يشابه هذا التأخير فقد صوم يوم او يومين على صوم رمضان الى ان قال ويؤيده ما صح ان الصحابة كانوا اعجل الناس افطارا وابطاهم سجورا (رص ۵۱ ج ۲) قلت ومقتضى هذا الذي ذكرنا كون تقديم الافطار على صلاة المغرب سنته وان التأخير عنها خلاف السنة وما كان خلاف السنة وان كان مباحا فلا يخلو عن كراهة ولو تنزه بها لاسيما اذا انضم الى ذلك قوله صلى الله عليه وسلم اذا قبل الليل فافطروا وقوله اذا قبل الليل من ههنا وادبر النهار من ههنا وغربت الشمس فقد افطر الصائم اي فليفطر - واما ما روى بسند صحيح عند مالك في مؤطاه وعند محمد به ان عمرو بن الخطاب وعثمان بن عفان كانا يصليان المغرب حين ينظران الليل

الاسود راى سواد اوله قبل ان يفطر اثم يفطران بعد الصلوة في رمضان اه فلا يحتاج الى الجواب لكونه خلاف عمل الرسول وعامة اصحابه والضا لاندرى هل اخر الفطر بعد راو بغير عن روقال القارى هو اما لبيان الجواز اشعار بان مثل هذا التاخير لا ينافى الامر بالتعجيل او لعدم ما يفطران به عندهم قبل الصلوة او يحمل الافطار على التعشى بالطعام لان الافطار المتعارف عندهم ان يتعشوا بطعامهم كذا في تعليق المعجد محصلاً (ص ۱۸۳) وحاصله انهما لم يكونا يتعشيان قبل الصلوة بالطعام ويقتصران على شربة من ماء ونحوه ولم يكن ذلك الافطار افطاراً متعارفاً بينهم فقال الراوى بناء على ذلك انهما كانا يفطرا بعد الصلوة وبالجملة ففي الاثر حكاية حال لا عموم لها ويحمل الوجوه العديدة فلا يترك به ما ثبت عنه صلى الله وسلم قوله ولو فعلاً وامراً وترغيباً فالعامل ان تقديم الفطر على صلوة المغرب هو السنة وتاخيرها عنها خلاف السنة ولكن لا يدخل في حد الكراهة ما لم يشترك النجوم لا يقال ينافى ما قلت قول محمد في الموطأ بعد تخريجه اثر عمر وعثمان هذا اكله واسع فمن شاء افطر قبل الصلوة ومن شاء افطر بعد ها وكل ذلك لا بأس به ام لان قوله واسع لا ينافى به ام

لا ينافى كونه خلاف السنة فربما يطلق الفقهاء لا بأس به على ما يكون مكرهاً تنزيهاً وخلاف الاولى كما لا يخفى ولا من تقييد قوله واسع ولا بأس به بان لا يبلغ مبلغ اشتباك النجوم كما قيد به المحشى.

وانا مافى رد المختار عن شرح الجامع لقاصى خان التعجيل المستحب قبل اشتباك النجوم (ص ۱۸۳ ج ۲) وهو يفيد بظاهرة ان كل ما كان قبل اشتباك النجوم فهو من التعجيل المستحب فيعارضه ما مر عن القارى من تصريحه بكون تقديمه على الصلوة سنة وكون تاخيرها عنها خلاف السنة وتاويله في اثر عمر وعثمان بوجوه عديدة فكيف يكون ما بعد المغرب الى اشتباك النجوم كله وقتاً مستحباً بالتعجيل وقال في البدائع وليس تعجيل الافطار اذا غربت الشمس هكذا روى عن ابى حنيفة لما روينا من الحديث

ثلاث من سنن المرسلين ومن جعلتها بتعجيل الافطار روى عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال لا تزال امنى بخير ما لم ينتظر ولا افطار طلوع النجم والتاخير يودى اليه ام اى الى الانتظار طلوع النجوم (ص ۱۰۶ ج ۲) وهذا يفيد ان التعجيل المستحب ما كان قبل طلوع النجم وما بعد داخل في التاخير نعم تاخير الى طلوع النجم لا يكره كراهة التعريم وانما التاخير المكروه كذلك ما كان الى اشتباك النجوم لانه هو الذى يفضى الى مشابهة اهل الكتاب فكانوا يؤخرون الى حد الاشتباك، والله اعلم.

ہمارے نزدیک جو امر تعجيل افطار کے متعلق کتب احادیث وفقہ سے منقح ہوا ہے وہ یہ ہے کہ تحقق غروب کے بعد معاً قبل نماز مغرب افطار کرنا مستحب ہے اور بعد نماز کے افطار کرنا خلاف سنت ہے، مگر حد اشتباك سے پہلے پہلے افطار کرے تو تاخیر مکروہ میں داخل نہ ہوگا، اور حد اشتباك تک تاخیر مکروہ تحریمی ہے، اور مسوئی کی عبارت کے متعلق بدون کتاب دیکھے ہوئے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے، سوال میں اس کی عبارت ناقص نقل کی گئی ہے، اور وہ بھی بڑھی نہیں گئی اور حضرت عمرؓ و عثمانؓ کے اثر کا جواب چند وجوہ سے دیا گیا ہے، جو عبارت عربیہ میں مذکور ہے، واللہ اعلم، ۱۷ رمضان ۱۳۵۵ھ۔

سوال (۶) ایک عورت نے رمضان شریف کے قضا روزہ نیت معلق سے صوم متحقق نہیں ہوتا رکھنے کا رات کو ارادہ کیا، یہ عورت رمضان شریف کے متحقق صوم کے لئے قصد جازم شرط ہے۔

علاوہ اور روزہ خواہ وہ رمضان شریف کا قضا شدہ کیوں نہ ہو اپنی ساس سے اجازت لے کر رکھا کرتی تھی اس روز بھی اس نے یہ ارادہ کیا کہ نماز صبح کے وقت اپنی ساس سے دریافت کر لوں گی، اگر ساس نے اجازت دی رکھوں گی ورنہ نہیں، لیکن گمان یہی تھا کہ ساس ضرور اجازت دے گی، صبح کی نماز کے وقت دریافت کیا تو ساس نے انکار کر دیا، اس عورت نے روزہ نہیں رکھا، دریافت طلب یہ ہے کہ آیا اس روزہ کی قضا رکھنی چاہئے، یا کفارہ دینا پڑے گا اور کفارہ کیا ہوگا، اگر لٹاٹھ روزے رکھنے کے بجائے ٹاٹھ آدمیوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے تو کفارہ ادا ہو جائیگا یا نہیں، ایک بات اور اظہار طلب ہے کہ یہ عورت ہمیشہ اپنی ساس سے روزہ کے متعلق رات کو دریافت کر لیا کرتی تھی، اگر اس نے اجازت دی تو روزہ رکھا ورنہ نہیں، اس روز رات کو دریافت کرنا یاد نہیں رہا تھا، اور صبح کی نماز کے

بعد دریافت کیا تھا جس کا کہ میں پیشتر تحریر کر چکا ہوں۔

الجواب؛ صورت مسئلہ میں نہ قضاء واجب ہوئی نہ کفارہ کیونکہ روزہ کا تحقق ہی نہیں ہوا، تو یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ روزہ کو توڑا گیا، کیونکہ تحقق صوم کے لئے نیت شرط ہے اور نیت کی حقیقت قصد جازم ہے، جو صورت مسئلہ میں نہیں پایا گیا، بلکہ نیت محقق تھی سانس کی اجازت پر اور ایسی نیت سے صوم کا تحقق نہیں ہوتا، پس انصار صوم بھی نہیں پایا گیا، قال فی موافق الفلاح: وحقیقة النیة قصدہ عازما بقلبه صوم عن الخ (ص ۳۷۲) وفيه ايضا واما القسم الثاني وهو ما يشترط له تعيين النية وتبنيها فهو قضاء رمضان وقضاء ما افسده من نفل وصوم الكفارات بانواعها ككفارة اليمين وصوم التمتع والقران و النذر المطلق اه (ص ۳۷۶)۔

۲ شعبان ۱۳۸۵ھ

سوال (۷) حضرت! دیہات میں اکثر لوگ اذان سن کر دینے اور ایسے اذان کے اعادہ کا حکم۔ کھانا پینا بند کرتے ہیں، اور گھڑی بھی ہمیشہ صبح نہیں رہ سکتی، کیونکہ کوئی بہتر ذریعہ ملالے کا نہیں ہوتا، کبھی کبھی طلوع غروب سے بھی بوجہ ابر ہونے کے نہیں ملا سکتے، تو ایسی حالت میں ان لوگوں کا روزہ ہو گا یا کہ کچھ نقصان پڑے گا، اسی خیال سے کہ لوگ کھانے سے بند ہو جائیں گے اذان صبح صادق سے دن یا پانچ منٹ قبل پڑھنا جائے ہے یا کہ نہیں، کیونکہ دیہات میں کوئی ذریعہ دیگر بند کرنے کا نہیں ہوتا، حکم شرعی سے حضور اطلاق بخشیں؟

الجواب؛ اگر یہ لوگ اذان کے بھروسہ پر نہ رہتے ہوں، بلکہ اپنے دل کی گواہی کے موافق کھاتے ہوں اور بند کرتے ہوں تو ان کے روزہ میں شبہ نہ ہوگا، اور دل کی گواہی وہ معتبر ہے جو خوف خدا کے ساتھ ہو اور وقت کی پہچان بھی ہو، اور اگر اذان کے بھروسہ ہی پر رہتے ہوں تو ان کے روزوں میں شبہ رہے گا، اگر مؤذن صبح ہونے کے بعد اذان کہتے ہوں اور ایسی حالت میں مؤذن کو یہ جائز ہے کہ اذان فجر صادق سے دن پندرہ پہلے کہہ دی جائے، تاکہ لوگ کھانے پینے سے رُک جائیں، مگر صبح صادق ہونے کے بعد اس اذان کا اعادہ کر دیا جائے گواہی زیادہ بلند آواز سے نہ ہو، معمولی ہی آواز سے ہو، قلت وعلی ذلك حملت الحنفية الاذنين في عهد النبي صلى الله عليه وسلم ان الاول كان لمصلحة اخرى غير اعلام الوقت وهذه ايضا مصلحة قد مست الحاجة اليها في القرى فان

اهلها لا يمتنعون عن الاكل الا بالاذان، مگر اس کے لئے خاص انتظام کی ضرورت ہے کہ گاؤں کے سربراہ اور وہ لوگ ایک دو مؤذن اس کام کے لئے مخصوص کر دیں ورنہ گڑبڑ ہوگی۔

۲۱ رمضان ۱۳۸۵ھ

سوال (۸) در رمضان المبارک از اذان و افطار کدام را مقدم نمودن مسنون است در تاخیر نماز از افطار کلام نیست، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم با اصحاب صلعم اولاً افطار کردند یا اذان کردند، درس بارہ حدیثی صحیح ارشاد فرمایند؟

الجواب؛ تقدیم افطار قبل از نماز مغرب مسنون است، واما اذان، پس مؤذن قبل اذان افطار کند و غیر مؤذن مع الاذان، الا ان يكون عارفاً بالوقت او لفاعل المؤذن فله ان يقدم الفطر على الاذان، مگر مراد از افطار شیع بالطعام نیست بلکہ افطار بر ترمہ یا شربتہ مار و نحوہ، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ثلث من سنن المرسلین تعجيل الافطار وتاخير السجور الخ رواه الطبرانی (ص ۲۵۲ ج ۱) ولا شك ان في الافطار بعد الصلوة تاخيرا و ما روى عن بعض الصحابة انهم كانوا يفطرون بعد المغرب اى بعد الصلوة فمحمول على الشيع اى كان يأكل الطعام بعد المغرب دون تاخير الفطر مطلقا، والله اعلم۔

۱۶ رمضان ۱۳۸۵ھ

فصل فی رویت ہلال

سوال (۱) ایک شہر میں انیس تاریخ رمضان اگر رویت ہلال کی شہادت عید کے دن طلوع آفتاب قبل مل گئی، تو جمع کے خیال سے اگلے دن تک تاخیر کرنا صحیح نہیں فجر کی نماز کے متصل ہی اطول ایام میں رویت پر شہادت گزری، اور قبول ہونے کے بعد ہی فوراً شہر میں اعلان افطار کا امام شہر کی جانب سے کر دیا گیا، اور اس کا بھی اعلان ہوا کہ نماز عید گاہ میں اپنے مقررہ وقت پر آج ہی پڑھی جائے اس اعلان پر بعض حضرات شہر نے امام شہر سے یہ کہا کہ آج نماز کو ملتوی رکھنا چاہئے، کیونکہ کامل اجتماع ساکنان شہر و نیز اہل قریات آج دشوار ہے، اس کو امام صاحب نے تسلیم کر کے دوبارہ دو سر روز نماز کی ادائیگی کا اعلان کر دیا، چنانچہ عید گاہ میں نماز دوسرے ہی روز پڑھی گئی، لیکن چند مساجد شہر میں افطار کے روز ہی نماز عید وقت پر پڑھی، اس پر بہت سے

لوگوں کا اعتراض ہوا کہ یہ امر تفریق بین المسلمین ہی اور حکم امام کے خلاف ہی، اب دریافت طلب
یہ امر ہے کہ اگر اطول ایام میں آفتاب طلوع ہونے کے متصل ہی رویت پر شہادت گزر جائے
اور قبول ہونے پر روزہ افطار کر لیا جائے تو نماز عید اسی روز پڑھنا واجب ہے یا امر موہوم
عدم اجتماع کثیر کے احتمال پر ادائیگی نماز دوسرے روز پر ملتوی کر دی جائے؟ درمختار کتاب
الاضحیٰ میں قبیل عبارتہ کہ تنزیہاً الذبح لیللاً پر صاحب شامی تحریر فرماتے ہیں لو شہد و بعد
نصف النهار انہ العاشرا جائز لہم ان یضحووا ینخرج الامام من الغد فیصلى
بہم العید وان علم فی صدر النهار انہ یوم النحر فتشغل الامام عن الخروج
او غفل فلم ینخرج ولم یأمر احد ان ینصلي بہم فلا ینبغی لاحد ان یضحی حتی
یصلی بہم الامام الی ان تنزل الشمس فاذا زالت قبل ان ینخرج الامام ضحی لنا
۱۸، یہ عبارت مفید اس معنی کو ہے کہ اگر صدر نہار میں اس امر پر شہادت گزری کہ آج عید کا روز
ہے تو امام پر واجب ہے کہ اُس ہی روز نماز عید پڑھاوے، اور حدیث سے جو یہ امر ثابت ہے کہ
ایسی صورت میں دوسرے روز نماز پڑھی گئی، تو بعض روایت میں تصریح اس امر کی ہے کہ
اطلاع رویت کی بعد الزوال ہوئی تھی، اور مذکورہ صورت میں اگر امام عید کی نماز دوسرے
روز پڑھنے کا اعلان کرے تو شہر کے لوگوں کو کیا کرنا چاہئے؟ آیا وہ اپنے اپنے محلوں کی مساجد
میں نماز عید پڑھ لیں یا دوسرے ہی روز پڑھیں؟ کتب فقہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ
قول راجح پر دوسرے روز عذر کی بنا پر ہے، نماز قضا ہوتی ہے اور نہیں ہوتی، اور بلا عذر کے
نیز ایسے عذر کی بنا پر کہ شرع شریف میں وہ معتد بہ عذر شمار نہ ہو، دوسرے روز نماز پڑھنا
صحیح نہیں، بلکہ شغل بما لا یصح میں داخل ہو کر محظوریوں کو مستلزم ہوتا ہے۔

الجواب؛ جب فجر کی نماز سے متصل شہادت رویت گزری ہے تو اب محض دیہات
داوں یا سست مزاج شہریوں کے عدم اجتماع کے خیال سے عید الفطر کو اگلے دن کے
لئے امام کا مؤخر کرنا جائز نہ تھا، بلکہ یہ تاخیر جو نہ کہ بلا عذر ہوتی ہے اس لئے اگلے دن نماز صحیح
نہیں ہوتی، اس صورت میں جن مسلمانوں نے اپنی اپنی مساجد میں نماز عید ادا کی ان کا فعل
موافق شرع ہے، ایسا ہی کرنا چاہئے تھا، اور تفریق بین المسلمین اس وقت حرام ہے جبکہ
دوسری طرف بھی گنجائش ہو، اور اگر دوسری طرف شریعت کی مخالفت ہو تو حسب قدرت
ان سے مفارقت کا اظہار ضروری ہے، قال فی الدرر وقو حور ای صلوة عید الفطر (۱۲)

بعد رکطی الی الزوال من الغد فقط، فوقہا من الثانی کا لاول وتكون قضاء
لا اداء ام وفيه ایضاً فالعذر ہینا لثقی الکراہة وفي الفطر للصحة ام قال
الشامی قولہ بعد رکطی دخل فیہ ما اذا لم ینخرج الامام وما اذا غم الهلال و
شہد و ابہ بعد الزوال او قبلہ بحیث لا ینمکن جمع الناس ام (ص ۸۵، ۸۶ ج ۱)
قلت والمراد بالامام هو الامام الاعظم او نائبہ فان خلافہ لا یطاق فعدم
خروجہ عذر فی حق العامة ولو کان هو ائماً و اما امام العیدین والجمعة فی
بلادنا فعدم خروجہ لیس بعذر لان خلافہ لا یضر فاذا لم ینخرج بلا عذر و
خالفت حکم الشریعة لا تتروک العامة صلواتہم بل یجتمعون علی امام غیرہ او
یصلون فی مساجد مختلفة باختلاف المعان قال فی مرقی الفلاح وقیل لعد
للجواز لا لثقی الکراہة فاذا لم یکن عذراً لا تصح فی الغد ام (ص ۳۱۱) ۳۲ صفر
خطا در تار کے ذریعہ رویت ہلال | سوال (۲) رویت ہلال میں خطا یا تار کا اعتبار ہے یا نہیں
کی خبر معتبر ہے یا نہیں؟ فی زمانہ جو تاریں موصول ہوتی ہیں ان کے مرسل کا بھی حال
عموماً مستور ہی ہوتا ہے، اور بسا اوقات مرسل اہل ہنود نکلتے ہیں، ایسے حال میں کیا حکم ہے؟
الجواب؛ رویت ہلال میں تار بالکل معتبر نہیں، ہاں خط کا چند قیود سے اعتبار
کیا جاتا ہے، جس کی تفصیل امداد الفتاویٰ، ص ۲، جلد اول و صفحہ ۶۳ جلد اول تمہ
امداد الفتاویٰ میں موجود ہے، اور اس کے ساتھ صفحہ ۶۱ تمہ مذکور کو بھی ضرور دیکھا جائے۔
۱۲، جمادی الثانی ۱۳۵ھ

تحقیق رویت ہلال در حالت غیم | سوال (۳) احکام الادلة فی احکام الاہلۃ
وقبول شہادت وغیرہ | اگر ہلال رمضان یا شوال در روز غیم یک کس عادل تجر
عاقل یا دو کس دیدہ پیش عالم ثقہ در قریہ یا مصر گواہی دادند، عالم ثقہ گواہی ایشان
قبول کر د و حکم بصوم یا افطار کر د و در دیگر قریہ بذریعہ یک مردم یا دو مردم اطلاع داد کہ
نزد ما ثبوت ہلال بقواعد شرعیہ شدہ است آیا مرد ہاتھ قریہ را بقول اس عالم ثقہ صوم و
افطار واجب است یا خود بخود از بیندگان ہلال شنوند گواہی قبول کنند یا قبول کر د
گواہی عالم ثقہ کافی است، ہر حج حکم شریعت مطہرہ است بسند کتاب مطلع فرمایند؟
الجواب؛ فی الدر المختار و تقبل شہادۃ واحد علی الخوکب و انشی ولو علی

مثلہما وقال الشامي بر قوله وتقبل شهادة واحد على الآخر بخلاف الشهادة على الشهادة في سائر الاحكام حيث لا تقبل ما لم يشهد على شهادة كل رجل رجلان او رجل وامرأتان ر قوله كعبد وانثى اي كما تقبل شهادة عبد وانثى ر قوله ولو على مثلهما افاد هذا التعميم قبول شهادتهما على شهادة حرا وذكر وهو بحث لصاحبه النهرو وقال نولم امره (ص ۱۲۶ ج ۲)۔

(۲) ولا يشترط في هذه الشهادة لفظ الشهادة ولا الدعوى وحكم الحاكم حتى انه لو شهد عند الحاكم وسمع رجل شهادته عند الحاكم وظاهر العدالة وجب على السامع ان يصوم ولا يحتاج الى حكم الحاكم (عالمگیری ص ۱۲۰ ج ۱)۔

(۳) ثم انما يلزم الصوم على متأخرى الروية اذا ثبت عندهم روية اولئك بطريق موجب حتى لو شهد جماعة ان اهل بلدة قد راوا هلال رمضان قبلكم بيوم فصاموا وهذا اليوم ثلثون بحسابهم ولم يرهوا لاء الهلال لا يباح فطر غد ولا يتروك التراخي في هذه الليلة لانهم لم يشهدوا بالروية ولا على شهادة غيرهم وانما حكا روية غيرهم (عالمگیری ص ۱۲۸ ج ۱)۔

(۴) في الذر نعم لو استفاض الخبر في البلدة الاخرى لزمهم على الصحيح من المذهب مجتبي وغيره وقال الشامي تحت (قوله نعم) قال الرحمتي معنى الاستفاضة ان تأتي من تلك البلدة جماعات متعددة دون كل منهم يخبر عن اهل تلك البلدة انهم صاموا عن روية لا مجرد الشيوع من غير علم بمن اشاعه كما قد تشيع اخبار يتحدث بها سائر اهل البلدة ولا يعلم من اشاعها (ص ۱۵۱ ج ۲)۔

(۵) ولو كانوا ببلدة لاحكم فيها صاموا بقول ثقة وافر و باخبار مدلين مع العلة (للضرورة) وقال الشامي ر قوله لاحكم فيها اي لا قاضي ولا والي كما في الفتح (قوله صاموا بقول ثقة) اي افتراضا لقول المصنف في شرحه وعليهم ان يصوموا بقوله اذا كان عدلا ام ط (قوله واقطروا الخ) عبارة غير لابأس ان يفطروا والظاهر ان المراد به الوجوب ايضا والتعبير بنفي البأس لانه مظنة الحرمة كما في نفى الجناح في قوله تعالى فلا جناح عليكم ان تقصروا من الصلوة ومثل كثير في كلامهم فانهم (ص ۱۲۶ ج ۲)۔

(۶) (وشرط للفطر) مع العلة والعدالة (نصاب الشهادة ولفظ اشهد وعدم القذف لتعلق نفع العبد الخ ص ۱۲۶ ج ۲) در مختار مع الشامي۔

(۷) لا يجوز على شهادة رجل اقل من شهادة رجلين او رجل وامرأتين وكذا على شهادة المرأة وهذا عندنا كما في الخلاصة رجلان شهدا على شهادة رجلين او على شهادة رجلان شهدا على شهادة رجلين او على شهادة رجلين شهدا على شهادة رجلين (ص ۱۲۰ ج ۲)۔

(۸) (هي مقبولة) وان كثرت استحسانا قال الشامي تحت قوله وان كثرت اعني الشهادة على شهادة الفروع ثم وثم الخ ص ۱۰۰ ج ۲ شامي۔

(۹) في الدر المختار (و) هلال (الاضحى) وبقيته الاثني عشر (كالفطر) على المذهب وقال الشامي (قوله والاضحى كالفطر) اي ذوالحجة كشوال فلا يثبت بالغيم الا برجلين او رجل وامرأتين وفي الصغولابد من زيادة العدد على ما قد مناه وفي التوادر عن الامام انه كرمضان وصححه في التحفة والاول ظاهر المذهب صححه في الهداية وشرحها والتبيين فاختلفت التصحيح وتأييد الاول بانه المذهب بحر ر قوله وبقيته الاثني عشر) فلا يقبل فيها الا شهادة رجلين او رجل وامرأتين عدول احراز غير محددين كما في سائر الاحكام عن شرح مختصر الطحاوي للامام الا سبيجاني وذكر في الامداد انها في الصغولابد من رمضان والفطر اي فلا بد من الجمع العظيم ولم يحزه لاحد لكن قال الخيال الرمي الظاهر انه في الالهة التسعة لا فرق بين الغيم والصغول في قبول الرجلين لفقد العلة الموجبة لاشتراط الجمع الكثير وهي توجه الكل طالبين ويجوز ان يكون له كما في سائر الاحكام فلو شهد في الصغول بهلال شعبان وثبت بشر وط الشبوت الشرعي يثبت رمضان بعد ثلاثين يوما من شعبان وان كان رمضان في الصغول يثبت بخبرها لان ثبوتها حينئذ ضمنى ويعتقر في الضمنيات مالا يعتقر في القصديات ام (شامي ص ۱۵۲ ج ۲)۔

رويت بطل رمضان كى شهادت میں ابرو وغیرہ کے وقت جس طرح ایک عادل مرد یا عورت کافی ہے، اسی طرح ایک عادل مرد یا عورت اگر یہ شہادت دے کہ فلان عادل عورت یا مرد نے روایت کی شہادت دی ہے تب بھی روایت ثابت ہو جاتی ہے (جیسا کہ روایت میں ہے) اور رمضان کے لئے شہادت کا لفظ بھی ضروری نہیں، اگر یوں کہیں کہ میں نے

چاند دیکھا ہے تب بھی کافی ہے، دینز قاضی وغیرہ کا حکم بھی شرط نہیں، بلکہ بدون حکم حاکم بھی شہادت عادل پر عمل واجب ہے، اور مستور الحال بھی عادل کے حکم میں ہے، (ملاحظہ ہو روایت نمبر ۱۲) اور ظاہر ہے کہ شہادت علی الشہادت میں بھی لفظ شہادت شرط نہیں، بلکہ یہ خبر دینا ہی کافی ہے کہ فلاں شخص نے رُویت ہلال کی شہادت یا خبر دی ہے، اور اگر شہادت کی خبر نہیں دی بلکہ ویسے ہی ذکر کیا کہ فلاں شہر والوں (یا فلاں شخص) نے چاند دیکھا ہے تو رویت ثابت نہیں ہوتی، (جیسا کہ روایت نمبر ۳ سے معلوم ہوتا ہے) البتہ اگر کسی جگہ عام طور پر بطریق معتبر روزہ رکھا جائے اور وہاں کی خبر بطریق شہرت پہنچے تو روزہ واجب ہو گیا، اس میں یہ ضروری نہیں کہ شہادت علی الشہادت کے طریق پر کہا جاوے (ملاحظہ ہو روایت نمبر ۴) اور جس طرح ہلال رمضان بدون حکم حاکم ثابت ہو جاتا ہے اسی طرح ہلال عید الفطر بھی فقط شہادت سے ثابت ہو جاتا ہے، جبکہ وہاں حاکم وقاضی وغیرہ نہ ہو روایت نمبر ۵ ملاحظہ ہو) لیکن صلال فطر میں لفظ شہادت ہونا ضروری ہے البتہ اگر شہادت حاکم وقاضی کے ہاں نہیں تو باخبار عادلین سے (معلوم ہوتا ہے کہ بدون لفظ شہادت بھی رویت ثابت ہو جاتی ہے) لیکن لفظ شہادت کا استعمال کرنے میں احتیاط ہے، دینز اور وغیرہ میں ڈو شاہد ہونا شرط ہے، (جیسا روایت نمبر ۶ میں ہے) اور ہلال فطر میں شہادت علی الشہادت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہر ایک گواہ کیلئے نصاب کامل ہو، یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں کہ فلاں شخص نے گواہی دی ہے، اور دو سر شخص کے لئے بھی اسی طرح ایک مرد و دو عورت یا دو مرد گواہ ہوں، البتہ اگر دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں (یہ گواہی دیں کہ ہمارے سامنے ان دونوں گواہوں نے گواہی دی ہے تب ایک ہی نصاب کافی ہے) (ملاحظہ ہو روایت ۷)

پس اگر وہ فرستادہ خود بھی شہادت کے وقت موجود تھا تو اس کی خبر معتبر ہے، اور اگر فرستادہ وقت شہادت موجود نہ تھا تو جو اُس وقت موجود تھے وہ فرستادہ کے پاس شہادت دیکر بھیجیں (ملاحظہ ہو روایت نمبر ۸) اور فرستادہ رمضان میں ایک مرد یا عورت کافی ہے، اور سوال میں دو مرد یا ایک مرد و دو عورت کی ضرورت ہے، جبکہ دونوں شاہدوں کے ان کے سامنے شہادت دی ہو، ورنہ ہر شاہد کی شہادت پر نصاب کامل کی ضرورت ہے، کما مر، اور اگر یہ فرستادہ نہ تو وقت شہادت رویت موجود ہو اور نہ اُن کے پاس اس

وقت کے شاہدوں نے شہادت دی بلکہ ویسے ہی بھیج دیا، کہ جا کر رمضان یا سوال کی اطلاع کر دو، تو اس سے اُن دیگر اہل قری پر نہ روزہ واجب ہوگا نہ عید جائز ہوگی، کما ہو الظاہر، اور شامی ص ۵۰ ج ۲ میں ہے نقلت و کذا الو شہدوا برویة غیرہم وان قاضی تلتک المصر امر الناس بصوم رمضان لانتہ حکایة لفعل القاضی ایضا ویس بحجة بخلاف قضائہ الخ و ایضاً فی الصفحة المذکورہ قلت و وجہ الاستدراک ان ہذا الاستفاضة لیس فیہا شہادة علی قضاء قاض ولا علی شہادة لکن لما کانت بمنزلة الخبر المتواتر وقد ثبت بہا ان اهل تلك البلدة صاموا یوما کذا لعمریہ لان البلدة لا تخلوا عن حاکم شرعی عادة فلا بد من ان یکون صومہم مبیناً علی حکم حاکمہم الشرعی فکانت تلك الافاضة بمعنى نقل حکم المذکور وہی اقوی من الشہادة بان اهل تلك البلدة رأوا الهلال وصاموا لا تفید الیقین قلنا لم تقبل الا اذا کانت علی حکم او علی شہادة غیرہم لتکون شہادة معتبرة والا فہی مجرد اخبار بخلاف الاستفاضة فانہا تفید الیقین فلا ینافی ما قبلہ هذا ما ظہری فتأمل ام۔

و ایضاً فی صفحہ ۵۵ تحت (قولہ بطریق موجب) کان یتحمل اثتان الشہادة او شہد اعلی حکم القاضی او یستفیض الخبر الخ۔

اس سے معلوم ہوا کہ قاضی و حاکم کے حکم کی شہادت بھی پہنچ جاوے تب بھی رویت ثابت ہو جاتی ہے، خواہ شہادت علی حکم کے ساتھ شہادت رویت کا بیان ہو، یا نہ ہو۔ اب رہی یہ بات کہ مفتی کا حکم اور فتویٰ حکم حاکم کے قائم مقام ہو گیا یا نہیں، اس کی تصریح تو کہیں ملی نہیں، مگر ضرورت کی وجہ سے قاضی وغیرہ نہ ہونے کی حالت میں جیسا کہ خطیب جمعہ مسلمانوں کے مقرر کرنے سے ہو جاتا ہے، کما فی الدار (ونصب العامة) الخطیب (غیر معتبر مع وجود من ذکر) امام عد مہم فی جواز للصن و رة، ام۔ اسی طرح اس میں گنجائش معلوم ہوتی ہے، مگر زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ عالم فقط اپنا فیصلہ سننا کر کسی کو نہ بھیجے، بلکہ شہادت کے بعد بھیجے، اور رمضان میں ایک عادل اور فطر میں دو عادل جب کافی ہیں جبکہ ابرا یا غبار ہو، ورنہ جم غفیر کی حاجت ہے، البتہ اگر کسی جگہ جم غفیر نے شہادت دی اور پھر اُس شہادت پر دو شاہد دوسری جگہ شہادت دیں تب تو وہی

شاہد کافی ہیں لہذا فی الدرر فیلزم اهل المشرق برویة اهل المغرب، اذا ثبت عندہم
رویة اولئک بطریق موجب کما مر وقال الشافعی نعمت (قبلہ بطریق موجب) کان
یتحمل اثنتان الشهادة او یشہد اعلى حکم القاضی او مستقیض الخبر بخلاف
ما اذا اخبر ان اهل بلدة کذا رأوه لأنه حکایة ح، اور عید الاضحیٰ کا حکم عید الفطر کی طرح کر
اور بقیہ نو مہینوں کا چاند ہر حال میں دو دریا ایک مرد و دو عورتوں کی شہادت سے ثابت
ہو جاتا ہے، خواہ ابر ہو یا نہ ہو، جیسا کہ روایت نمبر ۹ سے ثابت ہے، اور اگر کسی جگہ روایت نہ
ہو ورنہ کہیں سے معتبر شہادت پہنچے تو بظاہر ان پر یہ واجب نہیں کہ دوسری جگہ سے روایت
کی تحقیق کریں، جیسا کہ عالمگیری، ص ۲۴، ج ۱ سے معلوم ہوتا ہے، جب ان یلتئم لنا
الہلال فی التاسع والعشیرین من شعبان وقت الغروب فان رأوه صاموه
وان غم اكملوه ثلاثین یوما کذا فی الاختیار شرح المختار ام۔

حرره الاحقر عبد الکریم عفی عنہ۔

رقلت والالتماس هو طلب لشيء بنفسه لا التفتب من الغير فقد ورد في ليلة
القدر القسوة في العشر الاواخر اى اطلبوه منفردين لان تسلوه عن كل احد
والاجوبة كلها صحيحة، ظفر احمد عفا الله عنه ۳۰ شوال ۱۲۳۵۔

رویت ہلال اور صوم یوم الشک | سوال (۴) اس سال ہلال رمضان کے بابت ہمارے
کے بارے میں ایک استفتاء دیا میں سخت اختلاف پڑا ہے، چھ سات محلہ کے آدمی
بوجہ شہادت پانچ شخص کے برویة ہلال فی الصواء نزدیک ایک فقیہ کے اور قبول ہونے
شہادت ان کے بڑھ کے دن سے روزہ رکھیں، اور تیسویں تاریخ جمعرات کو ہلال شوال نہ
رہنے کی وجہ سے جمعہ کے دن بھی روزہ رکھیں، اور روزے ان کے اکتیس ہو گئے، اور جمعرات
کے روزہ داروں کے تیس ہو گئے، اب بعض عالم بڑھ کے دن کے روزہ کو صوم یوم الشک
بنیة رمضان پر حمل کر کے مکروہ تحریمی فرماتے ہیں، لہذا فی الدرر المختار ولو جزم ان یکون من
رمضان کرہ تحریمًا، اور بڑھ کے دن کے روزہ دار کہتے ہیں جب حسب عبارت رد المحتار،
بحر، بدائع وغیرہ روایت حسن از امام یصوم رمضان بشهادة الاثنین عند الصوا ایضا مفتی بہ
ہونا قرار پایا، تو ہمارا روزہ رکھنا حسب شریعت صحیح اور درست ہی، پھر مکروہ ہونیکا کیا
معنی؟ فی رد المحتار، ج ۲ ص ۱۰۱ مصری قوله وعن الامام انه یکتفی بشاهدین

واختاره فی البحر الخ حيث قال ویستغنی العمل علی هذه الروایة فی زماننا لان
الناس تکاملت عن تراوی الالهة فانفتی قوله مع توجه طالین لما توجه هو الیه فکان
النفر، وغیر ظاہر فی الغلط ثم اید ذلك بان ظاهرا لولوا لجة والظہیر یوید
علی ان ظاهرا لروایة هو اشتراط العد دلا لجمع العظیم والعد دیصدق باثنین
اقراء فی النهج والمنح ونازعه محتیه الرمی بان ظاهرا لمد هب اشتراط الجمع
العظیم فیتعین العمل به لغلبة الفسق والافتراء علی الشهر الخ اقول انت خبیر
بان کثیرا من الاحکام تغیرت لتغیر الانما ن ولو اشتراط فی زماننا لجمع العظیم
لزم ان لا یصوم الناس الا بعد لیلتین او ثلاث لما هو مشاهد من تکامل الناس
بل کثیرا ما رأینا هم یشتمون من یشهد بالشهر ویؤذونه وحينئذ فلیس فی
شهادة الاثنین تفرد من بین الجمع الغفیر حتی ینظر غلط الشاهد فانتفت
علت ظاهرا لروایة فعیین الافتاء بالروایة الاخری، انتهى۔

بلکہ دیگر ممالک سے جمعہ کے دن عید ہونے کی خبر سن کے فرماتے ہیں کہ جمعرات سے
روزہ داروں پر ایک روزہ قضا کرنا ضروری ہے، لہذا فی البدائع، ج ۳ ص ۸۲ مصری
ولو صام اهل بلد ثلثین یوما وصام اهل بلد الاخر تسعة وعشرین یوما فان کان
صوم اهل ذلك برویة الهلال وثبت ذلك عند قاضیہم او عد واشعبان
ثلاثین یوما ثم صاموا رمضان فعلى اهل البلد الاخر قضاء یوم لانهم افطروا
یوما من رمضان لثبوت الرضائیة برویة اهل ذلك البلد وعدم رؤیة
اهل البلد الاخر لا یقدم فی رؤیة اولئک اذا عدم لایعارض الوجود الخ۔
اب معرض خدمت میں یہ ہو کہ بڑھ کے دن کے روزہ کا کیا حکم ہے، (۲) اور جمعرات
کے روزہ رکھنے والوں پر ایک روزہ قضا کرنا واجب ہی یا نہیں (۳) اور باوجود سننے
خبر رویت ہلال کے بڑھ کے دن روزہ نہ رکھنے والوں پر اور رکھ کر توڑ دینے والوں پر کفایہ
واجب ہے یا نہیں؟ حضور عالی کے دستخط نہایت ضروری ہے، بجز اس کے لوگ اعتبار
نہ کریں گے۔

الجواب؛ بڑھ کے دن سے روزہ رکھنے والوں پر کراہت صوم یوم الشک کا الزام
صحیح نہیں، جبکہ انہوں نے فقیہ کے سامنے شہادت گزرنے اور اس کے قبول ہوجانے کی

بتا پر روزہ رکھا، گو اس فقیہ نے روایت متون کے خلاف حالت صحیح میں جم غفیر کے بغیر ثبوت ہلال کا فتویٰ دیدیا، مگر عوام مگر تو علماء کا اتباع لازم ہے جبکہ اس کا فتویٰ کسی ایک روایت کے موافق ہے۔

(۳ و ۲) جمعرات سے روزہ رکھنے والے دو قسم کے ہیں، ایک علماء دوسرے جہلاء، علماء کو اگر فقیہ مذکور کا فتویٰ اس وجہ سے مسلم نہ ہو کہ اس نے روایت متون کے خلاف فتویٰ دیا تو ان کو گناہ نہیں ہوا، اور یہی حکم ان جہلاء کا ہے جو ان علماء کے معتقد ہیں جنہوں نے ان علماء کے اختلاف کی وجہ سے فقیہ مذکور کے فتویٰ کو تسلیم نہیں کیا، اور اس کی صحت میں ان کو شبہ ہو گیا، رہے وہ جہلاء جن کو فقیہ مذکور کے فتویٰ کا علم ہوا اور دوسرے علماء کے خلاف کا علم نہیں ہوا ان کو بُدھ کے دن روزہ نہ رکھنے سے گناہ ہوا۔

رہا یہ کہ ان لوگوں کے ذمہ ایک روزہ کی قضا اور اس کے عمداً توڑنے سے کفارہ واجب ہو گا یا نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ شہادت مذکورہ کے موافق تیس دن پورا کرنے کے بعد بھی چاند نہ ہونے سے شہادت مذکورہ کا کذب و غلط محقق ہو گیا، اس لئے بُدھ کے دن ثبوت رمضان قطعی نہ رہا، پس وجوب کفارہ کی کوئی وجہ نہیں اور نہ قضا واجب ہے، البتہ جن مقامات سے جمعہ کی عید کی خبر آئی ہے اگر وہاں سے بُدھ کے دن یکم رمضان ہونے کی بھی اطلاع آجائے، اور یہ اطلاع بطریق موجب شرعی حاصل ہو تو ان لوگوں پر بُدھ کے دن ایک روزہ کی قضا واجب ہوگی، ورنہ نہیں، ۲۲ شوال ۱۳۲۶ھ۔

دو شخص مقبول شہادت ۲۹ رجب کو رویت ہلال کی شہادت دیں تو بصورت قبول شہادت شعبان کے تیس دن پوری ہونے پر چاند نظر آئے یا نہ روزہ رکھا جائے گا یا نہیں، اور اس حساب سے تیس روزے پورے ہونے کے بعد عید منائی جائے گی یا نہیں؟
سوال (۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اگر رجب المرجب کی ۲۹ تاریخ کو باوجود مطلع صاف ہونے کے دو شخص مقبول شہادت اور عادل رویت ہلال کی شہادت دیں تو ان کی شہادت سے شعبان کا چاند ثابت ہو گا یا نہیں، در صورت ثبوت شعبان کے تیس دن پورے ہو جانے کے بعد اگر چاند نظر نہ آئے خواہ مطلع صاف ہو یا نہ ہو تو رمضان مان کر روزہ رکھا جائے اور تراویح پڑھی جائیں یا نہیں، صورت ہذا میں اگر روزہ رکھنا ضروری ہے تو تیس روزے رکھنے کے بعد چاند نظر نہ آنے کی صورت میں عید منائی جائے گی، یا

اکیسواں روزہ رکھنا ضروری ہوگا، اور در صورت عدم ثبوت ہلال شعبان شامی کی عبارت تحت قول ولقیۃ الا شہر التسعة الخ و بقر الرائق، ص ۲۶۹ ج ۲ اور عبارت دیگر کتب فقہ کا کیا جواب ہوگا، مفصل اور مدلل بحوالہ کتب جواب تحریر فرما کر مابعد موجود ہے۔

الجواب؛ صورت مسئلہ میں دو عادل گواہوں کی شہادت سے ثبوت ہلال شعبان ہو جائے گا، اور شعبان کے تیس دن پورے ہو جانے پر رمضان کا ثبوت ہو جائے گا مگر اس امر کو خوب اچھی طرح دیکھ لیا جائے کہ ہلال رجب کا ثبوت شرعی ہو گیا تھا یا نہیں اور گواہ عادل تھے یا نہیں، اگر عادل تھے تو ان کو رویت ہلال کا جزم تھا، اور ایسا جزم تھا کہ اس پر قسم کھا سکتے تھے، یا محض شبہ اور خیال ہی تھا۔

قال الشامی نقلًا عن الخیر السمری فلو شهدا فی الصحیح ہلال شعبان وثبت بشرط الثبوت الشرعی یثبت رمضان بعد ثلاثین یوماً من شعبان وان کان رمضان فی الصحیح لا یثبت بخبر ہما لان ثبوتہ حیثین صحتی ویفتقر فی الضمومات ما لا یفتقر فی القصدیات ۵۱ (ص ۱۵۲ ج ۲) ۱۴ رمضان ۱۳۲۶ھ اس کے بعد اس کتاب اس طرح بدلا گیا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے، شامی نے رد المحتار میں

تو امام اسپجانی اور رملی کے قول پر اکتفاء کیا ہے، اور صاحب امداد کے قول پر زیادہ زور نہیں دیا، مگر حاشیہ بحر میں رملی کا قول نقل کر کے فرمایا ہے، لکن صرح فی الامداد بخلافہ فاشتطوط الجمع العظیم (فی سائر الاشہار) ویوافقہ اطلاق عبارۃ مواہب الرحمن فذکرہا، چونکہ صاحب امداد نے بہت صراحت کے ساتھ جمیع اشہار میں بحالت صحیح عظیم کو شرط کہا ہے، پس اس کے خلاف فتویٰ پر حرأت کرنا نص صریح مذہب کا محتاج ہے، علامہ رملی کا محض الظاہ کہنا کافی نہیں، واللہ اعلم، ۱۵ رمضان ۱۳۲۶ھ رویت ہلال کے متعلق ایک استفتاء۔ سوال (۶۰) جالندور ریاست نظام دکن میں بروز

جمعہ چاند نظر آیا، اور رمضان المبارک پہلی تاریخ شنبہ قرار پائی، اور شنبہ کے روز روزہ بھی رکھا گیا، ۲۹ رمضان المبارک روز شنبہ کچی یعنی (مہمن) کے دو ملازم کھانا پکایا، مولانا نے صرف چاند دیکھا، اور اس کی اطلاع قاضی صاحب صدر بازار کو دی، قاضی صاحب نے ان کا بیان لیا، اور اس کی تائید میں ایک مدینہ منورہ کا مہمن صاحبان نے پیش کیا کہ مدینہ منورہ میں چاند رمضان کا بروز شنبہ دیکھا گیا، اور جمعہ کے روز پہلا روزہ

رکھا گیا، اس لحاظ سے مدت یعنی ۳۰ رمضان ہے، یہاں (۳) سے آبادی ہے، صد بازار، جانہ قدیم وقادر آباد، اور اس روزا بر بھی نہ تھا، ان دونوں ملازموں کے سوا کسی نے نہ دیکھا اور قرب و حور سے آنے والے اور موٹر سے آنے والے صاحب سے معلوم ہوا کہ آج چاند نہیں دیکھا، یعنی بروز شنبہ ۲۹ رمضان و۔

الجواب؛ جب مطلع صاف تھا تو دو گواہ ہرگز کافی نہ تھے، اس حالت میں جن لوگوں نے روزہ نہیں رکھا، یا رکھ کر توڑ دیا، انھوں نے سخت غلطی کی اور قاضی صاحب نے جو فتویٰ دیا وہ صحیح نہیں ہے۔

سوال؛ قاضی صاحب نے اس واقعات کے معلوم ہونے کے بعد بھی تحصیلدار صاحب جانہ کے پاس خط مدینہ منورہ کا اور ان دو کا بیان پیش کیا، تحصیلدار صاحب نے منادی کرنے سے انکار کیا اور یہ کہا کہ گواہ عادل نہیں ہے، اور خط دور دراز مقام کا ہے، (۳۶) میں کے فاصلہ سے زائد ہے۔

الجواب؛ مطلع صاف ہونے کی حالت میں تو دو عادل بھی ہوتے تو قبول نہ کیا جاتا خط خود حجت نہیں ہے، اور فاصلہ زیادہ ہونا تو مضر نہیں لیکن جہاں سے بھی خبر آوے معتبر شاہدین کے ذریعہ آنا شرط ہے۔

سوال؛ قاضی صاحب صدر بازار نے خود روزہ توڑ دیا اور لوگوں سے کہا روزہ مت رکھو تقریباً دو سو یا تین سو حضرات نے روزہ توڑ دیا، جن لوگوں نے روزہ توڑ دیا، ان کو ایک روزہ رکھنا ہوگا یا ۶۰ روزے؟

الجواب؛ مطلع صاف ہوتے ہوئے کوئی وجہ شبہ کی نہ تھی، لیکن قاضی صاحب کے فتویٰ کی وجہ سے عوام کو ایک گونہ شبہ ہو جاتا ہے، اس لئے کفارہ واجب نہیں، فقط قضا رکھنا کافی ہے، ونظیرہ فی الدر المختار ر او احتجم فظن فطره به فاكل عدا، قضی وكفر، لانه ظن فی غیر محلہ حتی لو افتاه مقتی یعمد علی قوله او سمع حدیثاً ولم یعلم تاویلہ لم یكفر للشبهه وان اخطاء المفتی الخ والله اعلم۔

تار یا ٹیلیفون کے ذریعہ | سوال (۱۶) تار یا ٹیلیفون کے ذریعہ چاند کی اطلاع آوے رویت ہلال کی خبر معتبر نہیں تو اس کا اعتبار کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب؛ تار اور ٹیلیفون کی خبر معتبر نہیں ہے۔

سوال؛ خط کتنے میل سے آیا ہوا ہونا اس کا اعتبار اور قابل سند ہے؟

الجواب؛ میل کی کوئی تفصیل نہیں ہے، مگر یہ ضروری ہے کہ چند خط ہوں، اور ان کے لکھنے والے عادل ہوں، اور ان کا خط شناخت کر لیا ہو، اور جو خیر ان میں لکھی ہو وہ محض سنی سنائی بات نہ ہو بلکہ بختہ شاہدوں کی شہادت ہو۔

سوال؛ تار یا ٹیلیفون کے ذریعہ ریاست نظام حیدر آباد سے اطلاع آوے یا قرب و حور سے مقامی عہدہ دار منصف صاحب یا تحصیلدار صاحب کے، اور اس روزا بر نہ ہوا یا ابر ہو اور ابھی مدت ختم نہ ہوئی ہو تو کیا عمل کرنا چاہئے؟

الجواب؛ تار اور ٹیلیفون کا کسی حال میں اعتبار نہیں۔

رویت ہلال کے متعلق | سوال (۸) اگر منادی بجائے منجانب سرکار کہ آج عید ہے، کیا سرکاری فتاویٰ کا حکم روزہ توڑ دینا اور دوگانہ ادا کرنے جانا ہوگا؟

الجواب؛ اس کی بناء دیکھی جاوے، اگر شہادت معتبرہ کی وجہ سے منادی کی ہے تو عید کرنا لازم ہے، اور تار وغیرہ کی بناء پر منادی کر دی تو اس کا کچھ اعتبار نہیں، والہ اعلم۔
احقر عبدالکریم، ۹ شوال ۱۳۸۵ھ | الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ ۹ شوال ۱۳۸۵ھ
ثبوت رویت کے بارے میں | سوال (۹) بجواب استفتاء مسلمانان بیگانہ جملہ کاغذات

بایں تنقیحات کہ اُن تیس رمضان شنبہ کو مطلع صاف تھا یا نہیں واپس موصول ہوئے، جو ابانہ وغیرہ جملہ کاغذات واپس بھیج کر التماس ہے کہ جہاں تک ہمارا خیال ہے ۲۹ شعبان کو مطلع غبار آلود نہ تھا، اور نہ ہمارے شہر میں کسی کو رویت ہلال ہوئی، البتہ ۳۰ شعبان بروز جمعہ کو چاند دیکھ کر بالاتفاق تمام اہل شہر نے شنبہ سے روزہ رکھنا شروع کئے،

پھر ۲۹ رمضان المبارک شنبہ کو حالانکہ مطلع صاف تھا ہمارے یہاں کے مطابق چاند نظر نہ آیا، چنانچہ بختہ کو ہم نے چاند دیکھا، اور دو شنبہ کو نماز عید پڑھی، مگر ہمارے مخالفین نے بختہ ہی کو بغیر چاند دیکھے عید کر لی، ان کا استدلال یہ ہے کہ "اخبار زمیندار میں قاضی انب کا فتویٰ شائع ہوا تھا، کہ ہزارہ کے علاقہ میں روزے جمعہ سے شروع کیے گئے، مگر ہم نے اس استدلال کو نہیں تسلیم کیا، اور کہہ دیا کہ یہ اخبار کا فتویٰ ہے، ہم نہیں ماننے۔

ان کا دوسرا استدلال یہ ہے کہ "حافظ السین پیش امام مسجد علاقہ جیسلمیر میں اپنے دو مریدوں سے یہ سکر آیا ہے کہ جیسلمیر میں بھی چاند مبعرات کو دیکھا گیا تھا" مگر ہم نے

حافظ السین کے اس بیان پر بھی اپنے روزے موقوف نہیں کئے، اور کہا کہ ہمارے سامنے یہ بیان ایک شخص کا ہے، آج ہم عید نہیں مناتے، اس کے ساتھ ہی ساتھ ہم نے مزید اطمینان کے لئے ایک تاریخ نوی کفایت اللہ صاحب کو دیا تو جواب آیا کہ عید آج نہیں ہے، بلکہ ۳ مارچ شنبہ بروز پیر کو ہوگی، اب ہم کو کسی قدر اطمینان ہو گیا، ہم نے روزہ موقوف نہیں کیا، شام کو چاند دیکھ کر دو شنبہ کو عید کی۔

اب مخالفین تو یہ کہتے ہیں کہ ۲۹ رمضان کو مطلع غبار آلود تھا، ہم کہتے ہیں کہ نہیں، مطلع صاف تھا، ورنہ دہلی میں تو نظر آجاتا، وہاں بھی تو عید دو شنبہ کو ہوئی۔
دوسری تیغ سامی کہ بچھاسروالوں کا بیان متفقہ لکھو، اس کے جواب میں یہ گزارش ہے کہ بچھاسروالوں نے ہمارے ساتھ دو شنبہ کے دن نماز عید پڑھی ہے، ان کا چاند کے متعلق کوئی بیان نہیں گذرا، ورنہ ہم خود اسی روز کیوں نہ نماز ادا کرتے؟
اب حل طلب میں سوال نکلے۔

(۱) ایک تو یہ کہ حافظ السین کا اپنے دو مریدوں سے کسی گاؤں میں شکر آنا کہ وہاں جمعہ سے روزے رکھے گئے تھے ہمارے لئے شرعاً فطر کے لئے کافی تھا یا نہیں؟
جواب: کافی نہ تھا۔

سوال دوسرا یہ کہ فتویٰ قاضی انب مطبوعہ زمیندار کہ روزے موثق شہادت پر صحیح سے شروع کئے گئے ہیں، ہمارے لئے موجب فطر تھا یا نہیں؟
جواب: موجب فطر نہ تھا۔

سوال: اس وقت تک ہمارے صرف ۲۹ روزے ہوئے تھے، کیونکہ ہم اہل شہر نے شنبہ کو چاند دیکھ کر روزہ رکھا تھا، سوال کا چاند نیچر کو نظر نہیں آیا، تار سے دلی میں بھی عید نہ ہونا پایا گیا، پھر کیا ہم کو اپنے روزے ان وجوہ پر کھول دینے چاہئے تھے؟ لہذا استفسار ہے کہ ہمارا دو شنبہ کے دن عید کرنا صحیح تھا یا ہمارے مخالفین کا یک شنبہ کے دن کر لینا؟
جواب: آپ کا دو شنبہ کو عید کرنا صحیح ہوا، اور مخالفین کے دلائل اگر وہی ہیں جو اوپر مذکور ہیں تو ان کا یک شنبہ کو افطار کرنا غلط تھا۔

سوال: ہم دونوں میں سے برسرِ صحت و موقع ملامت شرعاً کون تھا؟
جواب: اوپر لکھ دیا گیا۔

سوال: قاضی صاحب انب نے یہ کیسے شائع کر دیا کہ موثق شرعی شہادت سے روزے جمعہ کو شروع کئے گئے ہیں، لہذا اتوار کو عید کر لو، حالانکہ دلی، لکھنؤ، دیوبند لاہور میں سب جگہ عید دو شنبہ کو ہی ہوئی ہے۔

الجواب: یہ سوال قاضی صاحب سے کیا جائے۔

سوال: اور ان شہروالوں نے قاضی انب کے فتویٰ کو کیوں نہیں تسلیم کیا ہے

الجواب: اس لئے کہ اس میں کتاب القاضی کے شرط تحقق نہ تھے۔

سوال: اور ان کو ایسا فتویٰ قبل از وقت شائع بھی کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: ہرگز نہیں، کیونکہ یہ کتاب القاضی کی صورت میں داخل نہیں ہو سکتا، جو حجت ہو

پھر بجز تشویش عوام کے اس سے کیا نفع تھا؟

سوال: مطبوعہ فتویٰ اخبارات کا واجب العمل ہے یا نہیں، اگر نہیں تو کیوں نہیں بدلائل

شرعیہ جواب مرحمت فرمایا جائے؟

الجواب: تحریر وہ معتبر ہے جو شاہد کی ہو، یعنی جس نے خود چاند دیکھا ہو اور خود

اس کے قلم کی ہو، اور اس تحریر کو بہت لوگ دثوق سے پہچانتے ہوں، یا قاضی کی دستخطی تحریر

ہو، جو کسی قاضی یا عالم کے نام ہو، اور اس میں قاضی نے شہود کا نام اور پتہ لکھ کر مع ان کے

بیان اور اپنے فیصلہ کے دستخط کے ساتھ تحریر کیا ہو، اور دو معتبر مسلم گواہوں کے ہاتھ اس

خط کو دو سر قاضی یا عالم کے پاس بھیجا ہو، جو اس کی گواہی دیں کہ یہ خط ہمارے سامنے قاضی

نے لکھا ہے، اور جس کے نام خط ہو وہ قاضی کی تحریر کو خوب پہچانتا ہو، ورنہ اس کی بھی

ضرورت ہوگی کہ دو گواہ مسلمان اس کی بھی شہادت دیں کہ ہمارے سامنے قاضی کے پاس شاہدوں

کا یہ بیان ہوا، اور اس پر قاضی نے یہ فیصلہ کیا، و ہذا کلمہ مذکور فی الہدایۃ وغیرہ فی کتاب القاضی

الی القاضی، چونکہ اخباری فتاویٰ اس شرط سے خالی ہوتے ہیں، اس لئے وہ حجت نہیں ہو سکتی

واللہ اعلم۔

نوٹ: یہ جواب تو اس امر کے متعلق تھا کہ عید کے موقع پر وجوہ مذکورہ سوال کی

بنا پر کس فرق کا عمل صحیح ہوا، لیکن اب مختلف و متعدد خبروں سے جو اس ایک مہینہ میں

موصول ہوئیں، اور استفسار کی حد کو پہنچ گئیں، یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں

نے رمضان جمعہ سے شروع نہیں کیا، وہ ایک روزہ رکھ لیں۔ ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۲۸ھ

سوال (۱۰) اگر رویت ہلال کی خبر مختلف مقامات سے ٹیلیفون کے ذریعہ آئے اور ٹیلیفون میں بولنے والے کی آواز کو وہ شخص شناخت بھی کرے کہ فلاں شخص بول رہا ہے، اور ٹیلیفون میں بولنے والے کی آواز کو وہ شخص شناخت کر سکتا ہے جس کو اس کا کام پڑتا ہے اور اس کا محاورہ ہے، اور اس شخص سے ٹیلیفون کی خبر کو ٹیلی گرام کی خبر سے زیادہ معتبر سمجھا جاتا ہے، اور پھرنے والے کو متفرق مقامات کی خبریں سننے سے اس کا طینان بھی ہو جائے کہ یہ خبریں سچی ہیں، اور ضرور جاننا ہو گیا ہے تو ایسی صورت میں ٹیلیفون کی خبر کا اعتبار کر کے روزہ رکھنے یا افطار کا شرعاً حکم دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: اس سوال کا جواب لکھنے سے پیشتر چند امور ضروریہ درج ہیں:۔
۱۔ جب مطلع ساف نہ ہو، یعنی جانہ نظر آنے کی جگہ ابر یا غبار وغیرہ ہو تو ہلال رمضان میں اصطلاحی شہادت شرط نہیں، بلکہ ایک عادل یا مستور الحال کی خبر رویت مقبول ہے، خواہ وہ خبر دہشتہ غلام یا عورت ہی ہو، فی الن والمختار روایت بلاد دعویٰ، بلا رلفظ اشہد، وبلا حکم ومجلس قضاء لاندہ خیر لا شہادۃ للمصوم مع عدلہ کتیم وغبار (خبر عدل) اور مستور علی ماہ صحیحہ البزازی علی خلاف ظاہر الروایۃ لا فاسق اتفاقاً وهل له ان یشہد مع عدلہ بفسقہ قال البزازی نعم لان القاضی رہبما قبلہ (ولو کان العدل رقداً وانثی ادمحد ودانی قذت تاب) بین لیسۃ التویۃ اولیٰ علی المذہب وتقبل شہادۃ واحد علی الآخر کعبید وانثی ولو علی مثلہما (شامی ص ۱۲۵ ج ۲)۔

۲۔ ہلال فطر میں شہادت اصطلاحیہ شرط ہے، اس لئے لفظ شہادت بھی ضروری ہے اور شاہد کا عادل ہونا بھی لازمی ہے، مستور الحال کی شہادت قابل قبول نہیں، نصاب شہادت بھی شرط ہے، یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں، نیز غلام و محدود فی القذت کا قول بھی اس باب میں معتبر نہیں فی الن (وشرط للفظ) مع العلة والعدول (نصاب الشہادۃ ولفظ اشہد) وعدم حد فی قذت لتعلق نفع العبد لکن (لا) تشترط (الدعویٰ) کما لا تشترط فی عتق الامۃ وطلاق الحرۃ (شامی ص ۱۲۶ ج ۲)۔

۳۔ چونکہ اخبار میں خط مقبول ہے اور شہادت میں مقبول نہیں، اس لئے ہلال فطر میں زبانی شہادت شرط ہے، خط غیر معتبر اور ناقابل قبول ہے، اور ہلال رمضان میں خط

بھی قابل قبول ہے، جبکہ اس کو بخوبی شناخت کر لیا ہو۔

۴۔ یہ سب احکام مذکورہ اس جگہ کے لئے مہرح موجود ہیں جہاں قاضی وغیرہ موجود ہوں اور جہاں اسلامی حکام نہ ہوں، چونکہ وہاں ادائے شہادت ممکن نہیں، لان من ارکانہا مجلس القضاء، اس لئے ایسی جگہ کے واسطے فقہائے کرام نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ ولو کانوا ببلدۃ الاحکام فیہا صاموا بقول ثقۃ وافطروا باخبار عدلین مع العلة للمضروۃ (در مختار) وقال العلامة الشامی تحت قوله الاحکام فیہا: ای لا قاضی ولا والیٰ کمافی الفتح وتحت قوله للمضروۃ: ای ضرورۃ عدم وجود حاکم یشہد عندہ، اس کے جزو اول یعنی صاموا بقول ثقۃ میں تو کوئی نامس نہیں، کیونکہ ہلال رمضان کی شہادت وجود حاکم کے وقت بھی خبر ہی کے حکم میں ہے، اور یہی حاکم اس کے لئے فی نفسہ شرط نہیں، بلکہ صرف انتظام کی وجہ سے حاکم کے ہاں بیان دینے کی ضرورت ہے، مگر جزو ثانی یعنی افطروا باخبار عدلین میں یہ سوال ہے کہ اس حالت میں ہلال فطر کی شہادت اخبار محض کے ساتھ ملحق ہو کر اس میں شہادت کے تمام شرائط علاوہ نصاب و عدالت غیر ضروری ہو گئے، یا سرت مجلس حاکم ہی کی شرط کو غیر ضروری قرار دیا گیا ہے، لفظ اخبار کے اطلاق سے توشیح اول مفہوم ہوتی ہے، مگر جو علت بیان کی گئی ہے اس سے توشیح ثانی متبادری ہے، کیونکہ عدم حاکم کی وجہ سے صرف اسی کی ضرورت پیدا ہوئی ہے کہ مجلس قضا کی شرط کو اٹھا دیا جائے، اور بقیہ شرائط کے ارتفاع کی کوئی ضرورت نہیں، لہذا ان کو بحال رکھا جائے گا، اور البحر الرائق میں ہے: فی شرط فیہ ما یشترط فی سائر حقوقہم من العدۃ والحرۃ والعد و عدم الحد فی قذت ولفظ الشہادۃ والدعویٰ علی خلاف فیہ ان امکن ذلك والا فقد تقدم انہم لو كانوا فی بلدۃ لا قاضی فیہا ولا والیٰ فان الناس یصومون بقول الثقۃ ویفطرون باخبار عدلین للمضروۃ۔ اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ حاکم نہ ہونے کی صورت میں جو شرط غیر ممکن ہوگی ہے صرف وہی مرتفع ہوگی، یعنی دعویٰ اور لفظ شہادت اور بقیہ شرائط پر کوئی اثر نہ پڑے گا، اور قواعد سے یہ توشیح ثانی ظاہر راجح معلوم ہوتی ہے، مگر ہنوز اس میں شرح صدر نہیں ہوا، اس لئے علماء کرام سے مراجعت کر لی جاوے۔

۵۔ خط کے متعلق جو تفصیل ۳ میں گذر چکی ہے جہاں حاکم نہ ہو وہاں غیر حاکم کو

بھی اسی تفصیل کا پابند ہونا ضروری ہے، کما لایحییٰ، پس ہلالِ رمضان میں خط کو بشرطِ شناخت قبول کیا جائے گا، اور شناخت میں شبہ ہو تو بالکل غیر معتبر ہے، اور ہلالِ فطر میں جس طرح حکم خط کو قبول نہیں کر سکتا اسی طرح غیر حکم بھی قبول نہیں کر سکتا، خواہ اس کے جزو ثانی میں شق اول کو لیا جاوے، (یعنی ہلالِ فطر کی شہادت کو عدم الحاکم کے وقت تمام شرائط میں اخبار کے ساتھ ملحق کیا جاوے) خواہ شقِ ثانی کو یعنی عدم الحاکم کے وقت مجلسِ قضا کے علاوہ بقیہ شرائط میں شہادت کا حکم رکھا جاوے، ہر دو شق کا ایک ہی حکم ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ شقِ ثانی اختیار کرنے کی صورت میں تو خط کے عدمِ قبول کا حکم اصلی ہوگا، اور شقِ اول اختیار کی جاوے تو فی نفسہ قبولِ خط کی گنجائش ہے، بشرطِ شناخت، مگر عام بے احتیاطی پر نظر کر کے علی الاطلاق عدمِ قبول ہی کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔

۱۷، ٹیلیفون گواہی کی اصل کے اعتبار سے خط کے مثل ہے، لان النغمۃ یشبہ النغمۃ کما ان الخط یشبہ الخط، لیکن غور کیا جائے تو اس میں خط سے زیادہ اشتباہ ہے، کیونکہ خط میں مکرر نظر کر کے بخوبی شناخت کا موقع ملتا ہے، اور ٹیلیفون میں قلتِ وقت کی وجہ سے مکرر غور کی نوبت نہیں آسکتی، نیز خط کو دوسرے لوگ بھی دیکھ سکتے ہیں، اور ٹیلیفون کو صرف سننے والا ہوتا ہے، اس واسطے اس کی خبر میں خط سے بھی زیادہ احتمال ہے۔ ان امور مندرجہ بالا سے بخوبی واضح ہو گیا کہ اگر ٹیلیفون میں آواز کی بخوبی شناخت نہ ہو تب تو وہ بالکل ہی قابلِ التفات نہیں، اور اگر بخوبی شناخت ہو جائے تو ہلالِ فطر میں اس وقت بھی قابلِ قبول نہیں، اور ہلالِ رمضان میں بخوبی شناخت کے بعد فی نفسہ قبول کی گنجائش ہو سکتی ہے، لیکن عام طور پر لوگوں کی بے احتیاطی کا غالب اندیشہ ہے، اس میں بھی عدمِ قبول ہی کا فتویٰ دیا جاتا ہے، واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

تنبیہ :- آجکل روایتِ ہلال کے بارے میں یہ بھی کوتاہی کی جاتی ہے کہ قسم کی خبر کو معتبر سمجھ لیتے ہیں، اس کا امتیاز نہیں کرتے، کہ یہ شہادت ہے یا شہادت علی الشہادت یا مجرد حکایت، حالانکہ اس میں تفصیل طویل ہے، لہذا ضروری ہے کہ تفصیل معلوم کر لی جاوے، فقط کتبہ الاحقر عبید الکریم عفی عنہ۔ ۲۵ شعبان ۱۳۵۴ھ۔
الجواب عندی صحیح۔ اشرف علی یحییٰ رمضان ۱۳۵۴ھ۔

فصل فیما یفسد الصوم وما یکرہ للصائم

روزہ کی حالت میں سفوفِ تمباکو مرکب برآمد رقی نار حیل یا نخل تمباکو منہ میں رکھنا صائم کو استعمال کرنا بالاحتیاط اور بغیر احتیاط اور دو تین منٹ کے بعد کلی کرنا جائز ہے یا نہیں، اور حلق کے نیچے یقیناً نہیں اترتا ہے احتیاط کی صورت میں؟

الجواب؛ قال فی العالمگیریۃ ولومس الہلیلم، ذن خل البزاق حلقہ لم یفسد ما لم یدخل عینہ کذا فی الظہیریۃ ۱۷ ص ۱۳۱ ج ۱۔
اس سے معلوم ہوا کہ سفوفِ تمباکو مرکب کا اس طرح دانٹوں میں استعمال کرنا کہ حلق سے نیچے یقیناً نہ اترے، مفسدِ صوم نہیں، اور اگر ذرا سا بھی حلق سے نیچے اتر جائے گا تو روزہ فاسد ہے، اور اس سفوف کا استعمال بحالتِ صوم بلا ضرورت مکروہ ہے، لما فیہ من تعریض الصوم للفساد ولا یصح قیاسہ علی السواک لاقہ ثبت بالمستند علی خلاف القیاس ولا علی العلق لکونہ ملتئم الاحوا دون السفوف کذا قال الشیخ مدظلہ، اور ضرورت بعد مغرب کے استعمال کرنے سے بھی رفع ہو سکتی ہے، ۲۲ رمضان ۱۳۵۴ھ۔

ادخال مہائے بوا سیری | سوال (۲) بچپن برس سے زائد زید کے بوا سیری سے ہیں بیدِ مبلولہ در صوم | وقتِ رفع حاجت باہر آجاتے ہیں، ان کو پانی سے دھو کر کپڑے وغیرہ سے خشک کرتا ہے تو بوجہ جلن ہوتی ہے، قبض سخت ہو جاتا اور خون تک آجاتا ہے، صرف پانی سے دھو کر تر گیلے آہستہ آہستہ اندر کو چڑھا دیتا ہے، تو تکلیف نہیں ہوتی، زید ہمیشہ بفضلہ تعالیٰ رمضان شریف کے باقی ہر ماہ نفلِ روزہ بھی رکھتا ہے، حال میں اس کو معلوم ہوا کہ تر گیلے سے اندر چڑھ جانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے قضا لازم آتی ہے اب ایسی صورت میں بچپن برس سے زائد روزوں کا وہ کیا کرے، اور آئندہ روزہ کس طرح رکھے، تکلیف کی وجہ سے اس کو بوجہ عذر سے اندر گیلے تر چڑھانا کس طرح چاہئے، اور روزہ کس طرح رکھنا چاہئے؟ فدیہ کی بھی اس قدر میں قوت نہیں ہے۔

الجواب؛ قال فی التدر ولو بالغ فی الاستنجاء حتی یلم موضع الحقنۃ

فسد وهذا قلما يكثر ولو كان فيورث داءً عظيماً اه قال الشامي ثم في بعض نسخ
المحققه بالميم وهي اولى قال في الفتح والحر الذي يتعلق بالوديل اليه
الفساد قدر المحقنه ام اى قدر ما يصل اليه راس المحقنه التي هي الية
الاحتقان وعلى الاقول فالمراد الموضع الذي ينصب منه الدواء الى الامعاء
اه (ج ۱۵ ص ۲) قلت وشور البواسير التي تخرج وقت الاستنجاء انما تكون
داخلة قدر الاصبع والقدر الذي يصل اليه رأس المحقنه هو خمسة اصابع
الى ستة لا يكون اقل من ذلك كما افاده الطيب الحاذق القاضى بشير الد
الكنوى فالبلية الكامنة على تلك البثور لا تبلغ قدر المحقنه اصلاً فلزم
القول بعدم فساد الصوم بتلك البلية والله اعلم وقول الدر ولو الاصبح
مبتلة فسد قيد الشامي بما لو ادخل الاصبع الى موضع المحقنه (ص ۱۵)
عبارات در مختار اور شامي اور فتح القدير سے معلوم ہوا کہ استنجہ میں تری کا اندر پہنچنا
جب مفسدِ صوم ہے کہ تری قدر محقنه پر پہنچ جائے اس سے کم مقدار میں اندر تری پہنچنا
مفسد نہیں، اور ہم کو طیب حاذق کے قول سے جن پر ہم کو اعتماد وثوق ہے معلوم ہوا
ہے کہ حالت احتقان میں رأس محقنه پانچ چھ انگل اندر پہنچا جاتا ہے، تب احتقان
ہو سکتا ہے، اس سے کم میں نہیں، اور بواسیری سے اتنے اندر نہیں ہوتے بلکہ ایک
دو انگل اندر ہوتے ہیں، تو ان پر تری کا لگا رہنا اور اسی حالت سے اندر پہنچنا قدر
محقنه تک تری پہنچنے کو مستلزم نہ ہوگا، لہذا اس حالت میں روزہ بھی فاسد نہ ہوگا،
باقی احتیاط یہ ہے کہ ایسا مریض حتی الامکان جس قدر تری کو بلا مشقت خشک کر کے سے
اندر کر سکتا ہو اس کے خشک کرنے میں کوتاہی نہ کرے، باقی مسوں کے خشک کرنے میں
مبالغہ کی ضرورت نہیں، قال في مراقي الفلاح او ادخل اصبعه مبلولة بماء
او دهن في دبره او استنجي فوصل الماء الى داخل دبره او فرجها الداخل
بالمبالغة فيه والحد الفاصل الذي يتعلق بالوصول اليه الفساد قدر
المحقنه اه قال الطحطاوى اى قدر ما تاخذ من المحل الذي تصل
اليه (ص ۳۹۳ و ۳۹۴) وفي الدر اوبقى بلل في فيه بعد المضمضة او
ابتلع مع الريق اه قال الشامي وينبغي اشتراط البصق بعد هجم الماء للاختلاط

۱۰

الماء بالبصاق فلا يخرج بسجود المبح نعم لا يشترط المبالغة في البصق لان البصق
بعد سجود بلل ورطه يده لا يمكن التحرز عنه اه (ص ۱۵ ج ۲) والله اعلم
۲ ذيقعد ۵ سنه ۲۳

طاعوني طيكة لكونا مفسد صوم بربا نہیں | سوال (۳) روزہ کی حالت میں ٹیکہ لگو انا کیسای
ٹیکہ لگانے سے روزہ جاتا رہتا ہے یا نہیں، تحریر فرمائیں؟

الجواب؛ قال في الدر اواقطر في احليله ماء او دهنا وان وصل الى
المثانة على المن ذهب اى لا يفسد ۱۲ واما في قبلها فمفسد اجماعاً لانه كالمحقنه
اه قال الشامي على المذهب اى قول ابى حنيفة ومحمد معه في الاظہر وہ
قال ابو يوسف يفطر والاختلاف مبنى على انه هل بين المثانة والجوف منفذ
اولا وهو ليس باختلاف على التحقيق والاظهار انه لا منفذ له كذا يقول اطباء
زيلعي وافاد انه لو لم يبق في قصبه الذكر لا يفسد اتفاقاً لان العلة من الجبين
الوصول الى الجوف وعد منه بناء على وجود المنفذ وعد منه لكن هذا يقتضى
عدم الفساد في حثوالد برو فرجها الداخل ولا مخلص الا باثبات ان المنفذ
فيهما تجذب به الطبيعة فلا يعود الامع الخارج المعتاد وتسامه في الفتح،
قلت الاقرب التخلص بان الذبر والفرج الداخل من الجوف اذلا حيز
بينهما وبينه فهما في حكمه والضم والافت وان لم يكن بينهما وبين الجوف
حاجز الا ان الشارع اعتبرهما في الصوم من الخارج وهذا بخلاف قصبه
الذكر فان المثانة لا منفذ لهما على قولهما اه (ص ۱۶ ج ۲) -

وفي الدر ايضا او اکتحل او ادهن وان وجد طعمه في حلقه اه قال
الشامي اى طعم الكحل او الدهن وكذا الويزق فوجد لونه في الاصح بحر
قال في النهر لان الموجود في حلقه اثر داخل من المسام الذي هو خلل البید
والمفطر انما هو الداخل من المنافذ اه (ص ۱۵ ج ۲) وفي الكنز وان احتقن
او استعطا واقطر في اذنه او وادى جائفة او آمة بدواء وصل الدواء
الى جوفه او دماغه افطر اه وكن اهر في اكثر المتون قال الشامي الجائفة الطفة
التي بلغت الجوف او نفذته والامة من امته بالعصا اذا ضربت رأسه

وهي الجلدة التي تجمع الدماغ قال في البحر والتحقيق ان بين جوف الرأس وجوف المعدة منفذاً أصلياً فما وصل الى جوف الرأس يصل الى جوف البطن (ص ۱۶۳ ج ۲) وفي البدائع وما وصل الى الجوف او الى الدماغ من المخارق الاصلية كالافت والاذن والدبر بان استعطوا واحتقنوا قطر في اذنه فوصل الى الجوف او الى الدماغ فسد صومه اما اذا وصل الى الجوف فلا شك فيه لوجود الاكل من حيث الصورة وكذا اذا وصل الى الدماغ لان له منفذاً الى الجوف فكان بمنزلة زاوية من زوايا الجوف وقد روى عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال للقطب بن صبرة بالغ في المضمضة والاستنشاق الا ان تكون صائماً ومعلوم ان استثناء حالة الصوم للاحتراز عن فساد الصوم والالم يكن للاستثناء معنى واما ما وصل الى الجوف او الى الدماغ عن غير المخارق الاصلية بان داوى الجائفة والامة فان داواها بدواء يابس لا يفسد لانه لم يصل الى الجوف ولا الى الدماغ ولو علم انه وصل يفسد في قول ابى حنيفة وان داواها بدواء رطب يفسد عند ابى حنيفة وعندهما لا يفسد هما اعتباراً للمخارق الاصلية لان الوصول الى الجوف من المخارق الاصلية متيقن به ومن غيرها مشكوك فيه فلا تحكم بالفساد مع الشك، ولا ابى حنيفة ان الدواء اذا كان رطباً فالظاهر هو الوصول الى الجوف فيسبى الحكم على الظاهر، واما الاقطار في الاحليل فلا يفسد عند ابى حنيفة وعندهما يفسد، قيل ان الاختلاف بينهما بناء على امر خفي وهو كيفية خروج البول من الاحليل فعندهما ان خروجه منه لان له منفذاً فاذا قطر فيه يصل الى الجوف كالاقطار في الاذن وعند ابى حنيفة ان خروج البول منه من طريق الترشح كترشح الماء من الخزف الجديد فلا يصل بالاقطار فيه الى الجوف والظاهر ان البول يخرج منه خروج الشيء من منفذ كما قال، وروى الحسن عن ابى حنيفة مثل قوله هذا وعلى هذه الرواية اعتمد استاذي، واما الاقطار في قبل المرعة فقد قال مشائخنا انه يفسد صومها

عنه قلت حديث صحيح صححه ابن القفطان كما في الاستدراك الحسن ۱۲ منه

بالاجماع لان لمثانتهما منفذاً فيصل الى الجوف كالاقطار في الاذن ادباً
ان عبارات سے چند مقدمات مہتمد ہوئے :-
(۱) جو چیز جوف کی طرف بدون منفذ کے پہنچے وہ مفطر نہیں، ودلیلہ مسئلہ الاکتال وغیرہ
(۲) افطار کا مدار دخول من المنفذ پر ہے، صاحبین کے نزدیک تو منافذ اصلیه سے دخول شرط ہے، اور امام صاحب کے نزدیک منافذ اصلیه کے سوا دوسرے منافذ سے بھی دخول مفطر ہے
(۳) منفذ سے مراد یہ ہے کہ دماغ یا جوف تک بلا واسطہ عروق کے رہتے ہو جائے چنانچہ مخارق غیر اصلیه کی مثال میں جائفہ اور آئمہ کا بیان کرنا اس کی دلیل ہے تمام متون و مشروح میں مخارق غیر اصلیه میں امام و صاحبین کے اختلاف کو جائفہ اور آئمہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر جراحت جائفہ اور آئمہ کی حد تک نہ پہنچے، اور جوف و دماغ تک بلا واسطہ منفذ نہ ہو تو امام صاحب کے نزدیک بھی اس کے ذریعہ سے وصول مفطر نہیں، لان المفطر انما هو الداخل من المنافذ۔

اور صاحب بدائع نے امام صاحب کی طرف سے جو دلیل بیان کی ہے وہ اس پر صاف دلالت کر رہی ہے، وہ قول ابی حنيفة ان الدواء اذا كان رطباً فالظاهر هو الوصول الى الجوف المتخذ الى الجوف اس سے معلوم ہوا کہ جائفہ اور آئمہ میں دوا پر رطب کا استعمال اسی لئے مفطر ہے کہ اس صورت میں دخول الى الجوف منفذ سے ہو رہا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہاں منفذ سے وہ راستہ مراد ہے جو بلا واسطہ جوف سے متصل ہے نہ کہ بلا واسطہ عروق کے، ورنہ امام صاحب اقطار في الاحليل میں صاحبین کے خلاف نہ کرتے، کیونکہ گویا وہاں منفذ بلا واسطہ نہ ہو مگر منفذ بلا واسطہ تو یقیناً ہے، جس سے ترشح بول بمقدار کثیر ہوتا ہے، مگر اس کو امام صاحب منفذ نہیں مانتے، پس معلوم ہوا کہ امام صاحب مخارق اصلیه کے سوا دیگر مخارق کو بحکم مخارق اصلیه اس وقت مانتے ہیں جبکہ وہ مخارق اصلیه کی طرح بلا واسطہ جوف و دماغ تک متصل ہوں۔

اس تمہید کے بعد طاعونی ٹیکہ کا حکم ظاہر ہے، کہ وہ مفطر صوم نہیں، کیونکہ جس مقام پر وہ لگایا جاتا ہے وہاں سے جوف و دماغ تک منفذ نہیں، اور اگر منفذ ہو بھی تو بلا واسطہ نہیں بلکہ بلا واسطہ عروق کے ہے، پس اس سے دوا کا جوف میں وصول ایسا ہی ہوگا جیسا کہ احلیل سے جوف میں دوا کا اثر ہوتا ہے، کہ وہ بھی بلا منفذ ہے، اور عروق

کے واسطے سے ہے، علاوہ ازیں طاعونی ٹیکہ میں دوا کے چند قطرات ہوتے ہیں جو اول بازو کے خون میں پہنچتے ہیں، پھر اس خون کے دوران سے بقیہ جسم کے خون میں پہنچتے ہیں، اسی طرح اگر کچھ خون اس دوا کا اثر لئے ہوئے جوت میں بھی پہنچتا ہو تو اس سے افطار کیونکر ہو سکتا ہے، کیونکہ اس وقت وہ جوت میں تلاشی کے بعد پہنچتا ہے، کما اذا مضغ العلك والبسم ثم ابتلعہ، نیز ہم کو ایک طبیب سے معلوم ہوا کہ ٹیکہ کی دوا جوت میں نہیں پہنچتی بلکہ صرف عروق جسم میں سرایت کرتی ہے، مگر اس پر مدار فتویٰ نہیں، بلکہ مدار پہلی دسیلوں پر ہے اس کو محض تائید کے درجہ میں لکھ دیا گیا، واللہ اعلم۔

حرره الاحقر ظفر احمد عفا عنه نعم التحقیق بالقبول المحقق

۲۱ سوال ۱۳۴۳ھ کتبہ اشرف علی، ۲۲ سوال ۱۳۴۳ھ

بعد افطار اندام نہانی میں کوئی دوا بحالت صوم باقی رہے تو روزہ پر اس کا کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟ سوال (۴) اس امر کا تو ہدایہ سے پتہ چل گیا کہ آقبال نساء میں اگر دوا ٹپکانی جاوے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، مگر یہ اس سے بھی نہ معلوم ہوا کہ بعد افطار اگر کوئی ذمی حکم دوا میں رکھدی جاوے اور وہ بحالت صوم بھی باقی رہے تو روزہ پر اس کا کیا اثر ہوگا اسی امر کے معلوم ہونے کی ضرورت ہے؟

الجواب؛ او ادخل قطنه او خرقة او خشبة او حجراً فی دبره او ادخلته فی فرجها الداخل وغیرہا لانہ تم الدخول بخلاف ما لو بقی طرفه خارجاً لان عدم الدخول لعدم دخول شیء بالمرة اه (ص ۳۹۴ مراقی الفلاح) بعد افطار کے جو شے داخل کی جائے خواہ تیز یا خشک اس کے بقاء بحال صوم سے تو فطر کا کچھ شبہ نہیں، اسی لئے فقہاء نے اس سے تعرض نہیں کیا، اس صورت میں روزہ صحیح ہے، اور خشک چیز کا تو بحال صوم رکھنا بھی اُس وقت موجب فطر ہے، جبکہ پوری اندر ہو، اور اگر کچھ حصہ باہر فرج نہ بچ میں نکلا ہے تو مقطر نہیں، اللہ اعلم۔

طاعونی ٹیکہ اور فصد لگوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا سوال (۵) رمضان میں ٹیکہ لگانا یا فصد کرنا یا بذریعہ آلہ دوا بازو میں پہنچانا جیسا کہ اس تواج میں اب ڈاکٹر لوگ بوجہ ہلیک سے کرتے ہیں، روزہ میں نقصان کرے گا یا نہیں، اللہ سے امید ہے کہ حضور تسلی بخش جواب دے کر مشکور فرمادیں گے؟

الجواب؛ طاعونی ٹیکہ یا چچک کا ٹیکہ یا فصد لگوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

۲۱ رمضان ۱۳۴۳ھ

صوم معذور حکم سوال (۶) زید کا دماغ یا پھیپھڑا یا مسوڑھوں کے پھول جلنے یا دانتوں کے پلنے کے سبب منہ کے راہ خون آنا رہتا ہے، یہاں تک کہ سانس کے ذریعے فرد حلق بھی جاگتے سوتے ہوتا ہے، ایسی حالت میں اگر زید روزے رکھے تو اس کا روزہ ادا ہو گا یا نہیں، اگر روزہ اس کا اس سبب سے نہیں ادا ہوتا ہے تو برے ان روزوں کے زید کو شرعاً کیا کرنا چاہئے؟ بینوا بالکتاب تو جروا بالصواب۔

الجواب؛ جس شخص کے دانتوں میں سے اکثر خون آتا رہتا ہو، اور بلا اختیار جاگتے ہوتے یا سوتے ہوتے حلق میں بھی داخل ہو جائے اس کا حکم کسی جگہ صریح نہیں ملا، مگر علامہ شامی نے اتنا لکھا کہ: ومن هذا يعلم حکم من قلع ضرسه فی رمضان ودخل الدم الی جوفه فی النهار ولوناً ثماً فیجب علیه القضاء الا ان یفرق بعدم امکان التحرر عنه فیکون کالقیء الذی عاد ینفسه فلیراجع، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کے روزہ کو صحیح کہنے کی گنجائش ہے، اور اگر شامی کی عبارت ذیل پر نظر کی جاوے تو اور بھی زیادہ گنجائش معلوم ہوتی ہے، (قوله ولم یسل الی جوفه) ظاہر اطلاق المتن انه لا یفطر وان کان الدم غالباً علی الریق و صححه فی الوجیز کما فی السراج وقال وجہ انه لا یمن الاحتراز عنہ عادتاً فصار بمنزلة ما بین اسنانه الی، پس صاحب وجیز بدون مرض بھی دم خارج من بین الاسنان کو غیر ممکن الاحتراز قرار دے کر موجب فساد قرار نہیں دیتے، تو حالت مذکورہ فی السؤال میں تو بدرجہ اولیٰ دخول دم فی الجوف کو غیر مفسد کہیں گے، جس میں احتراز کا عدم امکان مسلم ہے، واللہ اعلم۔

هد آیت ضروری :- چونکہ یہ مسئلہ قیاس سے لکھا گیا، اس واسطے دوسرے

۱۱ رجب ۱۳۵۲ھ

علماء کو دکھالینا ضروری ہے۔

سوال (۷) حالت روزہ میں قرآن مجید پڑھتے وقت نزدیک عود اور اگر بتی کا دھواں حلق میں جانے سے روزہ عود اور اگر بتی جلائی جکے اور اس سے دھواں حلق میں جائے فاسد ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اور روزہ فاسد ہو گا یا نہیں؟

الجواب؛ اس صورت میں تو روزہ فاسد نہیں، ہاں، اگر ہتی کو پاس رکھ کر اس کے دھوس کو سونگھا جائے، اور حلق میں داخل کیا جائے، تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔
 قال فی الدرر (ص ۱۵۶ ج ۲): اور دخل حلقہ غبار او ذباب او دخان ولو ذکراً استحساناً لعدم امکان التحرز عنہ ومفادہ انہ لو ادخل حلقہ الدخان افطرای خاناً کان اعوداً او عنبراً قال الشامی حتی لو تجر بجور فاواه الی نفسه واستمه ذکراً الصومہ افطرا قلت فیود الفقہ احترازیة فلو تجر ولم یؤده الی نفسه ولم یشمه لم یفطر فان ذلك من حوال الدخا لا من ادخاله۔ والله اعلم
 خلاصہ یہ کہ دھوس کو پاس رکھ کر سونگھا جائے، دور رکھ کر بیٹھا جائے اور خوشبو آتی رہے تو مضائقہ نہیں، ۲۰ محرم ۱۳۲۵ھ۔

فصل فی القضاء والکفارة

مسافر اگر روزہ افطار کرے | سوال (۱) مسافر در سفر بوجود قصر روزہ رمضان روزہ تو کفارہ نہیں ہنہا پس میان نیر روزان روزہ ہنہا و راعماً افطار ساخت آیا کفارہ واجب گرد یا قضا؟

الجواب؛ وللمسافر الذی انشأ السفر قبل طلوع الفجر اذا لا یباح له الفطر بانشاءه بعد ما أصبح صائماً قال الطحطاوی لکن اذا افطرا کفارة علیہ، نوراً لا یضخ مع الطحطاوی، اس سے معلوم ہوا کہ مسافر افطار کرے تو کفارہ نہیں۔ ۲۹ رذیقہ ۱۳۲۵ھ۔

کفارة صیام میں بہت بوڑھے اور | سوال (۲) بہشتی زیور میں روزہ کے کفارہ بڑھ گیا تو کھلانا جائز ہے یا نہیں؟ کے لئے ساتھ مسکینوں کو کھلانے کے متعلق لکھا ہے، اگر بعض بالکل چوٹے بچے ہوں تو جائز نہیں، سوال یہ ہے کہ اگر بالکل بوڑھا بوڑھی ہوں تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب؛ بہت بوڑھا اور بوڑھی کو کفارہ میں کھلانا جائز ہے، قال فی المہد ایتہ فان غداہم وعشاہم جائز قلیلاً کان ما اکلوا او کثیراً اھ قال صاحب النہایۃ لان المعتبر هو الشبع لا المقدار اھ وقال الشامی عن البحر والمنج بولکان فیمن اطعمہم صبی فطیم لم یجزہ لانه لا یستوفی

کما سلا ام و ذ، الثانی خانیا، اذا دعا ساکین واحد هم صبی فطیم او فوق ذلك لا یجزئہ کذا ذکر فی الاصل و فی المجرى اذا کانوا غلما نایعتد مثلہم یجزواھ وبہ ظہر الصنائ ان المراد بالفطیم و غیر المراهق من لا یستوفی الطعام المعتاد و فیہ ایضاً ولو کان فیہم شبعان قبل الاکل او صبی لم یجزاھ (ص ۹۵۹ و ۹۶۰ ج ۲) قلت والکبیر والکبیرۃ من یستوفی الطعام اعادة وخلافہ نادر، والله اعلم۔

مورخہ ۲ ربيع الثاني سنہ ۱۳۲۵ھ

حکم نیت کفارة رمضان بالتعلیق | سوال (۳) ایک شخص نے رات کو کفارة صوم کی نیت اس طرح کی کہ اگر کل کو یہ محقق ہو گیا کہ شروع ماہ سے روزہ شروع کرنے سے ساٹھ روزہ پورے کرنے نہ پڑیں گے، بلکہ دو مہینہ کار روزے رکھنا کافی ہو جائے گا، نیز شیخ نے بھی روزہ رکھنے کی اجازت دیدی تو کل کو میں ضرور کفارة کار روزہ رکھوں گا، اس طرح نیت درست ہوتی یا نہیں؟

الجواب؛ اس صورت میں نیت صحیح نہیں ہوتی، کیونکہ جسرم نہیں پایا گیا بلکہ نیت معلق ہے، اور تعلیق کے ساتھ نیت قضاء و کفارات صحیح نہیں ہوتی، قال فی مراقی الفلاح: واما القسم الثانی وهو ما یشترط لہ تعین النیۃ وتبیتہا فہو قضاء رمضان وقضاء ما افسدہ من نفل وصوم الکفارات بانواعها الی ان قال: ولا تبطل النیۃ بقولہ: اصوم غدا ان شاء الله تعالى لانه بمعنی الاستعانة و طلب التوفیق الا ان یرید حقیقۃ الاستثناء اھ قال الطحطاوی: والتعلیل یفید ان المشیئة لا تبطل مطلقاً ولو قصد حقیقۃ (ای لکونہ بمعنی الاستعانة) ولکن تکلام المؤلف وجہ و ہوانہ اذا قصد التعلیق کان غیر حازم بالنیۃ وهو ظاہر والله تعالى اعلم، (ص ۳۷۶)۔

کفارة صوم میں رمضان اور | سوال (۴) اگر رجب کی یکم کو کفارة رمضان کار روزہ عید الفطر مبطل رہتا ہے شروع نہ کر سکا، تو اب اگر یہ شخص ۲ رجب سے صیام کفارہ کو شروع کرے تو درمیان میں رمضان و عید الفطر کے واقع ہونے سے متتابع باطل تو نہ ہوگا، یا باطل ہو جائے گا، اور اس کو از سہر نواستینات کرنا ہوگا؟
 الجواب؛ صورت مسئلہ میں رمضان و عید الفطر کا توسط مبطل متتابع ہے،

بعد رمضان کے پھر ساٹھ روزے از سر نو رکھنے پڑیں گے، قال فی الـ رمضان شہتر
متنا بعین ولو ثمانیۃ وخمیسین یوماً بالہلال والافستین یوماً لیس فیہما
رمضان وایام بھی عن صومہا وذن اکل صوم شرط فیہ التتابع فان افطر بعین
کسفر ونفاس بخلاف الحیض او بغیرہ او وطہما المظاہر استأفت الصوم ۱۰
ر ص ۹۵۶ و ۹۵۷ ج ۲) واللہ اعلم، غرة رجب، س ۲۵۔

نذر روزے اگر کسی عذر مثلاً | سوال (۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین کہ
بیماری کی وجہ سے نہ رکھ سکے تو ایک آدمی نے نذر کی ہے کہ اے اللہ تعالیٰ میری بلا و مصیبت
کتنا کفارہ لازم ہوگا | اگر دور ہو جائے تو میں تیرے واسطے ہر جانہ میں یعنی ہر مہینہ
میں پانچ پانچ روزے رکھوں گا اب وہ بلا و مصیبت دور ہو گئی ہے، اب وہ شخص ہر مہینہ
میں روزے رکھے یا نہیں؟ اور اس کے اوپر عمر بھر کے روزے رکھنا واجب ہے یا نہیں؟
اگر واجب ہو گیا تو اگر یہ روزہ ادا نہ کرے تو کفارہ دینے سے عمر بھر کے روزے ادا
ہوں گے یا نہیں، اگر ادا ہو جائیں تو کتنا کفارہ دینے سے ادا ہوگا، یعنی کیا چیز دے گا اور
یہ شخص بیماری کی وجہ سے لاچار ہے، لہذا فتویٰ منگوا یا جاتا ہے؟

الجواب؛ جب یہ شخص بیماری کی وجہ سے روزہ رکھنے سے عاجز ہے تو اس کو
چاہئے کہ ہر ماہ میں پانچ روزوں کا فدیہ دیدیا کرے، یعنی ہر روزے کے عوض سترہ فطر
کے برابر گہوں وغیرہ دیدے، یا ایک مسکین کو پیٹ بھر کر دو وقت کھانا کھلاوے، کافی
العالمگیریہ ر ص ۱۳۵، ولو اخر القضاہ حتی صار شیخاً فانیاً وکان النذر
بصیام الابد فعجز لذلک او باشتغاله بالمعیشتہ لکون صناعتہ شاقۃ
لہ ان یفطر ویطعم لکل یوم مسکینا علی ما تقدم ام وفيہ ایضاً ص ۱۳۳
فالشیخ الفانی الذی لا یقدر علی الصیام یفطر ویطعم لکل یوم مسکیناً کما
یطعم فی الکفارۃ، وفي المجلد الثانی منہ ر ص ۱۵۱، فان غداہم وعشاہم
واشبعہم جاز سواہ حصل الشبع بالقلیل او الکثیر، کذا فی شرح النقایۃ
لابی المکارم، ۲۸ جمادی الاول س ۱۵۔

استفتاء متعلق کفارہ صوم | سوال (۶) ایک عرض ہے کہ عید الضحیٰ کی تعطیل میں حقیر
جناب کا قدم برس ہوا تھا، جناب سے اپنے توڑے ہوئے روزوں کے متعلق دریافت

کیا تھا، آنحضرت نے فرمایا تھا کہ اقصر ایام شتاء میں کفارہ ادا کیجیو، سواب سردی کا زمانہ آ گیا ہے
اور احقر کا ارادہ ہے کہ ۱۵ جمادی الاول سے روزے شروع کر دوں، اول تو جناب والاسے دو با
اجازت چاہتا ہوں، دوسرے یہ کہ ۱۵ رجب تک رکھنے چاہئیں یا ۱۵ جمادی الاول سے شمار
کر کے ۶۰ روزے رکھنے چاہئیں؟ تیسرے یہ کہ اگر کسی رات کو نیت کرنی بھول جاؤں یا صحیح صائم
کے بعد آنکھ کھلے تو کیا کرنا چاہئے؟ اس کے علاوہ بھی جو بات قابل عمل ہو تحریر فرمادیں؟ فقط

الجواب؛ الذی المختار: صام شہرین ولو ثمانیۃ وخمیسین بالہلال
والافستین یوماً فی الثانی بقولہ بالہلال حال من لفظ الشہرین المقدرین
بعد لؤی فی بعض النسخ بلو بالہلال وحاصلہ: انه اذا ابتدأ الصوم فی اول الشہر
کفارہ صوم شہرین تامین او ناقصین وکذا لو کان احدہما تاماً والاخر ناقصاً،
رقولہ والا ای وان لم یکن صومہ فی اول الشہر برویۃ الہلال بان غم او صام
فی اثناء شہر فانه یصوم ستین یوماً فی کافی الحاکم وان صام شہراً بالہلال
تسعہ وعشرین قد صام قبلہ ثمانۃ عشر بعد ثمانۃ عشر یوماً جزاء (ر ص ۱۵۲ ج ۲) وفي البصر
وغیرہ کالذی المختار قلت وفيہ الاحتیاط۔

پس صورت مسئلہ میں پورے ساٹھ روزے رکھے جاویں اور روزہ کفارہ کی نیت غریب
شمس و طلوع فجر کے درمیان ضروری ہے، اگر اس وقت میں نیت نہ ہوئی تو استیناف کرنا پڑے گا
اس لئے بہت اہتمام کیا جاوے، فی تنویر الابصار والشروط للباقی النیۃ وتعیینہا
وقال الشامی تحت قولہ للباقی وهو قضاء رمضان الی قولہ کفارۃ الظہار والقتل
والیمین والافطار ر ص ۱۹۲ ج ۲) کتبہ الاحقر عبد الکریم
الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ ۲ جمادی الاول س ۱۵۔

فصل فی الاعذار المبیحہ للافطار

سوال (۱) فصل کثانی یا کسی ایسے ہی سخت مشقت والے کام
افطار کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کے لئے روزہ کا افطار جائز ہے یا نہیں؟

الجواب؛ اگر فصل کاٹنے میں تاخیر کرنے سے زراعت کے نتائج ہونے کا خطرہ نہ ہو
تب تو کاشتکار کو لازم ہے کہ فصل کو بعد رمضان کے کاٹے، اور اگر تاخیر سے زراعت کے

کے ساتھ ہونے کا اندیشہ ہوں لے رمضان ہی میں کاٹنا پڑے اور کٹائی کی حالت میں روزہ دشوار ہو تو کاشترکار کو اس حالت میں افطار جائز ہے اور درست ہے کہ بعد رمضان کے ان ایام کی قضا کرے کفارہ نہ ہوگا۔ قال فی الفتاویٰ الکاملیۃ ثلاث عن حساء لم یقدر علی حصاد ذرۃ مع الصوم واذا اخره بملك سل یجوز له الافطار حیث یشئ۔ فالجواب نعم یجوز له ذلك حیث عن فقد نقل المحقق ابن عابد بن رحمۃ اللہ تعالیٰ فی حواشیہ علی الدر عن الخیر الزمینی ما نصہ وعلیٰ ہذا الحصاد اذا لم یقدر علیہ مع الصوم ویملك الذبح بالآخر لا شک فی جواز الفطر والقضاء ام والله اعلم، ص ۱۶، ۱۷، ۲۱ رمضان ۱۳۸۵ھ

عذر کی بنا پر افطار کرنے والے کو (سوال ۲۲) معذرتی الاعلان لوگوں کو کہہ دے کہ میں روزہ نہیں افطار کا اعلان نہیں چاہتا رکھوں گا، اور ظاہر اٹھانا پیتا پھرے، یا اپنے معاملہ کو محفوظ و

پوشیدہ رکھے؟

الجواب: جو لوگ عذر کی وجہ سے افطار کریں ان کو اپنے افطار کا اعلان نہ کرنا چاہئے چسکر کھانا پینا چاہئے، اور اپنے حال کو پوشیدہ رکھنا چاہئے، اور جو اتفاقاً کسی کو معلوم ہو جاوے تو اس سے اپنا عذر بیان کرے۔ ۲۱ رمضان ۱۳۸۵ھ

عورت کو حالتِ فزوم حیض آجائے (سوال ۲۳) روزہ دار کو بحالتِ روزہ حیض آ گیا تو اب تو باقی وقت میں کھانی کھاتی ہو یا نہیں؟ باقی وقت اسی طرح پورا کرے یا کچھ کھانی لیوے، اگر کچھ کھالیوے تو گناہ تو نہیں ہوا؟ اور افضل کونسا ہے؟

الجواب: حیض کی حالت میں عورت کو روزہ داروں کی طرح رہنا جائز نہیں، بلکہ اس کو کھانی لینا چاہئے، لیکن کھلانا کھانا چاہئے، چھپ کر کھائے، قال فی نور الابصار یجب علی الضعیف وقیل یتحب الامساك بقیۃ الیوم علی من فسد صومہ ولو بعد دشم زال وعلی حائض ونفساء طہرتا بعد طارخ الفجر قال الطحطاوی فی حاشیئہ وامانی حالۃ تحقق الحیض والنقاس فیحرم الامساك لان الصوم منہما حرام والنسبۃ بالحرام حرام وکن لک لا یجب الامساك علی المریض والمسافر لان الرخصۃ الافطار فی حقیقۃ اعتبار الحرج ولو الزمنا ہما التثبیہ لعادۃ الشیء علی موطنہ بالنفس ولكن لا یأکلون جہرا بل سرًا ام قلت التعلیل یشتمل الحائض وقت طلوع الفجر والحائض بعدہ فکلاہما یحرم علیہما الصوم نعم

بینہما فرق من وجہ وهو ان الادنی فسد صومہا بعد الشرح فیہ والثانیۃ حرم علیہما الصوم ابتداءً ولكنہما تشترکان فی حرمتہ الصوم بعد تحقق الحیض والله اعلم۔ ۳۰ شعبان ۱۳۸۵ھ

استفتاء عن القلب اور (سوال ۲۴) فدوی نے پہلا روزہ رکھا دن بھر طبیعت خراب رہی معذرت کیلئے افطار کا حکم بعد افطار بہت ہی خراب ہو گئی، کہ عرض نہیں کر سکتا، فدوی جانتا ہے یا فدوی کا خلا، بموجب حکم حضور پر نور دل سے فتویٰ لیا، دل نے کہا کہ بموجب حکم اللہ تعالیٰ جل شانہ ہم کو روزہ نہیں رکھنا چاہئے۔

اول حکم: اپنے کو تھلکے میں مت ڈالو۔
دوسرا حکم: اللہ تعالیٰ جل جلالہ وجل شانہ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا ہے جو وہ برداشت نہ کر سکے۔

تیسرا حکم: جان بچانی فرض ہے۔

اب فدوی روزہ نہیں رکھتا، دل کا فتویٰ صحیح ہے یا کیا؟

الجواب: دل سے فتویٰ لینا اور اس کے فتوے پر عمل کرنا ہر شخص کو جائز نہیں اور نہ ہر مسئلہ میں جائز ہے، بلکہ اس کا محل وہ امور ہیں جن میں دلیلیں متعارض ہوں، اور ظاہر میں کسی دلیل کو دوسری پر ترجیح نہ ہو تو ایسے مواقع میں فتویٰ قلب پر وہ شخص عمل کر سکتا ہے جو کامل الایمان ہو اور سلیم الفہم عارف بدقائق النفس ہو، صرح باصلہ الشیخ فی رسالۃ التشریح ص ۱۔ پس آپ کا روزہ کے معاملہ میں قلب سے فتویٰ لینا بالکل غلط تھا جبکہ حکم شرعی بتلانیوالے موجود تھے، جو معرفت و علم و کمال ایمان میں آپ سے زائد ہیں، پس اول آپ کسی طیب حاذق عادل سے نبض وغیرہ دکھلا کر دریافت کیجئے، کہ روزہ رکھنا آپ کو حالت موجودہ میں مضرب ہے یا نہیں، اگر وہ صوم کو مضرب تلاءے اور یہ کہے کہ روزہ سے مرض شدید ہو جائے گا جس کا تحمل دشوار ہوگا، تو آپ کو روزہ نہ رکھنا جائز ہوگا، اور رمضان کے بعد قضا واجب ہوگی، خواہ سردیوں میں قضا کر دی جاوے، اور اگر روزہ کو مضرب تلاءے تو روزہ رکھنا فرض ہے، اور قدرے قلیل تعب و سوء مزاج قابل اعتبار نہیں۔ واللہ اعلم۔

فصل فی صوم النذر صوم القضاء صوم لنقل

سوال (۱) ایک شخص کے ذمہ دو رمضانوں کے روزے ہیں، جن کے ذمہ دو رمضان کے روزے قضا ہوں اور وہ مطلق قضا رمضان کی نیت کرے تو کیا حکم ہے؟

پہلے رمضان یا دوسرے رمضان کی تعیین نہیں کی مطلق قضا رمضان کی نیت کر لی تو وہ روزہ قضا کی جانب سے صحیح ہو جائیگا یا نقل ہوگا؟ بینوا تو جروا۔

الجواب؛ صورت مسئلہ میں وہ روزہ قضا رمضان میں محسوب ہو جائے گا، نقل نہ ہوگا، قال فی العالمگیریہ ص ۱۲۶: ۱۳۰: اذا وجب علیہ قضاء یومین من رمضان واحد ینبغی ان ینوی اول یوم واجب علیہ قضاء ۴۰: ۱۳۰: هذا الرمتان وان لم یعیّن الاقل یجوز وکن الکان علیہ قضاء یومین من رمضانین هو المختار ولو نوى القضاء لا غیر یجوز وان لم یعیّن کذا فی الخلاصۃ ام والله اعلم۔

۱۳۰ سوال منکسہ

باب الاعتکاف

سوال (۱) معتکف کو اگر ریح صادر کرنے کی ضرورت ہو تو وہ کیا ریح صادر کرنے کا حکم کرے، آیا مسجد ہی میں ریح صادر کرے یا مسجد سے باہر نکل کر صادر کرے؟

الجواب؛ صحیح یہ ہے کہ مسجد سے باہر نکل کر صادر کرے، قال فی العالمگیریہ: سئل ابو حنیفۃ ریح عن المعتکف اذا احتاج الی الفصد والحجامة هل یریح فی مکانہ، وفي اللالی واختلت فی الذی یفسو فی المسجد فلم یر بعضہم بأسا وبعضہم قالوا لا یفسو ویخرج اذا احتاج الیہ وهو الاصح کذا فی التمر تاشی ام ص ۲۱۵، ۲۱۶، والله اعلم۔

۹ جمادی الاولیٰ منکسہ

سوال (۲) مسجد کے سامنے جو صحن ہی جس میں موسم گرمی میں نماز مغرب و عشاء ادا کرتے ہیں، لیکن اس کو لوگ نہ داخل مسجد سمجھتے ہیں نہ اس کی حرمت مسجد کی سی کرتے ہیں اور بانی کے طرز عمل سے بھی خارج مسجد ہونا معلوم ہوتا ہے، جب ایسی جگہ جماعت ہو معتکفین تراویح و فرائض ادا کرنے کے لئے وہاں آسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب؛ جب بانی کے طرز عمل سے وہ جگہ مسجد سے خارج ہے تو معتکفین اس جگہ میں نماز نہیں پڑھ سکتے، ورنہ اعتکاف باطل ہو جائے گا۔

سوال (۳) معتکفین غسل مالا بدمنہ کے سوا اور دوسرا وہاں جمعہ کا غسل کر لے تو کیا حکم ہے؟

غسل خارج مسجد میں کر سکتے ہیں یا نہیں، حاجت ضرورت طبعیہ یا شرعیہ کے لئے باہر ہونے سے آتے وقت غسل غیر ضروری کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب؛ قال فی رد المحتار ولیس کاملت بعد ہاما لو خرج لہا رای للعاجۃ الطبعیۃ (۱۲) ثم ذهب لعیادۃ مر یض او صلوة جنازۃ من غیر ان یکون خروج لذلك قصدا فانہ جائز کما فی البحر عن البدائع ام ص ۲۱۲، وفيہ ایضا ویجوز حمل الرخصة علی ما لو خرج لوجه مباح كحاجة الانسان او الجمعة وعاد من یضا او صلۃ علی جنازۃ من غیر ان یریح لذلك قصدا او ذلك جائز ام وبہ علم اتہ بعد الخروج لوجه مباح انما یض المکت لونی غیر مسجد لغير عبادۃ ام ص ۲۱۳ قلت ولا یخفی ان غسل لجمعة عبادۃ فلا یضرا اذا خرج لعا جة الانسان ان یرکت لغسل الجمعة فانہم حاجت ضروریہ کے لئے نکلنے کے بعد غسل جمعہ معتکف کر سکتا ہے، مگر اس کو چاہئے کہ پہلے کسی خادم یا دوست کے ذریعے غسل کا پانی بھردا کر رکھ دے تاکہ زیادہ دیر نہ ہو، اور اگر کوئی کام کرنے والا نہ ہو تو خود بھی گھڑا بھر سکتا ہے، مگر جہاں تک ممکن ہو جلدی کرے۔

۳ شعبان

سوال (۴) عرض یہ ہے کہ بندہ کا گھر دیہات میں ہے، یہاں گاؤں میں اعتکاف کر نیوالے

کی مسجد میں علاوہ نماز پنجگانہ کے جمعہ کی نماز بھی پڑھانی جاتی ہے اس لئے نماز جمعہ کا حکم

گذشتہ رمضان میں بندہ اسی مسجد میں معتکف تھا، چونکہ نماز جمعہ کے وقت عدم مشارکت کے مشابہت منافقین لازم آتی ہے، اس خوف سے ابتداء سے اعتکاف ہی میں روز جمعہ کو پانچ بجے سے ۳ بجے تک استنناہ کر لیا تھا، اس وقت جا کر اپنے گھر میں بیٹھ رہتا تھا، اور بعد اس کے

پھر مسجد میں آ حاضر ہوتا، یہ ایک مولوی صاحب کی مشورت ہی سے کیا تھا، مگر تردد ہے کہ اعتکاف مسنونہ ادا ہو لے یا نہیں، کیونکہ پورے عشرہ میں تو کچھ نقص رہ گیا ہے، از روئے ہر بانی اطلاع فرما کر مسنون فرماویں؟

دوسری عرض یہ ہے کہ ہماری دیہات سے شہر کی بڑی جامع دوڑ پائی میل کی مسافت پر ہے کیا میں اپنی دیہاتی مسجد میں معتکف رہ کر شہر میں جا کر جمعہ پڑھ سکتا ہوں بلا استثناء، مذکورہ صدر کی تیسری عرض یہ ہے کہ حالت اعتکاف میں وقت جمعہ میں گھر نہ جا کر ان کے ساتھ بہ نیت نفل جمعہ ادا کر سکتا ہوں یا نہیں، مگر اس سے ایک مضحکہ پیدا ہو جاوے گا، کہ دیکھو اب ہمارے ساتھ جمعہ پڑھ رہا ہے، خیر جو مصلحت ہو حضور والا ارشاد فرماویں؟ بندہ ہمیشہ اگر عذر نہ ہو شہر ہی میں جا کر جمعہ ادا کرتا ہے، ہمارا گاؤں فنائے شہر کے بھی باہر ہے، اس لئے وہاں جمعہ خورد بھی نہیں پڑھتا ہوں اور دوسروں کو بھی منع کرتا ہوں، مگر لوگ اس طرف کم التفات کرتے ہیں۔

الجواب؛ قال فی الخلاصۃ بولا یخرج المعتکف من المسجد الا لحاجة طبعیة الخ ص ۲۶ ج ۱ فی الدر المختار فی التا تاریخانیہ عن الحجۃ: لو شرط وقت النذر ان یخرج لعیادة من یض او صلوة جنازة وحضور مجلس علم جاز ذلك فلیحفظ، قال الشامی یشیر الیہ قولہ فی الہدایة وغیرہا عند قولہ ولا یخرج الا لحاجة الانسان لانه معلوم وقوعہا فلا بد من الخروج فیصیر مستثنی، والحاصل ان ما یغلب وقوعہ یصیر مستثنی حکما وان لم یشترطہ وما لا فلا الا اذا شرطہ ام ص ۲۱۶ ج ۱۔

عبارت خلاصہ سے معلوم ہوا کہ گاؤں میں اعتکاف کرنے والے کو جمعہ کے لئے شہر میں جانا جائز نہیں، کیونکہ وہ حاجت لازمہ نہیں، لیکن اگر مستثنی کر لے تو جانا جائز ہے، اور اس صورت میں یہ خروج ویسا کہ جیسا خروج لحاجة الانسان اور وہ مفسد نہیں، تو یہ بھی مفسد نہیں، اور جب اعتکاف فاسد نہ ہو اور اکثر عشرہ بحالت اعتکاف گذرا تو اعتکاف مسنون ادا ہو گیا لان لا اکثر حکم اکمل، گاؤں میں بہ نیت نفل جمعہ ادا کرنا مقتدری کو جائز نہیں، بہتر یہ ہے کہ جمعہ کے کچھ وقت مستثنی کر لیں، اور شہر میں جا کر جمعہ ادا کر لیا کریں، واللہ اعلم۔ ۲۲ رمضان ۱۳۳۳ھ کسی عذر کی بنا پر اعتکاف سوال (۵) ایک مسافر مولوی صاحب شمارہ دو سال سے یہاں نہ کرنے کا حکم سکونت فرماتے، اعتکاف کے بارہ میں وعظ میں یوں فرمایا

رمضان شریف میں لوگوں کا اعتکاف میں بیٹھنا بہت اچھی بات ہی یہ نہ ہو سکے تو ایک آدمی بیٹھی تو بھی سب کی طرف سے ادا ہو جاتا ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ خورد کیوں نہیں بیٹھتے، ہاں ضرور بیٹھ سکتا ہوں مجھے تو بہت خواہش ہے کیا کروں، چند وجوہات کے سبب سے نہیں بیٹھ سکتا ہوں میرے مکان میں ہمراہ رہنے کے لئے کوئی نہیں ہے، یہاں میرے خویش واقارب میں سے بھی کوئی نہیں، میرے گھر کے تلامذے ایک خالی میدان ہے، گھر میں عورت بچے بہت گھبراتے ہیں، اس لئے میں اعتکاف میں نہیں بیٹھ سکتا، سائل بھی ان وجوہات کو جو مولوی صاحب نے بیان فرمائے تھیک سمجھتا ہوں اور ان کے گھر میں راتوں کو کبھی کبھی پتھر آ کر گرنا بھی سائل کو معلوم ہے، آیا مولوی صاحب نے جو عذر بیان کئے شرع میں یہ مقبول ہوں گے یا نہ؟ بیٹھا تو جردا۔

الجواب؛ یہ عذر مقبول ہی، واللہ اعلم، بلکہ اس حالت میں ان کو اعتکاف مناسب بھی نہیں، ۲۵ شعبان ۱۳۳۳ھ۔

سحری کھانے کے بعد کئی کرنے کے سوال (۶) اعتکاف کی حالت میں سحری کھانے کے بعد کئی واسطے معتکف کا مسجد باہر جانا کے لئے مسجد سے باہر معتکف گیا، اس وقت مسجد کے اندر بھی پانی موجود تھا، مگر نہ تو خیال تھا کہ پانی ہی اور نہ اعتکاف کا خیال رہا، مگر کئی کرتے ہی فوراً اپنی جگہ آ گیا، اس صورت میں اعتکاف رہا یا نہیں، اور سحری کھانے کے بعد کئی کرنا ضرورت طبعی ہے یا نہیں، اگر اعتکاف ٹوٹ گیا تو اب اس کی قضا ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب؛ سحری کے بعد صائم کے لئے کئی کرنا ضرورت شرعیہ ہے لما فیہ من صیانة الصوم عن بقایا الطعام فی الفم، اس لئے اس ضرورت کے لئے اس کو مسجد سے باہر نکلنا جائز ہے بشرطیکہ مسجد میں پانی موجود نہ ہو، یا کئی کا موقع صحن مسجد سے متصل نہ ہو، اور اگر پانی مسجد کے اندر ہی، اور کئی کی جگہ بھی صحن مسجد سے متصل ہے، اس صورت میں خروج سے اعتکاف نفل ختم ہو جائیگا، رقلت بونی حکم الاعتکاف المسنون، اور اعتکاف واجب یعنی منذور فاسد ہو جائے گا، قال فی مرقی الفلاح: فان خرج ساعة بلا عذر معتبر (فی عدم الفساد) فسد الواجب وانتمی بہ غیرہ امی غیر الواجب وهو النفل اذ لیس له حد ام ص ۲۰۹، پس کئی کے لئے نکلنا خروج بعذر ہے، اور مسجد کے اندر پانی کا موجود ہونا اس عذر کو جب زائل کرتا ہے، جبکہ صائم کو معلوم ہو کہ پانی یہاں موجود ہے، اگر معلوم نہ ہو یا یاد نہ ہو تو اس خروج سے اعتکاف منذور باطل نہ ہوگا، اور اعتکاف نفل مسنون ختم نہ ہوگا، ہذا ما فہمہ ولم ارہ صریحا، واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۴ شوال ۱۳۳۳ھ۔

جو حجرہ جزو مسجد نہ ہو اس میں سوال (۷) مسجد کی چہار دیواریوں کے اندر کوئی حجرہ میں عشرہ اور آخر کے اعتکاف میں بیٹھ سکتا ہے یا نہیں، یا جامع مسجد کے اندر ہی اعتکاف

کر لینا چاہئے؟

الجواب؛ اعتکاف کے لئے مسجد شرط ہے، بدون مسجد اعتکاف صحیح نہیں ہوتا، فی الحقیقۃ ومنہا رای من الشرائط، مسجد الجماعة فیصح فی کل مسجد لہ اذان واقامة ہو صحیح، کذا فی الخلاصۃ، البتہ جامع مسجد شرط نہیں، بلکہ ہر مسجد میں ہو سکتا ہے جبکہ جماعت ہوتی ہو، کما تر فقط، پس حجرہ میں جو کہ مسجد کا جزو نہیں، اعتکاف باطل ہے، البتہ حجرہ جزو مسجد ہو تو اس میں اعتکاف صحیح ہوگا، یعنی محض احاطہ میں ہونا کافی نہیں، بلکہ جزئیت ضروری ہے۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۰ سوال ۳۳

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۰ سوال ۳۳

معتکف اذان کہنے کے لئے مسجد سوال (۸) معتکف کے لئے اذان کہنے کو اور کوئی جگہ نہ ہونے کی سے باہر جا سکتا ہے یا نہیں | تقدیر پر مسجد سے باہر جانا اعتکاف میں کسی قسم کی خرابی ہے یا نہیں اس کا جواب صرف نفی اثبات میں لکھ دینا دلیل کی ضرورت نہیں؟

الجواب؛ اس ضرورت کے لئے مسجد سے نکلنے مسجد میں ہی اذان کہنے، دلایکہ لہ الاذان داخل المسجد للضرورة کما لایکرہ لہ ای للمعتکف البیوع والشراء فیہ، پس اگر اذان کے لئے مسجد سے نکلے گا تو اعتکاف نفل و سنون ناقص ہو جائے گا، اور اعتکاف واجب باطل ہو جاوے گا۔ ۲۷ رجب ۱۳۳۴

معتکف مسجد میں چہاں چاہے اٹھ بیٹھ سکتا ہے؟ سوال (۹) معتکف جو گوشہ اپنے لئے مقرر کرے، اس کو علاوہ ضروری حاجت کے ہر وقت اس میں ہی رہنا چاہئے، یا مسجد اور فرش مسجد میں بلا ضرورت سونا کھانا پینا اور تلاوت قرآن شریف اور نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب؛ ہر وقت گوشہ میں رہنا ضروری نہیں، بلکہ عبادت ناقلہ و ذکر کے لئے اس میں رہنا بہتر ہے، باقی اوقات میں مسجد کے اندر چہاں چاہے اٹھ بیٹھ، ۸ ذیقعدہ ۱۳۳۴

معتکف کے بائے میں متعدد سوال (۱۰) معتکف علاوہ فرض نماز کے نوافل اور تلاوت قرآن ذکر کے لئے سقاہ سے جو مسجد کے اندر نہیں، یا کنویں سے پانی لاسکتا ہے

سوال پر مشتمل ایک استفادہ

یا نہیں؟ مسئلہ ۳۵ میں نے دریافت کیا تھا تو آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ فرض نماز کے لئے تو وضو کے لئے باہر جا کر پانی لا سکتا ہے، تلاوت اور نفل نماز کے لئے باہر نہیں جا سکتا، اگر جائے گا تو اعتکاف ناقص ہو جائے گا، اور دیوبند کے مفتی صاحب نے اس طرح پانی لانے کو ضرورت میں داخل فرمایا۔

جواب؛ مفتی صاحب کا جواب صحیح ہے، اور میں بھی یہی فتویٰ دیتا ہوں، نہ معلوم آپ کو اس کے خلاف کس طرح جواب دیا گیا، فاستغفر اللہ و اتوب الیہ۔ ۲۲ رمضان ۱۳۳۴

سوال؛ مجھے خیال پڑتا ہے کہ جب میں تھانہ بھون حاضر ہوا تھا تو مسجد میں جو ہدایات معتکف کے لئے تحریر تھیں اس میں تحریر کیا تھا کہ ریح خارج کرنے کے لئے مسجد سے باہر جانا جائز ہے دیوبند کے مفتی صاحب دریافت کرنے پر تحریر فرماتے ہیں کہ "اخراج ریح کے لئے معتکف کو مسجد سے نکلنا جائز نہیں ہے" اس مسئلہ میں جو محقق حکم ہو تحریر فرمایا جاوے، اگر میری سمجھ میں نہ آیا ہو تو توضیح فرمادی جاوے؟

جواب؛ علماء دیوبند و ہمارے سب کا وہی خیال ہے جو مفتی صاحب نے تحریر فرمایا، مگر میں ایک جزئیہ کی بنا پر مسجد میں اخراج ریح کی اجازت معتکف و غیر معتکف کسی کے لئے نہیں سمجھتا، لیکن اس وقت مجھے بھی اس مسئلہ میں تردد ہو گیا ہے، تحقیق کر رہا ہوں، اس لئے احوط یہی ہے کہ مفتی صاحب کے قول پر عمل کیا جائے۔ تالیخ بالا۔

سوال؛ معتکف کو مسجد میں خط بنوانا ہلال کٹوانا کیسا ہے؟

الجواب؛ جائز ہے، جبکہ حجام باہر رہے۔ تالیخ بالا۔

بقیہ سوال؛ اور غسل کے لئے جانا جبکہ حالت جنابت میں ہو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب؛ جائز نہیں۔

سوال؛ معتکف کی طبیعت دوسرے پانی لینے کو نہیں چاہتی تو خود مسجد سے باہر ہو کر پانی لینا بہتر ہے یا دوسرے شخص سے لینا؟

الجواب؛ اگر دوسرے شخص سے بے تکلفی نہ ہو، بلکہ خدمت لینے سے اپنے اوپر اس کا گرانی کا شبہ ہو تو خود مسجد سے باہر جا کر پانی لینا اولیٰ ہے، ہاں بے تکلفی ہو تو خروج جائز نہیں، واللہ اعلم۔ ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲۲ رمضان ۱۳۳۴

عشرۃ اخیرہ کامل کا اعتکاف سوال (۱۱) زید کہتا ہے اعتکاف رمضان المبارک عشرۃ اخیرہ کامل سنت مؤکدہ ہے، اس سے کم مدت میں سنت ادا نہ ہوگی، حوالہ

مولانا عبدالحی صاحب کے رسالہ "الانصاف فی حکم الاعتکاف" کا دیکھئے، عمر و کتبہ کے کامل دنوں روز شرط نہیں، بلکہ اقل عشرہ سے بھی سنت ادا ہو جاوے گی، اپنے قول کے ثبوت میں خلاصۃ الفتاویٰ کی یہ عبارت پیش کرتا ہے: "قال القاضي الامام الاعتکاف فی المسجد الجامع افضل اذا کان یصلی فیہ الصلوات الخمس بالجساعة اما اذا لم یکن فالاعتکاف فی مسجد افضل کیدا یحتاج الی الخروج عن معتکفه فان اراد ان یعتکف اقل من سبعة ايام یعتکف فی مسجد حیہ وان اراد ان یعتکف فی الجامع الحی"

یز مولانا بحر العلوم کے رسائل الارکان کو دیکھئے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف مذکور سنت مؤکدہ نہیں، بلکہ مندوب محض ہے جس پر ان کی یہ عبارت شاہد ہے: "واعلم انه لا شک فی مواظبة رسول الله صلی الله علیه وسلم علی اعتکاف العشر الاواخر من شهر رمضان لکن قد ثبت من الصحابة العظام ترک الاعتکاف ومنهمم الخلفاء الراشدین فللاعتکاف نوع اختصاص به صلی الله علیه وسلم وهو انه یلقى جبرئیل فیدار القرآن ومد ارسۃ القرآن جبرئیل کانت مختصة به صلی الله علیه وسلم فلہذا کان للاعتکاف اختصاصاً به صلی الله علیه وسلم فتارک الاعتکاف من الامة لا یلحقہم الا ساعة ولذ ان کان صلی الله علیه وسلم لا یؤکد فی الاعتکاف تاکیداً فی غیرہ من السنن ولا یعیب واحداً من الصحابة علی ترک الاعتکاف فالاعتکاف اما سننہ مختصة به صلی الله علیه وسلم غیر مؤکدۃ علی الامة بل بقی فی حقہم مثل السنن الغیر المؤکدۃ او کان واجبا علیہ صلی الله علیه وسلم مختصاً ففعلہ لا یمتثال الوجوب فلا یكون علی الامة سنة بل مندوباً محضاً وهذا غیر البعد الخ حضور والا کے نزدیک اقوال مذکورہ میں سے کونسا قول راجح ہے؟

الجواب: صحیح یہی ہے کہ تمام عشرہ اخیرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ ہے مگر علی الکفایہ، جیسا کہ مراقی الفلاح، عالمگیریہ، شامی وغیرہ میں ہے، اور خلاصۃ الفتاویٰ کی عبارت مندرجہ سوال سے عمر و کا مقصود کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا ہے، اس عبارت کو مقصود عمرو سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس عبارت کا تو محض یہ منشاء ہے کہ اگر سات یوم سے کم کا اعتکاف کرے اور ان ایام میں جمعہ نہ واقع ہوتا ہو کہا ہو الظاہر، تب تو مسجد محلہ میں اعتکاف افضل ہے، اور اگر سات روز یا اس سے زائد کا اعتکاف کرنا ہو یا سات روز سے کم کا اعتکاف ہو مگر

ان ایام میں جمعہ واقع ہوتا ہو، تو جامع مسجد میں اعتکاف کرنا افضل ہی، لیونکہ اس سورت میں مسجد محلہ سے جمعہ کے لئے جانا پڑے گا، اور معتکف سے نکلنا خلاف اولیٰ ہے، اس عبارت میں اس کا ذکر بالکل نہیں کہ کتنے دن کا اعتکاف سنت ہے، اس سے یہ کیسے سمجھ لیا کہ سات روز سے کم کا اعتکاف کرنے سے سنت ادا ہو جاوے گی، اور رسائل الارکان کی تقریر کا جواب شامی نے عنایہ سے نقل کیا ہے کہ مواظبت بلا تاکید سے بھی سنت ثابت ہو جاتی ہے، اور اگر مواظبت مع الانکار علی التارک ہو تو جب اس سے وجوب ثابت ہوتا ہے، (ص ۳۰۸، ج ۲) اور جب سنت کفایہ کہا جاوے تو یہ اعتراض بالکل ہی عامر نہیں ہو سکتا، کیونکہ نہ ایسا ہوا کہ کسی نے بھی اعتکاف نہ کیا ہونہ تاکید کی نوبت آئی، واللہ اعلم بالصواب۔ احقر عبدالمکریم گھٹلوی عفی عنہ، خانقاہ امدادیہ کھانہ بھون، الرحمدی الاولیٰ ۱۳۸۵ھ

للہ در المجیب فقد اوتی من الفقه اور نصیب ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۳۸۵ھ

معتکف کے متعلق متعدد سوالات | سوال (۱۲) فتاویٰ ماہ رمضان المبارک،

پر مشتمل ایک استفتاء | زید جس مسجد میں معتکف ہے وہاں سے ایک جامع مسجد تو

قریب ہے، اور دوسری کچھ فاصلہ پر ہے، اور زید کا معمول پہلے سے بعید کی مسجد میں نماز جمعہ پڑھنے کا تھا، کیا زید اب حالت اعتکاف میں قریب کی مسجد کے ہوتے ہوتے اپنی کسی مصلحت کے بعید کی مسجد میں نماز جمعہ کے لئے جا سکتا ہے؟

الجواب: اس کا جزئیہ تو نظر سے نہیں گذرا، لیکن عالمگیریہ میں ہے: "وان کان لہ بیتان قریب ولبعید قال بعضهم لا یجوز ان یمضی رای للخلاء الی البعید فان مضی بطل اعتکافہ کذا فی السراج الوہاج، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ مسئلہ میں اختلاف ہے، اور احتیاط اسی میں ہے کہ مسجد قریب میں جاوے، واللہ اعلم۔ رمضان ۱۳۸۵ھ

بقیہ سوال: اور کیا زید کو وعظ سننے کی غرض سے جامع مسجد میں کچھ دیر ٹھہر جانا جائز ہے؟

جواب: مکروہ ہے، اور بہتر یہ ہے کہ بعد فراغ عن السنن البعدیۃ اپنی مسجد میں چلا آوے، تاریخ بالا۔

بقیہ سوال: وما حکمران نوبی ذلک رای صلوة الجمعة فی المسجد البعید

واستماع الوعظ وقت اعتکافہ؟

الجواب: الریت کر لی ہو تو پھر مسجد بعید میں جمعہ پڑھنے اور وعظ کے لئے ٹھہرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ تاریخ بالا۔

بقیہ سوال: هل للمعتكف الخروج من معتكفه للوضوء للنوافل؟
الجواب: بلا ضرورت فرض خروج خلافت احتیاط ہے، ہاں جو حیلہ غسل جمعہ میں آئندہ لکھا ہے وہ یہاں بھی ہو سکتا ہے۔ تاریخ بالا۔

بقیہ سوال: غسل جمعہ ضرورت شرعیہ میں داخل ہے یا نہیں؟
الجواب: غسل جمعہ کے لئے خروج من المسجد جائز نہیں، فقط غسل احتلام کے واسطے باہر جانا جائز ہے، البتہ غسل جمعہ کے لئے بعض علماء کے نزدیک یہ صورت جائز ہے کہ جب استنجاء وغیرہ کے لئے باہر نکلے تو طہارت کے وقت طہارت کاملہ یعنی غسل کر لے۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ، از فالقہ امدادیہ تھانہ بھون، ۷ رمضان ۱۳۲۸ھ
الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ۔ ۸ رمضان ۱۳۲۸ھ

مثل استنقاء مذکورہ مثل | سوال (۱۳) معتکف اپنے گھر آکر کھانا کھا سکتا ہے یا نہیں؟
الجواب: معتکف کو کھانے کے واسطے گھر جانا جائز نہیں ہے، بلکہ مسجد ہی میں منگا کر کھانا چاہئے، البتہ اگر کوئی لانے والا نہ ہو تو مجبوری کو خود جا کر کھانا آؤ، مگر فوراً واپس آجائے اور مسجد ہی میں کھاوے، بدون سخت مجبوری کے کھانا لانے کے واسطے بھی ہرگز نہ جاوے۔ ۱۲ رمضان ۱۳۲۸ھ۔

سوال: معتکف ضرورتاً اپنے گھر آ رہا ہو اور راستہ میں کوئی آدمی اس سے بات کرنا چاہے تو جواب دے سکتا ہے یا نہیں یا خاموش چلا جاوے؟

الجواب: جب استنجاء وغیرہ کی ضرورت سے باہر نکلا ہو تو بولنے میں مضائقہ نہیں، مگر بات چیت کے لئے کھڑا نہ ہو، البتہ رفتار سست کر دینے کی گنجائش ہے، واللہ اعلم۔ تاریخ بالا۔
سوال: کیا معتکف اپنے گھر آ کر نہا سکتا ہے؟

الجواب: غسل اگر واجب ہو گیا ہو تو مسجد ہی کے غسل خانہ میں نہاوے اور ویسے بدن احتلام کپڑے بدلنے وغیرہ کے واسطے نہانے کی اجازت نہیں۔ تاریخ بالا۔

عہ حضرت تھانوی مدظلہ العالی اس صورت سے بھی منع فرماتے ہیں: وهو الاقرب الی الاحتیاط، واللہ اعلم

سوال: نوافل وغیرہ کے لئے بار بار وضو کے لئے وضو خانہ میں جانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: نوافل کے لئے بھی وضو کرنے کے واسطے باہر جاسکتا ہے، لیکن یہ جب تک فریض کے کنارہ پر وضو ممکن نہ ہو، اگر وہاں وضو کی جگہ ہو اور پانی بھی کنارہ پر گھٹے وغیرہ میں وہاں رکھ سکتا ہو تو فرض اور نفل سب کے واسطے یہی انتظام کرنا چاہئے۔ تاریخ بالا۔

سوال: اپنے گھر ضرورتاً آیا ہو تو اپنی ڈاک کا بکس کھول کر خطوط لے سکتا ہے یا نہیں؟
الجواب: گھر فقط استنجاء کی ضرورت سے جاسکتا ہے، وہ بھی جبکہ گھر سے قریب ترکوئی جگہ ایسی نہ ہو جہاں یہ استنجاء کر سکے، اور استنجاء سے قبل یا بعد کسی کام کے واسطے ٹھہرنے کی بالکل اجازت نہیں، فقط۔ واللہ اعلم، احقر عبد الکریم گتھلوی،

الاجوبہ صحیحہ، ظفر احمد عفا عنہ، ۱۲ رمضان ۱۳۲۸ھ

اعتکات میں مسجد کی | سوال (۱۴) حالت اعتکات میں مسجد کی خدمت کرنا اور اذان و اقامت خدمت کرنا کہنا کیسا ہے؟

الجواب: معتکف کو مسجد کی خدمت کرنا اور اذان و تکبیر پڑھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ غیر معتکف کو، لیکن خدمت ایسی نہ ہو جس میں مسجد سے باہر جانا پڑے، ۱۵ رمضان ۱۳۲۸ھ۔
حالت اعتکات میں درزش | سوال (۱۵) جو شخص درزش کرنے کا عادی ہے حالت اعتکات اور خط کا جواب تحریر کرنا میں کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: باہر جانا جائز نہیں، اور مسجد میں درزش خلافت ادب ہے، لہذا زمانہ اعتکات میں اس کو ترک کر دیں، اگر تکلیف نہ ہو اور اگر تکلیف زیادہ ناقابل برداشت ہو تو مجبوری خلوت کے وقت کر لیا کریں۔ تاریخ بالا۔

سوال: اپنے خطوط یا دیگر شخص کا خط تحریر کرنا چاہیں تو تحریر کرنا کیسا ہے؟
الجواب: خط لکھنے میں مضائقہ نہیں، خواہ اپنا ہو یا دوسرے کا، احقر عبد الکریم
الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ۔ ۱۵ رمضان۔

جس کو ریخ اور بوا سیر کا عارضہ ہو | سوال (۱۶) زید ہمیشہ آخر عشرہ رمضان شریف میں معتکف مسجد میں اعتکات کر سکتا ہے یا نہیں ہو اگر تلبے، مگر ریخی بوا سیر کا عارضہ ہونے سے وضو قائم نہیں رہتا، اور مسجد میں بعض وقت ریخ کو خارج نہ کرنا تکلیف دہ ہوتا ہے، کیا ایسے شخص کو اعتکات مسجد جائز ہے؟

الجواب بان بائز ہے، مگر بیخ خارج کرنے میں اختلاف ہے، بعض نے کہا ہے کہ مسجد میں حاج کرنا مسائق نہیں، اور بعض نے کہا ہے کہ جب ضرورت ہو مسجد سے باہر چلا جاؤ جیسا کہ پیشاب پاخانہ کے واسطے جاتا ہے، کما فی العالمگیریہ (ص ۲۱۵ ج ۲) واختلف فی الذی یفسو فی المسجد فلم یر بعضہم بأسا وبعضہم قالوا لا یفسو ویخرج اذا احتاج الیہ وهو الاصح کذا فی التمر تاشی ام، اس لئے اخراج ریح کے واسطے باہر جانا بھی معتک کو جائز ہے، اور جب دروں طن گنجائش ہے تو حسب موقع دروں قول پر عمل کی گنجائش ہے، یعنی جب اخراج ریح فی المسجد سے لوگوں کی ایذا کا احتمال ہو تو باہر چلا جانا چاہئے، اور جب باہر جاتے ہیں وقت ہو تو باہر نہ جانا بھی جائز ہے، اس طرح دونوں روایتیں جمع بھی ہو گئیں، واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ، از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون، مورخہ ۲ شعبان ۱۳۵۸ھ

کتاب الحج

(فصل فیمن یفرض علیہ الحج)

معذور لیکن صاحب استطاعت | سوال (۱) زید بیرون سے معذور ہے، تھوڑی دور بھی شخص کے حج کا حکم مشکل سے چل سکتا ہے، استطاعت ہے اس لئے حج کا ارادہ رکھتا ہے، ایک آدمی ساتھ رکھنا ہوگا، جس کا صرفہ زید کو دینا ہوگا، اتنی استطاعت ہو کہ آدمی کے خرچ کو برداشت کر لے گا، ایسی معذوری میں بھی زید پر حج فرض ہے یا کیا؟

الجواب: قال فی العالمگیریہ ومنہا سلامة البدن حتی ان المقعد و الزمن والمفلوج ومقطوع الرجلین لا یجب علیہم حتی لا یجب علیہم الا حجاج وان ملکوا الزاد والراحلة ولا الا یصاء فی المرض هذا ظاہر المذهب عن ابی حنیفة وهو رواية عنہما وظاہر الروایة عنہما انه یجب علیہم فان اجوا اجزاهم مادام العجز مستمرا فان زال فعلیہم الاعادة بانفسہم وظاہر فی التحفة اختیارہ فانہ اقتصر علیہ وکذا الاسبیجابی وقواہ المحقق فی فتح القدر والا عسی اذا ملک الزاد والراحلة ان لم یجد قائدا لا یلزمہ الحج بنفسہ

فی قولہم وهل یجب الا حجاج بالمال فعند ابی حنیفة لا یجب وعندہما یجب و ان وجد قائدا عند ابی حنیفة لا یجب الحج بنفسہ وعن صاحبیہ فیہ روایتان ولوملک الزاد والراحلة وهو صحیح البدن ولم یحج حتی صار زینا او مفلوجا لزوم الاحجاج بالمال بلا خلاف ام ملخصا، ص ۱۲۱ ج ۱، صورت مذکورہ میں زید پر خود حج کرنا تو فرض نہیں، لیکن حج بدل کر دینا ضروری ہے، لیکن بعد میں اگر تندرست ہو گیا تو دوبارہ خود حج کرنا پڑے گا، اور اگر خود حج کو چلا جاوے یہ بہت ہی بہتر ہے، واللہ اعلم۔

جس پر جائیداد زیادہ ہو اور نقد روپیہ | سوال (۲) جس شخص کے پاس زمین زیادہ ہے اور روپیہ نہ ہو اس پر وجوب حج کا حکم نقد موجود نہیں، اس کے ذمہ حج فرض ہے یا نہیں، یعنی اس شخص کو زمین فروخت کر کے حج کرنا فرض ہے یا نہیں، مثلاً ایک شخص ہو کہ اس کے پاس پانچ ہزار روپیہ نقد موجود ہے اور دوسرے کے پاس زمین دس ہزار روپیہ کی ہے اور نقد موجود نہیں ہے، اب فرمائیے کہ ان میں کس کے ذمہ حج فرض ہے، یا دونوں کے ذمہ حج کرنا فرض ہے؟

(۲) ایک شخص کے پاس پانچ ہزار روپیہ کا سامان دکان میں موجود ہے، اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟

(۲) ایک شخص کے پاس چار ہزار روپیہ کے مویشی ہیں اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟

(۳) ایک شخص کے پاس پانچ ہزار روپیہ کا غلہ موجود ہے اس پر حج کرنا فرض ہے یا نہیں؟

الجواب: جس شخص کے پاس اتنی زیادہ زمین ہو کہ اس کا ایک ٹکڑا مسارت حج کے لئے فروخت کرنے کے بعد بھی اتنی زمین باقی رہے جو اس کے اور اس کے عیال کے تعیش کے لئے کافی ہے، تو ایسے شخص کے ذمہ اپنی زمین کا کچھ حصہ حج کے لئے فروخت کرنا لازم ہے، اور اس پر حج فرض ہے اور اگر مسارت حج کے واسطے ایک ٹکڑا بیع کرنے کے بعد باقی زمین اس کے اور اس کے اہل و عیال کے گزارہ کو کافی نہیں رہتی، تو اس حالت میں اس پر حج فرض نہیں، اور زمین کا فروخت کرنا فرض ہے، قال فی غنیة الناسک وان کان له من الضیاع مالو یباع مقدرا مکفی الزاد والراحلة یبقی بعد رجوعہ من ضیعتہ قدر ما یعیش بغلة الباقی یفتقر علیہ العجب والافلاکذا فی الخائبة ام (ص ۷)، ۲۱ صرفہ مستحکم

جواب سوال دوم ہوم وچہام؛ قال فی غنیة الناسک السادس الاستطاعة وهی القدرة علی زاد یلیق بحالہ فاضلا عن الحوائج الاصلیة المذكورة فی الزکوة کمسکنہ وعبید دخل مته وفرسہ المحتاج الی رکوبہ ولو احیاناً وموتہ تمسکنہ

وراس مال خوفته ان احتاجت لذلك واللات حرثه من البقر ونحو ذلك
ان كان حراثا اكارا اور اس مال التجارة ان كان تاجرا يعيش بالتجارة والمراد ما
يمكنه الاكتساب به قدر كفاية عياله لا اكثر لانه لانه لانه لا يمتد
ص، وفيه ايضا وان كان له مسكن فاضل لا يسكنه او عبد لا يستخدمه
او متاع لا يستعمله او كتب لا يحتاج الى استعمالها او كرم زائد على قدر
التفكه بها ونحو ذلك مما لا يحتاج اليها يجب بيعها ان كان به وولد بالحج (ص)
پس جس شخص کے پاس پانچزار کا سامان ہو تو اس میں سے، اگر اس میں سے بقدر مسارت
حج کے فروخت کر کے اتنا سرمایہ باقی رہے کہ اس میں تجارت کر کے یہ شخص مع اہل و عیال
کے متوسط حال سے گذر کر سکے تو بقدر مسارت حج کے سامان کا بیع کرنا لازم ہے، اور اس پر
حج فرض ہے، اور اگر باقی میں تجارت کر کے گذر نہ ہو سکے تو واجب نہیں، بشرطیکہ اس شخص کا گذر
تجارت ہی پر ہو اور جس شخص کے پاس چار ہزار کے مویشی ہیں تو اگر یہ شخص کا شکر یا زمیندار ہی
اور یہ مویشی سب کے سب کھیتی کے کام میں مشغول ہیں، یا یہ جانور سواری کے ہیں اور گاؤں گاؤں
سواری کے کام میں آتے ہیں تو اس حالت میں اس پر حج فرض نہیں، نہ ان مویشی کا بیچنا لازم ہے
اور اگر یہ جانور دودھ پلنے کے ہیں، اور اس کے اہل و عیال کا گذران کے دودھ ہی پر ہے، اس کے
سوا اور کوئی صورت معاش کی نہیں، نہ زمین کا علقہ ہے، اور نہ کچھ تب بھی اس پر ان کا بیچنا لازم
نہیں، بشرطیکہ اگر مسارت حج کے لئے بعض کو فروخت کیا جائے تو باقی مویشی سے گزارہ
نہ ہو سکے، اور نہ حج فرض ہے، اور اگر اس کی معاش ان جانوروں کے دودھ پر موقوف نہیں یا
موقوف ہی لیکن ان میں سے بقدر مسارت حج کے ایک دو یا زیادہ جانوروں کے فروخت کرنے کے
بعد باقی ماندہ مویشی گزارہ کو کافی ہیں، یا یہ جانور تجارتی ہیں اور ان کی تجارت پر اس کا گذر موقوف
نہیں، یا موقوف ہے، مگر مسارت حج کے لئے ایک دو یا زیادہ کو بیع کرنے کے باقی ماندہ کی تجارت
اس کے گذر کو کافی ہے، تو بقدر حج کے ایک دو یا زیادہ جانور کو بیع کر کے اس پر حج کرنا فرض ہوگا
رہا غلہ جو پانچزار کا ہو تو اگر یہ سارا غلہ صرف کھانے ہی کے صرف میں آتا ہے تب تو حج فرض
نہیں، اور اگر کچھ کھایا جاتا ہے باقی بیچا جاتا ہے تو جتنا ضرورت سے زائد ہو اس کو بیع کر کے حج کرنا
فرض ہوگا، اگر وہ زائد غلہ فروخت ہونے کے بعد زائد و راحلہ و مسارت حج کو کافی ہو، واللہ اعلم،
از تہانہ بھون، ۲۱، سفر ۴۵ھ

تعمیر مکان سے حج فرض مقدم ہے | سوال (۳) زید کو جائز طور سے اس قدر رقم نقد ملی کہ فقط
حج بیت اللہ کر سکتا ہے، مگر حال یہ ہے کہ اس کا گھر بھی کھنڈر پڑا ہے، تو زید پر اقول حج
بیت اللہ ادا کرنا فرض ہے یا گھر بنانا۔

الجواب: قال في العالمگیریة وان لم يكن مسكن وعند ولا هم
يبلغ به الحج ويبلغ ثمن مسكن وخدام و طعام وقوت فعليه الحج فان
جعلها في غير الحج اتم كذا في الخلاصة (ص ۱۳۰ ج ۱) صورت مسئلہ میں
اس شخص پر حج فرض ہے اس رقم کو مکان میں لگانا جائز نہیں بشرطیکہ یہ رقم مکہ کی آمد
رفت کے لئے کافی ہو اور اس مدت کے لئے اہل و عیال کو نفقہ بھی دے سکے۔ واللہ اعلم
۱۳ رمضان ۱۳۳۲ھ از تہانہ بھون

سوال (۴) یہ ہے کہ میری امیہ اپنا حج فرض پہلے
ادا کر چکی ہے اب اس مرتبہ اگر وہ اپنے مرحوم لڑکے
کی طرف سے حج بدل کی نیت کر لیں تو کچھ کراہت
تو نہیں ہے، میرے لڑکے مرحوم کی بائیس سال کی عمر تھی اور کچھ جائداد بھی اُس کے نام اس کی
نانی صاحبہ نے کر دی تھی جس کی آمدنی اُس کے خورد و نوش و اخراجات سردری کی کفیل نہیں
ہو سکتی تھی مگر قیمت اُس کی اس قدر ضرورت تھی اس کو فروخت کر کے وہ باسانی حج کر سکتا تھا
ایسی صورت میں اُس کے ذمہ حج فرض ہو گیا یا نہیں؟

الجواب: في العالمگیریة (ص ۱۳۱ ج ۱) وان كان صاحب ضیعة
ان كان له من الضیاع مالو باع مقدار ما يكفي الزاد والراحلة
ذاهبا وجائيا ونفقة عياله و اولادہ یبقی له من الضیعة قدر ما
يعيش بخلته الباقي ليعترض عليه الحج والافلا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صورت
مسئلہ میں اگر اُس کے پاس اس جائداد کے علاوہ مقدار فرضیت حج مال نہ تھا تو حج فرض نہ ہوا
تھا۔

احقر عبد الکریم عنی عنہ، ۲۸ شعبان ۱۳۳۲ھ
الجواب صحیح۔
ظفر احمد رضا اللہ عنہ از تہانہ بھون۔
۲۸ شعبان ۱۳۳۲ھ

ایضاً سوال (۵) ایک عورت جس کے نان و نفقہ کا مستکفل اس کا شوہر ہے اور اس عورت کے پاس ایک مکان ہے جس کا کرایہ بھی گھر کے اخراجات میں صرف ہو جاتا ہے اور کچھ بچپتا نہیں ہے ایسی صورت میں عورت کو اپنا مکان بیچ کر حج کرنا فرض ہے یا نہیں؟ اور مکان کی حیثیت آٹھ یا دس ہزار روپیہ ہے۔

الجواب: اور جب عورت کا نفقہ شوہر دیتا ہے اور دوسرے کسی شخص کا نفقہ اس کے ذمہ نہیں۔ تو یہ مکان حاجتِ اصلیہ سے زائد ہے اس لئے حج کرنا اس کے ذمہ منسرف ہے۔
 وفي العالمگیریة (۱۱۱) وفي التجارید ان كان له دار لا يسكنها و عبد لا يستخدمه فعليه ان يبيعه ويحج به وفيه ايضا بعد اسطر:
 وان كان صاحب ضيعة ان كان له من الضياع ما لوباع مقدار ما يكفي الزاد والساحلة ذاهباً وجائئاً ونفقة عياله واولاده يتي له من الضيعة قدر ما يعيش بغلة الباقى يفترض عليه الحج والآ فلا وفيه ايضا والعيال من يترمه نفقته كذا في البحر السائق.
 كتبه الاحقر عبد الكريم عفى عنه .
الجواب آج .

احقر ظفر احمد عفا عنه ، ۳ محرم ۱۳۲۵ھ .
سوال (۶) میں کاروبار پڑا وہ کا کرتا ہوں میرے باپ کوچ پر جانا چاہتا ہے۔
 ذمہ قرضہ بارہ سو روپیہ ہے اور مال دو ہزار کا ہے۔
 علاوہ مکانات زائد رہائشی کے میری اولاد میرے فریضہ حج کو اس طرح پر منظور کرتی ہے کہ تم حج کو چلے جاؤ ہم قرضہ ادا کر دیں گے کیا اس طرح پر شریعت مجھے اجازت ادا فریضہ کی دے سکتی ہے؟ دعا فرمائیے کہ وقت روانگی تک قرضہ ادا ہو جائے۔

میری زوجہ عمر رسیدہ اور دائم المریض ہے اس کا بھی اصرار ہے کہ مجھے بھی لیکر چلو ورنہ میں اجازت نہیں دیتی اس حال میں کہ خرچ آمد و رفت ایک کا کافی ہے دوسری عورت کا خرچ بہ نسبت مرد کے زیادہ ہوتا ہے پس کیا عورت کی اجازت کا مرد شرعی طور پر ادا فریضہ حج کے لئے پابندی؟
الجواب: ہاں اس صورت میں سائل کوچ کے لئے چلا جانا چاہئے اور قرضہ اپنی کا اطمینان کر جائے کہ میری اولاد تمہارے قرضہ کا انتظام کرے گی اگر اولاد کا وعدہ جی لوگے۔
 مرد حج کے بارہ میں بیوی کی اجازت کا پابندی ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کے لئے واپسی تک نفقہ

کا انتظام کر جائے۔ واللہ اعلم۔

۲۵ رجب ۱۳۲۵ھ ارتقاء بیون خانقاہ امدادیہ۔
سوال (۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین مہر مؤجل مانع و جوب حج نہیں ہے؟
 اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو غصہ کی حالت میں یہ لکھ دیا کہ تم اپنے میکہ سے ایک ہفتہ کے اندر نہ آئی یا میرا زیور نہ بھیجا تو تم پر ایک طلاق ہے چنانچہ وہ بیوہ نہیں آئی۔ اور نہ زیور بھیجا اور معتبر ذریعہ سے یہ معلوم ہوا کہ اس کو خط نہیں ملا تو کیا اس پر ایک طلاق دینے سے طلاق ہوگئی اور کیا ایک طلاق سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟
 کیا موجودہ صورت میں مرد حج کو جا سکتا ہے بغیر رضامند کے ہونے عورت کے اور رضامند کر دے اور مہر نہ دے سکے کیونکہ اس کے پاس صرف اتنا روپیہ ہے کہ حج کر کے مہر ادا نہیں کر سکتا اس کی دولت کی بھی ہیں تو کتنا حصہ مہر میں سے اس کو دیا جائے گا۔

الجواب:
 حج کو جانے کے لئے عورت کا راضی کرنا یا اس کا راضی ہونا شرط نہیں ہے۔ اگر حج فرض ہو ورنہ مہر ادا کر کے جانا ضروری ہے۔ جبکہ نکاح باقی ہو اور مہر مؤجل ہو بلکہ عورت کو وہی تک نان و نفقہ دیکر جانا واجب ہے۔ ہاں نکاح ٹوٹ چکا ہو اور عورت مہر کا مطالبہ کرے تو حج سے دین مہر ادا کرنا مقدم ہے۔ اور یہ تفصیل اُس وقت ہے جبکہ دین مہر کو دوسرے قرضوں کی برابر نہ سمجھا جائے بلکہ اس کی طرف سے بے انتقائی ہو جیسا کہ عام اہل ہند کی یہی عادت ہے تو ایسا دین مہر و جوب زکوٰۃ و حج کے منافی نہیں الا بوقت طلاق اور مطالبہ زن، اور جو شخص دین مہر کو بھی دیوں الناس کی طرح سمجھتا ہو اور اس کی ادا کی فکر میں ہو اور حسب ہمت قلیل و کثیر ادا کرتا ہو اس پر حج اس وقت تک فرض نہ ہوگا جب تک دین مہر ادا نہ ہو جائے یا اتنی رقم اس کے پاس جمع ہو جائے جو ادا سے دین مہر کے بعد مصارف حج و نفقہ اہل و عیال کو تا واپسی کافی ہو۔ واللہ اعلم۔
 ۱۹ رمضان شریف۔

سوال (۸) ایک عورت حج کو جانا چاہتی ہے مگر کوئی اس کے لئے پالک لڑکے اور محلہ کی عورتوں کے ساتھ سفر حج پر جانا جائز نہیں محرم نہیں ہے شوہر اور سب محرم مرگئے صرف اکیلی عورت ہے، اور ایک لڑکے کے لئے پالک ہے لڑکے کا سن ۱۵ برس کا ہے عورت کی عمر بھی ۵۰ برس کی ہے عورت پر حج فرض بھی ہے کیونکہ خدانے حج بھر کار و پیہ بھی دیا ہے پالے ہونے لڑکے کے ساتھ حج کو جا سکتی

راستہ میں مدینہ واقع نہ ہو ورنہ زیارت ہی پہلے کرنا چاہئے ووجہ الاول کون الفرض اہم
واقدم قال فی الغنیۃ ویدأ بالحج لو فرضاً فہو الا حسن فلو بدأ بالزیارۃ
جاز ویخیر لو نفللاً ما لم یسیر بہ فیبدأ بزیارۃ لا محالۃ لان تسکھا
مع قربھا یعد من القسارۃ والشقارۃ اھ واللہ تعالی اعلم

۲۴ جہادی الثانیہ ۴۷

سوال (۱۱) مولانا عاشق الہی صاحب نے لکھا ہے ہندو سے
روپیہ قرض لیکر حج کرنا بہتر ہے اس کی کیا اصل ہے؟

الجواب؛ اس کی اصل یہ ہے کہ کفار مخاطب بالفرض نہیں اس لئے ہندو
سے جو قرض لیا جائے گا وہ شہات سے خالی ہوگا۔ دوسرے اگر حج کو جانے والے کے پاس
مشتبہ رقم ہو تو اس مشتبہ رقم سے حج کرنا بہتر نہیں اس کو چاہئے کہ قرض لیکر حج کو جانے
مگر مسلمان سے قرض لیکر اس کے قرض کو مشتبہ مال سے ادا کرنا اشد ہے اور ہندو کے
قرض کو اس سے ادا کرنا اشد نہیں گو شہید سے۔

سوال (۱۲) اگر کوئی شخص اپنے ہمراہ خدمت کے واسطے یا
بعض شخص بوجہ قرض نہ ہو اور کسی
لئے تبرعاً کرادیا تو اس کا فرض
حج ادا ہو جائے گا یا نہیں
گا یا نہیں۔ اور نیز شخص مذکور کو یہیں اس قدر روپیہ دیکر قبضہ کرادیا جائے جس سے فرضیت
عائد ہو جائے تو بھی فرض ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب؛ ہاں دونوں صورتوں میں اس شخص کے ذمہ سے حج فرض ادا ہو جائے گا
حج سفر حج میں اپنا پیش
اختیار کر سکتا ہے یا مکروہ ہے
تو اس کے حج میں کسی قسم کی کراہت وغیرہ کا سقم عارض ہوگا یا نہیں، یا اولویت کے خلاف
ہوگا یا نہیں؟ فقط۔ ینوا توجروا۔

الجواب؛ جائز ہے۔ رہا یہ کہ ثواب تو کم نہ ہوگا تو اگر اصل مقصود کمائی ہے تو
بیشک ثواب کم ہو جائے گا اور اگر اصل مقصود حج ہے اور کمائی تابع ہے تو ثواب کم نہ ہوگا،
مگر شہد عدم اخلاص کا ہے۔ اور اگر کمائی سے مقصود سفر حج کی سہولت ہے تاکہ وہاں تنگی نہ پیش

آئے تو کچھ شہد نہیں بے غبار حجاز بلکہ افضل ہے واللہ اعلم۔ ۱۸ رجب ۱۳۳۵ھ
بارہویں کی رمی زوال سے | سوال (۱۳) بارہویں کی رمی قبیل از زوال ادا ہو جاتی
پہلے جائز ہے یا نہیں ہے یا نہیں۔

الجواب؛ نہیں بارہویں کی رمی زوال سے پہلے حجاز نہیں
بارہویں کو بعد مغرب طواف | سوال (۱۵) طواف زیارت بارہویں تاریخ کو بعد مغرب
زیارت ہو سکتا ہے یا نہیں ادا ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب؛ ادا ہو جائے گا مگر دم واجب ہوگا، طواف زیارت کا وقت واجب
بارہویں تاریخ کے غروب شمس سے پہلے تک ہے اور وقت صحت و ادا تمام عمر سے، غنیہ ۹۵،
حج فرض ہونے کے بعد کسی مصلحت | سوال (۱۶) حضرت مولانا! السلام علیکم
سے اس میں تاخیر جائز نہیں ہے اس عاجز نے پانچ چھ ماہ ہوئے اس سال حج کرنے کا ارادہ

کیا تھا چنانچہ اسکے سامان اور انتظام کی کوشش میں رہا ایک مکان کی تعمیر میرے ذمہ تھی اور
امید تھی کہ ایام حج سے پہلے مکمل ہو جائے گی صورتیں ایسی وقوع میں آئیں کہ کسی طرح بھی عمارت
مذکور کی تکمیل ایام حج تک ہونی ناممکن ہے مصلحت کہتی ہے کہ اس سال ارادہ ملتوی کر کے آئندہ
سال اس فریضہ کا انجام دوں کیونکہ حج اب مجھ پر فرض ہے لیکن مصلحت سے مقدم شریعت
ہے اس لئے جناب سے استفسار کرتا ہوں کہ آیا اس سال حج کا التوار آئندہ سال کے لئے گناہ
تو نہ ہوگا اور آیا کوئی صورت ایسی ہے کہ اس التوار کی اجازت ہوگی اپنے فہم میں قرآن شریف کی آیت
"الحج اشہر معلومات" سے حج کی نیت اشہر حج سے پہلے معتبر نہ ہونی چاہئے مگر میں اس
لائق نہیں ہوں کہ اپنے فہم کو معتبر سمجھوں اس لئے جناب کو تکلیف دیتا ہوں کہ مجھے صحیح راہ بتائیں

الجواب؛ قال فی الغنیۃ عب (الحج) علی الفور فی اول سنی اللیج
وهو اول سنی الامکان علی القول الاصح عندنا وهو قول ابی یوسف واصم
الروایتین عن ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہما فیقدم علی الحوائج الاصلیۃ
کمسکنہ وخادمہ والتزوج وان لم یجب بھا کما سیأتی اھ (صل) وقال
محمد والشافعی فرض علی التراخی ونبہ ایضاً ومن لا مسکن لہ ولا خادم
وهو محتاج الیہما ولہ مال یکفیه لقوت عیالہ من وقت ذہابہ
الیحین ایابہ ولہ مال یبلغہ فلیس لہ صی فہ الیہما ان حضرت وقت

خروج اہل بلدہ (ص ۵) صورت مسئولہ میں آپ پر اسی سال حج کرنا واجب ہے، مصلحت مکان کا انتظام کر دیا جائے یا تعمیر کو درمیان میں روک دیا جائے۔ الحج اشہر معلومات کا مطلب یہ ہے کہ اشہر حج سے پہلے حج کا احرام نہ باندھا جائے یہ مطلب نہیں کہ ان مہینوں میں نیت کی جائے تو حج واجب ہو گا اور نہیں وجوب حج کا مدار نیت پر نہیں ہے بلکہ وقت حج میں وجود زاد و راحلہ و استطاعت پر ہے جس شخص کے پاس ہندوستان میں مثلاً شوال کے مہینہ میں آمد و رفت سفر حج کا کرایہ وغیرہ اور اہل و عیال کا نفقہ و ایسی تک موجود ہو اور ذین و حوائج اصلیہ سے فاضل ہو اس پر اس سال حج فرض ہو جائے گا خواہ نیت کرے یا نہ کرے۔ والٹر اعلم۔ ۲۷ رمضان ۱۳۴۷ھ

سوال (۱۷) جنگ یورپ کے زمانہ میں ایک شخص کے پاس اتنی رقم تھی کہ وہ حج ادا کرے لیکن علماء کرام کے ارشاد پر کہ راستہ کی حالت از حد مخدوش ہے وہ حج ادا نہ کر سکا اور اسی حالت جنگ میں وہ رقم اس کے پاس سے صرف ہو گئی اب گزارش ہے کہ اس کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب؛ محض علماء کا کہنا کافی نہ تھا کیونکہ راستہ کا مخدوش ہونا یا نہ ہونا علمی مسئلہ تھوڑا ہی ہے بلکہ یہ تو تحقیق اخبار سے متعلق تھا جس اگر تحقیق سے اس وقت یہی ثابت ہوا تھا کہ راستہ مخدوش ہے جب تو مسائل کے ذمہ حج فرض نہیں اور اگر تحقیق نہیں کی تو اس کے ذمہ حج فرض ہے رقم جمع کر کے حج ادا کرنے کی کوشش کرے اور یہ جواب اس صورت میں ہے جبکہ کسی سال ماہ شوال یا ذیقعدہ میں اس کے پاس بقدر حج کے رقم فاضل عن الحوائج الضروریہ جمع رہی ہو اور اگر ان مہینوں میں کبھی رقم جمع نہیں رہی تو سوال دوبارہ کیا جاوے۔ فقط

۲ ذیقعدہ ۱۳۴۷ھ

سوال (۱۸) گزارش یہ ہے کہ جس روپیہ میں زکوٰۃ نہ نکالی جاوے اس روپیہ سے حج کرنا جواز و عدم جواز سے مفصل مطلع فرمایا جائے۔ اور قرض لیکر جانا ہے یا نہیں حج ہو جائے گا یا نہیں یعنی کچھ روپیہ تو اس کے پاس ہے جو حج کو جاتا ہے اور کچھ روپیہ قرض لیکر جاتا ہے، اس کا بالغ لڑکا ہے وہ قرض ادا کر دے گا تو اس روپیہ سے حج ادا ہو گا یا نہیں اور اگر وہ بالغ

لڑکا کہے کہ میں خود تنگ دست ہوں بال بچوں کو کیا کھلاؤں گا میں قرض نہ دوں گا تو اس کا کیا حکم ہے جو والد کا کہنا نہیں مانتا۔

الجواب؛ جس روپیہ سے زکوٰۃ نہیں نکالی گئی اس سے اگر حج کیا جائے تو حج تو جائز ہو جائے گا مگر زکوٰۃ کی تاخیر کا گناہ بھی رہے گا اس لئے بہتر یہ ہے کہ اول زکوٰۃ ادا کی جائے اس کے بعد جو رقم بچے اس سے حج کیا جائے اگر وہ رقم کافی نہ ہو تو قرض لیکر حج کرنا اس شرط سے جائز ہے کہ ادارہ قرض کے واسطے کچھ سرمایہ سمیٹے چھوڑ جائے مثلاً جائداد و مکانات وغیرہ۔ اگر سرمایہ کچھ نہ ہو تو قرض لیکر اولاد کے ذمہ ڈالنا جائز نہیں اور جو لڑکا قرض کے ادا کرنے سے انکار کرتا ہے اس کا کچھ قصور نہیں اولاد کے ذمہ ماں باپ کی اطاعت و خدمت لازم ہے قرض ادا کرنا ان کے ذمہ نہیں۔ فقط۔ ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ

سوال (۱۹) زید نے ری ہجرت تلامذہ بارہ تاریخ کی بکر اور بدون عذر رمی میں نیابت کا حکم یا ہندو یا چند عورتوں کی طرف سے بحالت صحت و کمالہ کر لی اور رمی قبل زوال ہوئی۔ آیا یہ رمی صحیح ہوئی یا نہیں در صورت عدم صحت دم وغیرہ اس پر واجب ہے یا کیا۔ اگر واجب ہے تو یہاں لے لکھا ہے یا نہیں کسی سے کرا دیا جائے؟

الجواب؛ بارہ تاریخ کو زوال سے قبل رمی کرنا صحیح نہیں ہے اور رمی میں بدون عذر نیابت بھی جائز نہیں ہے۔ اس لئے نہ خود زید کی رمی صحیح ہوئی اور نہ بکر و ہندو وغیرہ کی اور سب پر دم واجب ہے اس لئے ہر ایک کی طرف سے ایک ایک بکری حرم میں ذبح کرائی جائے یہاں ذبح کرنا کافی نہیں ہے۔ قال فی غنیۃ الناسک واما وقت الجواز فی الیوم الثانی والثالث من ایام العرفین النوال الی طلوع الفجر من الغد فلا یجوز قبل النوال فی ظاہر الروایۃ وعلیہ الجمہور من اصحاب المتون والشروح والفتاوی قال فی الفیض وهو الصواب (ص ۹) وفی (ص ۱۰) السادس ان یرمی بنفسه فلا یجوز النیابۃ فیہ عند القدرة ویجوز عند العذر وفی (ص ۱۱) ولتوکل رمی الجمار الثلاث فی یوم واحد و یومین او فی الایام کلھا فعلیہ دم واحد لا تصاد الجنس اھ وفی (ص ۱۲) وحیت ما اطلق الدم فالمراد الشاة وتجنئی فی کل موضع الا اذا جامع بعد الوقوف بعرفۃ اطراف للنزیارۃ جنبا وحائضا و انفساء فیہما تجب بدنة اتم وفی (ص ۱۳) الثامن ذمۃ فی الحرم فلوزیح

فی غیرہ لا یجوز یہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۲۲ جمادی الاخری ۱۲۷۵ھ۔
بچے کوچ پر ساتھ لیجانے سے | سوال (۲۰۱) بچے کوچ کے لئے لیجانا مناسب نہیں کیونکہ اس
اس پر حج فرض ہو جاتا ہے | پر یہ اللہ شریف دیکھنے سے فرض ہو جائیگا اور اگر وہ بڑھکر مالدار ہو اور

مرگیا تو گنہگار مرے گا بوجہ متعلق ہو جانے فرضیت حج کے سبب دیکھنے بیت اللہ شریف کے۔
الجواب؛ بچے کوچ کر کے چلا آئے تو بالغ ہونے کے بعد اس پر حج فرض نہیں
ہوتا۔ ان اگر بلوغ کے بعد مالدار بھی ہو جائے تو فرض ہوگا بوجہ مالدار کی کے نہ بوجہ اس
تاریخ سابقہ کے فقط۔ احقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۱ شوال ۱۲۷۵ھ

الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ ۱۲ شوال ۱۲۷۵ھ۔

ملازمت ختم ہونے کے خوف | سوال (۲۱) میری عمر اس وقت ۲۹ سال کی ہے اور میں نے
سے حج میں تاخیر کرنا | ابھی تک فرض حج بھی ادا نہیں کیا ہے وجہ یہ ہے کہ اب تک کا زمانہ
میرا مختلف پریشانیوں میں گنا ہے مثلاً والد صاحب کا انتقال ہوا اور گھر بار سب میرے سر پر
اور اپنی تعلیم کی فکر تھی۔ وہ الگ اب وقت یہ ہے کہ میری ملازمت ایک سرکاری یعنی انگریزی
دفتر میں ابھی تک غیر مستقل ہے اور غیر مستقل ہونے کی وجہ سے میرے حکام کو بالکل اختیار
ہے کہ چاہے جس روز اس وقت مجھے (خواہ کوئی تصور ہو یا نہ ہو) درخواست کر دیں چونکہ حج
کے واسطے مجھے طویل رخصت کی درخواست دینا ہوگی لہذا بجائے رخصت کی درخواست منظور
کرنے کے مجھے غالب اندیشہ ہے کہ وہ یہی حکم دیں گے کہ جیسے ہم نے ہمیشہ کے واسطے آپ کی
برخواست کر دیا۔ دوم میں ایک سادہ لوح اور نا تجربہ کار سا آدمی ہوں، لہذا اس انتظار
میں ہوں کہ میرے اعز امیں سے ایک عزیز چند سال کے بعد حج کو جانوالے ہیں انشاء اللہ
ان کے ہمراہ میں بھی جاؤں گا اب پوچھنا یہ ہے کہ یہ جو میں اب تک فرض حج کو ادا کرنے نہیں
کیا اور ابھی چند سال تک بوجہ مندرجہ بالا مجبور یوں کے میرا جانا ملتوی رہے گا تو میں از
روئے شرع شریف تو گنہگار نہ ہوں گا؟

الجواب؛ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

تاخیر حج بلا عذر سے گناہ ہوتا ہے اور جو تاخیر بجز وہ اس سے گناہ نہیں ہوتا۔
یہ تو قاعدہ کلیہ ہے۔ اب رہا یہ کہ جو عذر آپ نے بیان کیا ہے وہ عذر ہے یا نہیں مجھے

اس میں تردد ہے۔ نیز علماء سے رجوع کیا جاوے۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ ۱۳ شوال ۱۲۷۵ھ

حضرت حکیم الامت سے دریافت کیا تو فرمایا کہ میرے نزدیک پریشانی روزگار عذر ہے،
حکام عنہ الطولوی عبد الکریم سلمہ۔

سوال (۲۲) علی شخصے است دو متمند نزد او زمینات
جس کی بلکہ میں وسیع زرعی زمینیں ہوں |
مگر نقد روپیہ نہ ہوتا ہندو سے سود پر لگتا
زرعی بسیار موجود اند لیکن فی الحال نزد او روپیہ نقد موجود
لیکن اس کوچ کرنا جائز ہے یا نہیں اور
نہ اند ان کسی خواہد کہ روپیہ مثلاً ایک ہزار بقرض بر سود
اس سودی معاملہ سے گنہگار ہو گیا یا نہیں
از ہندو بگیرم حج کنم بعدہ آن قرض صحیح سود ادا

خواہم نمود پس زید فتویٰ می دہد کہ آن کس را اگر قرض بر سود جائز نیست و ازین عقد ناجائز
آن مال مستقرض ہم حرام گشت پس حج کردن آن را ازین مال حرام جائز نیست و عمر فتویٰ می دہد
کہ این مال حرام نیست چیرا کہ زیادتی ربوا حرام است و حرمت عقد ازین مال مستقرض اثر نمی
کند پس حج کردن آن شخص ازین مال جائز است کہ ازین عقد ناجائز آن مال مستقرض حرام
می شود یا نہ؟

ع ۲ ثانیاً در صورت مذکورہ کہ نزد آن شخص نقدیات موجود نہ اند و بر ادعای اسلام ہم فرض
است و ایام حج بر سر آمدہ اند اگر ہمان شخص قدرے از زمینات خود می فروشد پس ایام حج
می گذرند و می داند کہ اگر درین سال بمیرم پس مرتکب کبیرہ خواہم شد اکنون درین صورت اگر
چند مبالغ بر سود بگیرد بہ سبب ہمیں ضرورت جائز است یا نہ و ہمیں ضرورت شرعی است
یا نہ جواب ہر دو سوال بحوالہ کتب مرحمت فرمائید کہ اطمینان قلبی حاصل گردد۔

الجواب؛ (۱) قول زید کہ گرفتن قرض بر سود جائز نیست صحیح است و اما قول او
کہ ازین عقد ناجائز آن مال مستقرض ہم حرام گشت پس حج کردن ازین مال حرام جائز

لہ اس فتویٰ کے متعلق خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے مفتی حضرت مولانا مفتی عبد الکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے
"امداد الاحکام" کے رجسٹر ۹ کے شروع میں تحریر فرمایا ہے کہ اس میں "مجھے تردد ہے۔" افسوس کہ حضرت
حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق اس مسئلہ میں معلوم نہیں ہو سکی۔ احقر
ناکارہ محمد رفیع عثمانی خادم طلبہ و دارالافتاء دارالعلوم کراچی۔ ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ

نیست الف صحیح نیست زیرا کہ عقد استقرار بشرط فاسد فاسد نمی شود قال فی الدر
القرض بالشروط حرم والشروط لغو اه ۲۳۱ ، بلکہ شرط فاسد خود لغوی گردد پس مال
مستقرض حرام نہ گشت بلکہ شرط ربوا باطل گردد۔ و چون مال ربوا بمال اد مخلوط نگردد
بلکہ بمال مقرض مخلوط شدہ لہذا مال مستقرض حلال باشد و حج ادا کردن با دہم صحیح باشد
اگرچہ گناہ عقد ربوا و دادن ربوا ہم بذمہ او باشد۔

(۲) تا وقتیکہ زمین مذکور فروخت شود و نزد مرد رقم نقد بوقت خروج حجاج بدست
نیاید بروج فرض نیست پس بدین ضرورت کہ اس سال حج ادا کردہ شود قرض بر سود گرفتن جائز
نباشد واللہ تعالی اعلم۔

اشہر حج میں عمر کے بعد حج | سوال (۲۳) معلم الحج ۲۳۵ پر ہے جس پر حج فرض ہے اگر وہ
سے قبل مدینہ جانا جائز ہے | مکہ میں حج کے مہینوں سے پہلے آجاتے تو حج کے مہینے شروع ہونے سے
پہلے اس کو مدینہ جانا جائز ہے اور حج کے مہینے شروع ہونے کے بعد جانا جائز نہیں، اس کا
ماخذ غنیہ اور شرح لباب باب زیارت ہے والظاہر ان لہ ان یبنا و قبل دخول
اشہر الحج و اما بعد فلا تک اس سے صریح معلوم ہوا کہ متمتع کو بھی نہ جانا
جائز ہے۔

الجواب! منصف معلم الحج سے فہم مسئلہ میں سہو ہوا ہے یہاں کلام افضلیت و
غیر افضلیت میں ہے حوازیں کلام نہیں اوپر سے دیکھا جاتے قد رسی الحسن عن ابی حنیفہ
انہ اذا کان الحج فرضاً و الاحسن للحاج ان یبدأ بالحج ثم یثنی بالنیارۃ وان
بدأ بالنیارۃ جاز و هو الظاہر اذ یجوز تقدیم النقل علی الفرض اذ لم یخش
القوت بالاجماع اہ عدم حوازی کوئی وجہ نہیں جبکہ خوف فوت حج نہ ہو فقد ذکر الشیخی
فی المبسوط عن زید التقی رضی اللہ عنہ انہ سأل ابن عباس رضی اللہ عنہما
فقال اتینا عمارة فقضینا ہاتم زرنا القبر ثم حججنا فقال انتم متمتعون
۱۸۲ | واحتج بہ لابی حنیفہ علی ان الخروج من المیقات لیس بالمام وانما
۲۳۷ | الامام ان یصل الی اہلہ ، بہر حال اس سے یہی معلوم ہوا کہ اشہر حج میں عمر کرنے
کے بعد بھی مدینہ جاسکتا ہے۔ واللہ تعالی اعلم۔

۹ شعبان ۱۲۵۶ھ

فصل فی الاحرام وما ہو منظور فیہ او مباح

احرام میں شکار اور غیر محرم کا حدود

حرم کے اندر شکار لانے کا حکم اور اس

کے متعلق غنیہ اور زبدہ کی عبارتوں

میں تعارض کی تحقیق

سوال (۱) ذیل کے مسئلہ کی تحقیق کی ضرورت ہے اس کے تحقیق
کر کے ارقام فرمادیں۔

زبدۃ الناسک غیر حبیبی کے صفحہ ۲۸ میں لکھا ہے کہ جو محل میں احرام باندھے اور اس کی مٹھی میں
صید ہو تو واجب ہے کہ اس شکار کو چھوڑ دے اس طرح کہ ضائع نہ ہو یا قفس میں رکھے الہ اور
کچھ آگے لکھتے ہیں کہ محرم یا حلال جب حرم میں داخل ہو اور اس کے پاس شکار ہو اگرچہ قفس میں
ہو تو واجب ہے کہ اس کو چھوڑ دے کہ وہ اب حرم کا شکار ہو گیا الہ ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ
حرم میں احرام باندھنے کی صورت میں شکار کا اصل چھوڑ دینا واجب نہیں ہے بلکہ کسی شجرے
میں ہو رکھ دینا چاہئے اور حرم میں داخل ہونے کی صورت میں اگرچہ شجرے میں ہو اصلاً
چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ یہ شکار اب حرم کا ہو گیا اب سوال یہ ہے کہ محل میں حلال نے شکار
یکڑا پھر حرم میں داخل ہو تو یہ شکار اس کی ملک سے خارج ہوا یا فقط اس کو حرم میں ہلاک
نہ کرے یعنی مامون رکھے اور پھر حرم سے باہر نکل کر کام میں لاسکتا ہے۔ زبدۃ کی عبارت
سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کی ملک سے بھی خارج ہو گیا اصل حرم کا ہو گیا اور غنیۃ الناسک
صفحہ ۱۶۱ اور دیگر کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل چھوڑ دینا واجب نہیں۔ یعنی محل و حرم میں
فرق نہیں ہے ولو ادخل محرم اذ حلال صید الحل المحرم صار حکمہ حکم صید
المحرم ومن دخل المحرم بصید فعلیہ ان یرسلہ فیہ اذا کان فی یدہ حقیقۃ
حتی اذا کان فی رحلہ اذ فی قفصہ لا یجب ارسالہ کذا فی الہدایۃ و الکفایۃ
و غیرہما۔ غنیۃ الناسک صفحہ ۱۵۷ سطر ۷ ولو اخذہ فی الحل و هو
حلال ثم احرم اذ دخل بہ المحرم ملکہ ملکہ محترماً فان کان الصید فی
یدہ حقیقۃ و جب ارسالہ لکن لایان لیبہ لان تسبیب الدایۃ محرم لازم
تضییع للملک بل یطلقہ علی وجہ لا یضیع بان یخلیہ فی بیتہ او یودعہ عند
حلال او یرسلہ فی قفص معہ الہ اس سے صاف معلوم ہوا کہ اگر حرم میں حل کا شکار

داخل کیا جاوے تو اطارة واجب نہیں ہے بلکہ چھوڑ دینا تنسیح مال ہے اور پھرے میں ساتھ لئے رہنا بھی حرم میں جائز ہے اب زبدہ اور غنیہ کی عبارات کا تعارض دفعہ فرمادیں یا ایک کو ترجیح دیں اس بارہ میں شامی کو بھی دیکھنا اس میں شاید لکھا ہے کہ حل میں شکار پکڑ کر بانسے اور حرم میں محرم و حلال اگر شکار داخل کرے اور شکار پھرے میں ہو یعنی فی یدکمی ہو تو چھوڑنا واجب نہیں اور اگر فی ید حقیقی ہو تو حرم میں اصل چھوڑ دینا واجب ہے اور حل میں اصل چھوڑنا واجب نہیں یہ فرق بیان کیا ہے اور غنیہ نے دونوں میں فرق نہیں کیا یہ تعارض بھی دفعہ فرمادیں شامی ص ۳۰۳ وہی من احرم فی الحل و فی یدہ صید و اما الاولى وہی لو دخل الحرم و فی یدہ صید فالواجب علیہ الارسال بمعنی الاطارة لقوله فی الهدایة۔

الجواب : (۱) قول وباللہ التوفیق، اخذ صید کی سورتیں چند میں ہر ایک کا حکم الگ الگ معلوم کرنا چاہئے (۱) احرام کے بعد شکار پکڑے خواہ حل کا ہی شکار ہو یا حرم کا شکار پکڑے خواہ یہ حلال ہی ہو محرم نہ ہو تو ملک میں داخل نہ ہوگا (۲) نیز کہ احرام حل میں باندھنا چاہتا ہے اور احرام سے پہلے اس کے ہاتھ میں حقیقہ صید حل ہے (۳) حل میں احرام باندھنا چاہتا ہے اور اس کے ہاتھ میں نہیں بلکہ قفص میں صید حل ہے (۴) حرم میں داخل ہوا اور اس کے ہاتھ میں نہیں بلکہ قفص میں صید حل ہے اور قفص اس کے ہاتھ میں ہے یہ چار صورتیں جن میں دو سورتیں اخیر کی محل نزاع ہیں۔ و دلیل الاول ما فی غنیۃ الناسک ولو اخذ الصید فی الحل وهو محرم او فی الحرم وهو حلال لم یملکہ و وجب ارسالہ سواء کان فی یدہ او فی قفص معہ او فی بیتہ اھ (ص ۱۵۶) اور صورت ثانیہ کا حکم ہے کہ یہ شکار محرم کی ملک ہے اور اس کے ذمہ اس کا چھوڑ دینا واجب ہے مگر اس طرح کہ ضائع نہ ہو مثلاً گھر میں بند کر کے چھوڑ دے یا کسی حلال خارج حرم کے پاس امانت رکھ دے یا قفص میں چھوڑ دے قال فی اللباب و شرحہ ولو اخذ صید فی الحل وهو حلال ثم احرم ملکہ ای ملکہ مستمنا حیث لم یخرج بالاحرام من ملکہ ثم ان کان الصید فی یدہ لکن ما ارسالہ علی وجه لا یضیع ملکہ ای ان شاء بقاءہ فی ملکہ بان یخلیہ فی بیتہ مغلقاً علیہ فان الاستدانة علی اخذ الصید (بیدہ) فی حکم ابتداء صیدہ وان لم یارسالہ حتی مات فی یدہ لکن ما الجزاء اھ (ص ۲۰۲) اور یہ جو کہا گیا ہے کہ اس طرح چھوڑے

کہ جانور ضائع نہ ہو یہ اس وقت واجب ہے جبکہ اس کو اپنی ملک میں رکھنا چاہے اور اگر بطور اجرت کے چھوڑ دے کہ جو پکڑے وہی ملک سے اور اپنی ملک میں باقی نہ رکھنا چاہے تو یہ بھی جائز ہے قال فی الدرر و فی کراہۃ جامع الفتاویٰ شامی عصافیر و اعترفاً جازاً الی ان قال من اخذها فہی لہ قلت و حیثئذ فتقید الاطارة بالاباحة قبل فتامل اھ قال الشامی لکن ظاہر ما قد مناه عن الفقہستانی من حکایة القولین فی تفسیر الارسال ان من نسہ بالاطارة لم یقید بالاباحة لانه یقول ان الارسال واجب فلم یکن فی معنی التسیب المحذور و من نسہ الارسال بالوردیة فکانہ یقول حیث امکنہ و نسہ التعمیر للصيد بها فلا حاجة الی الاطارة المضیعة للملک لاندفاع الضرورة بدونها اھ (۲ ج ۳۶۱) شامی کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض روایات پر اطلاق اطارة مطلقاً جائز ہے اباحت کی قید کی ضرورت نہیں لیکن قواعد سے ترجیح اس کو معلوم ہوتی ہے کہ اگر قوم حاضر کو اباحت کر دے تب تو اطارة جائز ہے اور اگر اباحت کرے تو جب تک ایداع وغیرہ کے ساتھ تفسیح سے احتراز ہو سکے تو ایداع وغیرہ لازم ہے البتہ اگر ایداع وغیرہ بھی ہو سکے اور نہ اس کے سامنے ایسے آدمی حلال موجود ہوں جن کو اباحت کر کے تو پھر اطارة مطلقاً جائز ہے قال فی غنیۃ الناسک فان کان الصید فی یدہ حقیقہ و جب سالہ لکن لا بان یسیبہ لان تسیب الدابة حرام لانه تسیب للملک بل یطلقہ علی وجه لا یضیع بان یخلیہ فی بیتہ او یودعہ عند حلال او یرسلہ فی قفص معہ فان لم یسیب یسیبہ للضرورة لان ارسالہ ما موربہ اھ (ص ۱۵۶) اور صورت ثالثہ کا حکم یہ ہے کہ جب صید ہاتھ میں نہیں بلکہ قفص میں ہے تو صحیح قول میں اس کے ذمہ اس کا چھوڑنا واجب نہیں اور اگر قفص وغیرہ میں مر جائے تو اس کے ذمہ ضمان نہ ہوگا اور ایک ضعیف قول یہ ہے کہ اس وقت بھی ارسال لازم ہے قال فی اللباب و شرحہ وان کان الصید فی بیتہ و کذا اذا کان فی قفصہ حال احرامہ لانی یدہ لا یجب ارسالہ حتی لو لم یرسلہ فمات لا یضیع ای علی الصحیح وقیل لو کان القفص فی یدہ یجب ارسالہ اھ (ص ۲۰۲) و کذا فی الدرر مع الشامیة و زاد الشامی وقیل ان کان القفص فی یدہ یلزم ارسالہ لکن علی وجه لا یضیع ہدایة

وهو ضعيف كما في النهي قال ح والظاهر ان مثله ما اذا كان الحبل
المشد ود في رقبة الصيد في يده او صورت رالبعه وخامسه كما حكم به في شكار تو
ان دون صورته في يده صاحب يدك ملك به . ليكن صورت رالبعه في جيبك شكار حقيقة
اس کے ہاتھ میں ہو حرم میں اس کو چھوڑ دینا واجب ہے . اور صورت خامسہ میں جیکہ شکار
کو قفس میں لیکر داخل حرم ہوا اس کا ارسال واجب نہیں قال فی البحر تحت قول
الکنز ومن دخل الحرم بصيد ارسله اى فعليه ان يطلقه لانه لما حصل
في الحرم ويجب ترك التعرض لحرمة الحرم اذ هو صار من صيد الحرم
فاستحق الا من اراد به ما اذا دخل وهو ممسك له بيده الحاجة لانه
سيصرح بانته اذا احرم وفي بيته او في قفصه صيد لا يرسله فذلك
اذا دخل الحرم ومعه صيد في قفصه لاني يده لا يرسله لانه لا فسق
بينهما فالحاصل ان من احرم وفي يده صيد حقيقة او دخل الحرم
كذلك وجب ارساله وان كان في بيته او قفصه لا يجب لارساله فيهما
ففيه بسئلة مثل الحرم فان سئل عن اربعة مسائل على مسئلة الحرم و
ليس المراد من ارساله تسيبه لان تسيب الدابة حرام بل يطلقه
على وجه لا يضيع ولا يخرج عن ملكه بهذا الارسال حتى لو خرج الى
الحل فله ان يمسكه ولو اخذه انسان يسترده اه (ص ۳۱ ج ۳)

اس سے معلوم ہوا جو حکم محرم کے ہاتھ میں حقیقہ شکار کے ہونے کا ہے وہی حکم داخل حرم کے
ہاتھ میں ہونے کا ہے اور جو حکم محرم کے ہاتھ میں حکماً یعنی قفس میں شکار ہونے کا ہے وہی حکم
داخل حرم کے پاس قفس میں شکار کے ہونے کا ہے .

پس غنی کی عبارت تحقیق بحر کے موافق ہے اور حضرت گنگوہی قدس سرہ نے زبده میں
جو فرق کیا ہے کہ حرم میں داخل ہونے والے کے ذمہ مطلقاً ارسال کو لازم فرمایا ہے خواہ حقیقہ
اس کے ہاتھ میں ہو یا قفس میں ہو عبارت بحر اس کی نفی کر رہی ہے اور غالباً مولانا کے اس قول
کا منشا لباب و شرح لباب وغیرہ کا اطلاق ہے لباب میں ہے ولو داخل محرم او حلال

لہ اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کا منشا وہ روایت ضعیف ہے جس کو شامی نے ہدایہ سے نقل کیا (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

صيد الحل الحرم صار حكمه حكم صيد الحرم اى فعليه ارساله اه
اور شرح لباب ہے واما ان دخل الصيد في الحرم من الحل صار حكمه حكم
صيد الحرم سواء كان مملوكاً ام لا وسواء دخل بنفسه او ادخله غيره
حلال او محرم ولا يدخل منه شئ في الحرم حياً الا وجب ارساله اه
(ص ۲۰۶ و ۲۰۷) لیکن جب بحر سے ان اطلاقات کا اس صورت کے ساتھ مقید ہونا معلوم
ہو گیا جب صید حقیقہ داخل کرنے والے کے ہاتھ میں ہو تو اس تصریح کے بعد اطلاق پر حمل
نہوگا اور شامی نے حاشیہ بحر میں اس مقام پر کچھ کلام نہیں کیا نہ ردالمحتار میں اس کے خلاف کچھ کہا
البتہ ردالمحتار کی بعض عبارات سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ داخل حرم کے ذمہ مطلقاً ارسال لازم ہے
کیونکہ اس میں محرم کے متعلق تفصیل کر کے لکھا ہے وقد علمت مما قد مناه ان هذا
كله فيما لو اخذ صيد اثم احرم اما لو دخل به الحرم فانه يلزمه
ارساله بمعنى اطارته وانه ليس له ايداعه لانه صار من صيد الحرم
اه (ص ۳۶۱ ج ۲) لیکن ردالمحتار ہی کی دوسری عبارت سے اس حکم کا اس صورت کے
ساتھ مقید ہونا معلوم ہوتا ہے جیکہ شکار حقیقہ ہاتھ میں ہو ورنہ ثم اعلم ان الذي
يظهر من كلامهم ان هذين القولين (في تفسير الارسال في المسئلة
الثانية فقط وهي من احرم في الحل وفي يده صيد اما الاولى وهي لو
دخل الحرم وفي يده صيد فالواجب عليه الارسال بمعنى الاطارة اى
لا بمعنى الايداع) لقوله في الهداية عليه ان يرسله فيه اى في الحرم و
تعليله له بانته لما حصل في الحرم وجب ترك التعرض له لحرمة الحرم و
صار من صيد الحرم اه (ص ۳۶۰ ج ۲) اس میں صاف تصریح ہے کہ داخل حرم پر

(حاشیہ یقینہ صفحہ گذشتہ سے) ہے کیونکہ وہ روایت محرم کے بارہ میں ہے اگر اس کی وجہ سے دخول حرم کی صورت
میں ارسال کو مطلقاً واجب کہا جائے گا تو محرم کے مسئلہ میں بھی اطلاق ارسال ماننا پڑے گا . حالانکہ
مولانا محرم اور داخل حرم کے حکم میں فرق کر رہے ہیں . ۱۲ منہ

لہ ویؤیدہ ما فی الادب المفرد للبخاری ان الصحابة كانوا يدخلون مكة
بصيد في اقفاصها .

ارسال جب واجب ہے کہ شکار اس کے ہاتھ میں ہو وصرح بہ فی الغرر شرح الدرر حیث
 قال حلال دخل الحرم بصید فی یدہ اسی یدہ الحقیقۃ الّتی ہی الجارحة
 حتی اذا کان فی رحلہ او قفصہ لایجب علیہ الارسال ذکرہ تاج الشریعۃ ارسلہ
 اسی علیہ ان یرسلہ اھ (ص ۱۷۲۵۲) وھذا عین ما صرح بہ صاحب البحر
 واما ما فی التحریر المختار علی قول الدر ولو القفص فی یدہ بدلیل ان
 المصنف اتم نازع الشیخ محمد طاہر بان قیاس القفص علی الخلاف قیاس
 مع الفارق لان الماموریہ فی المصنف عدم المس فاذا اخذہ بخلافہ
 لایكون ما ساء و الماموریہ فی الصید عدم التعرض ومن اخذہ بیدہ
 حال کونہ فی القفص فھو متعرض للصید لامحالة واعتمد ان من دخل
 الحرم حلالاً او حرماً ما فی یدہ او قفص معہ او فی ید خادم معہ صید الان
 وجب ارسالہ الصید بعد دخوله فی الحرم باسی وجہ کان لانہ صار
 صید الحرم واستند لذلك بکتیر من عبارات المؤلفین فانظر اھ (ص ۱۷۲۷)
 ففیہ اولاً انہ کلام علی الدلیل ولو تم للنہم کون الحرم متعرضاً للصید
 ایضاً حال کونہ فی القفص فیجب علیہ ارسالہ والمتون قاطبۃ علی خلافہ
 فی مسئلۃ الحرم فان قال الشیخ طاہر بالفراق فی الحرم و فی من دخل الحرم
 فعلیہ البیان وان سوی بینہما فقد مر عن النہر تضحیف القول بوجوب
 الارسال علی الحرم اذا کان الصید معہ فی القفص مع ان الکلام فی الدلیل
 لایستلزم الکلام فی المسئلۃ لاحتمال بناء علی دلیل اخر فلنا ان نقول
 ان القفص مثل البیت فکما یجوز المشی علی بیت فیہ المصنف لیس ذلك
 کالمشی فوقہ بعینہ فکذلك الصید فی القفص لیس اخذہ متعرضاً بل
 هو قاطب علی بیتہ کما اذا دخل الحرم و فی بیتہ صید ہاں ایک فرق البتہ
 ہے کہ محرم کے ہاتھ میں شکار ہو تو اس کے لئے بعد احرام کے ارسال دونوں طرح جائز ہے خواہ
 بطریق اطارۃ خواہ بطریق ایثار اور داخل حرم کے ہاتھ میں حقیقتہً ہو تو اس کو ایثار جائز
 نہیں بلکہ ارسال بطریق اطارۃ واجب ہے پس غنیہ کا یہ قول ہذا اذا احرم واما اذا
 دخل الحرم فیرسلہ فی قفص معہ فان لم یتیسر لیبیہ فی الحرم اھ (ص ۱۷۷)

تحقیق شاکہ کے خلاف ہے اور قواعد کے بھی خلاف ہے کیونکہ جب وہ ہاتھ میں لیکر داخل
 حرم ہو تو وہ صید حرم ہو گیا جس سے عدم تعرض واجب ہے اور اس کو قفص میں بند کرنا
 بھی تعرض ہے ہاں اسکی یہ مطلب لیا جائے کہ دخول حرم سے پہلے اس کو قفص میں بند کرے
 اور قفص میں لیکر داخل حرم ہو اور داخل بہ الحرم کو ارادۃ دخول پر محمول کیا جائے تو یہ
 کلام صحیح ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

تنبیہ :- ایک سوال و جواب طویل الذیل مولوی شریع محمد
 صاحب ساکن گھوٹکی ضلع سکھر ملک سندھ نے یہاں بھیجا
 جس میں جنایت فی انج کے ایک مسئلہ میں بعض اہل فتاویٰ
 سے ان کو اختلاف تھا یہاں سے انہوں نے محاکمہ چاہا اس لئے صورت مسئلہ کو منسج کر کے اور
 طرفین کے دلائل بیان کر کے اخیر میں محاکمہ لکھا جائے گا فقط

تحریر محل النزاع

محل نزاع یہ ہے کہ اگر ایک شخص کو ایک وقت میں دو یا زیادہ اعضا میں بس محیط کی ضرورت
 لاحق ہو اور نوع ضرورت مختلف ہو مثلاً عامہ در در سر کی وجہ سے باندھے اور قمیص بوجہ سردی کے
 پہنے تو اس صورت میں کفارہ مخیرہ واحد ہوگا یا متعدد ایک صاحب اتحاد کفارہ کے قائل ہیں
 اور ان کی دلیل یہ ہے کہ تعدد سبب جو فقہاء کے نزدیک موجب تعدد کفارہ ہے اس کا مطلب
 یہ ہے کہ تعدد ضرورت و عدم ضرورت کی وجہ سے ہو یا ایک ضرورت زائل ہو جانے کے بعد
 دوسری ضرورت پیدا ہو اور اگر تعدد ضرورت و عدم ضرورت سے ناشی نہ ہو بلکہ ضرورت ہی سر
 تعدد ہو گو نوع ضرورت ہر فرد میں جدا ہو تو یہ سب فعل واحد شمار ہوگا اور جزاً واحد لازم ہوگی
 لہذا فی المناسک فان تعدد السبب کما اذا اضطرا الی لبس ثوب فلبس ثوبین
 فان لبس ہما علی موضع الضرورة ای بعینہا نحو ان یحتاج الی قمیص فلبس قمیصین
 او قمیصاً وجبۃً او یحتاج الی قلنسوة فلبس ہما مع العمامة فعلیہ کفارۃ واحداً
 لان محل الجنایۃ متحد فلا یطر الی فعل المتعدد (یتخیر فیہا) (اسی فی الکفارۃ)
 لوقوع اثر الجنایۃ للضرورة ما صرح بہ فی المحيط وکذا اذا لبس ہما علی
 موضعین للضرورة بہما فی مجلس واحد بان لبس عمامۃ وحقاً بعدہما

فیہا فعلیہ کفارة واحدة وهی کفارة الضرورة لان اللبس علی وجه واحد فیجب کفارة واحدة وان لیسها علی موضعین مختلفین موضع الضرورة وغیر الضرورة کما اذا اضطر الی لیس العمامة فلیسها مع قمیص مثلاً اولیس قمیصاً للضرورة وخفین من غیر ضرورة فعلیه کفارتان کفارة الضرورة یتخیر فیها کفارة الاختیار لا یتخیر فیها ای بل یتعمم الکفارة فیها اه
الی ان قال ناقلاً عن الکما مانی لان هذا اللبس غیر اللبس الاول ای الاختلاف الوصفین کونهما بعذر وبغیره فکانا کشیئین متغائرين سواء فی مجلس او مجلسین اه (ص ۱۶۵) ویؤیدہ ایضاً مانی البدائع اذا کان به جرح او قرح اضطر الی مداواته بالطیب انه مادام باقیاً فعلیه کفارة واحدة فان تکبر علیه الداء لان الضرورة باقیة فوق کل علی وجه واحد ولو بدأ ذلك القرح او الجرح وحدث قرح آخر او جراحة اخرى فداواها بالطیب یلزمه کفارة اخرى لان الضرورة قد زالت فوق الثانی علی غیر الوجه الاول ولو جرح له جرح او اصابه قرح وهو یدأویہ بالطیب فحرت قرحة اخرى او اصابه جرح آخر والاول علی حاله لم یبدأ فدأوی الثانی فعلیه کفارة واحدة لان الاول لم یبدأ فالضرورة باقیة فالمداءة الثانية حصلت علی الجهة التي حصلت علیه الاولى فیکفیه کفارة واحدة اه (ص ۱۸۸ و ۱۸۹ ج ۲)

اس میں ایک زخم کے اچھا ہونے کے بعد دوسرا زخم یا ڈبل ہونے کو تو سبب آخر شمار کیا ہے اور ایک زخم یا ڈبل کے ساتھ دوسرا زخم یا ڈبل دوسرے موقع پر ہو جائے تو اس کو سبب آخر شمار نہیں کیا بلکہ سب کو جہت واحد میں داخل کیا ہے اور علت یہ بیان کی ہے۔ لان الاول لم یبدأ فالضرورة باقیة اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بقار عذر اول کے ساتھ دوسرے اعضاء میں عذر کا پیدا ہونا اور اس کی وجہ سے عضو ثانی میں منظور کا ارتکاب کرنا جنابت آخری نہیں بلکہ جنابت اولیٰ ہی میں متداخل ہے لبقاء الضرورة ہاں عضو ثانی میں ارتکاب منظور بلا ضرورت ہو یا بعد زوال ضرورة اولیٰ ہو تو کفارة ثانیہ لازم ہوگا۔ یہ تو ایک فرقی کے دلائل تھے دوسرا فرقی صورت مذکورہ میں تعدد کفارة کا فائل ہے

اور وہ مناسک کی اس عبارت سے استدلال کرتے ہیں قد تعدد الجناء ای کفارة المحظور فی لیس واحد یا مورای خمسة: الاول التکفیر بین اللبسين والثانی تعدد السبب ای بان لیس فی موضعین احدهما العذر والاخر غیر عذر اول عذر آخر اه (ص ۱۶۷)

فرقی اول کہتا ہے کہ اس عبارت میں اول عذر آخر کا مطلب اول حدوث عذر آخر بعد زوال الاول ہے نہ یہ کہ وقت واحد میں دو موضع میں الگ الگ عذر ہو تو ہر عضو میں لیس محیط سے کفارة متعدد ہو کیونکہ یہ خلاف تصریحات سابقہ ہے اور دلیل اس دلیل کی یہ ہے کہ صاحب لباب نے جو آگے چل کر کہا ہے والسا بع حدوث عذر آخر تو شارح نے اس کی شرح میں کہا ہے قد شمله ما تقدم فتدبیر اور ما تقدم اگر اس کو شامل ہے تو اس کی یہی صورت ہے کہ سبب ثانی میں اول عذر آخر کو حدوث عذر آخر بعد زوال اول پر محمول کیا جاوے۔

احقر کہتا ہے کہ میرے نزدیک فرقی اول کے دلائل قوی ہیں اور وہی قول صحیح ہے واللہ اعلم بحرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ ۲۶ رمضان ۱۲۲۳ھ

هذا التحقيق كاف شاف. اشرف علی ۲۷ رمضان ۱۲۲۳ھ
رفض احرام حج سے ایک دم اور | سوال (۳) یلملم سے احرام حج کا باندھا پھر جب جدہ میں آیا ایک دم لازم ہوگا یا دودم اور حج | تو احرام توڑ کر کپڑے وغیرہ سنکر مدینہ طیبہ چلا گیا پھر جب مدینہ طیبہ سے واپس ہوا تو پھر ذوالحلیفہ سے دوبارہ حج کا احرام باندھا تو آیا اس صورت میں کئے حج اور کئے دم لازم آتے ہیں یہاں کے بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس پر دودم اور دودم اور ایک عمرہ لازم ہوگا دودم لازم ہونے میں وہ فرماتے ہیں کہ ایک دم تو اس وقت لازم ہوا جب اس نے فحش کئے کپڑے سینے اور دوسرا دم اس وقت لازم ہوا جب دوسرے حج کا احرام باندھا کراس کے افعال شروع کئے کیونکہ پہلے رفض کے وقت فقط کپڑے پہننے سے وہ اچھی طرح احرام سے باہر نہیں آیا تھا اب جب اس ثانی احرام سے حج کے افعال شروع کئے تو اب اس کا رفض مستحق ہوا دوسرا

عہ عطف علی قوله فی موضعین تحت قوله لیس ومعناه بان لیس فی موضعین اولیس لعذر آخر بعد زوال الاول) سواء كان اللبس فی موضع واحد او موضعین ۱۲ ظ

دم اسب لازم ہوا۔ اس میں جو تحقق ہو اور قام فرمادیں یہ
الجواب : اقول وبالله التوفیق۔ صورت مسئلہ میں اس شخص پر جس نے جدہ میں
رفض احرام حج کیا اور مدینہ چلا گیا اور وہی میں پھر احرام حج باندھا دو حج اور دو دم لازم نہ آئیں
گے بلکہ احرام ثانی عین احرام اول ہے کیونکہ اس شخص نے احرام ثانی سے حج آخر کی نیت نہیں کی بلکہ
اسی حج کی نیت کر رہا ہے جو احرام اول سے اس پر لازم ہوا تھا اس لئے احرام ثانی سے اس پر دم
آخر بھی لازم نہ آئے گا بلکہ صرف ایک دم لازم آئے گا۔ قال فی اللباب مع شرحہ للفقاری۔
ولو اهل الفاتح بحجة اخرى قبل الفراغ من الاولى فان كان ينوي به قضاء
الفاتحة نهي بعينها ولا يلزم بهذا الاهلال شئ اى سوى التي هو
فيها فيتحلل بالطواف والسعي كما لو لم يهمل به ونيتة بالثانية لغو
لا اعتبار لها وعليه قضاء الاولى لا غير لكون الثانية لغوا وان نوى به
اى باهلاله حجة اخرى من فضها اى الحجة ويحل بانفعال العمرة لما
تقدم مع ما فيه من الخلاف وعليه قضاء حجتين وعمرة ودم اى عند
الحنيفة خلافا لهما لما تقدم عنهما اھ (۲۲۵) اس عبارت سے صاف ظاہر
ہے کہ احرام ثانی سے اگر قضا اولی یا عود الی الاولی کی نیت ہو تو اس سے بالاتفاق حج ثانی لازم
نہیں آتا۔ بلکہ حج ثانی صرف امام صاحب کے نزدیک جب لازم آتا ہے کہ احرام اول کو باقی سمجھ
کر اس کے علاوہ حج آخر کی نیت سے احرام باندھے۔ اور صورت مسئلہ میں ایسا نہیں ہے کیونکہ

لہ اى بين الشيخين ومحمد فانه اذا اهل بحجتين معا وبجدة ثم حجة مقترنتين
لزمه جميع ذلك غير انه من تفض احداهما فى المعية والثانية فى التعاقب عند
وعند محمد يلزمه احداهما فى المعية والاولى فقط فى التعاقب وثم الخلاف
تظهر فيما اذا جئنا قبل السيرة والشروع فى الاعمال فعليه دمان عند
الحنيفة للجنابة على الاخرين ودم واحد عند محمد لعدم انعقاد احداهما
وكذا عند ابى يوسف لان الثاني وان انعقد ولكنه ارتفض بلا مكث
كما فرغ من قوله لبك بحجتين كما فى المناسك ايضا (ص ۱۵۸) مؤلف

جابل جدہ سے رفض احرام کر کے واپس از مدینہ کے وقت احرام ثانی کی نیت کرتا ہے وہ بچتا ہے
کہ احرام اول رفض سے مرتفض ہو گیا پھر اسی کی قضا کی نیت سے دوسرا احرام باندھتا ہے کما
ہو ظاہر پس اس پر دو حج کا لازم کرنا صحیح نہیں بلکہ یہ کہا جائے گا کہ احرام ثانی عین احرام
اول ہے۔ رہا دم سو ہمارے نزدیک اس پر ایک دم لازم آئے گا قال الشامی عن اللباب
واعلم ان المحرم اذا نوى رفض الاحرام فجعل يصنع ما يصنعه الجلال من
لبس الثياب والطيب والحلق والجماع وقتل الصيد فانه لا يخرج بذلك
من الاحرام وعليه ان يعود كما كان محلها ويجب دم واحد لجميع ما ارتكب
ولو كل المحظورات وانما يتعد والجناء بتعدد الجنایات اذا لم ينو الرفض
جلد ثانی باب الجنایات ص ۲۰۰ دہلی

اور بعض علماء نے جو وجوب دین کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ احرام ثانی سے رفض متحقق ہو گیا
لہذا دوسرا دم تحقق رفض کی وجہ سے لازم آئے گا الہ یہ بنا رہا فاسد علی الفاسد ہے یہاں احرام ثانی
سے تحقق رفض ہی نہیں ہوا کما تقدم بلکہ ثانی عین اول ہے۔ دوسرے تحقق رفض سے دم ثانی کا
واجب کرنا یہ نہ معلوم کہاں سے لکھا گیا ہے ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ نیت رفض سے ایک دم ہوا اور
تحقق رفض سے دم آخر فان قام دلیل صریح ووجہ صحیح فالاد من مسلم والافلا۔
ہاں اگر یہاں تحقق رفض ہو جاتا تو وجوب دین کی یہ علت ہو سکتی تھی کہ ایک دم رفض کی وجہ سے ہر
دوسرا جمع بین النسکین کی وجہ سے کما صرح بہ فی اللباب مع شرحہ عن الیحمی (ص ۱۷۶)
وفیه اختلاف الرذائیین كما فصله فیہ ہذا، والله اعلم۔ سوال ۳۳
احرام میں از اردن لانا جائز ہے | سوال (۱) زید کو عارضہ قفق کا ہے کلون لینے سے مجبور رہتا ہے
اور اکثر خون بوا سیر کا کیرے میں ٹپک جاتا ہے اور وہاں پیشاب کی بعد طہارت کے کپڑے پر گر جاتا
ہے جس سے وہ کپڑا ہمیشہ نجس ہو جاتا ہے چنانچہ اس کے دفعیہ و رفع شک کے لئے اس نے ہمیشہ
یہ بات اختیار کی ہے کہ نماز کے وقت دوسرا تہمند باندھ کر نماز پڑھتا ہے اور بعد نماز اس تہمند
کو اتار کر سابق تہمند پہن لیتا ہے اب دریافت طلب امر ہے کہ جب کہ احرام حج کا تہمند باندھ
چکا ہو ایسی حالت میں بوقت نماز دوسرے اس تہمند کو باندھ سکتا ہے یا نہیں یعنی تبدیل کر سکتا ہے
یا اسی نجس تہمند سے نماز پڑھتا ہے۔

الجواب : احرام میں یہ ضرور نہیں کہ ایک ہی چادر اور ایک ہی لنگی اول سے آخر

تک بدن پر رہے بکہ چادر اور رنگی کو بدلتے رہنا جائز ہے پس صورت مسئلہ میں سائل کی کبھی کبھی سکانت
 احرام میں ہیبانی باندھنے کا حکم | سوال (۵) ڈور یا یعنی تھیلے سے ہونے جو بغرض حفاظت نوٹ
 روپیہ وغیرہ کمر میں باندھا جاتا ہے آیا کمر میں باندھ سکتے ہیں یا نہیں علاوہ اس کے فقہ کی کما فی جو عموماً
 چمڑہ اور تاگے سے بنی ہوتی ہے حالت احرام میں کمر میں باندھ سکتے ہیں یا نہیں کیونکہ عارضہ موجود ہے۔
 الجواب : نوٹ اور روپیہ کی حفاظت کے لئے کمر سے تھیلی باندھنا اور عارضہ فقہ
 کی وجہ سے بیٹی باندھنا بھی جائز ہے۔ یہ اس محیط میں داخل نہیں جس کی احرام میں ممانعت
 ہے۔ احرام میں وہ محیط ممنوع ہے جو جسم کی وضوح و تراش پر سلا ہوا ہو، فقط۔ ۱۲ شعبان ۱۳۵۵ھ
 منظورات احرام کا ارتکاب بلا عذر | سوال (۶) محرم اگر منظورات احرام کا ارتکاب
 کرے اور دم و صدقہ ادا کرنے سے عاجز ہو تو
 بلا عذر عمداً کرے اور دم و صدقہ ادا کرنے سے عاجز ہو تو
 تو اس کو دم کے عوض روزہ رکھنا کافی ہے یا نہیں ؟

الجواب : روزہ رکھنا بھی اس حالت میں کافی ہے جب کہ وہ اراقتہ دم و ادا صدقہ
 سے عاجز ہو وقد ذکر العلامة زین الدین ابن نجیم فی البحر والملا رحمة اللہ
 السندی فی منکھ ان المحرم اذا ارتکب المحذور علی وجه الکمال من غیر
 عذر و ضرورت فعلیہ الدم ولا یجوز عثہ الصوم عند عجزہ عن الدم قلت
 بل المقصر المنصوص علیہ فی کثیر من کتب المذہب المتعبرة اجزاء الصوم
 عند العجز عن الدم قال فی الاسرار للشیخ الاجل الامام القاضی ابی زید
 الدبوسی قال علماءنا فی کفارة الحلق واللبس والتطیب والقصر اذا وجبت
 عن عذر کان المكفراً فیها بالخیار بین النسک والصدقة والصیام و
 اذا وجبت عن عمد وجبت علی ترتیب الهدی اولاً فان لم یجد فالصدقة
 فان لم یجد فالصیام وقال یتخیر المكفّر عن الحلق فی الحالین . و یترتب
 علیہ الوجوب عن اللبس والطیب فی الحالین انتھی و فی المحيط للبرہانی
 فی نوع اللبس من الفصل الخامس وان لبس ما لا یحل لبسه من غیر

عہ نقل لنا هذه العبارات الفقهیه صدیقنا مولوی شیخ محمد السندی عن
 رسالة المخلصم هاشم السندی فی المناسک فجزاه الله خیر الجزاء . ۱۲ ظفر

ضرورة اراق لذلك دماً وان لم یجد صام ثلاثة ايام ثم ذکرہ فی نوع
 الحلق فی الاصل حلق المحرم رأسه بغیر عذر اراق دماً وان لم یجد صام
 ثلاثة ايام وان فعل ذلك بعد یتخیر بین الکفارات لثلاثة علی ما مر انتھی
 وذكر فی الذخيرة ایضاً مثل ما ذکرہ فی نوع اللبس وذكر فی الظهيرية ومنک
 الفارسی مثله و فی المبتغی و بلبس ما لا یحل لبسه بغیر ضرورة بلینہ دم و
 بفقد صوم ثلاثة ايام انتھی . فهذه نصوص صریحة فی اجزاء الصوم عند
 العجز عن الدم و اما تضعیف ابن نجیم کلام الظهيرية بما نقله عن الامام
 الاسدي جالی فلیس بصحیح اذ لیس فی کلامه صریحاً ما یخالفه ما فی الظهيرية
 بل هو موافق لها علی ما نینہ قال الاسدي جالی فی شرح المختصر للطحاوی
 فی باب ما یجتنبه المحرم فان لبس المحيط يوماً كاملاً من غیر ضرورت
 فعلیہ لذلك دم لا یجوز غیره الی ان قال وان فعل ذلك لعلة او ضرورة
 فعلیہ ای الکفارات شاء ذکر مثله فی الحلق ایضاً . فنقول مثل هذه
 العبارات موجودة فی غیرها کالکافی للحاکم الشهيد والمبسوط للسرخسی
 وغایة البیان شرح المهدایة والبدائع والتجريد لابی الفضل الکرمانی
 حيث قالوا و اما اذا فعل ذلك من غیر ضرورة یتعین فیہ الدم ولا یجوز الصوم
 انتھی . فقول الاسدي جالی وغیرہ فعلیہ لذلك دم لا یجوز غیره کلام مطلق
 قابل للتقید بما اذا کان قادراً وما فی الظهيرية والاسرار والمحیط وغیرہا
 صریح فی بوزانہم عند العجز وقد تقر فی کتب الاصول ان المطلق یحمل علی المقید
 فی الادلة فیما اذا اتحد الحكم والحادثة فكيف فی السرايات وما یدل
 ایضاً علی ان الکلام للامام الاسدي جالی ومن وافقه فی الاطلاق محمول
 علی ما اذا کان قادراً انهم قالوا و اذا فعل ذلك بعد یتعین فعلیہ ای
 الکفارات الثلاث شاء ولا شبهة فی ان التخییر بین الکفارات الثلاثة
 انما یتصور من العجز القادر اما الفقیر العاجز فیتعین فی حقه الصوم لانه
 لا قدرة له علی غیره وجهد المقل دموعه فان قلت قدمت عن الاسرار
 ان الکفارات اذا وجبت عن عمد وجبت علی ترتیب الهدی ثم الصدقة

ثم الصيام والذي تقدم عن المحيط والظهيرية وغيرها وجوب الدم اولاً
فان لم يجد فصيام ولم يذکر والصدقة فكيف التوفيق بين الكلامين
قلت: الظاهر ان الغالب ان من لم يجد الدم لا يجد الصدقة فقالوا
بجواز الصوم عند عدم الدم بناء على الغالب والذي في الاسرار بناء
على الامكان وحقيقة الامر فلا تدافع اه نقلتها من رسالة السيد
محمد امين بن حسن ميرغني الحسيني المكي الحنفي من عينه. قاله
المخدوم هاشم السندي الفقيه في باضه وهو من معاصري العلامة ابن عابدین
الشامي وله باع طويل ونظر واسع في الفقه هذا وقال العلامة ابن
عابدین في حاشية البحر على قوله وبهذا اظهر ضعف ما قد مناه
عن الظهيرية من انه ان لم يقدر على الدم صام ثلاثة ايام ولم
اره لغيرها اه مانصه وفي حاشية المدنی بعد ذكره كلام المؤلف و
نقل المنلا رحمة الله في منسكه الكبير نحوه ونقل عن الفارسي والجمي
العميق نحو ما ذكره في الظهيرية على وجه الاعتراض عليهما قال
شيخنا مولانا السيد محمد امين ميرغني بعد نقل عبارتهما في رسالة
له قلت بل المقرص المنصوص عليه في كثير من كتب المذهب المعتبرة
اجزاء الصوم عند العجز عن الدم كما نعلمه عليك وسر الاقوال
المؤيدة لكلامه فراجعها ان شئت اه (ص ۱۳۳) . ۷. سؤال ۳۶
عورت حالت احرام میں | سوال (۷) عورت حالت احرام میں چہرہ کس چیز سے ڈھانپے ہے
چہرہ کس چیز سے ڈھانپے | بہتی میں جو کھجور کا پنکھا چہرہ ڈھانپنے کے لئے فروخت ہوتا ہے اس
کو مولانا موصوف نے ناکافی لکھا ہے۔

الجواب: ہاں وہ پنکھا تو ناکافی ہے بہتر صورت یہ ہے کہ چھپے دار ٹوپی سر پر رکھ کر
ادب سے برقعہ اوڑھ لے اس صورت میں چہرہ پر کپڑا نہ پڑے گا۔
بجالت احرام عورت کو | سوال (۸) سفر حج کے زمانہ میں عورت کو جہاز پر چڑھنے اترنے کی
مردانہ جوتا پہننا کیسا ہے | حالت میں اس اندیشہ سے کہ زنا نہ جوتا ازدحام کی وجہ سے کسی کے پیرے
دب کر عورت گر جائے گی مردانہ جوتا پہننا جائز ہے یا نہیں ہے

الجواب:۔ یہ اندیشہ محض وہم ہے ہزار ہا مستورات زنا نہ جوتا ہیں کر حج کہ چکی ہیں
کئی بھی نہیں گرے۔

سوال (۹) زید با ارادہ حج جا رہا ہے اور قصداً اس کا یہ ہے کہ میں اول
مہینات سے مکہ جائیگا ارادہ نہ ہو تو مہینات سے احرام
باندھنا ضروری نہیں لازم ہو گا یا نہیں ہے

الجواب: نہیں۔ مہینات سے احرام باندھنا واجب واجب ہے کہ مہینات سے مکہ جائیگا ارادہ ہو۔
محرم عینک لگا سکتا ہے یا نہیں | سوال (۱۰) محرم چشمہ لگا سکتا ہے یا نہیں ہے
الجواب: لگا سکتا ہے۔

فصل فی القرآن والتمتع

سوال (۱) نخدمت جناب مولانا الحاج مولوی محمد ظفر احمد صاحب سلمہ
آفاقی جدہ سے احرام باندھ کر مکہ
جا کر عمرہ کر کے مدینہ چلا جائے تو
دایسی میں قرآن یا تمتع کر سکتا
ہے یا نہیں

اللہ تعالیٰ۔ اب ذیل مسئلہ کثرت الوقوع در پیش ہے ان کو اچھی طرح واضح
کر کے ارقام فرمادیں تو درج کیا جاوے۔ مسئلہ آفاقی اپنے وطن کو
اس سال کے حج کرنے کی غرض سے اشہرناج میں نکلا اور وطن سے چلتے وقت
یا مہینات سے یہ قصد کیا کہ حد حرم سے باہر ہر مثلاً جدہ سے رابح یا میبوع سے ہوتے ہوئے پہلے مدینہ
طیبہ کی زیارۃ سے مشرف ہو کر بعد میں آکر حج کریں گے اس لئے مہینات سے احرام نہ باندھا پس جب
حل میں پہنچا جیسے جدہ میں آیا تو وہاں سے مدینہ طیبہ کا راستہ بند ہو گیا اس لئے مکہ مکرمہ کو جانا پڑا۔
اب جدہ سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ میں عمرہ بجایا گیا پھر مدینہ چلا گیا اب جو مدینہ سے دایسی ہوگی تو یہ
شخص ذواکلیفہ سے قرآن کر سکتا ہے یا نہ کیونکہ جب یہ جدہ یعنی حل سے اشہرناج میں عمرہ کا احرام
باندھ کر آیا تو یہ حلی کے حکم میں ہے گویا اب یہ مکہ ہے اب اشہرناج میں باہر مہینات سے گیا تو اب وہ
قرآن نہیں کر سکتا اگر کرے گا تو دم اسارت لازم ہوگا۔ اور اگر وہاں سے فقط حج کرے تو تمتع بھی ہوگا
کیونکہ عمرہ اس کا آفاقی نہیں ہے اور وہاں سے پھر تمتع کرے یعنی عمرہ کا احرام باندھے تو بھی تمتع ہے
کیونکہ مکہ کے حکم میں ہے اس مسئلہ کو میں تو یہی سمجھا ہوں مناسک متوسط اور غنیۃ الناسک میں یہ قواعد
ہیں یہ مسئلہ تو غنیۃ الناسک میں صریح ہے کہ جو حاجی آفاقی اشہرناج میں آکر عمرہ بجالاوے پھر مدینہ طیبہ
کو گیا اور وہاں سے قرآن کر کے آوے تو دم اسارت لازم ہے سابق صورت بھی ایسی ہی ہے تحقیق

سے جواب عنایت ہوا کثر حاجی ایسا کرتے ہیں۔

الجواب؛ اقول وبالله التوفیق قال فی شرح اللباب فی باب المواقیب وان لم یعلم المحاذاة فعلی مرحلتین من مکة کجدة المحرسة من طرف البحر اھ (ص ۳۰) وفي غنیة الناسک فشرائط صحته (رای التمتع) ان یکون من اهل الآفاق والعبرة للتوطن (ص ۱۱۳) وفيه ایضا ولا یشترط ان یکون احرام العمرة من المیقات ولا احرام الحج من الحرم بل هو من الواجبات اھ وفيه ایضا الخاص عدم الالمام الصحیح وهو ان یرجع الی اھله بعد العمرة حلالاتا ولو عاد الی غیر اھله الی موضع لاهله التمتع والقران اتخذها داراً اولاً وتوطن لھا اولاً ثم حج من عامه یکون متمتعاً عنده لا عندهما ولو خرج من الحرم ولم یجاوز المیقات وحج من عامه یکون متمتعاً بالاتفاق اھ ص ۱۱۴ وفيه ایضا وهو متمتع ان حج من عامه وکذا لو خرج الی الآفاق لحاجة قرن لا یکون قارناً عند الجحيفة وعليه رفض احدھما ولا یمطل تمتعه لان الاصل عنده ان الخروج فی اشھر الحج الی غیر اھله کالاقامة بمكة فکانہ لم یدخر وقرن من مكة واما عندهما فکا المرجوع الی اھله فاذا خرج بطل تمتعه ثم اذا قرن من المیقات کان قارناً اھ (ص ۱۱۵) ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں صاحبین کے نزدیک جب شخص مکہ سے مدینہ چلا گیا اور میقات سے تجاوز کر گیا اب یہ آفاقی ہو گیا اور وہیسی میں اس کو قرآن و تمتع دونوں جائز ہیں کیونکہ خروج الی الآفاق و تجاوز عن المیقات سے تمتع اول باطل ہو گیا اور امام صاحب کے نزدیک تمتع باطل نہیں ہوا اس لئے اس کو مدینہ سے وہیسی میں قرآن و تمتع نہ کرنا چاہئے اور امام صاحب کے قول پر عمرہ اولیٰ کی وجہ سے تمتع اس طرح صحیح ہو گیا کہ تمتع کے لئے عمرہ کا آفاقی ہونا شرط صحت نہیں بلکہ واجبات سے ہے بدون عمرہ آفاقی کے بھی تمتع ہو سکتا ہے گو دم اساعت لازم آئے گا۔ مگر میرے نزدیک صورت مسئلہ میں دم اساعت بھی لازم نہیں کیونکہ آفاقی ہندی کا جہ سے احرام باندھنا بھی احرام من المیقات ہی ہے کیونکہ میقات اور محاذات میقات کا جہاز میں ہم کو علم نہیں ہو سکتا سوائے قول کافر پر اعتماد کرنے کے اور وہ معتبر نہیں پس جہاز میں احرام باندھنا صرف افضل ہے واجب نہیں بلکہ جہ سے احرام واجب ہے اور وہی آفاقی ہندی کی اصل میقات پر

پس عمرہ آفاقیہ ہوا اور دم اساعت لازم نہ ہوا نہ قول امام میں نہ قول صاحبین میں اور اگر قول امام پر استقاط دم اساعت میں تکلف ہو تو قول صاحبین پر اس کا سقوط ظاہر ہے اور جب ابتلاء عام ہے تو اس مسئلہ میں قول صاحبین پر قوی دینا چاہئے۔ واللہ اعلم۔ ۱۳ محرم ۱۳۶۰ھ

فصل فی الوصیۃ بالحج و الحج عن الغیر

سوال (۱) آج کل رمضان کے بعد چونکہ سمندر میں طغیانی کا موسم ہوتا ہے حج بدل کرنے والے کے لئے تمتع کا حکم اس لئے کثر حجاج اس کی کوشش کرتے ہیں کہ رمضان میں یا اس سے پہلے حج کے لئے ہندوستان سے روانہ ہو جائیں مگر اس صورت میں حج بدل کرنے والوں کو سخت پریشانی پیش آتی ہے کہ اگر وہ حج کا احرام میقات سے باندھیں تو احرام بہت طویل ہو جاتا ہے جو باعث تکلیف ہے اور اگر تمتع کریں تو بعض علما فرماتے ہیں کہ حج بدل والے کو تمتع جائز نہیں امید ہے کہ اس صورت میں حکم شرعی سے مفصل و مدلل اطلاع دی جاوے تاکہ حج بدل والے اس پریشانی و حیرانی سے نجات پائیں۔ والسلام۔

الجواب؛ قال فی الشامیۃ تحت قول الدر (وهو الحيلة لم یجد ذلك الا لما مور بالحج للمخالفة) ذکرہ فی البحر بحتاً بقوله وینبغی ان لا یجوز هذه الحيلة للمامور بالحج لانه حیثئذ لم یکن سفرة للحج ولانه ما مور بحجة آفاقیة واذا دخل مكة بغیر احرام صارت حجته مکية فكان مخالفاً هذه المسئلة یکثر وقوعها فین یسافر فی البحر الملح وهو ما مور بالحج ویكون ذلك فی وسط السنة فهل له ان یقصد البندر المعرف بحجدة لیدخل مكة بغیر احرام حتی لا یطول الاحرام علیه لو احرام بالحج فان المامور لیس له ان یحرم بالعمرة اھ ای لانه اذا اعتمر ثم احرام بالحج من مكة یصیر مخالفاً قولهم كما فی التتارخانیة عن المحيط وهل مخالفته لكونه جعل سفرة لغیر الحج المامور به اولکونه لم یجعل حجته آفاقیة وعلی الثاني لو اعتمر او فعل الحيلة بان قصد البندر ثم دخل مكة ثم خرج وقت الحج الی المیقات فاحرام منه لم یکن مخالفاً لان حجته صارت آفاقیة۔ اما علی الاول فهو مخالف ویحتمل ان المخالفة لكل من العلتین كما یفید اول عبارة

البحر المذكورة فتمحق المخالفة بالعلة الاولى لكن ذكر العلامة القاري في
 بعض رسائله مسئلة اضطرب فيها فقهاء عصاة وهي ان الآفاق المحاج عن
 الغير اذا جاز الميقات بلا احرام للحج ثم عاد الى الميقات واحرم هل يصح عن
 الامر قيل لا وقيل نعم وما هو الثاني قال وافتي به الشيخ قطب الدين
 وشيخنا سنان الرومي في منسكه والشيخ على المقدسي قلت وهذا يفيد
 جواز الحيلة المذكورة له عاد الى الميقات واحرم والجواب عن قوله لان سفره
 حينئذ لم يكن للحج انه اذا قصد البند عند المجاوزة ليقم به اياما
 لبيع او شراء مثلا ثم يدخل مكة لم يخرج عن ان يكون سفره للحج كما
 لو قصد مكانا اخر في طريقه ثم انقله عنه والله تعالى اعلم فانهم صنفوا
 اس عبارت سے چند باتیں معلوم ہوئیں (۱) مامور باج کو میقات سے بلا احرام تجاوز کرنا یا
 احرام عمرہ باندھ کر جانا اس وجہ سے ممنوع ہے کہ اس صورت میں مخالفت امر لازم آتی ہے (۲) وجہ
 مخالفت دو ہیں ایک یہ کہ اس صورت میں یہ سفر حج کے لئے نہ ہو جس کا وہ مامور ہے۔ دوسرے یہ کہ
 اس صورت میں حج میقاتی نہ ہوگا جس کا وہ مامور ہے۔ پہلے اشکال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اشار
 سفر میں کسی جگہ چند روز کے لئے قیام کرنا جبکہ وہاں سے مکہ ہی کا جانے کی نیت ہے قاطع سفر نہیں بلکہ
 یہ تمام سفر حج ہی کے لئے شمار ہوگا۔ دوسرے اشکال کا جواب دیا گیا کہ اگر وہ میقات سے بدون
 حج کا احرام باندھے گزر جائے اور پھر حج کے وقت میقات سے احرام باندھ لے تو اس صورت
 میں حج میقاتی ہو جائے گا۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ میقات خود فی نفسہ اصل حج کے لئے بھی شرط نہیں بلکہ واجبات حج
 میں سے ہے پھر نیابت کے لئے اس کو شرط کیونکر مانا جا سکتا ہے اگر کوئی دلیل صریح و نقل صحیح اس
 پر دلالت کرتی ہو فیہا ورنہ یہ شرط باطل ہے قال العلی القاری فی مناسکہ و فیہ انہ ان
 اراد بالمیقاتیة المواقیب الآفاتیة ففی اطلاقہ نظر ظاہر اذ تقدم ان المکی
 اذا وصی بالسری ان یحج عنه من مکة وکذا سبق ان من اوصی ان
 یحج عنه من غیر بلدہ یحج کما وصی قریب من مکة او بعد وایضا فیہ اشکال
 اخر حیث ان المیقات من اصلہ لیس شرط لمطلق الحج واصلتہ بل انہ من واجباتہ
 فکیف یکون شرطاً وقت نیابتہ فان وجد نقل صحیح و دلیل صحیح فالامر مسلم و

الافلا والله سبحانه اعلم امر ص ۲۵۲

مگر تفصیل اس وقت ہے جبکہ مامور کو افراد کا حکم کیا گیا ہو تمتع یا تجاوز بلا احرام کی اجازت
 نہ دی گئی ہو کیونکہ مخالفت کا اطلاق اسی صورت میں صادق ہو سکتا ہے۔ اور اگر امر نے تصریح یا عموم
 الفاظ مامور کو اجازت تمتع وغیرہ کی دے دی ہو تو اس صورت میں چونکہ مخالفت لازم نہیں آتی اس
 لئے اس کو تمتع کر لینا جائز ہوگا۔

فی المناسک للقاری۔ الثالث عشر عدم المخالفة فلوامرہ بالافرا وادامی للحج او
 للعمرة فصران او تمتع ای بان لوی العمرة عن المیت ثم حج عنه فانه یصیر
 مخالفا لجماعا علی ما فی البحر الناحی وعلل وجهه انه مامور بتجربید
 السفر للحج عن المیت فانه الفرض علیه وینصرف مطلق الامر الیه الا انہ
 یشکل اذا امره بافرا و العمرة ثم اتیان الحج بعده اصرح بالتمتع فی
 سفره او بتفویض الامر الیه الخ ص ۲۵۳ وقال الملا رحمة الله السندی فی
 رسالته لباب المناسک مع الشرح ص ۲۱ وینبغی للأمر ان یفوض الامر الی المأمور
 فیقول حج عنی کیف شئت مضراً وادقارفاً او تمتعاً اھ و قال فی الدر المختار
 ودم القران والتمتع والجنایة علی الحاج ان اذن له الامر بالقران والتمتع
 والا کان مخالفا فیضمن الخ قال فی الشامیة (قوله علی الحاج) ای المأمور
 اما الاول فلانه وجب شکر علی الجمع بین النسکین وحقیقة الفعل منه وان
 کان الحج یقع عن الامر لانه وقوع شرعی لا حقیقی۔ واما الثاني فباعبار انه
 تعلق بجنایته۔ افاده فی البحر ص ۲۱ قلت قال البزنجری قول الذکیر ودم القران
 والجنایة علی المأمور و اراد بالقران دم الجمع بین النسکین قراناً کان او تمتعاً
 کما صرح به فی غایة البیان لكن بالاذن المقدم الخ ص ۲۱ و فی لباب المناسک
 حتی لو امره بالقران او بالتمتع فالدم علی المأمور الخ ص ۲۱ فعبارة لباب
 المناسک والدر المختار والشامیة والبحر مصرحة بان المأمور بالحج له
 ان یتمتع اذا اذن له الامر وان علیه اذا تمتع دم التمتع فقط لا ضمان النفقة
 عم المراد بالاول دم القران والتمتع معاً کما صرح به فی البحر

وانما یضمن اذا لم یأذن له الأمر فی ذلك فخالف امره لا یقال لسووم وم
التمتع علی المأمور لا یستلزم وقوع الحج عن الأمر بل یحتمل ان یقع الحج عن
المأمور دون الأمر ولا ضمان علیه لكونه متمتعاً بالأذن قلت لو كان الحج
واقعا عن المأمور لم یكن لذكر التمتع هناك معنی لان لا اشتكال ح فی لزوم الدم
علی المأمور لا یقطع وصلته عن الأمر علی ان الشامی قد صرح بكون الدم وم شكی
وان الحج یقع عن الأمر وكذا صرح فی البحر كما تقدم - واما ما وردة العلا
القاری علی عبارة الباب حج عنی کیف شئت مفر وادقاراً او متمتعاً الخ بات
هذا التقید (یعنی قوله متمتعاً) سهو ظاهر اذا التفویض المذكور فی كلام المشائخ
مقید بالافراد والقران لا غیر الخ فقد اجاب عنه فی حاشیة عدة ارباب الفتوی
بجواب حسن وریضه هذا - اعلم ان المأمور بالحج لو اذنه الأمر بالتمتع
فتمتع یقع الحج عن الأمر كما صرح به فی رد المحتار ولا یكون مخالفاً كما فی
الدر المختار وعبارة (ودم القران) والتمتع (والجناية علی الحاج) ان اذن
له الأمر بالقران والتمتع والا یصیر مخالفاً انتهى وعلی هذا یقال اذا صم
ادون الأمر للمأمور بالتمتع مع ان یخیره فیه كما ذكره صاحب المنسك الوسط
فحینئذ یجوز التمتع فی الصورة المشروحة ویكون ما ذكره علی القاری من
التقید فی عبارة المشائخ اتفاقاً لا اخترازاً وما ذكره من اشتراط ان تكون
الحجة أفاقية لیس علی عمومہ بدلیل تجویزهم التمتع عند الاذن به مع انه
لیس فیه حجة أفاقية قطعاً فلیتأمل من - قلت ویؤیدہ ما فی البرهان
وحنی خلافه فی بالافراد یخالف با وان لو اذنه للأمر عند ابی حنیفة
كالتمتع له ای للأمر بالافراد وانما یصیر مخالفاً لانه مأمور بان یحج
عنه من المیقات والمتمتع یحج من جوف مكة فكان هذا غیر ما امر به اه
ص ۲۰۲ جلد اول قلمی . قلت فقوله كالتمتع له ای للأمر بالافراد یدل
علی ان المتمتع انما یصیر مخالفاً بالتمتع اذا تمتع لمن امره بالافراد
واما لو امره بالتمتع فتمتع فلا مخالفة فانهم

خلاصہ یہ کہ مأمور بالحج کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ امر اس کو صراحتاً افراد بالحج کا حکم کرے

اور تمتع سے صراحتاً منع کر دے یا ممانعت پر قرینہ قائم ہو اس صورت میں مأمور بالحج کے لئے طول احرام
سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے گھر سے روانہ ہوتے ہوئے چند روز جہدہ میں قیام کرنے کی نیت
کرے اور اس سفر کو جہدہ کا سفر قرار دے اور راستہ میں نہ عمرہ کا احرام باندھے نہ حج کا نہ اپنی طرف
سے نہ امر کی طرف سے اور بدون احرام کے چند روز کے بعد جہدہ کے قیام سے فارغ ہو کر مکہ میں
چلا جاوے اور عمرہ وغیرہ کچھ نہ کرے صرف طواف وغیرہ بدون احرام کے کرتا رہے اور وقت
حج پر جہدہ آکر احرام حج باندھ کر حج ادا کرے قال فی حاشیة البحر فینبغی التفصیل وهو
انه ان تجاوز المیقات بلا احرام قاصد البستان ثم دخل مكة ثم خرج
الی الحل وقت الاحرام فاحرام من المیقات عن الأمر یجوز لانه صار آفاقاً
كما یاتی وان فعل نسكاً غیر ما امر به قبل احرامه عن الأمر یكون مخالفاً
وان عاد الی المیقات واحرام عنه من المیقات فتأمل اه ص ۳۱۸ .

اور دوسری صورت یہ ہے کہ امر صراحتاً تمتع کی اجازت دیدے یا یہ کہدے کہ پہلے عمرہ میری
طرف سے کرنا اور پھر حج کرنا یا مأمور کو اختیار عام دیدے کہ تم جس طرح چاہو کر لینا اس صورت میں
مأمور کو تمتع جائز مگر تمتع کے لئے شرط یہ ہے کہ عمرہ کے لئے شوال سے پہلے نہ کئے جاوے لہذا
اگر ہندوستان سے ایسے وقت میں روانگی ہو کہ مکہ میں شوال سے پہلے پہنچ جاوے تو اس صورت
میں اگر تمتع کی نیت کی جاوے گی تو شوال کی تک محرم رہنا ضروری ہو گا کیونکہ شوال کو عمرہ کے
افعال ادا کر کے حلق کر دیا جاوے اور بہتر یہ ہے کہ امر سے تمتع کی بھی اور عمرہ مفردہ کرنے کی بھی صراحتاً الگ الگ
اجازت لے لی جائے یا عام اختیار لے لیا جاوے کہ مأمور جس طرح چاہے حج کرے گا خواہ افراد سے
یا قران و تمتع سے یا پہلے عمرہ مفردہ کر کے پھر حج کر دے گا - ان سب صورتوں میں مأمور کو حج کا احرام مکہ
ہی سے باندھنا جائز ہو گا میقات کی طرف عود لازم ہو گا جس عمر کر کے احرام کھول دے پھر وقت پر حج کرے
واللہ اعلم حرره احقر الطلبة ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۸ محرم ۱۲۸۵ھ

اجواب صواب

اشرف علی ثامن محرم احرام ۱۲۸۵ھ

تعلیہ - ہر اس مسئلہ میں شافعیہ کے قول پر بھی مأمور بالحج کو تمتع کرنا باذن الامر جائز ہے بلکہ ان کے
نزدیک اگر تمتع کی اجازت بھی ہو اور تمتع کر لے تب بھی حج ہو جائے گا صرف اجرت میں کسی قدر کمی کر دی
جائے گی قال فی الوجیزہ ۱۰۰ (الثانیة اذا نال فی المیقات فاحرام بعمرہ عن نفسه

ثم احرام بحج المستاجر في مكة ففي قول لا تحب المسافة له لانه صفة الى نفسه
فيحيط من اجزائه بمقدار التفات بين درجة من بلدة وبين حجة من مكة
فيكثر المحطوط وعلى قول تحب المسافة ولا يحط الا بمقدار التفات بين حجة من الميقات
وحج من مكة فيقل المحطوط ثم وفيه ايضا وان امر بالقران فتمتع كان كالقران
على وجه وفي وجه جعل مخالفا له وعليه الدم ويعود الخلاف في حط شرعي
من الاحرام اهـ - نظرا حمد عفا عند ۲۶ رمضان سنة ۱۲۸۵

ایصال الخیر فی مسائل | حج بدل کے صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں (۱) اجرت کی شرط نہ ہو (۲) بھیجنے
والے کے مال ہی سے حج کیا جاوے لیکن اگر زیادہ تر خرچ میت کے مال
سے کرے اور کچھ اپنا بھی خرچ ہو جائے تو جائز ہے۔ (۳) اگر حج بدل والا
میت کی رقم کو اپنی رقم سے علیحدہ رکھے تب تو وہ امانت ہے اگر باوجود احتیاط کے ضائع ہو جائے
تو ضامن نہ ہوگا اور اگر اپنی رقم کے ساتھ خلط کر دے گا تو ضامن ہوگا۔ (۴) اگر ثلث مال میں وسعت
ہو تو حج سوار ہو کر کرنا چاہئے اگر زیادہ حج کرے گا اور کرایہ کی رقم اپنے لئے بچاوے گا تو ضمان دینا
واجب ہوگا اگر بھیجنے والے نے زیادہ حج کرنے کی اجازت بھی دے دی ہو اور سوار ہونا مکہ سے عرفات
تک اور وہاں سے مکہ کی واپسی تک واجب ہے باقی سفر میں اگر بھیجنے والے کی اجازت سے پیادہ چلے
تو جائز ہے۔ (۵) حج میت کے وطن سے کرنا چاہئے۔ (۶) میت کی طرف سے احرام کے وقت
حج کی نیت کرنا چاہئے یعنی زبان سے یوں کہے کہ میں فلاں شخص کی طرف سے حج کی نیت کرتا ہوں اور
اگر نام بھول جائے تو یوں کہے کہ جس شخص کی طرف سے مجھ کو حج کے واسطے بھیجا گیا ہے میں اس
کی طرف سے حج کی نیت کرتا ہوں (۷) احرام میقات سے باندھنا چاہئے بدون اجازت بھیجنے
والے کے عمرہ کا احرام میقات سے نہ باندھے نہ تمتع کرے بل اگر وہ اجازت دیدے یا یوں کہدے
کہ جس طرح چاہو حج ادا کر دینا تمتع بھی ہاں ہے ہذا هو الحق عندنا مگر اختلاف سے
بچنا چاہئے اس لئے میقات سے احرام ہی کا باندھو (۸) حج بدل والے کو جو روپیہ دیا جائے
اس میں نیت احتیاط لازم ہے ورنہ حق العباد کا مواخذہ سر پر ہوگا سفر کے بعد جو کچھ رقم اور سامان
رقم سے خریدیا ہوا باقی بچے جب حیرت واپس کر دے اور بہتر ہے کہ بھیجنے والا پہلے ہی یہ کہدے کہ اگر خرچ
میں کوئی بے عنوانی اتفاقا ہو جائے تو میری طرف سے معاف ہے۔

والدین کی طرف سے حج بدل | سوال (۳) اگر والدین حج بدل کے واسطے وصیت کر گئے ہوں تو
کڑا ایک انہوں نے وصیت نہ کی ہو | کوئی شخص اپنی خوشی سے حج بدل کرے یا کروائے تو حج بدل ہو جائے گا یہ

الجواب: قال العلامة القاری فی مناسکہ فی شمس اعطای الحج عن الغیر الرابع
الامر ای بالحج فلا يجوز حج غیرہ عنہ بغیر امرہ ان اوصی بہ ای بالحج عنہ۔
فان اوصی بان یحج عنہ فمطوع عنہ اجنبی او وارث لم یجوز وان لم یوص
بہ ای بالاحجاج فتبرع عنہ الوارث وکذا من هم اهل التبرع ونحوہ
فحج ای الوارث ونحوہ بنفسہ ای عنہ ادا حج عنہ غیرہ جائز ای ذلك
التبرع او الحج او الاحجاج او ما ذکما جمیعہ والمعنی جاز عن حجة الاسلام
ان شاء اللہ تعالیٰ كما قالہ فی الکبیر ام من ۲۴۹۔

صورت مسئلہ میں اگر کوئی شخص مرحومین کی طرف سے تبرعاً حج کر دے خواہ وارث ہو یا غیر وارث
ہو تو امید ہے کہ انشاء اللہ حج فرض اس کے ذمہ سے ادا ہو جائے گا۔

حج بدل میں اگر ما مور کے پاس | سوال (۴) ایک عرض بندہ کی یہ ہے کہ حج بدل کرنے والے پر اگر
خرچ نہ ہے اور وہ قرض لیکر خرچ کرے یا کسی سے قرض لیکر چلا آوے اور قرض اپنے
ذمہ لیوے یا کوئی اپنا ملنے والا دیدے تو کچھ خرچ تو نہیں یعنی حج میں کچھ
نقص نہیں ہوا ہاں اس کا جواب بھی عنایت ہو۔ فقط

الجواب: حج بدل کے مسئلہ میں جب حج بدل کرنے والے کے پاس خرچ نہ ہے اور وہ
اپنے پاس سے یا کسی سے قرض لیکر چلا آوے تو یہ دیکھنا چاہئے کہ سفر حج میں زیادہ خرچ امر کے
مال سے ہوا ہے یا حج بدل کرنے والے کی رقم سے صورت اول میں تو حج بدل صحیح ہو گیا اور دوسری
صورت میں صحیح نہیں ہوا بلکہ وہ حج خود کرنے والے کی طرف سے ہو گیا۔ اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ
امر (یعنی بھیجنے والے) نے اس کو اپنے پاس سے یا قرض کر کے خرچ کرنے کی اجازت نہ دی ہو اور
اگر اجازت دے دی ہو کہ خرچ کم ہو جائے تو تم اپنے پاس سے یا قرض لیکر خرچ کر لینا تو تم کو دوسری
گے پھر ہر حالت میں حج بدل درست ہے خواہ امر کی دی ہوئی رقم کم ہو یا زیادہ ہو قال فی شرح
اللباب ففی قاضی نغان اذا لم یکنفہ مال المیت فانفق من مال نفسه فان
کان اکثر النفقة من مال المیت فهو جائز والا فهو ضامن وبنی الکرمانی
ان انتقص المال عن نفقة الطريق فاستدان او انفق من مال نفسه ان

كان معظم النفقة فهو جازن والا فهو ضامن اه (ص ۲۵۰) قلت والصورة الثانية ظاهرة فان جميع ما ينفقه من مال نفسه او بالاستدانة بالاذن فهو من مال الامر حكماً والله اعلم . ۲۴ رجب ۱۲۲۳ھ

سوال (۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنا حج فرض ادا کرنے کو کعبہ شریف روانہ ہو کر راستہ میں قبل میقات انتقال کر گیا اور دوسرے نے اپنے رفیقوں میں سے اس کی نیت سے اس کا حج فرض کیا مگر میت نے وصیت نہیں کی تھی اس کا روپیہ بقایا بھی اس نے باقی راستہ میں خرچ کیا اب میت کے وارث اس سے روپیہ طلب کرتے ہیں تو اس صورت مذکورہ پر میت کا حج فرض ادا ہو گیا یا نہیں اور میت کے وارث روپیہ مانگنے کے مستحق ہیں یا نہیں اگر اس میں میت سے حج فرض ادا ہو گیا جیسا کہ عبارت کتب سے معلوم ہوتا تو پھر وارث میت اس سے روپیہ واپس لینے کے حقدار کیونکر ہو سکتے ہیں اس کی وجہ اچھی طرح سے تحریر کرنے کی ضرورت ہے تسلی ضرور فرمادیں زبدۃ المناسک باب الحج عن الغير صفحہ ۱۶۷ میں لکھتے ہیں دوسری پس اگر کوئی زندہ کی طرف سے بدون امر کے حج کر دیوے گا تو فرض زندہ کا ساقط نہ ہوگا اور مردہ بھی اگر وصیت کرے تو بغیر وارث کے حج مردہ کا ادا نہیں ہو سکتا مگر جو مردہ بدون وصیت حج کے مر گیا تو اگر کسی نے وارث ہو یا اجنبی تبرعاً اس کا حج فرض ادا کر دیا تو حج فرض مردہ کا ادا ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ اور شامی باب الحج عن الغير صفحہ ۲۵۹ فان لم یوص د تبرع عنه الوارث یہ سب عبارت اس کو شامل ہے یا نہیں اگر شامل نہیں تو وجہ کیا ہے بالتفصیل تحریر کیجئے اور یہ روایت قابل حجت ہے یا ضعیف ممکن ہے فقط۔ ۲۴ رجب الاول ۱۲۲۳ھ

الجواب ؛ جب میت نے وصیت نہیں کی تھی تو اس کا مترکہ سب کا سب ملک وراثت پر میت کا اس میں کچھ حق نہیں رہا میت کا حق تلت ترکہ میں بھی وصیت سے ہوتا ہے بدون وصیت کے نہیں ہوتا۔ پس جب رفیق نے میت کی طرف سے حج کرنے میں یہ رقم صرف کی ہے اس نے وراثت کا مال ہو کر بدون ان کے اذن کے صرف کیا ہے لہذا اس حج بدل کرنے والے کے ذمہ اس رقم کا ضمان واجب ہے وہ یہ رقم وراثت کو ادا کرے اور جس عبارت سے سائل نے احتجاج کیا ہے اس میں تو خود لکھا ہے کہ اگر مردہ وصیت کرتا ہے تو بدون امر وارث کے حج مردہ کا ادا نہیں ہو سکتا۔ الم۔ پس رفیق کا حج مال میت سے بدون امر وارث یا اذن وارث کے صحیح نہیں ہو سکتا۔

اور اجنبی کے حج کو بدون وصیت کے بھی میت کی طرف سے درست مانا گیا ہے وہ وہ ہے جو اجنبی نے تبرعاً کیا ہو جیسا کہ عبارت زبدہ میں تبرعاً کی قید مصرح ہے اور اس میں بھی یہ حزم و یقین نہیں کہ میت کی طرف سے حج ہو بھی جائے گا بلکہ امید کا لفظ ہے بہر حال صورت مستولہ میں چونکہ اس رفیق نے میت کی طرف سے تبرعاً حج نہیں بلکہ وراثت کے مال میں حج کیا ہے اور وراثت کے بدون اجازت کیا ہے اس لئے یہ حج میت کی طرف نہیں ہوا بلکہ خود اس رفیق ہی کا حج ہوا اس پر وراثت کو ضمان دینا واجب و لازم ہے فقط۔ ۲۲ رجب الثانی ۱۲۲۳ھ

متعلق حج بدل سوال (۶) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل کی نسبت از روئے شرع شریف کے۔

اگر کسی غنی متوفی کی طرف سے زید ایسے مفلس نے حج بدل ادا کیا جس نے ابھی اپنا حج فرض ادا نہیں کیا ہے تو مرحوم کا حج ادا ہو جاتا ہے یا نہیں۔ اور ایسے زید حج بدل کرنے والے کے ذمہ سے بھی فرضیت حج عمر بھر کو ساقط ہو جاتی ہے یا نہیں اگر ایسے زید حج بدل کرنے والے سے عمر بھر کو فرضیت حج ساقط نہیں ہوتی تو اپنے تمام کام و آرام اہل و عیال وغیرہ چھوڑ کر حج کے سفر وغیرہ کی سخت جانکاہ تکالیف و صعوبتیں اٹھا کر حج بدل کو جانے سے کیا فائدہ ہے۔ پس اس لئے اگر حج بدل کرنے والا حج بدل کرنے والے سے ضروری مصارف حج کے سوائے اپنے نقصانات معاش کا کچھ معاوضہ نقد وغیرہ بھی لے لے تو شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب ؛ جس مفلس نے اپنا حج نہیں کیا ہے وہ دوسرے کی طرف سے حج بدل کر سکتا ہے لیکن افضل یہ ہے کہ ایسے شخص کو بھیجا جائے جس نے اپنا حج فرض ادا کر لیا ہو۔ باقی اس مفلس کے ذمہ سے جس نے بدون اپنا حج کئے دوسرے کا حج ذمہ بدلایا ہے عمر بھر کے فرض حج ساقط نہیں ہوا بلکہ اگر کسی وقت اس کے پاس مال زیادہ ہو گیا جس میں حج بشرائط ہو سکے تو اس کو اپنی طرف سے دوبارہ حج کرنا فرض ہوگا کیونکہ حج بدل تو دوسرے کا تھا اس کی طرف سے تھوڑا ہی تھا۔ نعم لو حج عن الغير تطوعاً یقع عن المامور قال القاری فی مناسکہ و فی حج النفل یقع عن المامور اتفاقاً ای باتفاق مشائخنا وللآمر الثواب ای ثواب النفقة لان الحدیث ورد فی الفرض دون النفل اه (ص ۲۶۲) وکنہ لا یسقط الفرض عن الفاعل بحال و قال فی الدرر وقیل عن المامور نفلاً وللآمر ثواب النفقة كالنفل اه قال الشامی مقتضاه ان النفل یقع عن المامور اتفاقاً وللآمر ثواب

النفقة ربه صرح بعض الشراح وصلى عليه في الباب وردة الاتقاني في غاية البيان بانه خلاف الرواية لما قاله الحاكم الشهيد في الكافي الحج المتطوع عن الصحيح جائز ثم قال وفي الاصل يقع الحج عن المصحح اه (۳۱۳) رآه کہ جب اس کے ذمے حج فرض ساقط نہیں ہوتا تو اپنے کاروبار و آرام کو چھوڑ کر سفر حج کی سعوت اٹھانے میں کیا فائدہ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جو اس کو بے فائدہ سمجھے اس کو واقعی کچھ فائدہ نہ ہوگا ورنہ جانتے بلکہ ایسے شخص کو بھیجا جائے جو ایک بار اپنا حج کر کے بیت اللہ اور بیت رسول اللہ کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی کر چکا ہو وہ بتلائے گا کہ اس سفر کی صعوبت برداشت کرنے میں کیا فائدہ ہے یہ تو نفع عاجل ہے جس کا علم ایک بار حج کرنے والے کو دنیا ہی میں ہو جاتا ہے اور جو لوگ اب مرنے کے بعد سامنے آئیگا اس کا علم قبر میں پہنچ کر ہو جائے گا۔ اور دوسرے کی طرف سے حج کرنے کا ثواب بعض وجوہ سے اپنے حج کے ثواب سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔

رآه کہ حج بدل کرنے والا حج بدل کرانے والے سے اپنے نقصان معاس کا معاوضہ لے تو جائز نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ معاوضہ لینا جائز نہیں کیونکہ اگر یہ معاوضہ نقصان معاش و کاروبار کا ہے تو نقصان کاروبار کوئی عین مقوم نہیں جس کا معاوضہ جائز ہو اور اگر یہ معاوضہ اپنی مشقت و محنت کا ہے جو سفر میں لاحق ہوگی تو اس صورت میں اجارہ ہو گیا اور حج بدل اجارہ کے ساتھ ناجائز ہے بعض اقوال پر وہ حج ہی نہ ہوگا اور راجح یہ ہے کہ اجارہ فاسد ہے اور حج ہو جائے گا۔ البتہ اگر معاوضہ کے طور پر نہ ہو بلکہ امر اپنی خوشی سے اجازت دیرے کہ میں تم کو یہ رقم حج کے لئے دیتا ہوں اور حج کے بعد جو بچے اس کے متعلق تم کو وکیل کرتا ہوں کہ یہ فاضل رقم اپنے کو میری طرف سے سہہ کر لینا تو اس صورت میں وہ فاضل رقم اور سامان و ثياب و متاع جو حج کے بعد باقی رہے مامور اپنی ملک میں لاسکتا ہے اسی طرح اگر کسی شخص کے ذمہ اہل و عیال کا نفقہ واجب ہے اور دوسرا شخص اس کو حج بدل میں بھیجنا چاہتا ہے اور یہ صاحب عیال یوں کہے کہ مدت حج کے لئے میں نفقہ عیال اس وقت نہیں دے سکتا تم اگر مجھے کو بھیجنا چاہتے ہو تو میرے اہل و عیال کا نفقہ بھی اس قدر ادا کرو کہ وہ اور یہ گفتگو بطور معاوضہ اور معاملہ کے نہ ہو بلکہ دوستانہ طور پر ہو اور اس کے بعد صحیحہ والا خوشی سے اس کے اہل و عیال کا نفقہ بھی ادا کر دے تو جائز ہے بشرطیکہ حج بدل کرنا یا خود زکوٰۃ ہو اور اگر وصیت کر کے مر گیا ہے تو اس کے حج بدل میں نفقہ سفر حج متعارفہ سے زیادہ دینے کا اختیار ورثہ بالغین کو ہے نابالغوں کے حصہ میں سے جائز نہیں اگر ورثہ نابالغ بھی ہوں تو بقدر کفایت معروفہ الحج تو ثلث الكل میں سے دیا جائے اور تبرع فاضل یا

نفقہ اہل و عیال کے لئے بالغین اپنے حصہ میں سے رقم دیں اور نفقہ اہل و عیال مامور میں تفصیل ہے کہ نفقہ معروفہ ضروریہ پر بھی جائز والے دستیاب ہوں۔ یعنی ایسے مجبور لوگ بھی حج بدل کو تیار ہوں جن کے ساتھ اہل و عیال کا خرچ لگا ہوا نہیں اور وہ صرف سفر حج کا خرچ لیکر جاسکتے ہیں اور اگر مجبوز صاحب عیال شخص کے اور کوئی معتبر باقاعدہ حج کو صحیح ادا کرنے والا نہ ملتا ہو تو اس صورت میں ثلث الكل سے بھی مامور کی اہل و عیال کا نفقہ دینا جائز ہے۔ بلکہ ورثہ پر لازم ہے کہ جبکہ مورث نے وصیت حج کی ہو اگر ثلث الكل میں وسعت ہو لان نفقہ الحج مختلف بلخلاف الاشخاص قال القاری فی شرح المناسک ولا ینفق المامور من مال المیت علی من ینخدمہ امی خدمۃ ینقدم علیہ بنفسہ الا اذا کان ممن لا ینخدم نفسه امی لکبرہ او عظمتہ اه (ص ۲۵۹) قلت فکذا ینتقل الحکم لکون المامور اعزب او صاحب العیال فیعطى الاول نفقة اقل من الثاني لاختلاف احوالهما شرعاً وعرفاً ولا یعطى صاحب العیال تلك النیادة عوضاً عن شیء بل اعانة له فی اداء الواجب كما زیدت نفقة صاحب العظمة اعانة له فی حفظ حرمته والله اعلم ولعل هذا ظاهراً غیر خفی والعبارة بالمحرارة ما فی کافی الحاكم وله نفقة مثله و زاد ایضاً لها فی المبسوط فقال وهذه النفقة لیس یستحقها بطریق العوض بل بطریق الکفایة لانه فرغ نفسه لعمل ینتفع به (الامر) هذا (شامی ص ۳۹۲ ج ۲) قلت فکان نفقة المامور بالحج کنفقة القاضی والعامل و نفقة عیالهما تدخل فی نفقتہما حتماً فقد سما بسما سعہما و عیالہما فکذا ہما اذالم یوجد الاعزاب وکانت الوصیة بالحج لاعلی التعیین و اما الوعین الموصی رجلاً ذاعیال ان یحج عنه فلا شک فی دخول نفقة عیالہ فی نفقة الحج وتوخذ من ثلث الكل و فی الدرر یشترط اہلیة المامور لصحة الافعال فجازحج الضرورة (وهو) من لمدیحج والمراة ولوامة و العبد و غیرہ کالمراہق و غیرہم اولی لعدم الخلاف اه قال الشامی لا ینفی ان التعلیل یفید ان الکراہة تزیہیة لان مساعات الخلف مستحبة اه (ص ۳۹۴ ج ۲) وفيه ایضاً وعلیه رد ما نقل من النفقة وان شرطه فالشرط باطل الا ان یؤکله بہیبة الفضل من نفسه او یوصی المیت بہ لمعین اه (ص ۳۹۴ ج ۲)

سوال (۷) حج بدل میں اگر مامور سجدے وطن امر کے اپنی جائے قیام سے خواہ اقرب خواہ ابعد اپنی رہنا سے حج کرنا چاہے تو شرعاً ترفیہ کی رو سے امر کے ذمہ سے حج فرض ساقط ہوگا یا نہیں اور ہر دونوں (اقرب اور ابعد) صورتوں میں کس حج سے نفقہ کا مستحق ہوگا؟

الجواب؛ صورت مسؤلہ میں اگر ثلث مال امر میت میں بلد امر میت سے حج کرنے کی گنجائش تھی اور پھر وہاں سے نہیں کیا گیا تو یہ حج امر کی طرف سے صحیح نہیں ہوا بلکہ مامور کا حج ہوا اور وہ نفقہ کا ضامن ہوگا یعنی کل نفقہ کا البتہ اگر وہ جگہ جہاں سے مامور گیا ہے وطن امر سے اتنی قریب ہو کہ دن میں چل کر رات کو وطن امر میں سیر وسط کے ساتھ پہنچ سکیں تو ضامن نہیں ہوگا اور حج بھی امر کی طرف سے ہو جائے گا یا ہجرت عن زندقہ ہو اور اس نے غیر وطن سے حج بدل کی اجازت دے دی ہو۔ یا میت ہو اور غیر وطن سے حج کرنے کی وصیت کر گیا ہو تب بھی حج امر اور میت کی طرف سے صحیح ہو جائے گا اور مامور پر نفقہ کا ضامن نہ ہوگا قال فی اللباب الثامن ان یحج عنہ من وطنہ ان اتسع الثلث ای ثلث مال المیت وان لم یتسع یحج عنہ من حیث یتبع ای استحسن انالی ان قال اذا وجب الحج من بلدہ فاحج الوصی من غیر بلدہ یضمن ای و یكون الحج له و یحج عن المیت ثانیاً لانه خالف الا ان یكون ذلك المكان الذی احج عنہ قریباً منه ای من وطنہ بحیث یتبع الیہ و یرجع الی الوطن قبل اللیل ای فحینئذ لا یكون مخالفاً ولا ضامناً و فیہ ایضاً ولو وصی من له وطن ان یحج عنہ من غیر بلدہ یحج عنہ کما وصی ای علی وفق ما وصی بہ قریب

عہ اور اگر اپنے وطن میں نہیں رہا بلکہ کسی دوسری جگہ رہا ہے جب بھی مامور اس کے وطن ہی سے حج کرے قال فی الغنیۃ سوا وصات فیہ ای فی وطنہ او مات فی سفر التجارۃ ونحوہا لان الواجب علیہ الحج من البلد الذی یکنہ الی ان قال ولو وصی خیر اسانی بمکة او مکی بالسرۃ و اطلقاً یحج عنہما من وطنہما ام (مکة) و فیہ ایضاً قال الشارح اقول هذا اذا كانا غنیین فی بلادہما و اما اذا صار المکی غنیاً بالسرۃ و الخیر اسانی بمکة و اوصیا فینبغی ان یحج عنہما من موضع فرض الحج علیہما ام قلت وهذا والله هو الفقہ بعینہ فلله در العلماء الحنفیۃ ما اعمق نظرہم فی دقائق الشریعۃ .

ای ملک المکات الموصی بہ من مکة او بعداہ (ص ۲۵۱) قلت و کذا الحج اذا ذلت للمامور ان یحج عنہ من غیر وطنہ فلا فرق فی الحجی والمیت فی ذلك حتی یكون لاحد ہما اسقاط ہذا التسمی و تغیریہ ولا یكون للاخرا والله اعلم .

قال فی اللباب العاشم ان یحج من المیتات ای من میتات الامم یتبع المکی وغیرہ قال الشارح و فیہ انه ان اراد بالمیتات المواتیت الا فاتیة فی اطلاقہ نظر ظاہر اذ تقدم ان المکی اذا وصی بالسرۃ ان یحج عنہ من مکة و کذا سبق ان من وصی ان یحج عنہ من غیر بلدہ یحج کما وصی قریب من مکة او بعد و ایضاً فیہ اشکال آخر حیث ان المیتات من اصلہ لیس شرطاً مطلق الحج و اصلتہ بل انه من واجباتہ فکیف یكون شرطاً وقت نیابتہ فان وجد نقل صریح و دلیل صحیح فالامر مسلم والا فلاہ (ص ۲۵۲) قلت والذی ظہر الی ان شرط المیتات یسقط باذن الامم والمیت ولا یسقط اذا اطلق الامر بالحج لانه لا یرید الا ان یحج المامور کما یحج الامر لو وقع عنہ و الا فاتی انما یحج عن المیتات فی شرط للنائب مرعاتہ و الا یكون مخالفاً والله اعلم .

۲۸ رمضان ۱۲۴۲ھ

سوال (۸) حج بدل میں واپسی شرط نہیں ہے

الجواب؛ حج بدل میں وطن میت سے جانا تو شرط ہے بشرطیکہ ثلث میں گنجائش ہو باقی عود شرط نہیں۔ قال فی العالمگیریۃ۔ ولو احج رجلاً یؤدی الحج و یقیم بمکة جاز و الا فضل ان یحج و یرجع مکة عبداً

۱۳ شوال ۱۲۴۲ھ

ایضاً سوال (۹) عرض ہے کہ میں کاندھلہ سے حج بدل کرنے گیا حج کرنے کے بعد وہیں قیام کیا اگلا حج کرنے کے بعد میں کاندھلہ آ گیا پھر گھر آ گیا جن کی طرف سے حج کرنے گیا وہ فرماتے ہیں کہ حج بدل نہیں ہوا اس کی بابت فرمائیے کہ حج بدل ہوا یا نہیں فقط والسلام۔

الجواب؛ صورت مسؤلہ میں حج بدل جائز ہو گیا فی العالمگیریۃ (ص ۱۶۷) ولو احج رجلاً یؤدی الحج و یقیم بمکة جاز و الا فضل ان یحج و یرجع و اذا فرغ المامور بالحج ونوی الاقامة خمسة عشر يوماً فصاعداً الفسق من مال نفسه ولو انفق من مال الامم یضمن الی ان قال فان نوى الاقامة خمسة عشر يوماً

فصاعداً حتى سقطت فقعة من مال الآمر ثم سرج بعد ذلك هل يعود فقعه في مال الآمر ذكر القدر في شرح مختصر الطحاوی ان علی قول محمد يعود وهو ظاهر الشایة وعند ابی یوسف لا يعود اهـ اس سے معلوم ہوا کہ واپسی کا خرچ تو بھیجے والے کے ذمہ ہوگا لیکن قیام مکہ کا خرچ خود خرچ کرنے والا اپنے پاس سے کہے فقط والسلام۔ کتبہ الاحقر عبدالکریم گتھاری۔ ۱۰ صفر ۱۲۳۲ھ

الجواب صحیح . ظفر احمد عفی عنہ۔

سوال (۱۰) جناب محمد سلیم اللہ خان صاحب رئیس بورہ گائوں ضلع علی گڑھ کے ایک صورت کا حکم عرصہ سے مشاق زیارت حرمین شریفین و حج شریف ہیں۔ اور اس وقت جناب خان صاحب موصوف کی عمر تقریباً ۷۰ سال کی ہے علاوہ ضعف پیری چند امراض جسمانی میں مبتلا ہیں جن کی وجہ سے چلنے پھرنے اور سفر سے معذور ہیں خصوصاً مرض فتق کی بھی تکلیف ہے اکثر کم و بیش پندرہ بیس روز بعد دورہ نزول آنت کا ہوجانا ہے ایسی حالت میں ایک قدم چلنا بھی دشوار ہوجاتا ہے لہذا صورت مجبوری اور حالت معذوری میں اگر خان صاحب موصوف کسی ایسے شخص کو جس نے حج پہلے کر لیا ہے جملہ روپیہ خرچ آمدورفت و خوراک وغیرہ دیکر اپنا حج بدل کر دیوں تو شرعاً ایسی حج فرض ہو سکتی ہے یا نہیں اور اگر ہو سکتی ہے تو حاجی صاحب کی اور کن کن شرائط سے مشروط ہونے کی ضرورت ہے براہ کرم مسئلہ اصول فقہ سے مطلع فرما کر ممنون و مشکور فرماؤں گی

الجواب : بیشک صورت مسؤلہ میں رئیس صاحب کو اگر خود حج کے لئے جانا دشوار ہے تو ان کو اس حالت میں جائزہ کا اپنی طرف سے حج بدل کر دیں لیکن اس کو دیکھ لیا جاوے کہ کیا وہ اس بیٹی کا استعمال کرنے کے ساتھ بھی سفر حج نہیں کر سکتے جو مرض فتق میں ڈاکٹر تجویز کیا کرتے ہیں غالباً اس بیٹی کے استعمال کے ساتھ آنت اترنے کی تکلیف زیادہ نہیں ہوتی اور جب اترے فوراً اس کو چڑھا کر کام ہو سکتا ہے اگر اس کے بعد بھی تکلیف کم نہ ہوتی ہو اور سفر دشوار ہی ہو تو حج بدل کر دینا جائز ہے پھر اگر یہ عذر جو اس وقت ہے عمر بھر واجب تو یہ حج بدل عمر بھر معتبر رہے گا اور اگر کسی وقت عذر موجود نہ رہا ہو گیا تو ان کو حج فرض دوبارہ خود ادا کرنا ہوگا و یصیر البدل نفلاً قال فی الحدیث و هذا ای اشتراط دوام العجز الی الموت اذا کان العجز کالیجب و المرض یرجی زوالہ ای یمكن وان لم یکن كذلك کالعی والنمانہ سقط الفرض بحج الخیر عنہ فلا إعادة مطلقاً سواء استمر به العجز ام لا اهـ (ص ۳۸۹) قلت و نزول

المعالین کالنمانہ بل المشاہد قدرة المبتلی بہ علی السفر قصیر و طویل بعد شدہ الحزام الذی قد اوجده له و اللہ اعلم۔ ۱۸ رمضان ۱۲۳۲ھ

سوال (۱۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید غریب نے ایک امیر حاجی حج بیت اللہ شریف کے جانے والے کو مبلغ

سے دئے اور کہ مکہ معظمہ پہنچ کر میری والدہ کی طرف سے کسی سے حج کرا دینا۔ مکہ معظمہ پہنچ کر یہ حادثہ پیش آئے کہ آٹھویں کی شام تک مکہ سے عرفات جانے والے کو سواری نہ مل سکی جو شخص حج کرنے کو راضی تھا وہ بلا سواری حج کو نہ گیا اور یہ امیر اور اس کے ہمراہی حج کو چلے گئے اور عرفات وغیرہ میں ارکان حج ادا کر کے مدینہ ہو کر اپنے وطن میں آگئے لیکن یہ امیر حاجی مکہ معظمہ ہی سے دستوں کے مرض میں مبتلا ہوا اور گھرا کر دو مہینہ تک سخت بیمار رہ کر انتقال کر گیا۔ بہت کچھ نقد اور جائیداد چھوڑا۔ اس اثنا مرض میں زید غریب کو دو مرتبہ حاجی امیر سے ملنے کا اتفاق ہوا لیکن امیر حاجی کی سخت عیال کی وجہ سے زید غریب نے دریافت کیا کہ میری والدہ کی طرف سے حج کرایا یا نہیں اور نہ خود امیر حاجی نے بیان کیا کہ حج کرا دیا یا نہیں حتی کہ امیر حاجی کا انتقال ہو گیا تب غریب نے امیر حاجی کے ورثاء سے اپنے روپیہ دئے ہوئے طلب کئے۔ کیونکہ امیر حاجی اور ہمراہی حاجیوں سے معلوم ہوا کہ اس سال میں پچیس روپیہ سے کم میں مکہ والوں میں سے کوئی حج بدل نہیں کر سکا مصارف مزید تھے تو اگر امیر حاجی غریب زید کی والدہ کی طرف سے حج کراتا تو غریب زید سے ضرور اپنا مطالبہ زاید وصول کرتا۔ یا اپنے ورثاء سے کہہ مرتا کہ فلاں زید غریب سے اتنا روپیہ لے لینا سو اب امیر حاجی کے وارث زید غریب کو اس کے مبلغ لے دئے ہوئے واپس نہیں دیتے۔ سو اب سوال یہ ہے کہ شرعاً امیر حاجی مرحوم کے ورثاء پر امیر حاجی کے مترکہ میں سے غریب زید کو اس کے لے دئے ہوئے واجب ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب : زید غریب کو امیر حاجی کے ورثاء سے اس رقم کے طلب کرنے کا حق نہیں کیونکہ اس کے پاس اس کی کیا دلیل ہے کہ امیر حاجی نے اس کی والدہ کی طرف سے حج نہیں کرایا اور جتنی باتیں سوال میں درج ہیں یہ صرف قرائن و احتمالات ہیں ان سے ثبوت نہیں ہو سکتا اور اگر امیر حاجی مرحوم کے ہمراہی اس وقت گواہی دیں تو ان کی گواہی لغو ہے کیونکہ مدعی علیہ مرجح ہے۔ دوسرے یہ گواہی نفی پر ہوگی اور شہادت علی النفی قبول نہیں علاوہ ازیں یہ بھی تو احتمال ہے کہ امیر حاجی نے کسی شخص کو حج بدل کے واسطے وہ رقم دی ہو اور اس نے نہ حج کیا ہو نہ رقم واپس دی ہو۔ یہ بھی

احتمال ہے کہ امیر حاجی نے وہ رقم مکہ میں کسی دیندار معتبر آدمی کو دے دی ہو کہ سال آئندہ اس سے حج بدل کر ادینا۔ غرض اس معاملہ میں زید غریب کے پاس اس امر کی کوئی دلیل نہیں کہ اس کی رقم امیر حاجی کے ذمہ قرض ہو گئی کیونکہ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ امانت کہیں ضائع ہو گئی ہو اور امین کے اوپر ضیاع امانت کا ضمان نہیں ہوتا۔ البتہ اگر امیر حاجی کے ورثہ کے دل کو یہ بات لگ جائے کہ زید غریب کی رقم حاجی امیر مرحوم ہی کے پاس رہی ہوگی تو بہتر یہ ہے کہ یہ لوگ زید کی رقم ادا کر کے اپنے مورث کا ذمہ احتمال سے بھی بری کر دیں مگر ایسا کرنا واجب ہے اسی لئے اگر ورثہ ایسا کریں تو صرف بالغ ورثہ اپنے اپنے حصوں میں سے یہ رقم ادا کریں نابالغوں کے حصوں میں سے ادا کریں فقط واللہ اعلم۔

۲۶ رمضان ۱۲۶۱ھ

سوال (۱۲) کیا حکم ہے علماء حنفیہ کا اس مسئلہ میں کہ زید ایک غریب جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اس کے حج بدل کرنے کا حکم

شخص ہے جس نے حج نہیں کیا اس کو ہندہ بدل حج کرنے کے واسطے بھیجا جاتا ہے اگر زید ہندہ کا روپیہ لیکر حج کو جاوے تو حج ہندہ کا ادا ہوگا یا نہیں ہے

الجواب: جس شخص نے اپنا حج نہیں کیا وہ اگر حج بدل کرے تو حج بدل صحیح ہو جاتا ہے لیکن یہ مکروہ تنزیہی ہے اور افضل یہ ہے کہ ایسے شخص کو حج بدل کے لئے بھیجا جاوے جو اپنا حج کر چکا ہو اور جو شخص اپنا حج کئے بدون حج بدل کو جاوے اگر وہ اتنا مالدار ہے کہ اس پر حج فرض ہے تو اس کو حج بدل کرنا مکروہ تحریمی ہے کما فی بغیة الناسک ص ۱۸۱ قال فی الفتمہ والصحیح والحق انہا تنزیہیة علی الامر تحریمیة علی الصرحة الاماموران کان بعد تحقق الوجوب علیہ بملك السن اذ والراحلة والصحة لانه یتضیق علیہ والحالة هذه فی اول سنی الامکان فی ائد بتکرہ وکذا لو تنفل لنفسه امر ملخصاً اور اگر اس بدل کے لئے جانے والے پر حج فرض نہیں ہے تو کراہت تحریمیہ نہ ہوگی مگر کراہت تنزیہیہ سے خالی نہیں للاختلاف فی ان الحج بوصولہ الی المیقات یفرض علیہ ام لا واللہ اعلم۔

نوٹ:۔ سوال میں یہ نہیں لکھا کہ ہندہ کو خود جانے سے کیا غدر ہے اس لئے دوبارہ سوال کر لیں کہ اس کا غدر ایسا ہے کہ حج بدل کو بھیج سکتی ہے یا نہیں۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ ۲۰ رجب الاول ۱۲۶۱ھ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ سہون

سفر حج سے عاجز ہونے کی صورت میں حج بدل کرانے کا حکم

سوال (۱۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے اوپر حج بیت اللہ شریف فرض ہے اور اس کی صحت اس قدر خراب ہے کہ اس کو اپنی حیات کی بھی امید نہیں ہے اور اس کے وارثوں میں سے ایک لڑکا ہے جو آوارہ ہے اور اس سے یہ امید نہیں ہے کہ وہ اپنے باپ کی وفات کے بعد حسب وصیت باپ کے اس فرض کو باپ کی طرف سے ادا کرے ایسی حالت میں جو حکم شریعت کا ہو اس سے بہت جلد مطلع فرمادیں اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے گا فقط۔

الجواب: جب ایسی تکلیف ہو کہ سفر حج سے بالکل عاجز ہو جاوے تو حج بدل کے لئے کسی کو اپنی زندگی میں بھیج دینا جائز ہے پھر اگر اس عجز ہی کی حالت میں انتقال ہو جاوے تب تو یہ حج کافی ہو جاوے گا اور اگر یہ عجز زائل ہو جاوے تو حج ذمہ رہے گا (اور اگر حج بدل کی وصیت کرنے میں لڑکے پر اطمینان نہیں کہ وہ پورا کرے گا تو اس کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ کسی دوسرے معتمد کو حج بدل کے لئے وصیت کر دے اور اس کو روپیہ خود سپرد کر دے) کما فی العالمکبریة (ص ۱۶۱) ومنها استدامة العجز من وقت الاحجاج الی وقت الموت هکذا فی البدائع حتی لو اخرج عن نفسه وهو مریض یكون مراعی فان مات اجزاء وان تعافی بطل وکذا لو اخرج عن نفسه وهو مریض یكون مراعی فان مات اجزاء وان تعافی۔

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ

الجواب صحیح

تھانہ سہون ۲۱ رجب الثانی ۱۲۶۱ھ

ظفر احمد عفا عنہ

۲۱ رجب ۱۲۶۱ھ

سوال (۱۴) کیا فرماتے ہیں حضرات علماء کرام و مفتیان عظام حج بدل کی ایک صورت کا حکم

اس مسئلہ میں کہ ایک شخص بزمانہ ناواقفی حج بدل کے لئے گیا اور میقات سے قبل اشہر حج کا احرام بنیبت آمر باندھا مگر معظمتہ سنیچہ عمرہ کر کے احرام کھول ڈالا پھر موسم حج میں احرام باندھ کر حج ادا کیا بعد کو معلوم ہوا کہ حج آمر کا ادا ہوا سال آئندہ تک وہاں اقامت کر کے اپنا حج ادا کر کے واپس ہو گیا اور تیسرے سال پھر اس نیت سے روپیہ فراہم کر کے حج آمر جو اپنے ذمہ باقی ہے اس سے سبکدوشی ہو جائے اشہر حج میں عازم بیت اللہ ہو کر اور میقات سے بنیبت آمر احرام باندھ کر باحتیاط تمام حج ادا کر دیا لیکن جاتے وقت نہ آمر سے مذکرہ کیا نہ اس سے اجازت لی ان لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ پہلا حج فاسد ہو گیا ہے اسی کی قضا کے لئے دوبارہ جانے کا قصد ہے

دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس صورت میں فریضہ امر سے سبکدوشی ہوگئی یا نہیں اگر نہیں ہوئی تو سبکدوشی کی کیا صورت اختیار کی جاوے؟ **یٰتینوا توجروا۔**

الجواب: فی غنیۃ الناسک (۱۵) فی فوات الحج عن المأثور) فلو حج عن المیت بمال نفسه اجزاءا وبریئ من الضمان۔ پس اگر حج اول امر کی طرف سے ادا ہوا ہو تو حج ثالث اس کی جانب سے ادا ہو گیا اور اگر حج اول امر کی طرف سے ادا ہونے نہ ہونے کی تحقیق مطلوب ہے تو یہ لکھا جاوے کہ میقات سے احرام حج کے بعد عمرہ کا احرام باندھا تھا یا بدون احرام عمرہ محض افعال عمرہ کر کے حلال ہو گیا تھا۔ اور یہ جو لکھا ہے کہ ان لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ پہلا حج فاسد ہو گیا ہے لہذا اس میں فساد سے کیا مراد ہے آیا یہی عمرہ کر لینا یا اور کوئی بات مفسد حج پائی گئی تھی صاف صاف لکھیں۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

الجمادی الاخریٰ ۱۳۵۵ھ

جس نے اپنا حج نہ کیا | سوال (۱۵) سنا جاتا ہے کہ اس شخص کو جو خود حاجی نہ ہو حج بدل کے لئے جو اس کے حج بدل کا حکم جانا جائز نہیں اس لئے کہ کعبہ شریف کو دیکھنے سے حج فرض ہو جاتا ہے۔ جب خود ان پر فرض ہو گیا تو وہ دوسرے کی جانب سے ادا نہیں کر سکتا۔

الجواب: جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اس کو حج بدل کرنا مکروہ ہے۔ اور جب وہ کعبہ شریف پہنچتا ہے تو وہ دوسرے کا احرام باندھے ہوئے ہوتا ہے اس واسطے اس پر اس زیارت کعبہ سے حج فرض نہیں ہوتا کما هو مصرح فی کتب الفقہ البتہ اگر اس کو آئندہ حج تک مکہ معظمہ میں قیام دشوار نہ ہو اور اس کے اہل و عیال کو بھی تنگی نہ پیش آوے تو بعض فقہار نے اس پر وہاں قیام کر کے آئندہ سال حج کرنے کو واجب کہا ہے، واللہ اعلم۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۱۳۵۵ھ

الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ ۱۲ شوال ۱۳۵۵ھ

بحری اور ہوائی جہازوں پر سفر اور متعلقہ احکام

ہوائی جہازوں میں وقوف | رہا جواب ان مسائل کا جن کو میں نے پہلے پرچہ میں زیر غور کہا تھا اور وہ دو عرفہ اور طواف کعبہ کا حکم مسئلے ہیں ایک ہوائی جہاز میں طواف کرنے کا۔ دوسرے ہوائی جہاز میں وقوف عرفہ کرنے کا سو اس کے متعلق جو مجھ کو مطالعہ کتب فقہ سے ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ

مرکب ہوائی میں سوار ہو کر طواف کرنے سے طواف تو صحیح ہو جائے گا بشرطیکہ مرکب ہوائی داخل حد مسجد رہے لیکن بلا عذر ایسا کرنے سے دم واجب ہوگا جیسا کہ مرکب غیر ہوائی میں بھی بلا عذر سوار ہو کر طواف کرنے کا یہی حکم ہے اور مرکب ہوائی میں سوار ہو کر عرفات کے مورد سے وقوف عرفہ ادا ہوگا قال فی البدائع واما مکان الطواف فمکانہ حول البیت لہ (ص ۱۱۱) و فی غنیۃ الناسک الطواف هو الدوران حول الکعبۃ کیف ما حصل اہ اما الرکبان فثلاثۃ اثبات اکثرہ وکونہ بالبت لاقیہ وکونہ بفعل نفسه ولو محمولاً اور اکب بعیر واما شراطہ فستة ثلثة منها لا یفوتہ الحج وہی الوقت و تقدیم الاحرام و تقدیم الوقوف والباقی للکل وہی الاسلام و داخل المسجد ولو علی سطحہ فلو طاف علی سطح المسجد جاز ولو مرتقعا عن البیت لو طاف خارج المسجد مع وجود الحيطان لا یصح اجماعاً ولو کان الحيطان منہدمۃ لا یصح عند عامة العلماء لانه طاف بالمسجد لا بالبت اہ (ص ۱۸۵) چونکہ طواف کی حقیقت دوران حول البیت ہے اور مکان طواف حول البیت ہے اور بیت کے متعلق یہ تصریح موجود ہے کہ ہوا رکبہ عنان سما تک بیت ہے اور اسی لئے طواف بیت سے مرتفع ہو کر بھی جائز ہے اس لئے مرکب ہوائی میں بشرط مذکورہ طواف صحیح ہو جائے گا۔ لیکن وقوف عرفہ کے متعلق کہیں یہ تصریح نہیں ملی کہ ہوا رکبہ عنان سما تک بحکم عرفہ ہے بلکہ اکثر کتب میں وقوف کو ارض کے ساتھ مقید کیا ہے قال فی البحر وشرطہ شیطان احدہما کونہ فی ارض عرفات اہ (ص ۲۳۹ ج ۲) و فی العالمگیریۃ ایضاً الوقوف شرطہ شیطان احدہما کونہ فی ارض عرفات والثانی ان یکون فی وقتہ اہ (ص ۱۳۸ ج ۱) و فی الدر والقیام والنیۃ فیہ ای الوقوف لیست بشرط ولا واجب فلو کان جالساً جازحجہ وذلك لان الشرط الکیونۃ فیہ اہ قال الشامی ای فی محل الوقوف المعلوم من المقام و فی شرح اللباب والظاہر ان هذا رکن لعدم تصور الوقوف بدونه نعم الوقت شرطہ (ص ۲۸۴ ج ۲) اور ظاہر ہے کہ وقوف برض عرفہ یا کینونہ بعرفۃ راکیبا علی الدابة یا محمولاً علی الایدی میں بواسطہ متمقق ہے بلا واسطہ متمقق نہیں اور مرکب ہوائی میں راکیب کو وقوف بارض عرفہ کسی طرح حاصل نہیں۔ بلا واسطہ بل بواسطہ ہوا رکبہ عرفہ متمقق

ہے پس اگر کسی دلیل سے ہوا عرفہ کا حکم ارض عرفہ ہونا ثابت ہو جائے تو یہ مرد قائم مقام و قوف بارض عرفہ کے ہو سکتا ہے مگر سنوز کہیں اس کی تصریح نہیں ملی ہے لہذا افتاء بصمت و قوف فی ہذہ الصورۃ مشکل ہے واللہ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲۳ صفر ۱۳۵۵ھ

احقر اشرف علی قیاساً علی کون ہواء الکعبۃ فی حکمھا و کون ہواء المسجد فی حکمہ صحت کو راجح سمجھتا ہے لیکن جزم نہیں کرتا ۱۲

کتاب النکاح

دو پہلے وقت نکاح "قبول کیا" کے بجائے اگر احمدیہ کہا تو یہ حکم ہے مریم بنت زید کو دو سو روپیہ مہرا نہ کے عوض تمہارے عقد میں دیا وہ صرف الحمد للہ کہا اب نکاح ہوا یا نہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ قبول کیا میں نے" کی جگہ میں اگر صرف الحمد للہ کہہ دیا تو نکاح منع ہوا یا نہیں؟

(تنقیح) اس موقع پر الحمد للہ کہنے سے شہود اور حاضرین کیا سمجھتے ہیں بتلایا جائے۔ کیونکہ الحمد للہ ہمارے عرف میں صیغہ قبول کا نہیں ہے تو کیا بنگالہ کی کوئی خاص اصطلاح ہے۔ قال فی الخلاصۃ و فی مجموع السوازل قال روحنی نقیض منی فقالت بالسمع والطاعة صح النکاح ولو قالت سیاس مادام لا ینتقد اھ (ص ۲۳ ج ۲)۔ اس سے معلوم ہوا کہ الحمد للہ کہنے سے نکاح منع نہیں ہوتا۔

سوال ۱۲ جناب مولانا صاحب مولوی مفتی اشرف علی صاحب! مگنی کے وقت کا ایجاب و قبول دام فیوضکم السلام علیکم عرض ہے کہ کمترین کو واپسی خط ملا آنجناب نے تحریر فرمایا ہے کہ لفظ کس طرح کہے گئے تھے۔ اب اس طرح لکھتا ہوں پہلے بھی آنجناب کی خدمت میں عرض کر چکا ہوں کہ اس مگنی کے سال دو سال بعد پھر نکاح و شادی کرتے ہیں اس کو سنگٹالے مشہور کرتے ہیں گویا اس کو اصلی نکاح تصور و مشہور نہیں کرتے یہ رسمی معاملہ ہے۔ لڑکی کا والد لڑکے کے والد کو کہتا ہے کہ میں نے اپنی لڑکی فاطمہ تمہارے لڑکے نور محمد کو بخشی، لڑکے کے والد نے کہا میں نے قبول کی تین دفعہ اس طرح کہا۔ اور جیسے نکاح کے وقت گواہ

مقرر کئے جاتے ہیں گواہ کوئی مقرر نہیں کئے۔ ہمارے اس ملک میں اس کا نام سنگٹا و شرح ایجاب رکھا ہے۔ کیونکہ اس رسم کے بعد دوبارہ دن شادی کے مقرر کر کے پھر نکاح پڑھایا جاتا ہے۔ اب لڑکی کا والد دوسری جگہ نسبت کر سکتا ہے یا نہیں؟ بیٹنوا توجہ و

الجواب: مجلس خطبہ میں یہ الفاظ وعدہ پر معمول ہوں گے لہذا نکاح نہیں ہوا لڑکی کا والد دوسری جگہ نسبت کر سکتا ہے۔ قال فی الدرر اھل اعطیتھا ان المجلس للنکاح وان للوعد فوعد قال الشامی قوله ان المجلس للنکاح ای لانشاء عقدہ لانہ یفہم منہ التحقیق فی الحال فاذا قال الاخر اعطیتکھا او فعلت لنام و لیس للاول ان لا یقبل اھ (ص ۲۳۳ ج ۲) قلت هذا اذا كان المجلس للنکاح واما اذا كان للوعد فقول الاخر اعطیتکھا محمول علی الوعد فانہم واللہ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد ۲۴ صفر ۱۳۵۵ھ۔

سوال (۶) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مگنی کے وقت اولیا طرفین کا ایجاب قبول ایک قسم کا وعدہ ہوتا ہے اس مسئلہ میں کہ اس ملک پنجاب میں رواج ہے کہ مگنی کے وقت لڑکی کا ولی لڑکے کے ولی کو کہتا ہے کہ میں نے فلاں لڑکی تیرے فلاں لڑکے کو دی وہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے لڑکے کے واسطے قبول کی اور بعد شادی کرتے ہیں اور نکاح وغیرہ بعد میں ہوتا ہے۔ اسی صورت سے جس لڑکی کی مگنی ہوئی ہو تو اس کا نکاح دوسری جگہ ہو سکتا ہے یا نہیں بیٹنوا بالتفصیل توجہ و ابالاجہ المرجع الی اس لئے کہ ملک پنجاب میں تمام علماء کرام اختلاف ڈالتے ہیں آپ لے صحیح لفظوں کے ساتھ بیان فرمادیں؟

الجواب: قال فی الدرر اھل اعطیتھا ان المجلس للنکاح ان للوعد فوعد اھ قال الشامی ان المجلس للنکاح ای لانشاء عقدہ لانہ یفہم منہ التحقیق فی الحال اھ (ص ۲۳۳ ج ۲)۔ اس سے معلوم ہوا کہ مگنی کے وقت لڑکی کے ولی کا یہ کہنا کہ میں نے فلاں لڑکی تیرے لڑکے کو دی اہل لفظ وعدہ پر محمول ہوگا نہ عقد نکاح پر کیونکہ مجلس وعدہ کی ہے نکاح کی مجلس نہیں ہے لہذا ان الفاظ سے نکاح نہ ہوگا اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ ہو سکتا ہے۔ نکاح بیوہ کا حکم سوال (۴) بیوہ کا نکاح افسر ہے یا یوں ہی بحالت شباب بیٹھ رہنا بہتر ہے۔

الجواب: اگر بیوہ صاحب اولاد نہ ہو تو اس کو نکاح کر لینا افضل ہے اور دوسرے نکاح کو عیب سمجھنا تو سخت گناہ ہے اور اگر صاحب اولاد ہے اور دوسرے نکاح سے ان بچوں کے

ضائع ہونے کا اندیشہ ہے کہ شوہر کی خدمت وغیرہ کی وجہ سے ان بچوں کی پرورش نبوی نہ کر سکے گی تو نکاح نہ کرنا بہتر ہے اور اگر بچوں کی پرورش سے نکاح ثانی مانع نہ ہو تو اس صورت میں بھی نکاح ہی افضل ہے اور تفصیلی اس وقت ہے جبکہ بیوہ کو نکاح نہ کرنے کی صورت میں اپنے نفس پر پورا قابو ہو اور گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو ورنہ بہر صورت نکاح کرنا لازم ہے۔

سوال (۵) ایک مسلمان نوجوان کنواری عورت کو زنا سے حمل اور اس کے حمل کا اسقاط جائز نہیں ہو گیا چھ سات مہینہ بعد حالت حمل میں ہی ایک مسلمان مرد نے باوجود علم بچنے کے ایک نیک نکاح خوان قاضی کے ذریعہ اس سے نکاح پڑھ کر اپنے گھر میں ڈال لیا اس پر گاؤں کے باقی مسلمانوں میں اس بات کا ہرجا ہوا مرد مذکور نے اپنی رسوائی چھپانے کے واسطے عورت کا حمل ساقط کر دیا۔ کیا یہ نکاح صحیح ہوا اگر نہیں ہوا تو اس کے لئے کیا تعزیر ہونی چاہئے اور حمل ساقط کرنا جائز تھا یا ناجائز اس کے لئے کوئی تعزیر ہے عورت کو کیا تعزیر ہونی چاہئے نکاح خوان اور مرد مذکور کے معاون لوگوں سے کیا سلوک ہوا اور مرد مذکور نے حمل فاحش عورت مذکور کا ساقط کرنے کے بعد دوبارہ پھر نکاح پڑھا ہے۔ والسلام بیٹنوا توجسوا

الجواب؛ حاملہ من الزنا کا نکاح درست ہے خواہ زانی سے ہو یا غیر زانی سے البتہ اگر زانی سے ہو تو اس کو قبل وضع حمل وطی بھی جائز ہے اور غیر زانی کو وطی جائز نہیں جب تک وضع حمل نہ ہو لہذا صورت موجودہ میں نکاح اول درست ہو گیا تھا نکاح ثانی کی ضرورت نہ تھی لیکن چھ سات ماہ کا حمل ساقط کرنا ایک روایت پر موجب گناہ ہوا جس کا کفارہ توبہ واستغفار ہے اور ایک روایت پر گناہ نہیں ہوا فی العالمگیریة والعلاج لاسقاط الولد اذا استبان خلقه لا یجوز وان کان غیر مستبین الخلق یجوز واما فی زماننا یجوز علی کل حال وعلیہ الفتویٰ ۱۴ (ص ۲۳۷ ج ۵)۔ ارذی انجوشہ۔

سوال (۶) چہ فرمائید علماء ملت اہل سنت والجماعت دریں مسئلہ کہ نکاح بستن در میان زن مستنیہ و مرد رافضی تفصیلی باشد یا سببی یا نکاح کردن مابین مرد مستنی و زن رافضیہ فی زماننا کہ در روافض سببیا است و تفصیلی کم اند خصوصاً در بلوچستان کہ رافضی تفصیلی یافتہ نمی شود در مذہب اہل سنت والجماعت

مہ قلت ولہ ینظہری وجہ الفتویٰ علی الجواز مطلقاً ۱۲ ظفر

و نیز در مذہب اہل شیعہ جائز است یا نہ اگر کسی طبع دنیا یا بوجہ ناواقفیت مسئلہ میں جنس نکاح کر دے اس طور نکاح فسخ میگردد یا باقی می ماند و اگر در صورت اول بوقت فیصلہ نزد حاکم مرد رافضی خود را تفصیلی سازد برین تقدیر نکاح باقی می ماند یا نہ۔ چونکہ در بلوچستان عالم شریعت نبوی کم اند بسیار تنازع برخاستہ است حق ظاہر نمی شود آن کس کہ اس نکاح را جائز میدارد و حوالہ فتاویٰ مولوی عبدالحی مرحوم می دهد و آن فریقہ جائز نمی دارد فتاویٰ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی را پیش می آرد غرض قول مفتی بہ معلوم نمی شود آنچه کہ دریں مسئلہ حکم مفتی بہ باشد بحوالہ کتاب مع صفحہ ارقام فرمائید۔ بیٹنوا توجسوا۔

الجواب؛ ہوا المصوب؛ جواب محقق نزد ما این است کہ رافضی کہ قدف حضرت سیدہ عائشہ را جائز شمارد و قائل تہریف در قرآن کریم باشد یا قائل بکفر و نفاق حضرت صدیق بود کا فر است و اگر بجز تبرا و سب شیخین ہیج از امور کفریہ ظاہر نماید فاسق است پس در صورت اولی مستنیہ باین جنس روافض ہرگز صحیح نشود بلکہ حکم زنا دارد و این مستنیہ را جدائی از اول لازم است و اگر حاملہ نباشد معاً نکاح و دخول از مرد مستنی جائز است و الا بعد از وضع حمل۔ و در صورت ثانیہ تفصیل است اگر زن نابالغہ است و ولی آن را علم بفسق آن نبود بلکہ رافضی را صالح و عادل گمان کردہ باو نکاح کرد بعد از ان فسق آن معلوم شد وزن مستنیہ بعد از بلوغ اظہار ناراضگی ازین نکاح کرد پس اس نکاح ہم باطل است و اگر فسق اس جماعت از اول معلوم بود در دیدہ و دانستہ ولی شرعی زن نابالغہ یا بالغہ مستنیہ نکاح رافضی داد اس نکاح درست شد بدون طلاق مرتفع نگردد و اگر زن مستنیہ بدون اجازت ولی از خود نکاح باین جنس رافضی کند ہم باطل شود و حاجت بطلاق نیست بدون طلاق بمرردیگر از اہل سنت نکاح می تواند کرد اما بعد از تفریق عدت گذاردن لازم است اگر دخول شدہ باشد و عدت آن سہ حیض بود۔ قال العلامة الشامی فی رد المحتار علی ان الحکم علیہ بالکفر مشکل لما فی الاختیار اتفق الائمۃ علی تفضیل اہل البدع اجمع و تخطیتہم و سب احد من الصحابۃ و بغضہ لا یكون کفر الکن یضلل الخ۔ الی ان قال ثم لاشک فی تکفیر من قد ف السیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا و انکر صحبۃ الصدیق و اعتقد الاوہیۃ فی علی او ان جبریل غلط فی الوحو، و نحو ذلك من الکفر الصریح المدعی

للقمران ام ص ۳۵۳ ج ۳ . قلت علی هذا فمن نسب الصديق رضي الله عنه
الى الكفر والتفارق فهو كافر لانه منكر صحتته وهي ثابتة بالنص اذ يقول
لصاحبه لا تخمن ان الله معنا الآية وفي العالم الكبرى رجل زوج ابنته
الصغيرة من رجل على ظن انه صالح لا يشرب الخمر (مثلاً) فوجد الاب
ثم بيما مد منا وكبرت الابنة فقالت لا ارضى بالنكاح ان لم يعرف ابوها
بشرب الخمر وغلبة اهل بيته الصالحون فالنكاح باطل اي يبطل وهذه
المسئلة بالاتفاق (اي بين الامام وصاحبيه ۱۲) وكذا في الذخيرة وفيها
ايضاً المرأة ان زوجت نفسها من غير كفو صح النكاح في ظاهر الرواية وروى
الحسن عن اب حنيفة ۳ ان النكاح لا ينعقد وبه اخذ كثير من مشائخنا كذا
في المحيط والمختار في زماننا للفتوى رواية الحسن وقال الشيخ الامام
شمس الائمة السرخسي رواية الحسن اقرب الى الاحتياط ام ص ۱۶ ج ۲ .
وان الله اعلم وقد صرح العلماء بوجوب العدة في النكاح الفاسد بعد
الدخول كما لا يخفى على من له ادنى نظر في الفقه . ۲۱ شوال ۱۳۱۰

اس شرط کے ساتھ نکاح کرنا کہ بیوی | سوال (۲) السلام علیکم . عرض ہے کہ خادم نے اس جگہ نکاح
شوہر کے وطن سے باہر نہیں جائیگی کیا مگر میری زوجہ نے یہ شرط کر لی ہے کہ وہ میرے ہمراہ ہندوستان
نہ جائے گی اب چند شخصوں نے یہ شبہ ڈال دیا ہے کہ چونکہ اس نکاح میں شرط ہو گئی ہے اس لئے
یہ متعہ ہے مہربانی فرما کر متشرع حکم بتلاویں تاکہ ایسا نہ ہو کہ مغالطہ میں گنہگار ہوں اگر حقیقتہً
یہ متعہ ہوا تو زوجہ کو طلاق دے دوں گا ورنہ خیر والسلام۔

الجواب : یہ نکاح بالکل درست اور بہم وجوہ صحیح ہے متعہ برگز نہیں جس نے متعہ کا
شبہ ڈالا ہے وہ مسائل شرعیہ سے محض ناواقف ہے متعہ اس کو نہیں کہتے کہ نکاح کے ساتھ کوئی
شرط کر لی جائے بلکہ متعہ یہ ہے کہ نکاح خاص مدت کے لئے کیا جائے مثلاً یہ کہا جائے کہ میں دو سال
کے لئے نکاح کرتا ہوں یا یوں کہا جائے کہ جب تک میرا قیام بغداد میں ہے اس وقت تک کے لئے
نکاح کرتا ہوں اور اگر یوں نہ کہا جائے بلکہ صرف یہ کہا جائے کہ میں تم سے نکاح کرتا ہوں اس پر
عورت یوں کہے کہ میں اس شرط سے نکاح منظور کرتی ہوں کہ مجھ کو بغداد سے باہر نہ لے جایا جائے
بلکہ یہیں رکھا جائے اور شوہر اس شرط کو منظور کر لے تو یہ برگز متعہ نہیں بلکہ نکاح صحیح شرعی ہے

خزانة الروایات مینویسد فی الغیاشیة مسئلہ نجم الدین النسفی عن قال بن خنوش
فلانة بمن دادی گفت دادم ووی گفت پذیر فتم هل یعتقد النکاح فيه اختلاف المشائخ
عند بعض لا یعتقد حتى یقول بزنی دادم وعند بعض یكون نکاحاً ببدون ذکر
ذلك وهو الاصح، پس بنا بریں روایت اصح در صورت سوال نکاح صغیر و صغیرہ منعقد
شد و پدر پسر را بجدای طر ح جائز نیست کہ آن مخطوبہ و منکوحہ پسر را در نکاح خود آرد۔

اور اسی طرح اسی فتاویٰ کے اندر دوسری جگہ اسی طرح کے استقار کے جواب میں دوسری
عبارت یہ نقل فرمائی ہے :

و در جامع مضمرات شرح مختصر قدوری می آرد فی النسفیة سئل عن قال لامرأة
بحضرة الشهور و خنوش بن دادی فقالت دادم هل یعتقد النکاح فقال نعم لان
الناس تعارفوا التزوج بهذا اللفظ وان لم يتلفظوا بلفظ النکاح،
لان النکاح یعتقد عندنا بلفظ الهبة خلا فالشافعی ۴ .

یا کہ صورت سؤلہ اس عبارت شامی و در مختار میں داخل ہو کر منعقد ہوگا اور شگنی پر محمول ہوگا
اور وہ عبارت شامی کی تویہ ہے قال فی شرح الطحاوی لو قال هل اعطيتنيها فقال
اعطيت ان كان المجلس للوعد و ان كان للعقد فنکاح اور در مختار کی
عبارت یہ ہے هل اعطيتنيها ان المجلس للنکاح و ان للوعد فوعد اور یہی فرمایا
کہ اگر نکاح منعقد ہوتا ہے تو شامی و در مختار کی عرض و توجیہ کیا ہے اور فرق در میان صورت
مسؤلہ میں اور مذکورہ در مختار میں کیا ہے اور اگر نکاح نہیں ہوتا بموجب ان عبارتوں کے تو
پھر مولانا عبدالحی کی عبارت کی توجیہ و عرض کیا ہے بالتفصیل تحریر فرماویں بیٹنوا توجس و اہ

الجواب : لفظ دادم و پذیر فتم اگر مجلس خطبہ (شگنی) میں استعمال کیا جاوے تو
اس سے نکاح منعقد ہوگا بلکہ محض وعدہ پر محمول ہوگا۔ اور مولانا عبدالحی صاحب کا مطلب
یہ ہے کہ اگر مجلس نکاح میں دادم و پذیر فتم استعمال کیا گیا تو نکاح ہو جائے گا جس کا قرینہ یہ ہے
کہ انہوں نے اپنی عبارت میں یہ اختلاف بھی نقل فرمایا ہے "عند البعض لا یعتقد حتى یقول
بزنی دادم وعند البعض یكون نکاحاً ببدون ذکر ذلك" اہ اور یہ اختلاف مشائخ
میں اس پر ہے کہ لفظ دادم مطلقاً معنی نکاح کی تعبیر کر سکتا ہے یا کہ بزنی زیادہ کرنے کی بھی ضرورت
ہے۔ یہ صاف اس کی دلیل ہے کہ مولانا عبدالحی صاحب اس صورت کو بیان فرما رہے ہیں جب کہ

اور مرد کے ذمہ عورت کی اس شرط کا ایثار لازم ہے وہ اس کو ہندوستان لانے کا مجاز نہیں
البتہ اگر وہ اپنی اس شرط کو واپس لے لے تو پھر ہندوستان لاسکتا ہے۔

قال فی الهدایۃ (ص ۳۰۹ ج ۲) ولو تزوج علی الف ان اقام بیها و علی الفین
ان اخرجہا فان اقام بیها فلہا الالف وان اخرجہا فلہا مہر المثل لانی اذ
علی الفین ولا ینقص عن الف و هذا عند ابی حنیفۃ ج و قال: الشرطان
جائز ان جبیعا حتی کان لہا الالف ان اقام بیها والالف ان اخرجہا
اہ و فیہ ایضاً (ص ۳۱۲ ج ۲) و اذا اوفاہا مہرھا نقلہا حیث شاء لقولہ تعالیٰ:
اَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكُنْتُمْ وَقِيلَ لَا يَجْرِي جِهًا إِلَى بِلَدٍ غَيْرِ بِلَدِهَا لَانَ الْغُرَبَاءِ
لَوْ ذِي اِه قَلت و علیہ الفتویٰ حتی ینزع النزوج من نقلہا الی غیر بیلدھا بغیر
رضاہا صرح بہ فی الشامیۃ و فی الدر المختار و لیس منہ (امی من نکاح المتعم)
مالونکما علی ان یطلقہا بعد شہر الہ و فیہ ایضاً لو عقد معہ شرط فاسد
لم یسئل النکاح بل الشرط اہ (ص ۲۸۳ مع الشامی)۔

قلت: ولو عقد مع شرط صحیح لم یسئل شیئی منہا کما هو ظاہر۔ واللہ
اعلم۔ عجمادی الثانی ۱۲۸۵ھ۔

علمائے بعد نکاح کا حکم | سوال (۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ
جیکہ زوج ثانی منکوحہ کی بیوی ہو
اور عورت مدعیہ قبول
میں کہ زید نے اپنی زوجہ کو طلاق ثلاثہ سے فارغ کر دیا بعد عدت کے
عمر کے پاس حیلہ کیا یعنی عمر سے نکاح دیا بعد چند روز کے زید نے کسی طرح پھر
طلاق دلو کے بعد عدت کے پھر اپنے نکاح میں لایا مگر نکاح کرتے وقت اس کی زوجہ سے یہ
بات نہیں پوچھا کہ عمر نے اس کے ساتھ صحبت کیا ہے یا نہیں مگر یہ بات مشہور ہے کہ عمر نے طلاق
دینے کے وقت جو لوگ حاضر تھے وہ لوگ کہتے ہیں کہ عمر نے طلاق دینے کے وقت صاف صاف کہہ دیا
کہ زید نے اپنی بیوی کو جیسا امانت رکھا ہے ابھی ویسا ہی میرے پاس امانت ہے کسی طرح خیانت
نہیں ہوئی یعنی میرے ساتھ فقط نکاح ہوا ہے صحبت نہیں ہوئی زید کے نکاح جدید کے دوا
تین مہینہ کے بعد جب مشہور ہوا کہ زید نے جو نکاح کیا ہے وہ فاسد ہے تب زید کی بیوی نے قسم کھا
کر کہا کہ عمر نے میرے ساتھ صحبت کیا ہے حالانکہ عمر نے پہلے طلاق کے اور بعد طلاق کے بھی لوگوں کے
پاس ظاہر کیا ہے کہ میں نے زید کی بیوی کو صحبت سے پہلے ہی طلاق دیا ہے موافق شرع شریف کے

عمر کا قول معتبر ہے یا زید کی بیوی کا معتبر ہے اور کس کے قول کے موافق فیصلہ ہوگا۔ اور زید نے جو
نکاح جدید کیا ہے اگر فاسد ہو اور وہ توجہ نکاح کے باز نہ آوے تو اس سے اختلاف یعنی زید کے
ساتھ اکل و شرب درست ہے یا نہیں کس کے قول پر ترجیح ہے کتب کی کوئی عبارت برائے
مہربانی نقل کر کے دینا تاکہ ہر طرح اطمینان ہو۔ بینی توجہ و ا۔ فقط۔

الجواب: قال فی الدر المختار قال النزوج الثانی کان النکاح فاسدا و
لم یدخل بیھا و کذبته فالقول لہا اہ قال فی الشامیۃ کذا فی البصر
و عبارتہ البرازیۃ ادعت ان الثانی جامعہا وانکر الجماع حلت
للاول و علی القلب لا اہ (ص ۲۶۸ ج ۲) اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ میں
عورت کا قول معتبر ہے اور زید کا نکاح جدید اس عورت سے درست ہے۔ واللہ اعلم۔
و فی العالمگیریۃ لو اخبرت المرأۃ ان زوجہا الثانی جامعہا وانکر النزوج
الجماع حلت للاول ولو کان علی القلب بان انکرت واقتر النزوج الثانی
لا تحل اہ (ص ۱۲۹ ج ۲) و قولہ لو اخبرت الہ یندل علی انہ لا احتیاج الی
قضاء القاضی فی المسئلۃ فانہم۔ ۱۰ شعبان ۱۲۸۵ھ۔

سنگنی کے وقت ایجاب قبول کا حکم | سوال (۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین
اندریں مسئلہ کہ زید نے مجلس عام سنگنی میں روبرو گواہان کے کہا کہ میں نے اپنی لڑکی عمر کے لڑکے
کو دی اور عمر نے اسی وقت ایک ہی مجلس میں کہا کہ میں نے قبول کی اور زید کی لڑکی اور عمر کا
لڑکا دونوں صغیر ہیں اب فرمائیے کہ اس صورت میں زید کی لڑکی کا عمر کے لڑکے کے ساتھ نکاح
منعقد ہو جائے گا جیسا کہ مولانا مولوی عبدالحی کے فتاویٰ میں تصریح ہے کہ صحیح روایت پر صورت
مذکورہ میں نکاح ہو جاتا ہے جس کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

استفتاء: چه فرماید علمای دین کثریم اللہ تعالیٰ در صورت مسؤلہ کہ یک شخص جماعت
خود را دعوت خطبہ داد و مردمان جماعت بدعوت خطبہ صحیح شدند و در مجلس خطبہ در میان ولی
دختر صغیرہ و ولی پسر صغیر ایجاب و قبول بالفاظ دارم و پذیرفتہ جاری شد پس بایں ایجاب
قبول کہ بالفاظ مذکورہ در مجلس خطبہ جاری شدہ است دختر منکوہ پسر شد یا نہ بینی توجہ و ا ہ
جواب: هو المصوب در انعقاد نکاح بلفظ دارم و پذیرفتہ اختلاف مشائخ حنفیہ است
بعض حکم بانعقاد می سازند و بعض نہ و در کتب معتبرہ قول اول را صحیح گفتہ اند و در

یہ وادعہ وزیر فرم مجلس نکاح میں استعمال کیا جائے۔ یا ایسی مجلس میں استعمال کیا جائے جو مجلس خطبہ ہے نہ مجلس نکاح ہے۔ باقی اگر مجلس خطبہ میں ان کو استعمال کیا گیا تو حسب تصریح و درمختار مجلس و عدہ پر محمول کیا جائے گا واللہ اعلم۔

۱۸ رمضان ۱۲۲۲ھ

سوال (۱۱۰) ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ اس صورت میں کہ ایک عورت مشرکہ اپنے گھر میں تھی اس کی اور اس کی ساس میں باہم

لڑائی ہو گئی ساس نے اس کو مارا اور کہا کہ کل جا ہمارے گھر تو اس کو اس کہنے پر غصہ آیا اور اپنے میکہ کو نکل چلی کہیں راستہ میں ایک جگہ کوئی ایسا آدمی رہتا تھا کہ وہ اکثر ایسی عورتوں کو بہکا کر ادھر ادھر کر دیا کرتا تھا اس مشرکہ مذکورہ کو بھی اس نے اپنے پاس ٹھہرا کر ایک دو روز کے بعد کسی شخص کو بلا کر اور اس سے کچھ روپیہ وصول کر کے عورت مذکورہ کو اس کے ہمراہ کر کے گاڑی میں بٹھا دیا اور کہا کہ ان کے ساتھ جائے تجھ کو تیرے باپ کے یہاں پہنچا دیں گے وہاں سے چل کر کچھ مسافت کے بعد گاڑی سے اترے تو اس عورت نے کہا یہ تو میرے میکہ کا راستہ نہیں لانے والے نے دھمکایا اور کہا کہ ہمارے ساتھ چل اور خاموش رہ ورنہ تم تجھ کو مار ڈالیں گے اور پھر اپنے مکان میں لاکر چند روز رکھا اور دھمکیاں دیتے رہے کہ تو مسلمان ہو جا ورنہ تم تجھ کو مار ڈالیں گے بالآخر چار ناچار وہ راضی ہو گئی چند روز کے بعد ایک آدمی کو بلا کر چند آدمیوں کے سامنے اس کو مسلمان کیا اس عورت نے بخوبی کلمہ شریف پڑھا اور اپنے پہلے دین سے بریت اور اسلام سے اپنی رغبت ظاہر کر دی اور اقرار کیا کہ احکام اسلامی کو بجالایا کروں گی اور اسی کو اپنا دین سمجھا کروں گی تو یہ عورت شریعت محمدیہ کی رو سے مسلمان ہو گئی یا نہیں ہوئی؟ بتیو اور حسب وادعہ۔

تنقیح :- فی ردالمختار فاذا قال انا مسلم طائعا فهو دلیل اسلامه وفيه فاذا اتى بهما (ای بالشہادتین) طائعا يجب الحكم باسلامه ج ۳ ص ۲۲۵ بنا بران روایات کے دیکھنا چاہئے کہ اظہار رضا و رغبت طائعا ہے یا اب بھی اس کو وہی خوف ہے کہ اگر ایسا نہ کروں گی تو مجھ کو مار ڈالیں گے اور اس کے گمان میں یہ ہے کہ یہ ایسا کر سکتے ہیں جواب اس کی تحقیق پر موقوف ہے

جواب تنقیح :- اس عورت مذکورہ بالا سے جو دریافت کیا گیا کہ مسلمان ہو گئی ہے تو اس نے نہایت خوشی سے مسلمان ہونے کا اظہار کیا اور جب جدا گانہ پوچھا گیا ہے کہ تمہے کو پھر اسی پہلے دین کی طرف رغبت محبت ہے اس دین میں جانا چاہتی ہے تو اس سے بالکل انکار کرتی ہے،

اور اسلام لانے پر خوش ہے اور کسی قسم کا خوف نہیں ظاہر کرتی ہے اور جانتی ہے کہ میں ذی اختیار ہوں اگر پہلے دین کو اختیار کروں تو مجھ کو کوئی شے مانع نہیں ہے بتیو اور حسب وادعہ

۱۵

الجواب؛ قال قاضیخان فی فتاواہ (ص ۳۶۶ ج ۳) من باب الاکس اہ: واذا اجبر الکافر علی الاسلام فاسلم صح اسلامه فان ارتد بعد ذلك یجب علی الاسلام ولا یقتل اھ۔

صورت مسئلہ میں اس عورت مشرکہ کا اسلام معتبر ہو گیا اب اس کو مسلمان ہی سمجھنا چاہئے کہ اگر اس کا شوہر کا فرزند ہے تو وقت اسلام سے تین حیض گزر جانے کے بعد اس کا نکاح مسلمان مرد سے ہو سکتا ہے تین حیض گزرنے سے پہلے نکاح درست نہ ہو گا واللہ اعلم۔ ۱۹ ذی قعدہ ۱۲۲۲ھ

سوال (۱۱۱) اگر کسی نے مشرکہ لڑکی کو اس کے ماں باپ سے جو مشرک سے اس کی نابالغ لڑکی خریدی اور وہ لڑکی نابالغ ہے اگر اس نے اس کو مسلمان کر لیا اور بعض ضرورتوں کی وجہ سے دو گواہوں کے سامنے اس سے نکاح اس طرح کیا کہ دو گواہ جانتے ہیں۔ اور کوئی نہیں جانتا تو یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ یہ نکاح لڑکی کے عدم بلوغ میں ہوا ہے۔

الجواب؛ قال الشامی فی النہر عن منیة المفتی اذا باع المحرابی هناك ولداه عن مسلم عن الامام انہ لا یجوز ولا یجبر علی الرد وعن ابی یوسف یجبر علی الرد اذا خاصد المحرابی اھ (ص ۳۶۳ ج ۳)۔

صورت مسئلہ میں یہ نکاح درست نہیں ہوا کیونکہ یہ شخص اس لڑکی کے خریدنے سے اس کا مالک نہیں ہوا اور یہ اس کا ولی بھی نہیں جو نابالغ کی حالت میں اس کا نکاح کر سکے پس بعد بلوغ کے اس لڑکی کی رضا سے نکاح کرنا چاہئے قلت وفي بعض الروایات انه یملك لسو کان اهل الحرب یرون جواز هذا البیع فعلى هذا ایضا یدعی النکاح لكونه من سیدها ونکاح الامه من سیدها لا یجوز والسواية المشار الیها ذکرها العلامة عبد الحمی فی فتاواہ عن البزازیة بلفظ والصحیح ان کان البائع یرى جواز بیعه ملكه مطلقا وان کان لا یرى ان اشتراه وذهب به مکرها ملكه بالقهر اھ (ص ۱۰۲ ج ۱) والظاهر من حال الناسین والكافرين من اهل الهند انهم یرون ذلك جائزا للثبوت

فَمَا بَيْنَهُمْ مِنْ غَيْرِ شَكِيرٍ وَلَكِنْ لَا أَفْقَىٰ بَعْدَ مَا اسْتَمْتَعْتُ بِهَذَا الْمَلِكِ لِاخْتِلَافِ
السَّوَابِيَاتِ فِي الْبَابِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ - ۲. محرم ۱۳۵۷ھ -

حکم نکاح مستیہ بارافضی | سوال (۱۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس معاملہ میں جس کی کیفیت ذیل میں درج ہے :-

زید کا آبائی مذہب شیعہ تھا اس کے بہن کی شادی ایک سنت جماعت سے ہوئی کچھ عرصہ کے بعد زید
مع اپنے باپ کے اس مقام پر چلا آیا جہاں اس کی بہن تھی اور علیحدہ رہ کر کار بار کرنے لگا زید کا
باپ فوت ہو گیا اور ان کے چچے کے بعد نجوشی خود مذہب اہل سنت و جماعت اختیار کر لیا وہ بے
پڑھا اور نہایت سادہ لوح آدمی تھا کسی قسم کا مذہبی تعصب نہ تھا نہ کوئی مذہبی واقفیت تھی البتہ جب
سے وہ شریک اہل سنت و جماعت ہوا نماز عیدین میں برابر سنت جماعتوں میں شریک ہوتا تھا اور
جملہ رسومات اہل سنت و جماعت ادا کرتا تھا اس کی شادی بھی سنت جماعتوں میں ہوئی اور اس کا
ذہن مذہب سنت جماعت ہے زید کی ایک لڑکی ہوئی جس کی شادی ایک درمیانی شخص نے یہ خیال کر کے
کہ اس کا گھرانہ شیعہ رہا ہے ایک شیعہ گھرانے میں طے کی جس کو زید نے اپنی بے تعصبی سے منظور کر لیا
لڑکی کی عمر اس وقت آٹھ یا نو سال کی تھی اور وہ اپنی ماں باپ کے موجودہ مذہب پر یعنی سنت
جماعت پر تھی نکاح کے وقت کسی قاضی عالم نے نکاح نہیں پڑھایا نہ ایجاب و قبول کرایا گیا نہ کوئی گواہ
نہ وکیل لڑکی کی طرف کا ہے یہ بات یقینی ہے کہ زید نے اجازت دے دی ہوگی ورنہ ازدواج ہو
ہی نہیں سکتا تھا لیکن اجازت دینے کا بھی کوئی گواہ لڑکی کی طرف واوں میں نہیں پایا جاتا جس کے
لڑکے کے ساتھ نسبت ہوئی سنا جاتا ہے کہ اس کے چچا نے اپنی طریقہ پر صیغہ پڑھ لیا اور یہ ازدواج
کی رسم ختم ہو کر کھانے کے بعد بارات رخصت ہو گئی لڑکی کی رخصت بوجہ نابالغی نہیں ہوئی چار سال
بعد لڑکی کی رخصت ہوئی اور وہ پندرہ روز اپنے سسرال میں رہ کر واپس آئی اس وقت کوئی بات
خلاف نہیں ہوئی آٹھ ماہ کے بعد وہ پھر سسرال گئی اور چار ماہ وہاں رہی اسی عرصہ میں عشرہ محرم
پڑا اس گھرانے کی عورتوں نے اپنی رسم کے موافق چوڑیاں توڑیں اور سینہ کوٹ کوٹ کر ماتم کیا اس کو
بھی ایسا ہی کرنے کا حکم کیا گیا چونکہ یہ سنت جماعت تھی اور بچپن سے اس کی عادتیں تھیں نہیں اس نے
انکار کیا انکار پڑے اس کو مار پڑی اور زبردستی چوڑیاں توڑ دی گئیں اور ماتم کرنے اور رونے پر
مجبور کی گئی اور بھی رسوم ان لوگوں نے کیں جس کو اعمال کہتے ہیں جو بنا برصا در میان شیعہ و سنت
جماعتوں کے ہے اس کے علاوہ بھی معمولی روزمرہ کے برتاؤ میں طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں

لڑکی کو یہ باتیں شاق گذریں مگر مجبور تھی چار ماہ بعد وہ لوگ رخصت نہیں کرتے تھے لیکن کسی طرح
بہنار کوشش رخصت کرائی جا کر اپنے ماں باپ کے گھر آئی اور سب حال بیان کیا اور کہا کہ میں اب
اس گھر جانا نہیں چاہتی کسی طرح میرا وہاں سے پیچھا چھوڑا یا جاوے مجھے سخت تکلیف دی جاتی ہے اور
مجھے یہاں تک خیال ہے کہ اگر اب میں وہاں گئی تو پھر واپس نہ آؤں گی اس پر زید نے قصد کر لیا کہ وہ
لڑکی کو وہاں نہ بھیجے گا اور خلع کرائے گا لیکن چند روز بعد زید بقضاء الہی فوت ہو گیا اس کی زوجہ
لڑکی کو رخصت نہیں کرتی اور نہ وہ لڑکی کسی طرح جانے کو راضی ہے اب لڑکی کے سسرال والوں
نے عدالت سے رخصت کرائے جانے کا دعویٰ کیا۔ لڑکی کہتی ہے کہ میں نابالغ تھی مجھے خبر نہیں کہ
میرا نکاح کیسے سے ہو گیا مجھ سے کسی نے کچھ نہیں کہا نہ تعداد نہر کی معلوم ہیں کہ کیا بنا دھا گیا چونکہ اب
میں بالغ ہوں میں ایسے جگہ ہرگز جانا نہیں چاہتی جہاں مجھ سے وہ رسوم کرائی جائیں جو میں نے کبھی
نہیں کیں اور ہر طرح کی تکلیف دی جاوے اور بزرگان دین کو برا سمجھا خود کہا جاوے اور مجھ سے
کہلوا یا جاوے۔ میں اب اگر وہاں جاؤں گی تو پھر واپس نہیں آسکتی میرا خلع کر لیا جاوے،
اب شرع شریف اس بارہ میں کیا حکم دیتی ہے کہ آیا باوجود اس کے کہ لڑکی کا صیغہ نابالغی میں پڑھا
گیا ایجاب و قبول نہیں کرایا گیا تعداد نہ معلوم نہیں۔ نکاح اہل سنت و جماعت کے طریق پر
نہیں ہوا جو کہ لڑکی اور اس کے والدین کا مذہب ہے اس کو ہر طرح تکلیف دی جاتی ہے اپنے
مرضی اور عقائد کے خلاف باتیں کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں بھی کیا اس کو خلع نہیں
مل سکتا اور وہ جبراً سسرال بھیجے جانے پر مجبور کی جا سکتی ہے اگر وہ وہاں گئی تو پھر وہاں
لوگوں کے اختیار میں ہوگی وہ جیسا چاہیں اس کے ساتھ برتاؤ کریں کوئی سزا نہ فریاد کریں والا
نہیں۔ اس کی ماں بیوہ اور لڑکی کے سسرال علاقہ انگریزی میں ہے اور اس کی ماں
ریاست میں رہتی ہے جواب تحریر فرما کر عند اللہ ماجور۔ وعند الناس مشکور ہوں فقط ہ
الجواب : روافض کے متعلق علماء سنت و جماعت کے درقول میں بعض محققین کے
نزدیک رافضی کا فرہیں پس ان کے قول پر کسی سنی عورت کا نکاح رافضی مرد سے درست نہیں
ہو سکتا نعم يجوز نكاح المرأة بالرجل السنی لكونها كتابية قال فی
التحریر المختار وجعل السنی فی حاشیة المتن المعتزلة والرافضی بمنزلة
اهل الكتاب حیث قال تحت قوله وصحة نكاح كتابية، اقول ینخل فی
هذا الرافضة بانواعها والمعتزلة ولا يجوز ان تزوج المسلمة السنیة

من الرافضی لانها مسلمة وهو کافر فدخل تحت قولهم لا یصح تن ویح مسلمة
بکافر اه وقال الرستغنی لا یصح مناکحة بین اهل السنة والاعتزال اه
فالرافضة مثلهم اواقیم والرمی جعلهم من قبیل اهل الکتاب فیجوز
نکاح نساءهم ولا ین وجوب دلعله اعدال الاقوال لانه لا شک فی کفر
الرافضة اه سندی (ص ۱۷۱۸۳) اس قول کی بنا پر دختر زید کا نکاح رافضی
مرد سے درست ہی نہیں ہوا اور وہ بدون طلاق و نکاح کے دوسرے مرد سستی سے نکاح کر سکتی
ہے لیکن وطی بالشہر کی وجہ سے اس کے ذمہ عدت و مہر کا وہی حکم ہے جو اوپر گذرا اور اگر قاذف عائشہؓ
کے مستحق ہوگی۔ اور محققین حنفیہ کی ایک جماعت رافضیوں کو اطلاق کے ساتھ کافر نہیں کہتی بلکہ
وہ تفصیل کرتے ہیں کہ اگر رافضی قاذف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہو یعنی نعوذ باللہ ان پر
تہمت زنا لگاتا ہو یا قرآن میں تحریف و ملی ہشی کا قائل ہو تو کافر ہے اس کے ساتھ مستحیہ کا
نکاح باطل ہے اور دخول کے بعد عدت و مہر کا وہی حکم ہے جو اوپر گذرا اور اگر قاذف عائشہؓ
نہیں۔ اور نہ تحریف قرآن کا قائل ہے اور اس کے علاوہ اور بھی کو عقیدہ کفر یہ نہیں رکھتا
تو کافر نہیں بلکہ فاسق ہے اس کے ساتھ مستحیہ کا نکاح بعض صورتوں میں درست ہو جاتا
ہے مثلاً جب باپ دادا نے اپنی لڑکی مستحیہ کا نکاح بلوغ سے پہلے کر دیا ہو مگر جس طرح ہو کے
مستحیہ کو طلاق یا خلع کر کے اس مرد سے علیحدگی اختیار کر لینی چاہئے کیونکہ اس کے پاس رہنے
میں اس کے دین اور مذہب پر اندیشہ ہے پس صورت مسئلہ میں اگر دختر زید کا رافضی شوہر حضرت
عائشہؓ کو متہم کرتا ہے اور قرآن میں تحریف کا یا کسی اور عقیدہ کفریہ کا قائل ہے تو وہ کافر ہے
اوس سے دختر زید کا نکاح صحیح نہیں ہوا اور اگر وہ اس عقیدہ کا نہیں۔ تو نکاح صحیح ہو گیا۔
لیکن حاکم کو چاہئے کہ خلع وغیرہ کر اگر اس عورت کو رافضی مرد سے طلاق دلا کر الگ کر دے ورنہ
عورت کو چاہئے کہ جہاں تک قدرت ہو اوس سے اپنے کو بچائے قال الشامی نعم لا شک
فی تکفیر من تذف السیدة عائشة او انکر صحبة الصدیق او اعتقد
اللوہیة فی علی او ان جبرئیل غلط فی الوحی او نحو ذلك اه (ص ۲۵۳ ج ۳)۔

۲۵ محرم ۱۲۵۰ھ

اس عورت سے جواز نکاح کا حکم جو زوجہ | سوال (۱۳) جناب دربارہ مسئلہ ذیل کیا فرماتے ہیں۔
اول سے اپنا مطلقہ ہونا بیان کرتی ہو | ایک عورت میرے یہاں دو سال سے ملازم ہے جو کہ جوان ہے

اور میں اپنے ایک ملازم سے اس کا نکاح کر دینا چاہتا ہوں کیونکہ اندیشہ ہے کہ وہ بدین نہ ہو جاوے
لیکن اس میں صورتیں یہ پیدا ہو گئی ہیں اول یہ کہ مسماہ کہتی ہے کہ اس کا طلاق ہو چکا ہے اور اس کے
شوہر نے بذریعہ خط کلکتہ سے اپنے ماں باپ کو لکھا ہے کہ اس کو گھر سے نکال دو ہم سے اور اس سے
اب کوئی واسطہ نہیں مگر اس خط کے جواب پر اس کے باپ نے یہ لکھا کہ ہم کس طرح سے نکال دیں
یہ تم اس کو طلاق دیتے ہو؟ اس دوسرے خط کے جواب میں اس نے یہ لکھا کہ ہم اس کو طلاق دیتے
ہیں تم گھر سے نکال دو اور اس گاؤں میں اس کو کہیں مت رہنے دو بڑی بدنامی ہوگی اور وہ
دوسری عورت کو اپنے ساتھ کلکتہ لے گیا میں نے اس طلاق کی تحقیق میں بجد کوشش کی جس کا نتیجہ
حسب ذیل ہے :

(۱) جو عورت اس کو اپنے ہمراہ اس کے مسماہ سے لائی اس کا بیان یہ ہے کہ اگر اس کا
نکاح زید سے نہ ہو اور کہیں دوسرے سے ہو تو میں کہہ سکتی ہوں کہ طلاق ہو گیا ہے۔

(۲) اس کا جیٹھ میرے پاس خود بغرض ملازمت آیا تھا اس سے میں نے طلاق کے مستحق
دریافت کیا۔ اس نے یہ ظاہر کیا کہ کسی مہاجن کا کچھ روپیہ قرض ہے۔ اگر مسماہ اس کو ادا کر دے
تو میں لکھ دوں گا کہ طلاق ہو گیا ہے۔

(۳) ایک مسلمان مسماہ مذکورہ کے گاؤں کا رشتہ دار کہا جاتا ہے اس نے میرے روبرو
بدریافت حال طلاق بیان کیا کہ طلاق ہو گیا ہے۔ میں اس کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں نے اس سے
اس طریقہ سے سوال کیا تھا کہ یہ شرع کا معاملہ ہے سچ بتانا جوٹ نہ بولنا اور نہ کسی کی طرف ذرا
کرنا ورنہ تم پر گناہ ہو گا تب اس پر اس نے کہا کہ طلاق ہو گیا ہے۔

(۴) میں نے ایک شخص خاص کو (اور وہ میرا دوست ہے) بدریافت طلاق مسماہ کی سزا اپنے عزیز سے
بھیجا کہ وہ اس کے ماں باپ اور خاص قرابت داروں سے دریافت کرے کہ آیا مسماہ مذکورہ
کو اس کے شوہر نے (جواب تک سنا جاتا ہے کہ کلکتہ میں ہے اور دوسری عورت اس کے پاس
ہے) طلاق دیا ہے یا نہیں اس نے اگر یہ بیان کیا کہ اس کا جیٹھ یہ کہتا ہے کہ مسماہ یہاں آکر
رہے ہم اس کا نکاح اس کے شوہر سے طلاق دلا کر جس کو وہ پسند کرے کر دیں گے۔ لیکن اس
کے خسر نے یہ کہا کہ ہم اس کو نہیں رکھیں گے تم غریب سے کتنے ہو تو بلا کر رکھو۔

(۵) میں نے ایک خط اس موضع کے تھانہ دار کو اپنی جانب سے بدریافت حال طلاق لکھا
تھا۔ جس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ میری جانچ سے یہ معلوم ہوا کہ طلاق نہیں ہوا ہے اور یہ

سبھی لکھا ہے کہ اس کے شوہر کا پتہ ٹھیک معلوم نہیں ہے کہ میں گلگتہ میں رہتا ہے احمد خان خسر مسماہ اپنے ساتھ رکھنے کے لئے راضی نہیں ہے لیکن اس کا جیتھ اپنے گھر میں رکھنا چاہتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اپنے جھوٹے بھائی سے اس کا نکاح کرانے ایسی صورت میں طلاق ہو گیا کہ نہیں؟ اگر طلاق نہیں ہوا تو کونسی صورت اختیار کی جاوے اس سے زیادہ جانچ میرے امکان سے باہر ہے۔ اگر مسماہ کو قسم دی جاوے تو وہ طے میان کرے کہ طلاق ہو گیا ذریعہ تحریر کے تو وہ طلاق از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟ ایسی صورت میں مرد کی قسم کا اختیار کیا جائے گا یا عورت کی؟ بینوا توجروا تنقیح۔ یہ عورت دینداری میں کیسی ہے پابند نماز وغیرہ ہے یا نہیں۔ اس کا چال چلن کیسا ہے جھوٹ بچ بولنے میں اس کے متعلق تجربہ کیا ہے ان تنقیحات کے جواب کے بعد حکم بتلایا جائے گا۔ یہ پرچہ بھی واپس کیا جاوے، فقط۔

جواب تنقیح: (۱) عورت نو مسلمہ۔ نماز اکثر پڑھتی ہے۔ پوری نماز اس کو نہیں آتی۔ سکھایا جاتا ہے۔ گذشتہ رمضان المبارک کے روزے رکھے تھے۔ (۲) چال بظاہر اچھا ہے۔ (۳) تجربے سے میں اس کو شروع گو نہیں کہہ سکتا ممکن ہے کہ خانہ داری کے معاملات میں بحیثیت ایک ملازمہ کے کبھی جھوٹ بول دیا ہو (قیاساً)۔

(۴) عورت بردہ نشین نہیں ہے کام کاج کے لئے بازار وغیرہ جایا کرتی ہے۔ فقط۔ (۵) اگر عورت کے ہاتھ میں قرآن شریف دیکر قسم کھلائی جائے گی تو وہ ہرگز جھوٹ قسم نہ کھائیگی۔ **الجواب:** اگر یہ عورت قسم کھا کر کہے کہ مجھ کو میرے شوہر نے طلاق دے دی ہے اور عدت گزر چکی اور قلب اس کی بات کو قبول کرے تو اس کا دوسرے شخص سے نکاح کر دینا اور دوسرے شخص کو اس سے نکاح کر لینا جائز ہے جبکہ اس کا دل بھی عورت کی بات کو قبول کرے، قال فی العالمگیریہ (ص ۲۱۰ ج ۶) ولوان امرأة قالت لرجل ان زوجي طلقني ثلاثا وانقضت عدتي فان كانت عدلة وسعد ان يتزوجها وان كانت فاسقة تحرم، وعمل بما وقع تحريمه عليه كذا في الذخيرة اهرقلت: وانما قيدت بشهادة القلب لها لكون عدتها في الصورة المستولاة مشبهة عندی، والله اعلم۔

سوال (۱۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مبلغان شرع گلزار متین اس اس شرط پر نکاح کا حکم کہ پانچ سال یہاں رہنا ہوگا مسئلہ میں زید بجاالت تجارت اپنے وطن کو چھوڑ کر ایک قصبہ میں مقیم ہوا اور عائشہ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ میں یہاں پانچ سال کامل رہوں گا اور ایک مرتبہ زید عائشہ کو اپنے وطن اصلی کو بھی لے گیا تھا پھر زید نے شرط جو پانچ سال اقرار کی تھی پوری کرنے کا انکار کیا اور پھر وہ عائشہ کو اس کے میکے چھوڑ کر اپنے وطن اصلی چلا گیا پھر اگر زید نے عدالت میں عائشہ کو قبضہ لینے کا دعویٰ کیا یہ نکاح ثابت رہا یا نہیں جو شرط سے انکار ہے تو ضرور آپ مفصل طور سے کتبہ معتبرہ سے جواب تحریر فرمادیں؟ عند اللہ ماجور وعند الناس مشکور ہوں۔

الجواب: قال فی الدر والنکاح لا یصح تعلیقه بالشرط کتزوجتک ان رضی الی لمد ینعقد النکاح لتعلیقه بالخطر کما فی العمادیة قال الشامی حیث قال لا یصح تعلیق النکاح بالشرط ان یقول لبنته ان دخلت الدار من وجتک فلانا وقال فلان قبلت فان التعلیق لا یصح و ان صح النکاح ولعله اشبه علیه النکاح المعلق علی شرط بالنکاح المشترط معه شرط فاسد و بینہما فرق واضح شر نیلایة ای فان الاول یطیل راساً و اساساً والثانی یصح ویلغو الشرط۔

صورت مسئلہ میں اگر اسباب و قبول کے ساتھ یوں کہا گیا تھا کہ اگر تو پانچ سال یہاں رہے تو فلاں عورت کا تجھ سے نکاح ہے ورنہ نہیں اس کا حکم اور ہے اور اگر اسباب و قبول کے ساتھ یوں نہیں کہا گیا بلکہ پانچ سال رہنے کی شرط اسباب و قبول سے پہلے طے کر لی گئی یا بعد میں کہا گیا تو حکم اور ہے سائل کو بتلانا چاہئے کہ ان دونوں میں سے کونسی صورت واقع ہوئی ہے۔ فقط۔ ۲۳ صفر ۱۲۵۰ھ

سوال (۱۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس اس طلاق مغلطہ کے بعد بغیر حلالہ نکاح ثانی اور ان ایام میں عورت کے نفقہ کا حکم مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو طلاق دی معہ تین طلاق کے جس کے گواہ موجود ہیں پھر دوبارہ بزور نکاح ثانی کرنے پر زید سے کہا گیا زید نکاح ثانی پر راضی نہ ہوا لیکن زید کہا گیا اور سمجھا گیا کہ نکاح ثانی ہو سکتا ہے از روئے فتویٰ کے ان کہنے پر زید نے نکاح ثانی کر لیا بعد نکاح ثانی کے زید نے فتویٰ دریافت کیا فتویٰ ناجائز ٹھہرا جب نبوت فتویٰ ناجائز کا ٹھہرا تو زید نے اپنے زوجہ ہندہ کو چھوڑ دیا اب والدین

نے زید پر مقدمہ دائر کیا ہے کہ میری بیوی ہندہ کو دس ماہ سے خرچ خانہ داری نہیں دیتا ہے اور اس مقدمہ میں ایک طرفہ ڈگری حاصل کر لیا ہے نمبر وار جواب ارسال فرمادیں طلاق کر۔ طلاق ہوئی یا نہیں نکاح ثانی جائز ہوا یا نہیں خرچ خانہ داری عائد ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت سوال میں چونکہ نکاح ثانی بدون حلالہ ہوا ہے اس لئے درست نہیں ہوا ہندہ پر تین طلاق ہو چکی ہیں جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ زید نے اپنی زوجہ کو طلاق دیا مع تین طلاق کے۔ اور جب نکاح ثانی درست نہیں ہوا تو زید پر ایام نکاح ثانی کا نفقہ بھی لازم نہیں ہو البتہ عورت پر زید سے علیحدگی کے بعد اس نکاح ثانی کی وجہ سے بھی عدت لازم ہو گئی اگر ہمبستری ہوئی ہو، لکن الوطی فیہ تشہیہ۔ قال فی الدر من وجوب النکاح بنکاح صحیح فلو بیان فساد او بطلانہ رجع بما اخذتہ من النفقة بحراہ قال الشامی فلا نفقة علی مسلم فی نکاح فاسد لان عدتہ من النفقة بحراہ قال الشامی فلا نفقة علی مسلم بالنکاح وکذا فی عدتہ لان حق الحبس وان ثبت لکنہ لم یثبت بالنکاح بل لتحصین الماء اھ (ص ۱۰۶۰ ج ۲) ۲۱۷ سے معلوم ہوا عدت نکاح ثانی کا نفقہ زید پر تو واجب ہے ہی نہیں بلکہ اگر اس نے اس مدت میں ہندہ کو کچھ نفقہ دیا ہو تو اس کو ہندہ سے واپس لے سکتا ہے، واللہ اعلم۔

نکاح نومساہمہ جو اسلامی ریاست میں برہہ ہو کر آئے تو یہ بتاؤں دارین موجب بیہونت ہے یا نہیں اس عورت کو مسلمان کرنے پر تین ماہ کے بعد کسی اسلامی سلطنت میں لے جا کر نکاح کیا جائے تو درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب: کافرہ عورت اگر خاوند والی ہو تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ دارالخربہ میں جب تک اس کو تین حیض نہ آئیں گے اس وقت تک اس کا نکاح کافر شوہر سے نہیں ہو سکتا تین حیض آنے کے بعد دونوں میں فرقت ہوگی چھ مہینے کی قید نہیں بلکہ تین حیض کا آنا ضروری ہے چاہے تین ماہ میں آئیں یا سال بھر میں قال فی الدر ولو اسلم احدہما شہ امی فی دار الحرب لمدتین حتی تحيض ثلاثا و تمضي ثلاثہ اشھر (۱۱) ان کانت لا تحيض لصغر او کبر کما فی البیہ اھ (ص ۶۳۰ ج ۲) راہ یہ کہ اس کو اسلامی

سلطنت میں لے جا کر نکاح کیا جائے سو اس کی چند صورتیں ہیں۔

۱۔ یہ کہ اسلامی سلطنت میں اس کو اسلام لانے سے پہلے حیرا لے جایا جائے اس کی خوشی کے ساتھ نہ لے جایا جائے اس صورت میں اسلامی سلطنت میں پہنچتے ہی اس کے ساتھ نکاح درست ہے بشرطیکہ حاملہ نہ ہو۔ لکن فیہا فی ہذہ الصورتہ کالاسیرۃ اخرجت من دار الحرب الی دار الاسلام فبطل النکاح بیتیہما التباہن الدارین۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو اسلام کے بعد یا اسلام سے پہلے اسلامی سلطنت میں خوشی کے ساتھ لے جایا جائے مگر ارادہ یہ ہو کہ اسلامی سلطنت ہی میں رہیں گے یعنی وہاں توطن کا ارادہ ہو جس کے لئے کم از کم ایک سال کے قیام کا ارادہ شرط ہے اس صورت میں بھی وہاں پہنچنے فوراً نکاح درست ہے بشرطیکہ حاملہ نہ ہو لان التوطن بیطل الوطن الاول فتباہن الداران فبطل النکاح، واللہ اعلم ان یتقین ان یتقین بیدار الاسلام سنۃ کاملۃ و اذا تم الحول ضرب علیہ المہنۃ و صار ذمیاً۔ بان محض و بچار روز کے واسطے اسلامی سلطنت میں لے جانا مفید نہیں اور اس سے نکاح بالکافر باطل نہ ہوگا لکن وہاں چہ مستأمنۃ وبالاستیمان لا بیطل الدار فلہ یوجد تباہن الدارین قال فی الدر: والمرأة تبین بتباہن الدارین حقیقۃ وحکما (المسرد بتباہن الدارین حقیقۃ تباعد ہما شخصاً وبالحکم ان لا یكون فی الدار الی و دخلها علی سبیل الرجوع بل علی سبیل الفرار والسکنی حتی لو دخل الحربی دارنا بامان لمدتین زوجتہ لانہ فی دارہ حکما الا اذا قبل الذمۃ اھ (ش) قال فی الدر: ومن ہاجر الینا مسلمۃ او ذمیۃ حاصلہ بانہ بلاعدۃ فیحمل تن وجہا (قال الشامی المہاجرۃ التارکۃ داس الحرب الی داس الاسلام علی عدم العود وذلك بان تخرج مسلمۃ او ذمیۃ ادصارت كذلك اھ) قال فی الدر: و اخرج مسیبا و ادخل فی دارنا (افادانہ لا یتحقق التباہن بسبب السبب بل لا بد من الاصر ان یدارنا بیدارنا (ش) اھ (ص ۶۳۱ و ۶۳۲ ج ۲) وبالجملة فالدخول بدار الاسلام بالامان لا یکنی للتباہن بل لا بد من الادخال مسیبا او دخولہا مہاجرۃ، واللہ اعلم۔

زمن سے نکاح نہیں ٹوٹتا | سوال (۱۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ زید کی منکوحہ ہندہ نا اتفاقی سے یا اور کسی وجہ سے بکر کے پاس چلی گئی وہ چار سال بکر کے گھر میں بطور عورت کے رہی بلکہ ایک بچہ بھی بکر کے نطفہ حرام سے پیدا ہوا مگر زید نے طلاق نہیں دیا بعد مدت مذکورہ بالا کے زید نے سرکار کے ذریعہ سے یا اور کسی وجہ سے اپنی منکوحہ ہندہ کو اپنے گھر لایا اس صورت میں زید و ہندہ کا ہم بیلا نکاح کافی ہے یا کہ نکاح ثانی کرنا ہوگا یا طلاق ہوگئی؟

الجواب؛ زید کا نکاح باقی ہے دوبارہ نکاح کی حاجت نہیں البتہ زید کے لئے مستحب ہے کہ جب سے ہندہ نے بکر سے علیحدگی کی ہے اس وقت کے بعد حیض آنے کا انتظار کرے حیض کے قبیل صحبت نہ کرے لسانی رد المختار (قوله والمنان بیها لا تحرم علی زوجہا) فلہ وطیہا بلا استبراء عندہما وقال محمد لا احب لہ ان یطأھا مالم یستبرأھا کما مر فی فصل المحرمات وقال الشامی تحت قول الدس (لا یقر بیھا زوجہا) ای یحرم علیہ وطیہا حتی تحيض وتطهر کما صرح بہ شارح الوہبانیة و هذا ینمی من حملہ علی قول محمد لانہ یقول بالاستحباب کذا قالہ المصنف فی المنح فی فصل المحرمات اور بچہ زید کو ملے گا خواہ زید اس کے نسب کا انکار کرے خواہ اقرار کرے قال الشامی تحت (قوله علی اربع مراتب) قوی و ہون اش المنکوحۃ و معتد الرجعی فانہ فیہ لا ینتفی الا باللعان (م ۱۳۱) و فی البدائع (شرط وجوب اللعان وجوازہ) والثانی عفتہا عن الزنا فان لم تکن عقیفۃ لا یجب اللعان بقذ فیہا الخ (م ۲۲۱ ج ۳) و فیہ ایضا ط ۲۴ و علی هذا قلنا ان القذف اذا لم ینعقد موجبا للعان او مسقط بعد الوجوب اوجب الحد اولہ یجب اولہ یسقط لکنہما لمدیتلا عن بعد لا ینقطع نسب الولد و کذا اذا نفی نسب ولد حرقا فصدقہ لا ینقطع نسبہ لتعدس اللعان اھ - عبد الکریم عفی عنہ - ۵ ذیقعدہ ۴۲ھ

اجوبہ صحیحہ۔

ظفر احمد عفا عنہ - ۵ ذی القعدہ ۴۳ھ -

مطلقہ ثلاث نے مرتد ہو کر کافر سے نکاح کر لیا بعد دخول کے زوج ثانی نے طلاق دی تو کیا مسلمان ہو کر بعد وہ زوج اول کیلئے حلال ہے یا بالکل حلال کی ضرورت ہے؟ سوال (۱۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ

کافرہ مسلمہ ہو کر کسی مسلم سے نکاح کیا دس برس تک اس کے ساتھ رہی بعد اس کے اس کے زوج نے تین طلاق دے دی پھر وہ عورت مرتد ہو گئی اور کسی کافر سے نکاح کر لیا اور اس نے دخول بھی کیا بعد ازاں اس نے بھی طلاق دیکر جدا کر دیا اب وہ عورت مسلمان ہو گئی اور زوج اول سے نکاح کرنا چاہتی ہے کیا یہ نکاح درست ہے یا کسی مسلم سے حلالہ کرنے کی ضرورت ہوگی؟ بینوا تو جروا۔

الجواب؛ قال فی الدس لا ینکح مطلقۃ بیھا ای بالثلث لو حرتہ و ثنتین لو امة حتی یطأھا غیرہا ولو الغیر من اھقا یجامع مثله او خصیاً او مجنوناً او ذمیاً الذمیۃ (ای ولو کان التحلیل لا یحل زوجہا المسلم کما فی البحر ۱۲ شامی) بکاح نافذ خرج الفاسد والموقوف اھ۔ اگر اس عورت نے بعد ارتداد کے کسی کافر سے باقاعدہ نکاح کر لیا تھا (گو قاعدہ کفار ہی کے موافق ہو) اور کافر زوج نے اس سے دخول کر لیا تھا تو بعد اسلام عورت کا زوج اول اس سے نکاح کر سکتا ہے اور اب تحلیل کی ضرورت نہیں زوج کافر کی تحلیل کافی ہوگی، لکنہ کذمی لذمیۃ، واللہ اعلم۔ ۲۸ رجب ۳۵ھ

حکم نکاح بالکتابت | سوال (۱۹) اگر مرد و عورت سے برضا مندی یہ تحریر لکھوائے کہ تو میرا خاوند ہے یا مجھ کو تجھ سے نکاح منظور ہے پھر مرد اس تحریر کو دو آدمیوں کو دکھائے تو کیا نکاح ہو جائے گا جبکہ دونوں آپس میں رضامند ہوں اور رضامندی سے تحریر لکھوائی گئی ہو اور اس صورت میں کیا عورت کو اپنا نام یا پورا پتہ تحریر مذکورہ میں لکھنا چاہئے یا یونہی فقط خالی دستخطی تحریر سے نکاح ہو جائے گا جو کچھ شرع شریف میں حکم ہو بہت جلد جواب دیں؟

الجواب؛ اس صورت میں نکاح درست نہ ہوگا اور اگر نام اور پورا پتہ بھی لکھا ہو اور جب بھی محض تحریر دکھانے سے نکاح درست نہ ہوگا جب تک مرد یہ بیان نہ کرے کہ فلاں عورت نے جو فلاں کی بیٹی ہے میرے پاس یہ خط لکھا ہے جس میں وہ مجھ سے نکاح کہ منظور کرتی ہے میں بھی اس نکاح کو قبول کرتا ہوں اور یہ بیان دو گواہوں کے سامنے ہو اور ان کے سامنے عورت کا پتہ اس طرح بیان کیا جائے جس سے وہ ممتاز ہو جائے صرح بہ فی الدس و الشامی (ص ۵۳۵ ج ۲) والخلاصہ ص ۲۸۸ ج ۲ واللہ اعلم۔ ۴ شعبان ۳۵ھ۔

رافضی مرد کے ساتھ سنی لڑکی کا نکاح سوال (۲۰) کیا فرماتے ہیں علماء دین متین اس لڑکی کے اور اس کی بعض صورتوں کی تفصیل بارے میں جس کا خاوند تبرائی شیعہ ہو گیا اور اصحاب کبار کو برائی اور بدزبانی سے یاد کرتا ہے۔ حتیٰ کہ جانوروں کے نام انہی کے نام پر رکھ کر ان کو مارنا بیٹنا ثواب سمجھتا ہے وغیرہ وغیرہ تمام افعال شیعہ رسمیں تبرائی شیعوں کے پائے جاتے ہیں لڑکی حنفی مذہب کو چھوڑنا نہیں چاہتی۔ جس کی وجہ سے اس کا خاوند اس کو ایذا پہنچاتا ہے اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا وہ لڑکی از روئے مذہب حنفیہ بغیر طلاق نکاح ثانی کر سکتی ہے یا کہ نہیں تو کیا سبیل اختیار کرے یہی نوا تو جس وا۔

جواب کے لئے لفاظہ ہمراہ ہے جواب باصواب بمعہ حوالہ جات تحریر فرما کر عند اللہ ما جو رہوں۔
 ۱۔ تبرائی شیعہ مرد اور تبرائی شیعہ عورت ہر دو میاں بیوی مذہب شیعہ سے تائب ہو کر مذہب حنفی میں داخل ہوئے۔ کیا ان کا عقد از سر نو پڑھا جاوے گا یا وہی پہلا نکاح کافی ہے؟
 ۲۔ تبرائی شیعہ عورت جو کہ تبرائی شیعہ مرد کے نکاح میں تھی مذہب شیعہ سے تائب ہوئی اب وہ تمام کام بموجب مذہب حنفی ادا کر سکتی ہے اس کا خاوند اس کو منع نہیں کرتا ہے لیکن وہ مرد خود تبرائی شیعہ ہی ہے کیا ان کا نکاح فسخ ہو گیا اور وہ عورت دوسری جگہ نکاح کرے یا اسے مرد کے پاس رہے اور گنہگار نہ ہوگی؟

الجواب: نکاح رافضی کے متعلق یہ آخری تحقیق ہے اس سے پہلے جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس سے منسوخ ہے ۱۲ نظر

شیعوں کے متعلق عدالت کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے مولوی عبدالشکور صاحب رسالہ انجم ج ۲۴ میں تحریر فرماتے ہیں۔ صلا شیعوں کا عقیدہ ہے کہ قرآن میں تحریف ہو گئی یعنی لوگوں نے قرآن سے کچھ آیتیں نکال ڈالیں اور کچھ بڑھادیں جن میں کفر کی باتیں شامل کر دیں کچھ الفاظ و حروف بدلائے اس کے ثبوت میں حسب ذیل کتب ملاحظہ ہوں:
 کتاب احتجاج طبرسی از ص ۱۱۹ تا ص ۱۳۱، اصول کافی از ص ۲۶۱ تا ص ۲۷۵، تفسیر قمی ص ۱۷۵۔

پھر ص ۱۳۱ میں تحریر فرماتے ہیں ہمارے علماء سابقین کو مذہب شیعہ سے پوری واقفیت نہیں ہو سکی جس کا اصلی سبب یہ تھا کہ شیعہ اپنا مذہب چھپانے کی سجد کوشش کرتے تھے اسی سبب سے شیعوں کے کفر میں اختلاف رہا لیکن اب شیعوں کا عقیدہ قرآن شریف کے متعلق معلوم ہو گیا جس کے کفر ہونے میں کوئی شک نہیں کر سکتا شیعوں کا فارج از اسلام ہونا قطعی ہے اور فی

الدر عن شرح الوهبانیة للشیخ نبیلانی ما یكون کفرًا اتفاقًا یبطل الحمل و النکاح و اولادہ اولاد السنن و ما فیہ خلاف یؤمّن بالاسْتِغْفَارِ وَ التَّوْبَةِ وَ تَجِدُ فِي النکاح ۱۷ (ص ۳۶۲ و ۳۶۳) قال الشامی و اولادہ اولاد ناکذافی فصول العمادی لکن ذکر فی نور العین و یجد ربینہما النکاح ان رضیت زوجتہ بالعود الیہ و الا فلا تجبر و المولود بینہما قبل تجدید النکاح بالوطی بعد الردة یتبث نسبه منه لکن یكون زناہ قلت و لعل ثبوت النسب لشيبة الخلاف فانہا عند الشافعی لا تبين منه تا مل ۱۷ ص ۳۶۳ ج ۳ قلت و کل و طاً یوجب ثبوت النسب لشيبة ما یوجب العدة احتیاطاً لاسیما اذا وطیها الزوج و مکنتہ من نفسھا ظانین بقاء النکاح بعد الردة کما هو مشاہد من حال الجهلة فی الہند فانہم یتکلمون بالكفریات ولا یرون انفساخ النکاح لاسیما اذا کان الکفر بالرفض فانه مما یخفی علی کثیر من العلماء و قد خفی علینا مدة ثم رأیتہ صریحاً قال فی الدر ما أخبرت بارتداد زوجها فلها التزوج باخر بعد العدة استحساناً ۱۷ ص ۲۶۹ ج ۳ قلت و الاستحسان انما هو فی الاخبار فقط و اما اذا علمت منه الردة بنفسھا فلها التزوج باخر بعد العدة قیاساً و استحساناً معالان القیاس فی الاخبار ان لا یجوز لھا النکاح باخر ما لم یشہد علی ردة رجلان او رجل و امرأتان لكون ردة الرجل یتعلق بہا استحقاق القتل و لکن الاصح رواية الاستحسان لان المقصود الاخبار بوقوع الفرقة و هو امر دینی کالاجبار بالطلاق ثلث الاثبات الردة اشامی هذا هو حکم النکاح المنعقد قبل الردة اما المنعقد بعدھا فبین الرافض الخیر القديم رفضهم حکم ما فی الدر و یبطل منه اتفاقاً ما یعتمد الملة و هي خمس: النکاح و الذبیحة و الصيد و الشهادة و الارث ۱۷ قال الشامی ما یعتمد الملة ای ما یكون الاعتماد فی صحته علی کونه فاعله معتدأ ملة من الملل ای والمراد الملة له اصلاً لانه لا یقر علی ما انتقل الیہ و لیس المراد ملة مساویة لثلا یرد النکاح فان نکاح المجوسی و الوثنی صحیح و لاملة لهما مساویة بل

المراد الاعم اه ص ۲۶۵ ۳۶ قلت ومفاد هذه العلة صحة نكاح المرتد
بالمصداق منه او بكافة بعد لحوقه بدار الحرب او اذا كان قد ارتد
هناك لاني دار الاسلام فانه يقرب هناك على ما انتقل اليه ولا يقتل اللهم
الا ان يقال انه ميت في حكم الشرع فلا يجوز نكاح لكونه لاملة له كما
اذ لم يقتله الحاكم في دار الاسلام تهادنا بالاحكام معاذ الله منه قال
في الدرر ولا يترك المرتد على رده باعطاء الجزية ولا بامان موقت و
لا مؤبد ولا يجوز استرقاقه بعد اللحاق بخلاف المراتدة اه قال
الشامى اى فانها تسترق بعد اللحاق بدار الحرب وتجب على الاسلا
بالضرب والعبس ولا تقتل اه ص ۲۶۳ ۳۶ قال في الدرر وعن الامام
تسترق ولو في دار الاسلام ولو اذقتى به حسم القصد لها السئ لا بأس به
وتكون فتنة للمروج بالاستيلاء مجتبى وفي الفتح انها فيئ للمسلمين
فيستريها من الامام او يهبها له لو مصرفا اه قال الشامى وفي الفتح قيل
وفي البلاز التي استولى عليها التتر واجروا احكامهم فيها ونفوا المسلمين
كما وقع في خوارزم وغيرها اذا استولى عليها النروج بعد الردة ملكها
لانها صارت دار حرب في الظاهر من غير حاجة الى ان يشترىها من الامام
اه قال الشامى وهذا ليس مبنيا على رواية النوادر لان الاسترقاق وقع
في دار الحرب لاني دار الاسلام اه ص ۲۶۰ ۳۶ اى والمبنى على رواية النوادر
انما هو الاسترقاق في دار الاسلام واما النكاح المنعقد بين السرافض
القديم رفضهم فحكمه يستفاد مما في الدرر ايضا زوجان ارتدا اولحقا
فولدت المرتدة ولدا وولد له اى لذلك المولود ولد فظهر
عليهم جميعا فالولدان فيئ كاصلها والولد الاول يجبر بالضر على الاسلام
راى لا بالقتل بخلاف البويه فانهما يجبران بالقتل ۱۲ وان حبلت به ثمة
راى وبالاولى لو حبلت به في دار الاسلام ووضعت في دار الحرب ۱۲ لتبعيته
لابويه (في الاسلام والردة وهما يجبران فكذا هو وان اختلفت
كيفية الجبر) لا الثاني لعدم تبعية الجد على الظاهر (اى ظاهر الرواية)

فحكمه كحربي . (في انه يسترق او توضع عليه الجزية او يقتل واما الجد
فيقتل لا محالة لانه المراتد بالامالة او يسلم بحرج عن الفتح ۱۲ شامى)
ص ۲۶۳ ۳۶ ولما كان ولد الولد كالحربي فمفاد جواز نكاحه بمثله
وان الله اعلم .

بقي الاشكال في استرقاق المرأة السرافضة اذا كانت من نسل العرب
فان مشركي العرب لا يسترقون لكن قال في الدرر في فصل الجزية لا على وثني
عربي ومترد فلا يقبل منهما الا الاسلام او السيف لو ظهر ناعليهم فتساءهم
وصيبانهم فيئ اه لان ابا بكر رضي الله تعالى عنه استرق نساء بني
حنيفة وصيبانهم لما ارتدوا وتسمهم بين الغانمين هداية اه ص ۲۶۲
فارفع الاشكال ثم عاد الاشكال بما في الثامية عن القهستاني ولا توضح
على المبتدع ولا يسترق وان كان كافرا لكن يباح قتله اذا ظهر بدعته
ولم يرجع عن ذلك وتقبل توبته اه ص ۲۶۱ ۳۶ فالجواب عنه ان
المراتد نفسه لا يسترق وانما يسترق المراتدة واولاد المراتد كما
مرفلا اشكال والله تعالى اعلم .

وفي تحرير المختار وجعل الرملى في حاشية المنح: المعترى والرافضى
بمنزلة اهل الكتاب حيث قال قوله صح نكاح كتابية اقول يدخل
في هذا السرافضة بانواعها والمعتزلة فلا يجوز ان تتزوج المسلمة
السنية من السرافضى لانها مسلمة وهو كافر فدخل تحت قولهم لا يصح
تزوج مسلمة بكافر اه قال الرستغنى: لا تصح المناكحة بين اهل السنة
والاعتزال اه فالرافضة مثلهم اواقيم والرملى جعلهم من قبيل اهل
الكتاب فيجوز نكاح نساءهم ولا يزوجون ولعله اعدل الاقوال لانه
لا يشك في كفر السرافضة اه، سندی ص ۱۸۳ ۱۷ .

پس خلاصہ اقوال یہ ہوا کہ رافضی سے سنیہ مسلمہ کا نکاح درست نہیں ہوتا خواہ وہ قبل
نکاح ہی رافضی ہو تو نكاح اول ہی سے منعقد نہ ہوگا یا بعد نكاح کے رافضی ہو گیا ہو تو نكاح
فسخ ہو جائے گا۔ اور دونوں صورتوں میں اگر ہمسری ہو چکی ہے تو زوجہ پر عدت لازم

ہے اور بعد عدت کے جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے اور سبستی ہو چکی ہو تو عدت کی حاجت نہیں۔ لکن الردۃ من الزوج طلاقاً حکماً۔ البتہ اگر ان دونوں سے اولاد پیدا ہوئی ہو تو وہ اولاد حرامی نہ کہلائے گی بلکہ ثابت النسب ہوگی اور وہ اولاد ابویں سے وارث ہوگی لیکن زوجین میں باہم توارث ہوگا لعدم التوارث فی نکاح فاسد ففیما اذا کان الوطأ سناً بالادوی البتہ اگر شوہر رافضی بنا اور عورت کی عدت پوری نہ ہوئی تھی کہ وہ مر گیا تو ایک روایت میں عورت وارث ہوگی شامی ص ۳۷۰ ج ۲۔

جواب سوال ۱۶۔ اگر یہ دونوں مرد و عورت قدیم سے کئی پشت کے رافضی تھے تب تو مستثنی ہونے کے بعد دوبارہ ان کا نکاح کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ معلوم ہو چکا ہے کہ ان کا حکم اہل کتاب کا سا ہے اور کتابی مرد و عورت ساتھ مسلمان ہو جائیں تو تجدید نکاح کی ضرورت نہیں بشرطیکہ دونوں ساتھ مسلمان ہوں آگے پیچھے نہ ہوں ورنہ اگر اتنا فاصلہ ہو کہ عورت عدت سے فارغ ہو گئی تو تجدید نکاح کی ضرورت ہوگی اور اگر عدت گزرنے سے پہلے دوسرا بھی مسلمان ہو گیا تو نکاح اول باقی سے شامی ص ۶۳۰ ج ۲ اور اگر یہ دونوں مستثنی تھے پھر رافضی ہو گئے اب پھر مستثنی ہوتے ہیں تو اس کا حکم ہے کہ اگر ساتھ ہی مرتد ہوئے ساتھ ہی مسلمان ہوئے تو نکاح اول باقی سے اور اگر آگے پیچھے ہوئے تو نکاح کی تجدید لازم ہے گو عدت کے اندر اندر دونوں مسلمان ہو جائیں وبقی النکاح ان ارتدا معاً بان لم یعلم السبق ثم اسلما کذلک فان المعیة الحقیقیة متعذرۃ ۱۲ شامی

فسدان اسلم احدہما قبل الآخر اھ ص ۶۳۶ ج ۲۔ امی بان علم السبق۔

جواب سوال سوم۔ جب رافضی عورت مستثنی ہو جائے اور مرد رافضی رہے تو دونوں کا نکاح نسخ ہو گیا اور یہ عورت بعد عدت کے مستثنی سے نکاح کر سکتی ہے رافضی سے علیحدہ ہو جانا اس پر واجب ہے۔

اب ایک صورت یہ باقی رہی کہ مرد مستثنی ہو اور وہ عورت رافضی سے نکاح کرے جس کا فیض جدید نہیں بلکہ آبا و اجداد سے قدیم ہے اس کا حکم یہ ہے کہ یہ نکاح صحیح ہے اور وہ رافضیہ مثل کتابیہ کے اس کی زوجہ اور اس کی اولاد اس کی وارث ہوگی۔ اور زوجین میں توارث نہ ہوگا بغرض مستثنی مرد کا نکاح تو رافضیہ سے صحیح ہے گو مکروہ ہے مگر سنیہ عورت کا نکاح رافضی مرد سے نہ ابتداءً صحیح ہے نہ بقاؤ۔

ایک صورت یہ رہی کہ مرد و عورت دونوں مستثنی تھے پھر مرد مستثنی ہی رہا اور عورت رافضی ہو گئی۔

اس صورت میں نکاح نسخ ہو گیا لیکن اس عورت پر ملک بمین کے ساتھ شوہر قبضہ رکھ سکتا ہے دارالاسلام میں ہو تو امام سے خرید کر یا ہبہ کے طور پر لیکر اور دارالعرب میں ہو تو بدون امام سے پوچھے خود ہی اس پر قبضہ مالکانہ کر سکتا ہے ویجوز لہ الوطی بہا لکونہا کامة کتابیة كما هو المفہوم من ما ذکرنا۔

اور اگر سنی مرد رافضی ہو گیا اور اس کے ساتھ بیوی بھی رافضی ہو گئی اور رافضی ہی رہے مستثنی نہ ہوئے تو یہ دونوں مرد و عورت تو مرتد ہیں ان کو حیرا سنی بنایا جائے گا والا فالسیف ان قدس ذ اور ان کی مصلی اولاد کو بھی ولکنہم لا یقتلون البتہ اولاد کی اولاد الی آخر ہا پر حیر نہ ہوگا بلکہ وہ سب مثل حربی کے ہیں۔ اور فی ہیں اور یہی احکام فرقتہ قادیانیہ کے ہیں کہ وہ بھی مرتد ہیں اذا استولی احد من المسلمین علی احد منہم کان رقیقاً فی یدہ، واللہ تعالی اعلم۔ ۲۵ ص ۳۶۔

سوال (۲) سوال یہ ہے کہ ایک شخص کے دو لڑکی تھیں بوقت نکاح غلطی سے دوسری لڑکی کا نام بتا کر نکاح پڑھایا گیا تو ان کا نام خدیجہ دوسری کا نام زینب۔ ان دونوں کے باپ نے خدیجہ جو بڑی لڑکی ہے اس کے نکاح کے وقت بھول کر کے زینب جو چھوٹی بیٹی ہے اس کا نام لیکر نکاح پڑھا دیا اور بڑی بیٹی کو نوشتہ کے سپرد کر دیا اور وہاں اس کو اپنے گھر لے جا کر بود و باش یعنی زن و شوہر کر رہا ہے اب مسئلہ یہ ہے کہ یہ نکاح از روئے شرع شریف جائز ہوگا یا نہ جواب فایت فراویا؟

الجواب؛ قال فی الدس غلط وکیلہا بالنکاح فی اسم ایہا بغیر حضورھا لم یصح للجهالة۔ وکذا لو غلط فی اسم ابنتہ الا اذا کانت حاضراً و اشار الیہا فیصح ولولہ بنتان اذ اتن ویح الکبری فغلط فسمها باسم الصغری صح للصغری، خانہ اھ ص ۲۷۵ کتاب النکاح۔

صورت مسئلہ میں اگر مسماة خدیجہ مجلس نکاح میں حاضر تھی اور اس کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا کہ اس کا نکاح کرتا ہوں تو مسماة خدیجہ سے نکاح منعقد نہیں ہوا بلکہ اس مرد کا نکاح مسماة زینب سے منعقد ہو گیا ہے پس اب مرد سے مسماة زینب کو طلاق دلوا دی جائے اور خدیجہ سے اس کا نکاح دوبارہ کر دیا جائے اگر ایسا نہ ہو تو عمر بھر خدیجہ سے زنا ہوگا اور زوجین و اولیائے زوجین سب گنہگار ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

۲۷ جمادی الاولی ۱۳۶۶ھ۔

۱۶

سوال (۲۲) بیوہ یا مطلقہ کو اپنے والد کے حکم سے نکاح ثانی کرنا فرض ہو جاتا ہے یا نہیں اور ان صورت کہ وہ کسی وجہ سے شرعی معذور بھی نہیں اور ایسی صورت میں وہ انکار کرنے سے کافر ہے یا نہیں اور یہ بھی عرض ہے کہ وہ ایسی قوم کی عورت ہے جو رسماً درو اجا نکاح ثانی کو محبوب اور برا جانتی ہو۔ والسلام۔

الجواب؛ ماں باپ کے حکم سے ہر کام واجب نہیں ہو جاتا بلکہ اس میں تفصیل ہے جس کے لئے رسالہ تعدیل حقوق اولادین کا مطالعہ مفید ہو گا جو گوہر کے اخیر میں طبع جدید میں ملحق کیا گیا ہے۔

پس صورت مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ اگر بیوہ یا مطلقہ نکاح ثانی کو معیوب سمجھتی ہے تو یہ عقیدہ کفر ہے اس سے اس کو توبہ کرنا اور ایمان کی تجدید فرض ہے اور اگر معیوب نہیں سمجھتی بلکہ پہلے شوہر کی کبت غالب ہے اور وہ اس سے مانع ہے یا بچوں کے ضائع ہونے کا خوف ہے یا اور کوئی وجہ مخفی نکاح سے مانع ہے مثلاً مجامعت سے تکلیف ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ تو اس میں تفصیل ہے اگر اس کو اپنی عفت پر خطرہ نہ ہو خواہش نفسانی غالب نہ ہو صبر سے بیٹھ سکے اور والدین پر اپنے نفقہ کا بار نہ ڈالے یا ان پر بار ڈالے اور وہ خوشی سے برداشت کریں تو اس کو نکاح کرنا واجب نہیں ورنہ واجب ہے بشرطیکہ حقوق نکاح کو ادا کرے ورنہ روزہ رکھ کر خواہش کو مغلوب کرے اور محنت و مزوری سے پیٹ پالے اگر والدین اس کا خرچ برداشت نہ کر سکیں وھذا خلاصۃ الدلائل الحدیثیۃ والفقہیۃ الستی ذکسھا الشیخ فی رسالته المذكورۃ۔ واللہ اعلم۔ الذیقعدہ ۱۳۶۶ھ۔

سوال (۲۳) بعد از نیاز و آداب و السلام علیکم کے عرض ہر کہ اگر کوئی عورت بالغہ بیوہ ایجاب اپنے ہاتھ سے اس طرح لکھ کر دیکھ دے کہ مسماۃ فلانہ یعنی کاتبہ آپ کا نکاح مسمی فلان یعنی مکتوب الیہ سے کیا جائے تو یہ صحیح ہے یا نہیں اور ایجاب دو گواہوں کو پڑھ کر سناوے۔ اور اپنا قبول بھی ان کو سناوے تو یہ نکاح منعقد ہو جائے گا یا نہ۔ حضرت ابنہ نے علماء سے سنا ہے یا کسی میں دیکھا ہے کہ کرامت بمنزلہ کلام کے ہے جب ایسا ہے تو سامعین کلامہا معا جو کہ شرط انعقاد نکاح کا ہے متحقق ہو گیا تو چاہئے کہ نکاح بھی متحقق ہو جاوے۔

الجواب؛ ان اس طرح نکاح صحیح ہو جاتا ہے جبکہ خطا سنا کر اپنا قبول شاہدین کے سامنے بیان کر دے۔ وسماع الشاہدین کلام المتعاقدين شرط انعقاد النکاح فلو قرأت الکتاب علی الشہود و قالت ان فلانا کتب الی یخطبہ فاشہدوا الی قد زوجت نفسی منہ صحیح النکاح اھ وان لم تقرأ الکتاب و قالت قد زوجت نفسی منہ بمحض من الشہود لا ینعقد النکاح فان الشہود لم یسمعوا کلام النزوج کذا فی الخلاصۃ (ص ۲۸ و ۲۹ ج ۳)۔ ۲۲ محرم ۱۳۴۷ھ۔

سوال (۲۴) عاوند کو اپنی نابالغہ منکوحہ کے ساتھ جس کو جماع سے تکلیف ہوتی ہو صحبت کرنا درست ہے یا نہیں؟

۲ اگر کسی کی منکوحہ اس قدر کمسن ہو کہ صحبت سے کوئی سخت تکلیف ہو جانے یا جان بمانے کا اندیشہ ہو تو عاوند کا اس سے صحبت کرنا مجرم ہے یا نہیں اور اگر مجرم ہے تو شرعاً اس کے لئے کیا سزا ہے؟

۳ اگر عورت کمسن ہو اور صحبت کرنے سے اس کے بیمار ہو جانے یا مر جانے کا اندیشہ ہو تو نابالغہ خود یا اس کا ولی شوہر کو صحبت سے روک سکتے ہیں یا نہیں؟

۴ بعد نکاح کے کسی نابالغہ عورت کا ولی اس خیال سے کہ اگر وہ اپنے شوہر کے ساتھ رہے اور اس سے صحبت کی جائے گی تو اس کو نقصان پہونچے گا عاوند کے گھر بھیجنے سے مانع ہو تو شوہر کوئی مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں اور اس روک رکھنے کی میعاد کیا ہے؟

۵ اگر شوہر جبراً اپنی کمسن منکوحہ کے ساتھ ہم بستر ہو اور وہ لڑکی مر جائے یا کسی لاعلاج بیماری میں مبتلا ہو جائے تو شرعاً اس کے شوہر کو کیا سزا دی جائے گی؟

الجواب؛ قال فی الدما المختار و للنزوج المطالبۃ بتسليمها ان تحملت الرجل قال البرازی ولا یعتبر السن اھ قال الشامی عبارته ولا یجبر الاب علی دفع الصغیرۃ الی النزوج و لکن یجبر النزوج علی ایفاء المجل فان زعم النزوج انها تتحمل الرجال وانکس الاب فالقاضی یردھا للنساء ولا یعتبر السن اھ قلت بل فی القارخانۃ البالغۃ اذ لم تکن تتحمل لایوم یردھا الی النزوج اھ (ص ۲۶۹ و ۲۷۰) و فی الحامد قد اجاب الخیر الرضی عن هذا السؤال بقوله ان کانت ضخمۃ سمینۃ تطیق الرجال و سلم المهر

المشرط تعجيله يجبر الاب على تسليمها للزوج على الاصح من الاقوال فينظر
القاضي ان كانت ممن تخرج اخر جها ونظر اليها ان صلحت للرجال امر
اباها بدفعها للزوج والافلا وان كانت ممن لا تخرج امر بمن يشق
بهن من النساء فان قلن انها تطيق الرجال وتتحمل الجماع امر الاب
بدفعها الى الزوج وان قلن لا تتحمل لا يامر بذلك والله اعلم اه (۲۸)،
وفيه ايضا وقيل ان طلبها الزوج للمؤانسة دون الملاسة يجاب كذا
في الذخيرة والقنية اه (۲۹)۔

وفي العالم كبرية (ص ۱۹ ج ۶) رجل جامع صغيرة لا يجامع مثلها
فماتت ان كانت اجنبية تجب الدية على العاقلة وان كانت منكوحة
فالدية على العاقلة والمهر على الزوج كذا في الخلاصة عن ابن رستم
عن محمد بن رجل جامع امرأته ومثلها تجامع فماتت عن ذلك فلا
شيء عليه اه۔

(عبارات فقہ کے بعد جوابات معروض ہیں)

(۱) نابالغہ اگر بدن اور اٹھان کی اچھی ہو کہ جماع سے اس کو ناقابل برداشت تکلیف نہ ہو
تو اس سے جماع جائز ہے اور اگر ناقابل برداشت تکلیف ہوتی ہو تو جائز نہیں۔

(۲) ماں جرم ہے اور اس کی سزا یہ ہے کہ اگر عورت مر جائے تو شوہر کے خاندان پر دیت
لازم ہے (جو ایک ہزار دینار ہے) اور شوہر کے ذمہ مہر لازم ہے اور اگر عورت کو سخت تکلیف
پہنچتی ہو مری نہیں تو شوہر کے ذمہ اس کا علاج معالجہ واجب ہے۔ اور یہ اس صورت
میں ہے کہ جبکہ زوجہ اتنی کمسن و کمزور ہو کہ جماع کا تحمل کرنے کی اہل نہ ہو اور اگر اٹھان ایسا
ہو کہ جماع کا تحمل کرے تو شوہر پر کچھ ضمان نہیں نہ دیت نہ کچھ تعزیر۔

(۳) ماں روک سکتے ہیں لیکن اگر شوہر یہ دعویٰ کرے کہ منکو تحمل جماع کی اہل ہے اور ولی
نابالغہ یہ دعویٰ کرے کہ وہ تحمل جماع نہیں تو اس اختلاف کا فیصلہ حاکم شرعی کرے گا وہ معتبر
عورتوں سے کہے کہ اس لڑکی کو دیکھ کر بتلائیں وہ تحمل جماع ہے یا نہیں۔

(۴) اس کا جواب عدل سے معلوم ہو چکا اور لڑکی کو روکنے کی میعاد یہ ہے کہ قاضی کو ثقات
عورتوں سے معلوم ہو جائے کہ لڑکی تحمل جماع کی ہو گئی ہے۔

(۵) اس کا جواب عدل سے معلوم ہو چکا ہے، والله اعلم۔

۱۲ صفر ۱۳۴۷ھ

بصیغہ حال قبول کافی یا نہیں | سوال (۲۵) زید کا نکاح ہونے لگا وکیل بالنکاح نے کہا کہ
مجھے فلان شخص نے اپنی لڑکی کے نکاح کا وکیل بنا کر بھیجا ہے۔ اور اس کے یہ دو گواہ ہیں۔ میں نے اس
لڑکی کو بوضو ایک سکر راج الوقت آپ کی زوجیت میں دیا۔ زید بجائے اس کے کہ قبول کیا کہے
قبول ہے کہہ دیا تو نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ بظاہر فقہاء کی عبارت النکاح ینعقد بالایجاب
ولفظہما ماض او مستقبل و ماض مقضی ہے کہ نکاح انعقاد نہ ہو کیونکہ قبول ہے نہ ماضی
ہے اور نہ مستقبل۔

الجواب؛ بصیغہ حال بھی قبول میں کافی ہے صحیح بہ فی الدس (صفحہ ۲۳ ج ۲)۔
بوقت نکاح لڑکی کے وکیل کو نام | سوال (۲۶) وکیل بالنکاح کچھ ناک سے بولا کرتے تھے اس
میں اشتباہ ہو گیا مگر شوہر اور گواہ | لئے عورت کے نام میں اشتباہ ہو گیا مرد نے اپنے دل میں یہ سمجھ کر
جاتے تھے کہ فلاں لڑکی نکاح ہو گا | کہ لڑکی جس عورت کا وکیل بن کر آیا ہے وہ اور دوسرے ذرائع
سے تو متعین ہے۔ نام سے کیا کام نام کچھ بھی ہو شخص جس عورت کے وکیل بن کر آئے ہیں وہ
عورت مجھے قبول ہے اور مجمع عام میں بغیر نام کی لفظی تصحیح کے ہوتے قبول کر لیا۔ تو کیا نکاح
ہوا یا نہیں۔ یا نام کی تصحیح لفظی بھی ضروری ہے؟

تصحیح سوال؛ کیا شوہر کو پہلے سے علم تھا کہ اس کا نکاح کس لڑکی سے ہو گا یا معلوم نہ
تھا۔ اور ان کے خسر کے ایک ہی لڑکی ہے یا دو اور گواہوں کو بھی علم تھا یا نہیں اور گواہوں کو
بھی نام میں اشتباہ ہوا یا نہیں؟ سوال دوبارہ کیا جائے جس میں اس تصحیح کا جواب بھی ہو اس کے
بعد حکم بتلایا جائے گا، والله اعلم۔

جواب تصحیح؛ شوہر کو پہلے سے علم تھا کہ میرا نکاح فلان لڑکی سے ہو گا۔ اس کے خسر
کی لڑکیاں چار ہیں دو شادی شدہ اور دو کنواری۔ نہ گواہوں کو نام میں اشتباہ ہوا اور نہ
وکیل بالنکاح کو گواہوں کے معام تھا کہ فلان لڑکی سے نکاح ہو گا۔

الجواب؛ صورت مسئلہ میں نکاح منعقد ہو گیا فانہ لو قال زوجتک بموکلتی
او بموکلتی والرجل یعرفہا صح النکاح عند الخصاف وان لم یعرفہا سنو
فنی ظاہر الرایة لا یصح وعلیہا الفتویٰ واما اذا امرت المقدمت علی

معينة وتميزت عند الخاطب العاقد وعند الشهود ايضا يصح العقد وهي واقعة الفتوى لان المقصود نفى الجهالة وذلك حاصل بتعيينها عند العاقد والشهود وان لم يصح باسمها ذكر في الشامية (ص ۳۷ ۲۷) وقول الخصا في (ص ۲۷۲۵) والله تعالى اعلم - ۱۷ شعبان ۱۳۴۵ھ -

نکاح کو مخفی رکھنا گناہ ہے | سوال (۲۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک امام صاحب نے ایک بیوہ عورت سے خفیہ نکاح پڑھا لیا وگواہ پر دسی ایک سواالی ایک واعظ آئے ہوئے تھے ان دونوں کے سامنے ایجاب و قبول ہوا اور کسی سے ظاہر نہ کیا جب حمل چار یا پانچ ماہ کا ہو گیا جب عورتوں نے کہا سچ بتلا تمجھ کو حمل ہے؟ حاملہ عورت نے کہا فلاں کا حمل ہے۔ پھر دوبارہ عورتوں نے اور حاملہ مذکورہ کے دیور وغیرہ نے دریافت کیا سچ بتلا حمل کس کا ہے تب عورت مذکورہ نے کہا فلاں امام صاحب کا ہے ہمارا نکاح فلاں گاؤں میں ہوا ہے۔ اب امام صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کا اس حاملہ عورت سے نکاح ہو چکا ہے امام صاحب نے کہا کہ ہو چکا ہے ہمیں ہوا ہے باہر کے دو مسافر ٹھہرے ہوئے تھے ان کے سامنے ایجاب و قبول ہوا سے لوگوں کو یقین نہ آیا امام صاحب مسجد میں قرآن شریف پڑھ رہے تھے ان سے ایک پریزگار متقی نے دریافت کیا کہ آپ کا اس حاملہ مذکورہ سے نکاح ہو چکا ہے؟ امام صاحب نے قرآن شریف پڑھا کر رکھا میرا نکاح ہو چکا ہے۔ آیا اس طرح خفیہ نکاح ہو جاتا ہے اور ایسے امام صاحب کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں فقط جو اب سے جلد سچ فرمادیں؟

الجواب؛ اس طرح خفیہ نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور ایسی عورت سے جس کا نکاح خفیہ ہوا ہو شوہر کو مجامعت بھی جانتا ہے اور اس کی اولاد بھی حلالی ہوگی۔ مگر خفیہ نکاح کرنے کے بعد غرضہ تک اس کو مخفی رکھنا گناہ ہے بلکہ اس کو جلدی ہی ظاہر کر دینا چاہئے تھا کیونکہ جب غرضہ دراز تک نکاح کو مخفی رکھا جائے گا تو حمل قرار پانے کے وقت لوگوں کو عورت پر اور مرد پر زنا کا گمان ہوگا اور اس وقت لوگ اس دعویٰ کو کہ نکاح ہو چکا ہے بات بنانے پر مجبور کریں گے۔

وقال النبي صلى الله عليه وسلم: اتقوا مواضع التهم الحديث فالاتقاء من التهمة واجب - لهذا اس امام کو جب تک وہ اس گناہ سے (یعنی اخفاہ نکاح سے) توبہ نہ کرے امامت سے الگ کر دیا جائے اور توبہ اس کی یہ ہے کہ مجمع عام میں اپنی خطا کا اقرار کرے کہ میں نے جو نکاح کو غرضہ تک مخفی رکھا جس سے لوگوں کو تہمت اور بدگمانی میں مبتلا کیا۔

مجھ سے گناہ ہوا میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں بھی اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں اور جن لوگوں کو میں نے بدگمانی میں (اس فعل سے) مبتلا کیا ہے ان سے بھی معافی چاہتا ہوں فان التوبة على قدر المعصية والله اعلم - ۲۳ شوال ۱۳۴۵ھ -

زنا سے نکاح فاسد نہیں ہوتا۔ سوال (۲۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین مبین و مفتیان شرع متین اور ایسی عورت کا بدوں طلاق بیچ اول دوسرے نکاح کرنا اول نکاح میں گھر کر کے چند برس تک پیشہ کسی (یعنی پیشہ زنا) کو اختیار کر کے

اپنی اوقات بسر کی بعد اس کے ایک بھڑوا مرد نے اس کو وہاں سے لاکر عالموں سے دریافت کیا کہ اس کے ساتھ نکاح کرنا درست ہے یا نہیں۔ اکثر عالموں نے کہا اس عورت زانیہ سے نکاح کرنا درست نہیں کیونکہ اس کے شوہر نے طلاق نہیں دی ہے اور پیشہ زنا سے طلاق واقع نہیں ہوتی اور بعض بعض عالم نے کہا کہ اس عورت سے نکاح کرنا حلال و درست ہے اور وجہ حلال ہونے کی یہ بیان کرتے ہیں کہ جو عورت اپنے شوہر سے چھ ماہ کی مدت تک علیحدہ رہے وہ مطلقہ ہوتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس عورت نے پیشہ زنا کو اختیار کر کے مدت تک زنا کیا ہے اس سبب سے نکاح ٹوٹ گیا اس کو نکاح کرنا بلا خطر درست و حلال ہے یہ کہہ کر چند روپیہ لیکر وکیل وگواہ کے سامنے اس کا نکاح اجنبی مرد سے پڑھا دیا۔ اب یہ نکاح مذہب حنفی کے موافق درست و حلال ہے یا نادرست و حرام؟ اور اگر حرام ہو تو جس عالم نے یہ حکم دیکر نکاح پڑھایا اور جو شخص وکیل وگواہ ہو کر نکاح کرایا یہ سب کافر ہیں یا مسلمان اور ان کی بی بی ان پر حرام ہوتی یا حلال؟ ہر تقدیر حرمت کے تجدید نکاح واجب ہے یا نہیں اور جب تک یہ لوگ توبہ کر کے نکاح ثانی نہ کریں تو ان سب کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور ان کو مسلمان جان کر سلام و کلام کرنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا بالادلة تو جہ عند الجلیل۔

الجواب؛ قال في الدرر وصح نكاح موطوعة بسناى جاز نكاح من رأها تنى وله وطوعها بلا استبراء في آخر حضر المحدثى لا يجب على الزوج تطليق الفاجرة ولا عليها تسريح الفاجرة الا اذا خاف ان لا يقبها

لہ بشرط ان لا تكون حاملاً قبل النكاح من غير الزوج واما لو ظهر بها حمل بعد النكاح من الزنا فهو من حيث الحكم للزوج لان الفرائض له وتمامه في رد المحتار

حدود الله فلا بأس ان يتفقا قال ابن عابد بن عن الجعي بدليل
الحديث ان رجلا اتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله ان امرأتى
لا تردى لا مس فقال صلى الله عليه وسلم طلقها فقال انى احبها وحى جميلة
فقال صلى الله عليه وسلم استمتع بها قال فى الجعي لو تزوجت بامرأة
الغير عالما بذلك ودخل بها لا تجب العدة عليها حتى لا يحرم على الزوج
وطؤها وبه يفتى لانه زنا والمنى بها لا تحرم على زوجها (ص ۲۷۹ و ۲۸۰ ج ۲)

ان عبارات فقہیہ سے ظاہر ہے کہ عورت کے زنا سے اس کا نکاح فاسد نہیں ہوتا اور وہ بدلتو
اپنے شوہر کے نکاح میں باقی رہتی ہے پس اس کا نکاح دوسرے مرد سے بدون طلاق شوہر اول
اور بدون عدت طلاق گذرنے کے ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا پس صحیح قول اس مسئلہ میں فریق
اول علماء کا ہے اور فریق ثانی کا قول بالکل غلط ہے ان کو اپنی خطا سے علی الاعلان توبہ کرنا
چاہئے اور جب تک وہ توبہ کا اعلان نہ کریں اس وقت تک ان سے سلام و کلام تعلقات و
موالات ترک کر دیئے جائیں لیکن ان کو کافر نہ سمجھا جائے اور نہ ان کے نکاح فاسد ہوئے
البتہ قبل اعلان توبہ ان کی اقتدار نہ کی جائے واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۰ محرم ۱۲۸۱ھ

ایک مرد اور عورت یہ اقرار کریں کہ ہمارے نکاح میں
کوئی شرعی امر مانع نہیں لیکن اہل شہر اجنبی ہونے
کے سبب اس کی تصدیق نہیں کر سکتے۔ تو قاضی
دونوں کا حلفیہ بیان لیکر نکاح کر سکتا ہے یا نہیں

غریب الوطن ہیں اپنے وطن سے دور دراز فرار ہوتے ہوئے کسی شہر میں وارد ہو کر اہل شہر سے اپنا
وطن اصلی کچھ بتائیں اور ارادہ ظاہر کریں کہ باہم عقد مناکحت کر لیں۔ دونوں کا اقرار کہ ہمارے
مابین کوئی رشتہ حرمت نہیں اہل شہر کے عندیہ میں یہ دونوں اجانب متصور ہیں گو کہ محمود کو کسی
سے تعرف ہو مگر فریدہ اجنبیہ ہے جن سے اہل شہر احتمال کر سکتے ہیں کہ فریدہ کسی کی منکوحہ ہوگی اور
محمود کی فریب دہی سے زوجیت سے دست بردار ہو کر آئی ہوگی کسی کو کچھ خبر نہیں کہ دونوں اپنے
اقرار میں سچے ہیں یا جھوٹے۔ مگر دونوں کا حلفیہ اقرار ہے کہ ہمارے مابین تزویج کے لئے کوئی
شرعی امر مانع نہیں۔ تصدیق و تحقیق کے لئے یہ دونوں اہل شہر سے بھی نہیں بلکہ انبار سبیل مانے
جاتے ہیں اور ان کا وطن اصلی بھی قریب نہیں بلکہ پانچ سو میل کی مسافت سے بھی متجاوز ہے

لہذا عرض خدمت ہے کہ محمود مذکور اور فریدہ مذکورہ بالغہ جو چودہ سالہ عمر رکھتی ہے ان دونوں کے انعقاد
نکاح کی کیا صورت ہے آیا جس شہر میں کہ یہ دونوں وارد ہیں اور استدعا سے تزویج کرے ہیں
کیا باعتبار حلفی اقرار قاضی شہر مجاز ہے کہ اہل شہر سے کوئی دو شاہد مقرر کر کے حسب استدعا محمود
و فریدہ سردست بلا تحقیق و تنقیح ان دونوں کا نکاح کرے یا باوجود ان دونوں کے حلفی اقرار
کے مزید تحقیق ضروری ہے کہ نکاح ملتوی یا رد کرے اگر باعتبار حلفی اقرار ان دونوں کے قاضی نکاح
کرے تو اس نکاح کا کیا حکم ہے؟ بیٹو تو جسوا و ارحمکمدا اللہ تعالیٰ۔

الجواب؛ اگر قاضی شہر کا قلب اس مرد و عورت کی صدق کی شہادت دے اور ان
کے حلفیہ بیان پر اس کا قلب مطمئن ہو جائے تو اس کو ان دونوں کا نکاح کر دینا جائز ہے
مگر نکاح مجمع عام میں کرے صرف دو گواہوں کے سامنے نہ کرے کیونکہ اگر وہ جھوٹے ہوں گے
تو غالب یہ ہے کہ مجمع عام میں نکاح پر راضی نہ ہوں گے، و ایضا فقہی نکاح السرم من المفاسد
مالا یخفی والاصل فی ذلك ما ذکرہ الفقہاء فی امرأة قالت لرجل طلقنی زوجی
ثلاثا وانقضت عدتی فان شہد بصدقها قلبہ جائز لہ ان یتزوجھا
واللہ تعالیٰ اعلم۔ یکم ربیع الثانی ۱۲۸۱ھ

استفتا ضمیمہ سابق

سوال :- ہندہ کا حامد سے خطبہ ہو چکا تھا اتفاقاً زید جو مرد اجنبی ہے باکرہ مذکورہ ہندہ
کو اپنے دام تزویج میں گرفتار کئے ہوئے اس کے ابوین واقارب سے جدا کر کے کہیں اور مقام پر
فرار ہوا۔ ہندہ کے ابوین واقارب اس واقعہ جانگزا سے حیران ہو کر اطراف و اکناف متلاشی
ہے بالآخر کسی مقام پر جو تقریباً یکہزار میل کے فاصلہ پر واقع ہے تفسیش و تلاش بعرصہ ایک ماہ سراسر
پاکر مفردین کو گرفتار کر کے وطن لے آئے ہندہ تو اپنے والدین کے قبضہ اختیار میں رہ گئی مگر زید
جو غریب الوطن مانا جاتا تھا بعد ملامت و تشنیع اپنے وطن کو روانہ کیا گیا جو تیس میل پر واقع ہے
تقریباً عرصہ چھ سات ماہ گذرتا ہے کہ عملاً زید مدعی ہے کہ ہندہ مذکورہ اپنی منکوحہ ہے۔ عملاً
ہندہ مذکورہ کا نکاح حامد مذکورہ صدر کہ جس کا قبل از وقوع واقعہ مذکورہ ہندہ کے ساتھ
خطبہ ہو چکا تھا تقرر پایا ہے عنقریب نکاح ہونے والا ہے لہذا احقر چند سوالات متعلقہ امر
مذکورہ خدمت اقدس مؤدبانہ پیش کرتا ہے :

(۱) زید مذکورہ کا وجود دعویٰ ہے کہ ہندہ اپنی منکوحہ ہے کیا بصورت عدم حضور ولی دار نکاح

منہیات یہ دعویٰ صحیح ہے کیا ہندہ کو منکوحہ قرار دی جاتی ہے؟

(۲) زید کا یہ دعویٰ کہ میں نے بجاالت فرار کسی مقام میں ہندہ سے نکاح کیا ہے درآنحالیکہ دونوں اجانب و غریب الوطن متصور تھے۔ نہ شاہدین کو نہ اوروں کو کچھ خبر ہے کہ ہندہ کے ساتھ زید کو باہمی کیا مناسبت ہے گو کہ فیما بین رشتہ حرمت ہی کیوں نہ ہو بلا تحقیق شاہدین وغیرہ مجاز ہیں۔ گو کہ ہندہ زید کے حرمت ابدیہ سے ہی کیوں نہ ہو بلا تحقیق حسب استدعا زید العقاد نکاح میں اشمال شاہدین وغیرہ درست ہے۔ کیا یہ نکاح اجانب جو بلا تحقیق و تنقیح کیا گیا ہے صحیح ہے؟

(۳) اگر کسی وجہ سے نکاح زیدی معتبر ہو تو کیا ہندہ کے اولیا رعبصہ کو حق فسخ حاصل نہیں؟

(۴) برخلاف دعویٰ زید ہندہ مذکورہ کا نکاح جو فی اسحال حامد کے ساتھ تقریر پایا ہے جن کے مابین کوئی رشتہ حرمت تو نہیں ہے نفاذ نکاح کے لئے کیا کوئی امر مانع و مزاحم ہے؟

(۵) کیا ہندہ کو بلا بینہ شرعی صرف بوجہ فرار و ہرہا ہی زید زانیہ کہہ سکتے ہیں؟

(۶) بصورت ثبوت زنا کیا ہندہ پر جو غیر محض ہے حد جاری کی جائے؟

(۷) یہاں رسم ہے کہ زانی و زانیہ محض خواہ غیر محض رومال لپیٹ کر سوڈرے لگائے جاتے ہیں نہیں معلوم کہ رحم کا حکم کس کے لئے ہے آیا یہ حکم ہی منسوخ ہے؟

(۸) دوبارہ اجراء حدود گورنمنٹ کی سخت ممانعت ہے دریں صورت مجبوری رحم ترک کر کے مجرم و مجرمہ پر صرف کوڑے ہی لگائے جاویں؟

(۹) کیا بصورت مجبوری کوڑے لگانا رحم کے قائم مقام ہوگا کیا اس طریق سے حد ساقط ہوتی ہے؟

(۱۰) صرف رومال لپیٹ کر درے لگانا و یا دیگر آلات سے اور درہ اصطلاح شرع میں کس کو کہتے ہیں؟

الحاصل احقر بخدمت اقدس ملتمحی ہے کہ ازراہ کرم کل سوالات کا جواب بالاستیعاب اندوئے اصول ثلاثہ مع حوالہ کتب و دستخطی مہر جناب وغیرہم زید رقم فرماویں کہ جملہ شبہات کا مطلب نہیں نشین ہو جائے اور غلجان کلی رفع ہو اور کسی کو مجال دہن نہ ہو اگرچہ جرأت احقر موجب تفسیح اوقات عزیز آنجناب ہے معینا ہندہ عرض پرداز ہے کہ ازراہ ہندہ نوازی ہمہ امور تمامہ ترقوی سند کے ساتھ کہ کوئی دقیقہ فرود گذاشت نہ ہو قلمبند فرما کر ممنون فرماویں۔ امید کہ آنجناب اپنی سعی بلیغ مبذول فرما کر بجز جوابات سے سرفراز و ممتاز فرمائیں گے۔

الجواب: دے لگانے کا حق عوام کو نہیں بلکہ امام کو ہے اور ہندوستان میں

امام نہیں البتہ اگر نچایت کو گورنمنٹ کی طرف سے سزائے سید کا اختیار حاصل ہو تو حرام پیشہ لوگوں کو سزائے سید دے سکتے ہیں جس کے لئے شرط ہے کہ ۳۹ سید سے زیادہ نہ ملے جائیں باقی اس نکاح کے متعلق چند امور تنقیح طلب ہیں ان کا جواب دیا جائے۔

(۱) ہندہ زید کے دعوے کو صحیح کہتی ہے یا غلط بتلاتی ہے؟

(۲) زید ہندہ کا ہم کفو ہے یا نہیں یعنی نسا دونوں میں کفارت ہے یا نہیں؟

(۳) زید اور ہندہ نکاح کے شاہدین لوگوں کو ظاہر کرتے ہیں وہ شاہدین ان کے دعوے نکاح کی تصدیق کرتے ہیں یا نہیں، ہندہ بالغ ہے یا نہیں، عمر کیا ہے؟ ان تحقیقات کے جواب کے بعد سوال کیا جائے تو جواب ملے گا یہ پرچہ پھر واپس کیا جائے فقط۔

۱۵/سفر ۱۳۲۵ھ

مولانا! السلام علیکم! اما بعد ہر چہ ہر امور تنقیح طلب کا جواب حتی الامکان عرض کیا جائے۔ امر اول - ہندہ دعویٰ زید کی تکذیب کرتی اور غلط بتلاتی ہے۔

امردوم - ہندہ لو اہل سادات سے ہے مگر زید کا نسب نامہ معلوم۔

سادات سے تو نہیں مگر شیخ یا پٹھان خاندان سے ہوگا نیز باعتبار معرفت زید میں

کوئی رذالت پائی نہیں جاتی غالباً زید ہندہ کا ہم کفو ہوگا۔

امر سوم - شاہدین کا پتہ نہیں، نہیں معلوم کہ شاہدین نکاح کون ہیں زید کا جو دعویٰ ہے

عدالتی نہیں۔ چونکہ زید نے اپنا دعویٰ عدالت میں دائر نہیں کیا ہے صرف تنویفاً

لوگوں میں ظاہر کر رہا ہے کہ ہندہ میری منکوحہ ہے حامد کے ساتھ نکاح ہونے

کے بعد دعویٰ دائر کروں گا، نہیں معلوم کہ یہ دعویٰ کہاں تک راست و درست ہے

اور کہاں تک دروغ۔ چونکہ معاملہ سرا سر تصدیق طلب ہے۔ غرض زید کا دعویٰ

ہے کہ جس مقام میں نکاح کیا ہوں وہاں پر شاہدین موجود ہیں بعد نکاح حامد

بعدالت دعویٰ دائر کروں گا۔

امر چہارم - ہندہ بالغ ہے اور عمر میں چودہ سالہ ہے۔

امید کہ آنجناب جملہ سوالات کا جواب مفصل زید رقم فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

الجواب: جب ہندہ نکاح سے منکر ہے اور زید کے پاس وہ گواہ نہیں جو نکاح کی

شہادت دیں تو محض اس کی افواہ اور تخویف سے نکاح کا ثبوت نہیں ہو سکتا ورنہ ہر شخص

دعویٰ کر دیا کرے گا کہ میرا نکاح فلان عورت سے ہو چکا ہے، دعویٰ بلا دلیل و بلا ثبوت ہے۔ البتہ اگر زید کے دعویٰ سے ولی ہندہ کو تردد ہو گیا ہو تو وہ ہندہ سے قسم وغیرہ لیکر اپنا اطمینان قلب کر کے ہندہ کا نکاح حامد سے کرے بدون اطمینان قلب کے ایسا نہ کرے۔ رہا یہ کہ زید بعد میں عدالتی دعویٰ کی دھمکی دے رہا ہے تو اس دھمکی کا قانونی بجا و قانون دان لوگوں سے معلوم کرے۔

نوٹ: سائل نے زید کی نسبی حالت کو بالکل گول مول ظاہر کیا ہے کہ شیخ ہوگا یا پٹھان اس کو لازم ہے کہ ایک بات تحقیق کے ساتھ معین کر کے لکھے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
یکم رجب ۱۴۲۸ھ

سوال (۳۰) | نکاح بیری کی تعریف اور اس کا حکم |
تعریف نکاح بیری چیست و حکم آن چیست اگر شخصی نزد دو گواہان معتبر در خلوت با زنی ایجاب و قبول ساخت آیا حکم این نکاح بیری شد یا جبری؟

الجواب: نکاح بیری کہ ممنوع و باطل است آن است کہ درو شاہدین علاوہ ناکح و مشکوٰۃ نباشند و اگر شاہدین یا شہود حاضر باشند این جنس نکاح بیری باطل نباشد اما خالی از کراہت نباشد لان السنۃ فی النکاح الاعلان و لذلک اشہر لہ الدف و نحوه و فی الحدیث الفراق بین الحلال و الحرام الدف و لان فیہ القاء نفسہ فی التہمة و یتہمہ بالننا من لد یعلم بالنکاح و فی الحدیث اتقوا مواضع التہم، واللہ اعلم۔
۱۸ رجب ۱۴۲۸ھ

سوال (۳۱) | کسی عورت کو روپیہ سے خرید کر کے اس کا اپنے ساتھ نکاح اپنے ساتھ اس کا نکاح کرنا |
کرننا شرع کی رو سے جائز ہے یا ناجائز؟ سید کہ حضور والا اس سوال کے جواب مبارک سے مشرف فرمادیں گے۔

الجواب: آزاد عورت کو روپیہ سے خریدنا حرام ہے جائز نہیں اور اس سے جبراً نکاح کرنا حرام ہے اگر وہ اپنی خوشی سے نکاح کرنا چاہے تو نکاح درست ہو سکتا ہے خریدنے کے دباؤ سے ہرگز درست نہ ہوگا اور خریدنے کے گناہ سے توبہ کرنا لازم ہے، واللہ اعلم۔
۱۸ رجب ۱۴۲۸ھ

چار بیویوں میں سے ایک انتقال ہو جائے تو دوسری سوال (۳۲) | زید کی چار بیویاں تھیں ان میں سے ایک عورت سے بلا کسی مدت کے انتظار کے نکاح جائز ہے؟ انتقال کر گئی وہ دوسری ایک عورت سے بلا درنگ نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ہاں کر سکتا ہے کیونکہ مرد کے ذمہ عدت نہیں۔
سوال (۳۳) | لونڈی سے کراہت نکاح کی وجہ |
لونڈی سے کراہت نکاح کی وجہ | لونڈی سے کراہت نکاح کی منجملہ وجوہ کراہت سے ایک یہ بھی مرقوم ہے کہ لونڈی غیر کی مملوک ہے اگر کسی وقت شوہر اس کو اپنے پاس رکھنا چاہے اور اس وقت مالک اس سے خدمت لینا چاہے تو ضرور بے لطفی ہوگی اس خدمت سے صحبت کرنا مراد ہے یا اور کچھ؟

الجواب: خدمت سے مراد علاوہ استمتاع کے ہے فی الدسار و من عہدہ امتہ للحلال، لہ و طوہا فخرج المجوسیۃ و المکاتبۃ و المشرکۃ و منکوحۃ الخیر الموشامی ص ۵۶۲-۵۶۳۔ کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ۔

سوال (۳۴) | جب عورت مجلس نکاح میں موجود ہو |
جب عورت مجلس نکاح میں موجود ہو | جب عورت برقعہ پوش تہنہاد و مرد گواہوں کو شاہدوں کو نام وغیرہ بتلانا ضروری نہیں ہے |
کے سامنے کھڑی ہے اور گواہوں کو اس کا مطلق علم نہیں ہے کہ یہ کون ہے اور کہاں رہتی ہے صرف اتنا معلوم ہے کہ کوئی عورت ہے اس صورت میں۔ مرد ثالث جو عورت مذکورہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے یہ کہہ کر کیا مجھ سے تجھے نکاح منظور ہے عورت جواب دیتی ہے مجھے قبول ہے یا قبول کیا تو کیا از روئے شرع نکاح ہو گیا؟

(۲) صورت سابقہ میں اگر مرد گواہوں سے عورت مذکورہ کا پتہ بالکل نئے تو کس طرح ہے؟
(۳) اگر مرد عورت مذکورہ کا پتہ اس طرح جھوٹ بتلائے مثلاً گواہوں سے کہہ دے کہ یہ عورت اجمیر رہتی ہے اور اجمیر سے آئی ہے اور میں اس سے نکاح کرتا ہوں حالانکہ دراصل وہ عورت جو دھ پوری کی ہے اس کا جواب بھی لکھیں؟

الجواب: جب عورت سامنے موجود ہے تو شاہدوں کو اس کا نام وغیرہ بتلانا ضروری نہیں پس ہر صورت میں نکاح صحیح ہو جاتا ہے کما فی العالمگیریۃ ص ۱۶۶ وان کانت حاضرۃ متقبۃ ولا یعرفہا الشہود جاز النکاح وهو الصحیح۔ کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ۔
۱۸ رمضان شریف ۱۴۲۸ھ

عہ یہاں تک کے کل جوابات حضرت مولانا صاحب مدظلہم نے بھی التزاماً ملاحظہ فرمائے ہیں (باقی صفحہ آئندہ پر)

دلی کی طرف اضافت کی ایک صورت کا حکم | سوال (۳۵) ایک نکاح خوان نے مجلس نکاح میں لڑکی کے باپ سے کہا کہ تو نے اپنی لڑکی سکیہ اس عبد اللہ کے ساتھ نکاح کے لئے دی ہے اس کے لڑکے شریف اللہ کے لئے۔ لڑکی کے باپ نے کہا وہی ہے شریف اللہ کے لئے۔ پھر نکاح خوان نے عبد اللہ کو کہا تو نے قبول کی ہے اپنے لڑکے شریف اللہ کے لئے؟ وہ بولا میں نے قبول کی ہے شریف اللہ کے لئے۔ نکاح خوان نے اضافت نکاح کی عبد اللہ کی طرف کی ہے اور لڑکی کے باپ نے نہیں کی تو اعتبار نکاح خوان کے الفاظ کا ہوگا اور لڑکی کے باپ کے الفاظ بھی ان کے ساتھ مقید ہوں گے اور نکاح خود عبد اللہ کا منقہ ہو جائے گا نہ اس کے لڑکے شریف اللہ کا کما قال الشامی وبقی ایضاً قولہم زوجتک بنتی لابنک فیقول قبلت ویظہری انہ ینعقد للاب لاسناد الترویج وقول ابی البت لابنک معناه لاجل ابنک فلا یفید وکذا الوقال الآخر قبلت لابنک لابنک لابنک ایضاً۔ یا اعتبار لڑکی کے باپ کے الفاظ کا ہوگا اور نکاح عبد اللہ کے لڑکے شریف اللہ کا منقہ ہوگا نہ عبد اللہ کا۔ کما قال الشامی نعم لو قال اعطیتک بنتی لابنک فیقول قبلت فالظاهر انہ ینعقد لابن لان قوله اعطیتک بنتی لابنک معناه فی العرف اعطیتک بنتی زوجة لابنک وهذا المعنی وان کان هو المراد عرفاً من قولہم زوجتک بنتی لابنک لکنہ لا یساعد اللفظ کما علمت والذیہ وحدها لا تنفع کما مر و اللہ سبحانہ اعلم۔

حاصل سوال یہ ہے کہ نکاح بطریقہ مذکورہ عبد اللہ کا ہوا ہے یا اس کے لڑکے شریف اللہ کا؟
بتینا الوجه اللہ العظیم فانہ یجزی بمغفرة و رزق کریم

الجواب؛ صورت مسئلہ میں شریف اللہ کا نکاح صحیح ہو گیا ہے اور نکاح خوان کے کلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس سے آگے حضرت دالانے فرمت نہونے کے باعث التزام ترک فرما دیا صرف استاذی
المکرم جناب مولوی ظفر احمد صاحب التزاماً ملاحظہ کرنے لگے۔ ۱۲ منہ

البتہ کوئی جواب مولانا مظفر کی تحقیق کے خلاف نہیں لکھا جاتا بلکہ جو نیا سوال ہو اس کو زبانی دریافت
کر کے لکھا جاتا ہے اور کہیں کہیں ملاحظہ کی نوبت آتی ہے تو وہاں تصریحاً اس کو ظاہر کر دیا جاتا ہے۔

یعنی حضرت والاد استمطاب ثبت فرمادیتے ہیں۔ ۱۲ احقر عبد الکریم عفی عنہ۔

۱۲ رمضان ۱۳۲۸ھ

میں جو ساتھ نکاح کے واقع ہے وہ شریف اللہ سے متعلق کہا جائے گا پس زوجتک بنتی لابنک پر اس کا قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کما لا یغنی و نیز اس استفہام کو تو ایجاب نہیں کہہ سکتے بلکہ ایجاب وہ ہے جو دلی نے کہا ہے اور دلی کے قول میں عبد اللہ کے نکاح کا احتمال تھا اور رہا یہ شبہ و کذا الوقال الآخر قبلت لابنک لابنک ایضاً معلوم ہوتا ہے کہ قول اول کا اعتبار ہوتا ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ قول اول سے مراد ایجاب ہے قبول ایجاب کے تابع ہوگا قول دلی کو قول نکاح خوان کے تابع کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے واللہ اعلم۔ احقر عبد الکریم عفی عنہ۔
الجواب صحیح۔

ظفر احمد عفا عنہ، ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۲۸ھ

مسئلہ نکاح | سوال (۳۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی بارات مسماۃ ہندہ سے نکاح کرنے کے لئے گئی عقد کے وقت زید کے ولی سے دریافت کیا گیا کہ زید نابالغ ہے یا نابالغ تو زید کے ولی نے کہا کہ نابالغ ہے اس کے بعد پوچھا گیا کہ زید کا باپ کہاں ہے تو معلوم ہوا کہ زید کا باپ نہیں آیا ہے بلکہ اس نے ایک شخص کو یعنی بکر کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا ہے تب بکر سے دریافت کیا گیا کہ تم کو زید کے باپ نے اپنا قائم مقام بنایا ہے تو بکر نے کہا کہ ہاں ہم کو اس کے باپ نے اپنا قائم مقام بنایا ہے اس کے بعد لڑکی والوں کی طرف سے دین مہربلخ یا پھیور روپیہ کہا گیا تو لڑکے کے ولی نے انکار کیا آخر کار بصد ہو کر مبلغ ۵۰ روپیہ دین مہر سے کم کر دیا غرضیکہ مبلغ چار سو پچاس روپیہ دین مہر قرار پایا چونکہ لڑکے کو نابالغ کہا گیا تھا اس لئے لڑکے سے ایجاب و قبول نہیں کرایا گیا بلکہ اس کے باپ کے کیا یعنی بکر سے کرایا گیا بکر نے کہا کہ ہاں ہم اس لڑکے کے لئے قبول کرتے ہیں۔ زید جس کا عقد ہو رہا تھا اسی مجلس میں موجود تھا اور سب باتوں کو سن رہا تھا سب باتیں اس کے روبرو ہوئیں۔ بعد عقد لڑکی والوں نے باتوں کو کھانا ڈھیر کھلایا کھانے کے بعد بارات والوں نے بہت اصرار کیا کہ بیاہ کے ناجائز رسومات بھی ادا ہونے چاہئے مگر لڑکی والوں نے صفا انکار کر دیا۔ کہ ہم سے یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ ہم ناجائز رسومات ادا کریں آخر کار بارات والے مجبور ہو کر چپ ہو رہے۔ بعد نماز فجر لڑکی والوں نے بارات والوں کو خبر دیا کہ تم لوگ سواری منگواؤ اور لڑکی رخصت کرا لے جاؤ۔ تب بارات والوں نے کہا کہ ہم کو معلوم نہیں تھا کہ صبح کو رخصت ہوں گے اس لئے ہم اس وقت نہیں جاسکتے مگر لڑکے کے ولی نے زید کے روبرو کہا کہ اچھا تم سواری منگاتے ہیں تو لڑکی رخصت کرا کے ہم لوگ اسی وقت چلے جائیں گے لڑکا یعنی زید یہ سب

باتیں بھی سن رہا تھا کچھ دیر ہو گئی مگر سواری نہیں آئی تو لڑکے کے باپ آئے اور اظہار رنج و افسوس کیا کہ رات کو بیاہ کر رسم کیوں نہیں ادا ہوا اور صبح کو کیوں رخصت کرتے ہیں۔ جب تک سدا والوں نے جہیز برتن نقد روپیہ جو کچھ دینا تھا کیل کے سپرد کر دیا۔ لڑکے کے باپ اور بکر جو وکیل باپ کی طرف سے تھا۔ سبہوں نے اس جہیز کو منظور کر کے لے لیا۔ اور بات واپس لے کر گھر چلے آئے۔ اور چلتے وقت یہ کہا کہ سواری اس وقت کہیں چلی گئی ہے ہر وقت نہیں مل سکتی ہم شام کے وقت سواری بھیج کر لڑکی رخصت کرالیں گے۔ لڑکی والے نے شام تک انتظار کیا مگر سواری نہیں آئی قریب چار بجے آدمی جاتا ہے کہ عدہ ہوئی ہے جو چنانچہ اسی وقت لڑکی کے والد سواری والوں کے پاس گئے کہ تم لوگ سواری لے جاؤ مگر اس وقت بھی سواری نہیں آئی اس کی چونکہ طبیعت اور منشاء کے مطابق نہ تو دونوں وقت لڑکی والے نے کھانا کھلایا۔ اور بیاہ کے رسومات ادا کئے اس لئے لڑکے کے گھر والوں کو اسکی افسوس تھا اس لئے یہ کہنے لگے کہ ابھی نکاح نہیں ہوا کیونکہ لڑکا بالغ ہے۔ اور لڑکے سے ایجاب و قبول نہیں کرایا گیا اس لئے ہم لوگ دوبارہ بارات لے جائیں گے۔ اور عقد کریں گے اور رسم درسومات ادا کریں گے تب لڑکی کو رخصت کریں۔ زید کے گھر والوں نے یہ سب باتیں اس روز شام تک اور بارات رخصت ہونے سے قبل کچھ نہیں کہا تھا کہ ابھی نکاح نہیں ہوا اس لئے ہم لوگ لڑکی رخصت نہیں کرائیں گے اور نہ لڑکے نے کچھ کہا بعد میں یہ سب تدبیریں رسم ادا کرنے کے لئے سوچی گئیں۔ تو کیا از روئے شرع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پہلا نکاح معتبر ہوا یا نہیں؟

تنقیحات

(۱) لڑکے کی عمر کیا ہے اور اس کی صورت سے آثار بلوغ ظاہر ہوتے ہیں یا نہیں؟

(۲) لڑکا یعنی زید اپنے کو بالغ کہتا ہے یا نابالغ؟

(۳) نکاح ہو جانے کے بعد زید سے ایسے افعال ظاہر ہوئے یا نہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اس کے نزدیک نکاح ہو چکا مثلاً دوستوں نے نکاح کی مبارکباد دی ہو اور اس نے خوشی کا اظہار کیا ہو یا اور کوئی رسم نکاح کی ایجاب و قبول کے بعد کی گئی ہو اور اس میں اس نے حصّہ لیا ہو؟

جواب تنقیحہ: (۱) لڑکے کی عمر سترہ اور اٹھارہ کے درمیان ہے۔

(۲) زید اپنے کو بالغ کہتا ہے۔

(۳) نکاح کے بعد زید نے لڑکی کی طرف سے انگوٹھی پہننا نکاح کا رومال کندھے پر رکھا اور نکاحانہ روپیہ لیا۔ جیسا کہ دستور ہے کہ نکاح ہو جانے کے بعد اسی مجلس میں دو ایک روپیہ

اور انگوٹھی دو رومال دیا جاتا ہے اور نکاح کے بعد دوسرے روز دس بارہ رومال اور چند روپیہ بھی دیا جاتا ہے ان سب رسم کو زید نے ادا کیا اور ان چیزوں کو منظور کیا۔

الجواب

صورت مسئلہ میں چونکہ لڑکا بروقت نکاح بالغ تھا جیسا کہ جواب تنقیحہ میں اس کی عمر سترہ اٹھارہ سال کے درمیان بتلائی گئی ہے اور لڑکے نے نکاح کے بعد ایسے افعال کئے جو اجازت نکاح پر دال تھے مثلاً انگوٹھی پہننا اور نکاحانہ لینا اور سلامی کے روپیہ لینا لہذا اس نے زبان سے ایجاب و قبول نہیں کیا مگر عملاً نکاح کو نافذ کر دیا ہے لہذا یہ نکاح نافذ و کامل ہو چکا اب لڑکے والوں کا یہ کہنا کہ نکاح نہیں ہوا ہم دوبارہ بارات لے جائیں گے غلط ہے واللہ اعلم۔

۱۷ محرم ۱۳۲۹ھ

فصل فی المحرمات

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ہجرت و اجتماعت اس امر میں کہ سگی ممانی اور سگی چچی سے نکاح جائز ہے یا کہ ناجائز موافق حکم شرع کے ارشاد فرمادیں؟

الجواب: سگی ممانی اور سگی چچی سے نکاح بعد گزرنے عدت کے جائز ہے۔

۳ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

سوال (۲) زنی بعد از مطلق شدن و عدت گذاردن کو چچہ

گرد شد تعلق ناجائز با چند کسان می داشت ازین تعلق اوراد ختری زانیہ بعد از زانیہ نش بہ کی از تعلق داران پیشین نکاح کرد اکنون ناکح می خواہد کہ نکاح پسربالغ خود بہین مولودہ بالغہ کہ در ایام بدکاری زانیہ است کند شرعاً می توان شد و یا نہ در مختار صفحہ ۲۸۳ حرم علی المتزوج ذکر آکان او اتنی نکاح اصلہ و فرعہ علا و نزل و بنت اخیہ و اختہ و بنتہا و لومن زنا (رد المحتار) ای بان یزنی النانی بیکہ و یمسکھا حتی تلد منہ بحر عن الفتم قال الحانوتی ولا یتصور کونہا ابنۃ من النانی الا بذلک اذ لا یعلم کون الولد منہ الا بہ اہ ای لانہ لولم یمسکھا یمسکھا یا یحتمل ان غیرہ زنی بہا لعدم الفراش النانی لذلك الاحتمال۔ ازین عبارت جواز مفہوم می شود چرا کہ در صورت مسئلہ بکارہ و امساک منتفی است (رد المحتار ۲۸۷) قال فی البحر اراد بمرصۃ المصاہرۃ المحرمات الاربع حرمۃ المرأة علی اصول النانی و فرعہ

نسباً ورضاعاً وحرمة اصولها ورضوعاً كما في الوطى
 الحلال ويحل لا اصول الناني ورضوعه اصول المناني بها ورضوعها -
 از اینجا هم جواز فهمیده می شود آنچه حکم شرع است از آگاه فرمائید؟
 الجواب؛ در صورت مستوله مذکوره نکاح پسر بالغ ناکح با مولود منکوحه او که در ایام
 بیکاری زانیه است جائز نیست که خلاف احتیاط است قال الشامی بعد العبارة المذكورة
 في السؤال (تنبيه) ذكر في البحر انه دخل بنت الملاءنة ايضاً فلها الحكم البنت
 هنا لانه بسبيل من ان يكذب نفسه ويدها فيثبت نسبها منه كما في الفتم
 قال وقد منافي باب المصرف عن المعراج ان ولد المولد الذي نفاه
 لا يجوز دفع النكاح اليه ومقتضاه ثبوت البنينة فيما يبني على الاحتياط فلا يجوز
 لولده ان يتزوجها لانها اخته احتياطاً وتوقف على نقل اه (ص ۲۵۲ ج ۲) -
 قلت والاحتياط في باب الفروج لازم فما قاله في الفتم والمعراج لا تخالفه
 القواعد ومقتضاه ما قاله في البحر من ثبوت البنينة فيما مبناه على الاحتيا
 فيلزم الاخذ به احتياطاً.

(تنقيح) قال الشيخ قياسه على بنت الملاءنة قياس مع الفارق.

قلت ولما قس المسئلة على حكمه ببت الملاءنة وولد المولد الذي
 نفاه بل بنيت الجواب على قول البحر بعده ومقتضاه ثبوت البنينة فيما يبني
 على الاحتياط (معناه في امور مبناها على الاحتياط كتاب الفروج حيث
 فرغ عليه بقوله) فلا يجوز لولده ان يتزوجها لانها اخته احتياطاً
 وهذا القول بعمومه يوجب ثبوت البنينة في الصورة المسئلة احتياطاً
 واما قوله وتوقف على نقل فالجواب عنه ان هذا الحكم الكلي بهذا

عه واستدلال ما ل عبارته بغيره نیست فان معنى قوله ويحل لا اصول الناني و
 رضوعه اصول المناني بها ورضوعها. اي الاصول والفروع التي هي اصول ورضوع
 للمناني بها فقط ودليل ذلك قوله كما في الوطى الحلال بعد ذلك وفي الصورة المسئلة
 بنت المناني بها فيها شبهة كونها بنت الاب ومخلوقة من مائه ايضاً فان ترقا ۱۲ ظ

اللفظ وان لم يرضع مقولاً ولكن احتياط الاثمة في باب الفروج تفيد كيف لا
 وظاهر الرخاية ان الوطى الدبر لا يوجب حرمة المصاهرة وكذلك لو
 افضاها لعدم تيقن كونه في الفرج ما لم تجبل منه ذكره في الدر (ص ۲۶۱ ج ۲)
 ولكن في حاشية الاشياء للحوى اقول ذكر شمس الاسلام انه يقضى بالحرمة
 احتياطاً اخذ بقول بعض المشائخ انتهى وهو لطيف حسن اذ لا يكون الوطى
 في الدبر اذ لا حال من مسه وهو ثبت به الحرمة فلان ثبت به اولى
 اذ فيه مس وزيادة اه (ص ۳۵۷) واما في الافضاء فقد ذكر في الفتم عن
 ابى يوسف قال اكره له الام والبنت وقال التترة احب الي اه (ص ۱۲۶ ج ۲)
 وفي كل ذلك دليل على غاية الاحتياط في هذا الباب ولا يخفى ان بنت
 المننية التي لم يمسكها الناني عن غيرها وان لم يتيقن بكونها مخلوقة
 من مائه ولكن فيها شبهة ذلك حتماً فثبت مننية الرجل في صورة السؤال
 اخت ولده احتياطاً والله تعالى اعلم. حرره الاحقر ظفر احمد عفا عنه -
 ۲۱ محرم ۱۲۵۵ هـ

(خلاصة) كلام ابن است که بمقتضای کلام آن مشائخ که قیداً مساک مننیه افرو
 دو اند بدون امساک ثبوت بنیت دخترش از زانی بعبداست و مقتضای تنبیه شامی
 آنست که بدون امساک هم ثبوت بنیت بعبداست بلکه بنا بر احتیاط این احتمال هم قریب
 است و در باب احتیاط احتمالات قریبه معتبر و احتمالات بعیده غیر معتبر است پس کسیکه
 بدون امساک هم ثبوت بنیت را بعید نشمارد فتوی بعد جواز خواهد داد و رجحان احقر
 کاتب حروف بهین جانب است. اما رجحان خاطر حضرت حکیم الامت دامت برکاتهم بسوء جواز
 نکاح پسر زانی باین دختر زانیه است بمقتضای عبارت مذکوره سوال گوینا بر تنزه و
 احتیاط از این نکاح احتراز نزد ایشان هم اولی است فقط - ۲۲ محرم ۱۲۵۵ هـ

بجای کی بیوه سے نکاح جائز ہے | سوال (۱۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص
 کے بھتیجے کا انتقال ہو گیا اس نے زوجہ چھوڑی اس شخص کی عورت بیوہ یعنی بھتیجے کی زوجہ سے عقد
 جائز ہے یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا۔
 الجواب؛ اگر بھتیجے کی بیوہ سے اس شخص کی اور کوئی قرابت محرمہ نہ ہو مثلاً وہ بیوہ خود

اس کی بھتیجی اور بھانجی ہو تو محض بھتیجی کی بیوی ہونے سے وہ اس پر حرام نہ ہوگی بلکہ اس سے نکاح درست ہے بشرطیکہ بیوہ دل سے راضی ہو اس پر کسی قسم کا جبر نہ کیا جائے جیسا کہ بعض قوموں میں رواج ہے کہ ان کے خاندان میں کوئی عورت بیوہ ہو جائے تو وہ اپنے اختیار سے خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی بلکہ خاوند کے خاندان والے جہاں چاہیں نکاح کر دیتے ہیں چاہے بیوہ راضی ہو یا نہ ہو۔ اور اگر یہ بھتیجی کی بیوہ اس شخص کے ساتھ قرابت محرمہ بھی رکھتی ہے یعنی وہ بھی اس کی بھتیجی یا بھانجی ہے تو اس سے نکاح نہیں ہو سکتا واللہ اعلم۔

جمع بین الاختین کے متعلق | سوال (۴) خالد نے ایک نکاح کیا زینب بنت بکر کے ساتھ بعد ایک استفتاء کا جواب | فوت ہونے بکر کے بی بی اس کی نکاح ثانی کیا ساتھ زید کے اور زید

سے ایک لڑکی پیدا ہوئی ہندہ نامی لیکن جس روز لڑکی پیدا ہوئی اسی روز مادرِ مخترا انتقال کر گئی اور مطلق دودھ اپنی ماں کا پیا نہیں بلکہ غیر کے دودھ سے پرورش پا کر بالغ ہوئی اور نکاح اس کا ساتھ ایک دوسرے شخص کے ہوا تھا لیکن شوہر کے انتقال ہونے کے بعد قریب تین سال تک بیوہ رہی اب وہی خالد مذکور جو شوہر زینب کا ہے اس کے ساتھ نکاح کیا نکاح صحیح ہو گیا نہیں۔ آیت ان تجتمعوا بین الاختین سے ثابت ہوتا ہے کہ حرام ہے اور رضا کی شرط ہے کہ نہیں اخیا فی میں؛ فقط والسلام۔

الجواب؛ صورت مسئلہ میں ہندہ چونکہ زینب کی اخیا فی بہن ہے اس لئے خالد کو زینب کے ساتھ ہندہ کا جمع کرنا جائز نہیں وان تجتمعوا بین الاختین میں اخت یعنی وعلانی و اخیا فی سب مراد ہیں جیسا کہ اخوات تکم میں۔

اور جب وہ نسب کے اعتبار سے بہن ہے تو رضاع کی کیا ضرورت جیسا کہ حقیقی بہن اگر اپنی ماں کا دودھ نہ پیے تب بھی وہ بہن ہے۔ عبد الکریم عفی عنہ۔

الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ۔ | سوال (۵) بکر کی دو بیٹیاں ہیں ایک کو زید کے ساتھ بیاہ کر دیا بعد دو طیار برس کے زید نے دوسری بیٹی کو بھی نکاح کر لیا پس دونوں میں ایک ساتھ نکاح کرنا حرام ہے کیا؟ دونوں حرام ہوگا؛ اور پہلی عورت کے بطن سے جو لڑکی پیدا ہوئی ہے کیا وہ حرامی ہوگی؟

الجواب؛ زید نے جب اپنی سالی سے نکاح کر لیا تو وہ نکاح تو باطل ہوا لیکن جو بہن

زید کی پہلے سے بیوی سے اس کا نکاح باقی ہے اور وہ بدستور حلال ہے لیکن اگر زید دوسری منکوحہ سے وطی کر چکا ہے تو پہلی منکوحہ سے بھی وطی حرام ہے یہاں تک کہ دوسری کو جدا کر دے اور اس کی عدت گزر جائے پس ہر حال میں لازم ہے کہ دوسری منکوحہ کو الگ کر دے اور اگر اس سے صحبت ہو چکی ہے تو اس کی عدت ختم ہونے تک اپنی بیوی سے بھی بستر نہ ہو کہما فی الدس المختار (وان

تزوجہما معاً) ای الاختین اور من بمعناهما (ادبعقدتین ونسی) النکاح الاول فرق القاضی (بینہ و بینہا) وقال الشامی تحت قوله (ونسی الاول) فلو علم فہو الصحیح والثانی باطل ولہ وطی الاولی الا ان یطأ الثانية فتحرم الاولی الی انقضاء عدة الثانية کما لو وطی اختاً مسأته بشبهة حیث تحرم

امراًتہ ما لم تنقض عدة ذات الشبهة ۶ عن البحر (ص ۲۳۸)۔ اور تفریق کی صورت یہ ہے کہ طلاق دیدے یا زبان سے کہے کہ میں نے تجھ کو الگ کر دیا اور اگر ہم بستر نہیں ہوتی تو فقط علیحدہ ہو جانا بھی کافی ہے زبان سے کچھ کہنا ضروری نہیں اور کسی حال میں قصار قاضی شرط نہیں ہے بلکہ عورت خود بھی علیحدہ ہو سکتی ہے چاہے مرد الگ کرے یا نہ کرے کہما فی تنویس الابصار و مبدأ ما بعد التصریق اذ اظہار العزم علی ترک وطئہا فی الدس تحتہ بان یقول بلسانہ ترکک ونحوہ ومنہ الطلاق وانکار النکاح لو بحضرتہا والا لا، لا مجرد العزم لو مدخولۃ والا لیکفی

تصرف الابدان وقال الشامی تحت قول الدس (العزم) من النزوح قال فی البحر ورجحنا فی باب المہم انہا تکون من المراءة ایضاً (ص ۱۰۰) | سوال (۶) ایک شخص ایک عورت سے بحالت باکرہ و عروس زین بڑی

فروع من زینب سے جائز ہے کرتا رہے دونوں کا نکاح غیر مرد غیر عورت سے ہو گیا ہے اور ان کی اولاد پیدا ہوئی کچھ عرصہ بعد عورت مذکورہ کا خاوند فوت ہو گیا اسی عورت نے اسی مرد مذکور جس کے ساتھ زینا کرتی رہی ہے نکاح کر بیٹھی، آیا! اب مرد کی اولاد سے اور اس عورت کی اولاد میں نکاح درست ہو سکتا ہے۔

الجواب؛ اس مرد کی اولاد کا نکاح اس عورت کی اولاد سے جائز ہے فی الشامی عن البحر ویحل لاصول النانی ورضوعہ اصول المنانی بیہا ورضوعہا ۱۱

الجواب؛ زید نے جب اپنی سالی سے نکاح کر لیا تو وہ نکاح تو باطل ہوا لیکن جو بہن

وقال الشامي مثله ما قد مناه قريبا عن القهستاني عن النظم وغيره وقوله
يحل اي كما يحل ذلك بالوطى الحلال (ص ۲۵۸ ج ۱۲)

الفتا سوال (۷) حق بائی ایک مرد دوسرے ل مرد کی عورت سے بدکاری کرتا تھا
حق کے مرنے کے بعد اس کی عورت حق کی فرزند کی دل کی دختر سے شادی کر دیا ہے یعنی زانی مرد
کا بیٹا اور مزنیہ کی بیٹی یہ آپس میں شادی کر لی گئی ہے اب یہ نکاح درست ہے یا نہیں اور وہ آپس
میں مرد و عورت ہو کر ہیں یا نہ رہیں؟

الجواب؛ زانی کے بیٹے کا نکاح مزنیہ کی دختر کے ساتھ جائز ہے کما فی الشامی
ص ۲۵۸ ج ۲ ناقل عن البحر ويحل لا اصول الزانی وفسو وعه اصول المنی بیها
وفسوء عها ومثله ما قد مناه قريبا عن القهستاني عن النظم وغيره و
قوله ويحل الخ ای کما يحل ذلك بالوطى الحلال الخ
عبد الکریم عفی عنہ - ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۲۲ھ

سو تیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے سوال (۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین
ان میں کہ سو تیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے یا نہیں یعنی سو تیلی ماں ہو اور اس اپنی سو تیلی ماں
کی بہن سے نکاح کر سکتے ہیں یا نہیں جواب تحریر فرماویں؟

الجواب؛ سو تیلی ماں یعنی باپ کی وہ بیوی جو اپنی ماں نہیں ہے اس شخص پر اس لئے حرام
ہے کہ وہ موطورۃ الاب ہے اور سو تیلی ماں کی بہن میں یہ علت نہیں اس لئے سو تیلی ماں کی
بہن سے نکاح جائز ہے۔
۲۲ رمضان شریف ۱۳۲۵ھ

سالی سے بیوی کے انتقال کے فوراً بعد نکاح سوال (۹) یہاں علماء دین ایک مسئلہ میں مختلف
جائزہ یا اس کے لئے کسی خاص دفعہ کی ضرورت ہے
جسکو رہے ہیں مسئلہ یہ ہے کہ زوجہ مرنے کے بعد زوجہ کی
بہن نکاح کرنے میں مرد کو عدت پالنا ہوگا یا نہیں اور عدت کے اندر یا بعد ایک دن کے زوجہ کی بہن
کے ساتھ نکاح جائز ہے یا نہیں اور کتاب شامی میں یہ عبارت تحریر ہے ماتت امرأتہ له
التزوج باختها بعد یوم من موتها کما فی الخلاصة عن الاصل وکذا فی المبسوط
لصدرا الاسلام والمحیط للسخی والبحر التاریخانیۃ، اور اس کے نیچے پھر یہ
عبارت لکھا واما ما عزی الی النطف من وجوب العدة لا یعمد علیہ والتفصیل فی
کتبنا تنقیح الحامدیة۔

اور دوسری کتاب فتاویٰ برصہ میں یہ عبارت لکھا:

اما بعد وفات زوجہ یا خواہر اور برونے روایت بخین خامسہ بعد از مردن رابعہ۔
پس اس عبارت کے موافق عدت واجب ہوگا یا نہیں فتویٰ وجوب پر یا غیر وجوب پر صحیح حوالہ
عبارات کتب فیصلہ فرماویں! اجر دارین یا بند۔

الجواب؛ قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیة سئل فی رجل ماتت
زوجته المدخول بیها ولها اخت فهل له تزوج اختها بعد موتها یوم
الجواب نعم کما فی الخلاصة عن الاصل للامام محمدؒ وکما فی المبسوط
لصدرا الاسلام کما نقله عنه القهستاني والمحیط للامام السخی والبی
والتاریخانیة عن السراجیة وفتاوی الانقروی وقدری أفندی و
مؤید فادہ ومجمع الفتاوی وصرۃ الفتاوی ومجمع المنتخبات و
غیرها من الکتب المعتبرة واما ما عزی الی النطف من وجوب العدة علیہ
فلا یعمد علیہ وکتب تحت الجواب ما صورته قلت ھ

لعمرك ما كل القول صحیح ولا كل خيل في المودة ناصح
عليك باقواها دليلاً وماخذ وما هو في الكتب الشهيرة راجح
ولا تعتمد الا صدقاً ما جرباً وكن حامداً لله فالامر واضح الخ
(ص ۱۸ ج ۱)

قلت والتقييد بيوم اتفاني والا فالظاهر الجواز بعد موت زوجته
معاً لان العلة انقطاع النكاح بينهما بالموت فلا يكون بذلك جامعاً
بين الاختين نكاحاً والله اعلم.
ان عبارات سے واضح ہے کہ زوجہ کے مرنے کے بعد عدت کے اندر یا موت کے ایک دن
بعد اس کی بہن سے نکاح جائز ہے۔
۷ رجب ۱۳۲۶ھ

سو تیلی والی بہن سے نکاح جائز ہے سوال (۱۰) زید کی پہلی بیوی سے (جو فوت ہو چکی) ایک بالغ
لڑکا موجود ہے کیا زید اپنی موجودہ دوسری بیوی سے اپنے فرزند بزرگ کا عقد کر سکتا ہے؟
یعنی بزرگ کا نکاح اس کی سو تیلی خالہ سے ہو سکتا ہے یا نہیں

الجواب؛ ہاں بزرگ کا نکاح اس کی سو تیلی خالہ سے جو اس کی سو تیلی ماں کی بہن سے جائز ہے

فان اخت الموطوءة للاب ليس لها ذكر في المحرمات والله اعلم

اپنے بیٹے کی بیوی کی بہن | سوال (۱۱) زید کی دو لڑکیاں ہیں۔ بکر نکاح کرنا چاہتا ہے ایک کو سے نکاح جائز ہے اور ایک اپنے فرزند سے کیا باپ بیٹے دونوں زید کے دو لڑکیوں سے نکاح کر سکتے ہیں یا نہیں مطلع کریں؟

الجواب؛ یہ صورت نکاح جائز ہے۔ اس میں کچھ حرج نہیں کہ باپ اپنے بیٹے کی بیوی کی بہن سے نکاح کرے فان اخت حلیلة الابن ليست من المحرمات فی شیء، والله تعالیٰ اعلم۔ ۲۰ شعبان ۱۴۲۶ھ۔

ماں کے شوہر کی بیٹی | سوال (۱۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ سے نکاح جائز ہے

میں کہ بکر نے ہمراہ خدیجہ نکاح کیا چند ماہ کے بعد بکر نے مسماة خدیجہ کو طلاق دے دی بعد بکر نے ہمراہ فاطمہ نکاح کیا اور خدیجہ نے بعد انقضائے عدت کے ہمراہ عمر نکاح کیا۔ بکر کے بطن فاطمہ سے ایک لڑکی عائشہ پیدا ہوئی اور عمر کا بطن خدیجہ سے ایک لڑکا سسی ولید پیدا ہوا تو کیا صورت متذکرہ بالا میں بروئے شرع محمدی کے ولید کے نکاح میں مسماة عائشہ آسکتی ہے یا نہ بینوا بالصفیة والکتاب توجب وعند الوهاب؟

تنقیح :- بکر اور عمر اور خدیجہ اور فاطمہ میں باہم کیا قرابت ہے اگر کوئی قرابت نہیں تو اسی کو ظاہر کیا جائے سوال ناتمام ہے اس لئے جواب نہیں دیا جاسکتا فقط۔ ۱۰ رجب ۱۴۲۶ھ

الجواب عن التنقیح :- بکر اور عمر اور خدیجہ اور فاطمہ میں کوئی اور قرابت نہیں صرف یہ کہ خدیجہ پہلے بکر کے زوجہ تھی بعد خدیجہ کو بکر نے طلاق دیدی بعد انقضائے عدت کے خدیجہ نے نکاح ثانی ہمراہ عمر کیا تھا اور بکر نے نکاح ہمراہ فاطمہ کیا دوسرے خاوند کے گھر مسماة خدیجہ کے ولید لڑکا پیدا ہوا اور بکر کے دوسری عورت مسماة فاطمہ سے عائشہ لڑکی پیدا ہوئی تو عائشہ اور ولید کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے یا نہ؟

الغرض صرف بکر اور خدیجہ کی قرابت سابقہ بطور زوجیت کے تھی اور کوئی قرابت نہیں والسلام مع الاکرام

الجواب؛ صورت مسئلہ میں عائشہ کا نکاح ولید کے ساتھ جائز ہے۔ کیونکہ یہ عائشہ اس ولید کی ماں کے شوہر کی بیٹی ہے اور وہ حرام نہیں، قال فی الحدیث: وام ابنت

زوجة اخته وابنه فحلل ام و فی رد المحتار: قال الخیر السلی ولا تحرم بنت زوج الام ولا امه ولا ام زوجة الاب ولا بنتها ولا ام زوجة الابن و

لا بنتها ولا زوجة السبیب ولا زوجة الراب اه (ص ۲۷۲۵۶) - ۲۳ رجب ۱۴۲۶ھ سوال (۱۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید سے نکاح جائز ہے

و عمر آپس میں علی الترتیب حقیقی باپ بیٹے ہیں نیز زید کی بیوی یعنی عمر کی والدہ فوت ہو چکی ہے۔ اب زید اپنا نکاح ہندہ نامی عورت سے کر چکا ہے اور ہندہ کی حقیقی بہن کو اپنے لڑکے کی زوجیت میں دینا چاہتا ہے جو بعد نکاح ہو جانے کے ہندہ اور اس کی حقیقی بہن آپس میں ساس اور بہو ہو جائیں گی ایسی صورت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے اس مسئلہ کا جواب باصواب مستند کتب کے حوالہ سے تحریر فرما کر ارسال فرمادیں فقط بینوا توجبوا۔

الجواب؛ یہ صورت جائز ہے کیونکہ باپ کی بیوی کی بہن محرمات میں سے نہیں ہے اس سے بیٹے کا نکاح درست ہے وجوز ذلك مما لا یخفی علی من له نظر فی الفقہ والله اعلم۔

بتاریخ ۲۳ شوال ۱۴۲۶ھ

بیوی کے انتقال کے بعد فوراً | سوال (۱۴) ما قولکد رحمتکد الله اس کی بہن سے نکاح جائز ہے

زید کی بی بی انتقال کر گئی اس کی بہن کے ساتھ فی الفور اس کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب؛ ہاں کر سکتا ہے مرد کے ذمہ عدت کا انتظار طلاق اخت و طلاق رابعہ میں ہے موت اخت و موت رابعہ میں نہیں۔

ساس کی سوتیلی ماں محرمات | سوال (۱۵) ساس کی سوتیلی ماں محرمات میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب؛ محرمات میں سے نہیں ہے جیسا کہ بیوی کی سوتیلی ماں حلال ہے فی العالمگیریة (ص ۲۷۸) ویجوز الجمع بین امراة و بنت زوجہا پس بیوی کی ماں اور نانی داوی حرام ہے اور بیوی کے باپ دادا نانا کی منکوحہ حرام نہیں ہے۔ فقط احقر عبد الکریم عفا عنه

الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنه، ۱۱ رجب ۱۴۲۶ھ

حکم نکاح دختر پسر اخت | سوال (۱۶) دختر پسر اخت عینیہ و غلاتیہ و اخیافیہ رانکاح کردن رواست

عینیہ و غلاتیہ و اخیافیہ یا نہ، و از بنات الاخت بنات ابن الاخت داخل باشد یا چہ بشرط ارشاد فرمائید؟

الجواب: بنات الاخت میں بنات ابن الاخت و بنت الاخت سب داخل ہیں ولو سفلن
جیسا کہ بنا تکد میں بنت الابن و بنت داخل ہیں، واللہ اعلم حرره الاحقر عبدالکریم عفی عنہ ۲۵ سوال
مزنیه کے لڑکے سے جو زانی کے نظف سے ہو | سوال (۱۷) زید کے ایک حلال زوجہ سے لڑکی ہے زینب
زانی کی لڑکی کا نکاح حرام ہے اس کے بعد زید نے ہندہ سے زنا کیا تو ایک لڑکا عمر پیدا ہوا،
سوال یہ کہ عمر و کا نکاح زینب سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: قال الشامی تحت قول الدس (وبنتها) ولو من نفا واما التحريم
على ابناء الزانی و اولادها فلا اعتبار الجنثية - این معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ میں عمر و کا
زینب سے نکاح حرام ہے۔ کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ، مورخہ ۲۹ رجب ۱۳۵۶ھ
باپ کی مرنی سے نکاح جائز ہے | سوال (۱۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جس
کا لڑکا پانچ سالہ موجود تھا ایک عورت حاملہ من الزنا سے حالت حمل میں نکاح کیا مگر حمل کسی اور شخص کا
تھا اسی واسطے اس شخص نے حکم شرعی کے موافق اس عورت کے ساتھ تا وضع حمل قربت وغیرہ نہیں کی
نکاح کو چھ ماہ گذرے تھے کہ اس حمل سے لڑکی پیدا ہوئی اس کو انہیں دونوں نے پرورش کیا اور
لڑکی کو اس کی ماں نے ہی دودھ پلایا اور اس لڑکی کی مدت رضاع تک کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا اب
لڑکی قریب البلوغ ہے کیا یہ شخص اس لڑکی من الزنا کا نکاح اپنے لڑکے کے ساتھ جو دوسری بیوی سے
ہے کر سکتے یا نہیں؟ بیٹو اور جوڑا۔

الجواب: صورت مسئلہ میں نکاح اس لڑکی کے ساتھ اس شخص کے بیٹے سے ہو سکتا ہے کیونکہ
وہ لڑکی اس شخص کی صرف ربیبہ ہے نہ اس سے اس کا نسب ثابت ہوا ہے (لانہا ولدت لاقول
من ستة اشھم) اور نہ اس شخص کی رضیعہ ہے (لان اللبن ليس منه) اور صرف ربیبہ
ہوتے ہوئے اپنے بیٹے سے نکاح جائز ہے، واللہ اعلم۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ۔ یکم ربیع ۲۸۵۶ھ۔
رضیعہ مزنیه سے نکاح حرام ہے | سوال (۱۹) زید نے ہندہ سے بعیہ مدت گزری ہے کہ زنا کیا تھا۔
اب ہندہ کو اپنے مرد سے جو دودھ اترتا ہے اپنی سوت یعنی اپنے مرد کی دوسری بیوی کی فاطمہ کو مدت
رضاع میں دودھ پلایا ہے اب زید کو فاطمہ کے ساتھ نکاح کرنے کا ارادہ ہے جو کہ زید کی مزنیه کی رضائی
بیٹی ہے یہ نکاح صحیح ہوگا یا نہ؟

جواب من بعض العلماء

یہ نکاح صحیح ہوگا ردالمحتار باب الرضاع میں تحت قول الدس المختار قبیل و کذا

الننا والاوجه لا فتم بعد چند سطور کے ہے و ذکر الوبیہی الی قول ردالمحتار و
قلت و ذکر فی شرح المتنبیہ انه لا یعدل من الدرأیة اذا و انقہا روایة وقد
علمت ان الوجه معہ روایة عدم التحريم من ۳۶۷۰۔
سوال تمہ خامسہ امداد الفتاویٰ جدیدہ مطبوعہ مطبعہ اول

سوال :- زید کو ایک ایسی عورت ناجائز تعلق ہو گیا جس نے زید کی زوجہ کو دودھ پلایا تھا
یعنی زید کو اپنی زوجہ کی رضاعی ماں سے زنا کا تعلق ہو گیا آیا زید کی زوجہ زید پر حلال رہی یا حرام
ہوگئی خلاصہ سوال یہ کہ حرمت مصاہرہ مزنیه کے اصول و فروع رضاعیہ کی طرف متعدی ہوگی یا نہ؟
جواب :- فی الدرأیة المختار بیان المحرمات حرم النکل مما ستمہ یمہ الی
اخراہ فی ردالمحتار تنبیہ مقتضی قولہ والنکل رضاعاً مع قولہ سابقاً تا اخر جلد ۲
ص ۲۵۶-۲۵۷، اس روایت سے معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ میں زید کی بی بی زید پر حرام ہوگئی

ابے براہ نوازش جس روایت کو ترجیح فرمایا جائے اس کو مستند سوا الحجات کتب فرمایا اور بقدر
مرحومیت روایت عدم تحریم کے اب چونکہ زید نے رضیعہ لکھے نکاح کر لیا ہے طلاق کی ضرورت ہے یا ویسے
ہی تفریق اور عزم ترک کیا جائے اور نصف مہر طلاق قبل دخول کی صورت میں واجب ہو یا نہ؟
الجواب من جامع امداد الاحکام؛ صورت مسئلہ میں روایت تحریم
کو ترجیح ہے کیونکہ اصول مذہب کے موافق وہی ہے کیونکہ مزنیه کی رضیعہ مزنیه کی بیٹی ہے و هو ظاہر
اور عورت موطورہ کی بیٹی واطی پر حرام ہے پس رضیعہ مزنیه زانی پر حرام ہے قال فی البدائع و کذا
یحرم بالوطأ ام الموطوءة و بنتها من الرضاع سواء كان الوطأ حلالاً یا بان كان بملك
الیمین او بنکاح فاسد او شبهة نکاح او کان زناً والاصل انه یحرم بسبب
الرضاع ما یحرم بسبب النسب و سبب المصاهرة (ص ۲۶۲-۲۶۳) و مثله فی
المجلد الرابع ص ۷۰۔

اور صاحب فتح القدر نے عدم تحریم کی روایت کی ترجیح کی جو در بیان کی ہے اور صاحب
ردالمحتار نے جو اس کی تقریر کی ہے اس کا جواب صاحب تحریر مختار نے بہت اچھا دیا ہے جو لگے
مذکور ہوگا اور صاحب بدائع نے اس مسئلہ میں صرف تحریم ہی کو بیان کیا ہے عدم تحریم کی کوئی روایت
نہیں بیان کی پس قہستانی نے جو اس مسئلہ میں دو روایتیں بیان کی ہیں و نصہ لوزنی یا سرائی
فولدت و ارضعت صبیه جازله ان یتزوجها کما فی شرح الطحاوی و لکن

فی الخلاصة انه لا يجوز وقد مر ان فيه روايتين اھ (حاشیة البحر لابن ہدین ص ۲۲۶ ج ۳)۔ یہ دو روایتیں مذہب میں نہیں ہیں بلکہ دوسرے ائمہ کے اقوال کو غلط کر کے صاحب مذہب کی روایت کے ساتھ بیان کر دیا ہے ورنہ صاحب بدائع وغیرہ اس سے ضرور تعرض کرتے اور صاحب بحر نے تصریح کی ہے کہ رضیعة مزنیہ زانی کے لئے اتفاقاً حرام ہے و لیسہ و اشار بذکر النزوج الی ان لبن النالیس کالحلل حتی لو ولدت من الننا وارضعت به صبیة یجوز لا یمول النانی وقرعہ التزوج بها ولا تثبت المحرمۃ الا من جانب الام خاصة الی ان قال وانما قیدنا محل الخلاف باصول النانی وقرعہ لانها لا تحل للنانی اتفاقاً لانها بنت المنانی بہا وقد مرنا ان فروع المنانی بہا من الرضاع حرام علی النانی ولذا قال فی الخلاصة بعد ما ذکر حرماتہا علی النانی وکذا الولد تحل من الننا وارضعت لا بلبن الننا فانها تحرم علی النانی كما تحرم بنتها من النسب علیہ اھ (ص ۲۲۷ ج ۳) اور صاحب فتح القدر کے کلام کو صاحب بحر نے تو اصول و فروع زانی پر محمول کیا ہے کہ وہ رضیعة مزنیہ کو اصول و فروع زانی کے لئے جائز کہتے ہیں نہ خود زانی کے لئے مگر علامہ شامی نے عموم پر رکھ کر خود زانی کے لئے بھی اس کو جائز کہہ دیا ہے مگر یہ اصول مذہب کے بالکل خلاف ہے جو ہرگز قابل اعتماد و اعتبار نہیں ہے چنانچہ صاحب تحریر مختار نے علامہ شامی کے اس کلام کو اس طرح رد کیا ہے ؟

قوله یخالف المسطور فی الکتب الخ قد یقال ان عدم تحريم المرصعة بلبن غیر النزوج لعدم دخوله بالنزوجة اذ هو المحرم للبنات واثبات الحرمة علی النانی فی مسئلة الخلاصة لتحقق اوصیة النانیة للرضیعة بارضاعها لبنتها فتحقق انها بنتها و النانی قد دخل بها فی حرم علیہ فرعها الرضاعی کالنسبی

عہ قلت قد مر فی الیذاشع بفہوم هذا القید ای بالتحريم بعد الدخول ونسہ وکذا کل من یحرم بسبب المصاهرة من الفراق الاربع الذین وصفناہم فی کتاب النکاح یحرم بسبب الرضاع یحرم علی الرجل ام زوجته و بنتها من زوج اخر من الرضاع كما فی النسب الا ان الام تحرم بنفس العقد علی البنت اذا کان مصیبا و البنت لا تحرم الا بالدخول بالام كما فی النسب اھ (مجموعہ) قلت ورضیعة المنانی بہا ہی بنت المنانی بہا وقد دخل یا مصیبا فتحرم علی النانی حتما ۱۲ منہ

ثابتات الحرمة فی مسئلة الخلاصة لان الرضیعة بعضہ بواسطة اللبن حتی یقال انه لیس من منیہ بل لان هذه الرضیعة تحقق انها بنت موطوءہ ^{۱۲} فتحرم علیہ بوطاً أمها الرضاعیة كما تحرم علیہ بنتها النسبیة فما هو مسطور فی الکتب المشہورۃ لا یخالف ما فی الخلاصة مع ظهور وجه ما فیہا فان الرضیعة وان لم تنسب للنانی لان اللین لیس من منیہ تنسب للام بواسطة اللبن المنسوب الیہا وقد دخل بہا اھ (ص ۲۱۱ ج ۱)۔

اور جن لوگوں کو رضیعة مزنیہ کے زانی کے لئے حلال ہونے کا وہم ہوا ہے ان کے وہم کا منشا دو امر ہیں، ایک یہ کہ رضیعة مزنیہ کا تعلق نسب صرف مزنیہ بہا سے ہے نہ زانی سے الخ مگر اس علت کا حاصل یہ ہوگا کہ جہاں سبب حرمت تعلق نسب ہو وہاں اس رضاع سے تحریم نہ ہوگی مثلاً اصول و فروع زانی کے لئے یہ رضیعة حلال ہوگی مگر زانی کے حق میں ثبوت حرمت کے لئے ثبوت نسب من الزانی ضروری نہیں بلکہ بنت الموطوءہ ہونا کافی ہے اور رضیعة المزنیہ کا بنت موطوءہ الزانی ہونا مستحق ہے۔

دوسرا منشا وہم یہ ہوا کہ کتب مذہب میں مسئلہ مسطور و مشہور ہے کہ مرضعہ بلبن غیر الزوج زوج پر حرام نہیں۔ علامہ شامی نے اس کو مطلق سمجھ کر کلام صاحب خلاصہ کو اس کے خلاف سمجھ لیا حالانکہ مسئلہ اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ زوج نے مرضعہ (بجسر الضار) سے دخول نکیا ہو اور دخول کے بعد مرضعہ بلبن غیر الزوج زوج کے لئے حرام ہے اس کو کتب مشہورہ میں حلال نہیں کہا گیا تاہم وکن من الشکرین اور جو نکاح رضیعة مزنیہ سے کیا گیا ہے وہ نکاح فاسد ہے اور نکاح فاسد میں قبل الدخول مہر واجب نہیں ہوتا نہ نصف نہ کل اور بعد الدخول کے مہر مثل واجب ہوتا ہے صحیح بہ فی الدس فی باب المہر، واللہ تعالیٰ اعلم، اور صورت مسئلہ میں متارکت بھی کافی ہر طلاق کی حاجت نہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم - ۲۲ رذی الحجہ ۱۳۸۸ھ

حکم نکاح کتابیہ | سوال (۲۰) فی زمانہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کی عورتوں کے ساتھ بلا کلمہ عقدہ جائز ہے یا نہیں بعضے بولتے ہیں حنفی مذہب میں جائز ہے اور بعض بولتے ہیں پہلے زمانہ کے یہود و نصاریٰ کی عورتوں کے ساتھ عقدہ بلا کلمہ جائز تھا کیونکہ اس وقت میں وہ سب موحد تھے اور فی زمانہ اہل کتاب مشرک ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ وغیرہ کہتے ہیں۔

الجواب؛ جو اہل کتاب عیسیٰ علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام کے اتباع کا دعویٰ کرتے

ہوں خواہ ابن اللہ کہے یا رسول اللہ کہے ان کی عورتوں سے نکاح جائز تو ہے مگر مکروہ ہے اور جو محض دہریہ ہوں جیسا کہ کل عموماً انگریز دہریہ ہیں ان کی عورتوں سے نکاح جائز نہیں۔

سوال (۲۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں جمع نہیں ہو سکتیں | میں کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور وہ عورت اپنے خاوند کے پاس ۱۰ یا ۱۱ برس رہی اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا اور دو برس کا ہو کر فوت ہو گیا اور وہ عورت اس کی منکوحہ کسی رنج یا تکلیف کے سبب سے اپنے والدین کے مکان پر آگئی اور کچھ عرصہ کے بعد اس کے شوہر نے اپنی زوجہ کی حقیقی بھتیجی سے نکاح کر لیا اب ایک شخص کے نکاحی یہ ہر دو بھوپھی بھتیجی جائز ہوتی ہیں یا نہیں۔ اور بعد نکاح بھتیجی کے لوگوں کے کہنے سننے سے چار پانچ روز کے بعد پہلی زوجہ یعنی بھوپھی کو طلاق دیدیا اب کون جائز ہو سکتی ہے یا کوئی نہیں؟ بینوا توجس وا۔

الجواب؛ بھوپھی اور بھتیجی دونوں ایک شخص کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں اس لئے بھوپھی کی موجودگی نکاح میں جو اس کی بھتیجی سے نکاح کیا گیا ہے وہ فاسد ہے درست نہیں ہوا البتہ بھوپھی کو طلاق دیکر اس کی عدت طلاق تمام ہو جانے کے بعد بھتیجی سے نکاح ہو سکتا ہے۔ پس صورت مسئلہ میں اس شخص نے اپنی بیوی کی بھتیجی سے بھوپھی کو نکاح میں رکھتے ہوئے جو نکاح کیا ہے یہ بہت بڑا گناہ ہوا اس سے توبہ علانیہ لازم ہے اور بھتیجی سے علیحدگی واجب ہے پھر چونکہ اس نے پہلی بیوی کو طلاق دے دی ہے تو جب اس کی عدت طلاق تین حیض پوری ہو جائے اس کے بعد اسکی بھتیجی سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے، واللہ اعلم۔ ۳ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ۔

فصل فی الانکحة الفاسده

سوال (۲۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی نانی مسلمان ہوئی نکاح نانی کرنا باطل ہے اور ہندہ کی والدہ کا ایک مسلمان پردہسی سے نکاح کر دیا جب ہندہ پیدا ہوئی اور سات آٹھ سال کی عمر ہوئی ہندہ کے والدین کا انتقال ہوا اور کسی دلی و عقبہ کا کوئی پتہ نہ چلا اور ہندہ اپنی خالہ بد چلین کی پرورش میں چند روز رہی پھر چند خداترس لوگوں نے بمشورہ اس کی خالہ کے زید سے ہندہ کا نکاح کر دیا جو کہ مسلمان تھا اور حیثیت میں ہندہ کے باپ کی برابر تھا اور قومیت طرفین میں سے کسی کی کسی کو معلوم نہیں ملازم پیشہ لوگ تھے بعد نکاح کے کسی سال تک ہندہ زید کے پاس رہی اتفاق سے کسی بد چلین کی وجہ سے زید قید ہو گیا زید کے گھر والے ہندہ کو تنگ رکھتے تھے

ہندہ نے اپنی تنگی اپنی خالہ سے بیان کی تو خالہ نے اس کو چکلہ میں بٹھا دیا چکلہ والوں نے کسی سے کچھ روپیہ بٹھرا کر ہندہ کے پاس بھیجا تو ہندہ بھاگ گئی قابو میں نہ آئی اور اسلامی مسائل سے بالکل ناواقف تھی ناکہ والوں میں مسلمان سمجھ کر شامل ہو گئی پھر بعد بلوغ کے بوجہ غلبہ شہوت ایک غیر مسلم سے تعلق ناجائز ہو گیا اس ناجائز تعلق سے چند اولاد ہوئیں اتفاق سے ایک مسلمان شخص سے ہندہ ملی اور اپنا کل حال بیان کیا اس شخص نے اس کو وعید سنائی اور یہ کہا کہ تو مسلمان ہے اور یہ شخص جس سے تعلق ہے غیر مسلم ہے ہندہ پر خوف الہی پیدا ہوا اور مسائل دریافت کئے اور اولاد کو چھوڑنے پر آمادہ ہوئی تو اس غیر مسلم نے کہا میں تیری خاطر اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہوا اور تیری اولاد ہے ان سب کو چھوڑ کر کہاں جاتی ہے میں بھی مسلمان ہوتا ہوں گھر نہ بگڑنا چاہئے ہندہ نے کہا میرا شوہر اصلی قید میں ہے اور یہ اولاد حرامی ہے تو غیر مسلم ہے میں تیرے پاس نہ رہوں گی پھر ہندہ نے اپنا کل حال عمر و سے بیان کیا عمر و نے کہا تو کسی اور مسلمان سے نکاح کر لے ہندہ نے کہا میرا نکاح ہو چکا تھا اور شوہر قید میں سے نہ وہ مرا ہے اور نہ طلاق دی میں کیسے نکاح کر سکتی ہوں عمر و نے چند مسلمان غیر عالم سے ہندہ کی تسلی کرادی کہ تیرا شوہر قید میں ہے تو نکاح کر لے تیرے کئی اولاد ناجائز تعلق سے پیدا ہو چکی اب نکاح ٹوٹ گیا بے نکاح رہنا درست نہیں ہندہ نے مسئلہ کا خیال کر کے عمر و سے ہی نکاح کر لیا پھر ایک شخص مسلمان اس کو ملا اس سے تمام حال اپنا سنایا وہ مسلمان عالم نہ تھا کچھ مسائل سے واقف تھا اس کو دیکھ کر زیادہ اسلام سے ہندہ خوش ہوئی اور مفصل حال سنایا تو اس شخص نے کہا کہ دوسرا نکاح نہیں ہوا اب اور زیادہ ہندہ کو تشویش ہوئی لہذا عرض ہے کہ پہلا نکاح درست تھا یا نہ اور بدوں طلاق کے یہ دوسرا نکاح درست ہو یا نہ؟ بینوا توجس وا۔

الجواب؛ دلی عصبہ کے نہ ہونے کی صورت میں ذوی الارحام کو حنفیہ کے نزدیک ولایت نکاح نابالغہ حاصل ہے اسی طرح اگر دلی عصبہ موجود ہو مگر لاپتہ ہو کہ کسی کو اس کا پتہ معلوم ہو جب بھی دلی بعد کو نکاح کی ولایت حاصل ہوتی ہے۔ قال فی العالمگیریہ (ص ۱۱۲۷) وعند عدم العصبۃ کل قریب یسائر الصغیر والصغیرۃ من ذوی الارحام یملک تم ویدجھما فی ظاہر الشرایع عن ابی حنیفہ اھ و فیہ (ص ۱۲۷۲) وان کان الاقرب غائب

عہ سائل سے دریافت کیا گیا کہ ہندہ کا پہلا نکاح بہر مثل پر ہوا تھا یا نہیں اس نے جواب دیا کہ بہر مثل پر ہوا تھا ۱۲ ظفر

غیبة منقطعة جاز نکاح الابد کذا فی المحيط پس صورت مسئلہ میں ہندہ کی خالہ اس کی ولی تھی اور اس کا بطن ہونا مسقط ولایت نہ تھا قال فی العالمگیریہ (ص ۱۲ ج ۲) والفسق لا یمنع الولاية کذا فی فتاویٰ قاضی خان اہ البتہ اگر ولی فاسق اگرچہ باپ ہی ہو کسی نابالغ کا نکاح غیر کفو میں یا مہر مثل سے بہت زیادہ قلیل مہر پر کرے اس صورت میں نکاح نہیں ہوتا قال فی البحر فمافی الجوامع ان الاب اذا کان فاسقاً للقاضی ان ینزوج الصغیرة من غیر کفو غیر معروف نعم اذا کان متہتکاً لا ینفذ تنویرہ ایاہا بنقص عن مہر المثل ومن غیر کفو وسیاتی هذا اہ (ص ۱۲۴ ج ۳) اور ولی البتہ اگر ایسا کرے کہ غیر کفو میں یا مہر مثل سے کم پر نکاح کرے وہ تو مطلقاً باطل ہے اگرچہ ولی فاسق بھی ہو صالح ہی ہو قال فی الدسوان کان المزوج غیر ہما ای غیر الاب وایہ ولو الام لا یصح النکاح من غیر کفو او بعبین فاحش اصلاً ومافی مدنی الشریعة صم ولہما فسخہ وہم وان کان من کفو و بیدہ المثل صم اہ (ص ۵۰۰ و ۵۰۱ ج ۱) ملخصاً۔

پس صورت مسئلہ میں اگر ہندہ کا پہلا نکاح زید سے مہر مثل پر اور کفو میں ہوا ہے تو چونکہ خالہ ولی تھی اور اس کی اجازت سے نکاح ہوا اس لئے وہ نکاح صحیح ہو گیا اب ہندہ کا کسی دوسرے سے نکاح کرنا بغیر زید شوہر اول سے طلاق حاصل کئے اور بدون عدت طلاق گزرنے کے ہرگز جائز نہیں اگر پہلے شوہر سے طلاق حاصل کئے بغیر اس نے کسی سے نکاح کر لیا ہے تو وہ نکاح باطل ہو ہندہ کو اس سے فوراً الگ ہو جانا چاہئے شوہر اول کے قید ہو جانے یا کسی غیر مسلم سے ہندہ کے ناجائز تعلق کر لینے سے پہلا نکاح باطل نہیں ہو سکتا وہ بدستور باقی ہے البتہ ہندہ نے اس ناجائز تعلق پیدا کرنے میں گناہ عظیم کا ارتکاب کیا ہے بالخصوص غیر مسلم کے ساتھ فانہ اشد ذنبہ فی الاسلام۔ لہذا ہندہ کو دوسرے خاوند سے فوراً علیحدگی اختیار کر کے ان تمام گناہوں سے بصدق دل توبہ واستغفار کرنا چاہئے اور بارگاہ الہی میں رور و کر دعا کرنی چاہئے کیا عجب ہے کہ مغفرت ہو جائے وہ اپنی رحمت سے شرک و کفر کے علاوہ تمام گناہوں کو معاف فرماتیے ہیں، واللہ اعلم ولا عاصم من ام اللہ الامن رحمہ۔ ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ۔

غیر کی شکوہ سے نکاح کرنا باطل ہے اور جو اولاد ہوئی وہ حرامی ہے حکم ارشاد ہوتا ہے۔ پہلے سوال کے باعث بڑی پریشانی ہے کوئی صورت کسی طرح نکلے تو بہت ہے۔

ایک مسلمان صاحب نے ایک مسلمان عورت کو بلا نکاح عرصہ بارہ سال سے رکھے ہے اس کا شوہر زندہ ہے طلاق دینے سے صاف انکار کرتا ہے ہرگز نہ دوں گا کبھی کہتا ہے مجھے معلوم ہی نہیں کہ میری عورت کو کسی ہے یا نکل نہیں ملازم سرکاری جنگل میں ہے ہر طرح نصیحت کی کارگر نہ ہوئی گذر اوقات کے لئے شروع سے اب تک ایک کوڑی نہیں دی اس خاوند سے تین بچے بھی ہو گئے اس عورت کی شادی بہت کم عمری میں ہوئی تھی عنقریب سات آٹھ سال کی عمر تھی اور جب ہی سے کچھ دن بعد الگ ہے کیا اس کا نکاح کسی بھی طرح ہو سکتا ہے یا تا عمر جب تک طلاق نہ دے ممکن نہیں یا نابالغی میں شادی ہو جائے اور بالغی عورت شوہر کو منظور نہ کرے تو دوسرے کے ساتھ نکاح ممکن ہے یا ہو ہی نہیں سکتا یہاں دو مثالیں موجود ہیں جو بلا نکاح اسی طرح زندگی برباد کر رہی ہیں اور اولاد ہو رہی ہے۔

ایسی حالت میں اس کا عقیقہ جائز ہوگا یا نہیں دوسروں کو اس کے یہاں کھانا جائز ہے یا نہیں ہے

الجواب؛ اس صورت میں جب تک پہلا شوہر طلاق نہ دے دوسرے سے کسی طرح نکاح نہیں ہو سکتا اور اگر وہ ابتداء سے زوجہ کو نفقہ نہیں دیتا یا نابالغی میں نکاح ہوا تھا اور بلوغ کے بعد وہ اس کو پسند نہیں کرتی اس صورت میں جبر کر کے اس پہلے شوہر سے طلاق لینا جائز ہے مگر بدون طلاق کے دوسرے سے نکاح ہرگز نہیں ہو سکتا۔

(۲) ایسی حالت میں جو اولاد ہوئی ہے وہ حرامی ہے ایسے شخص کے گھر کا کھانا وغیرہ نہ کھانا چاہئے جب تک کہ وہ اس حرکت سے توبہ نہ کرے باقی عقیقہ حرامی لڑکے کا بھی جائز ہے۔

سوال (۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی عمر ۱۴ سالہ نکاح ثانی کرنا باطل ہے کی نابالغہ اور اس کا شوہر عمر ۱۹ سال کا وہ لڑکی شوہر کے یہاں سے باپ کے یہاں بھاگ آئی اس کے پیچھے اس کا شوہر اور شوہر کا بھائی آئے لے جانے کو لڑکی بولی میرا شوہر دیوت اور نامرد ہے ناک کان چھدا اور پیر میں گھونگر د باندھ کر ناچتا گاتا ہے ایک مرتبہ اس نے ایک غیر آدمی کو گھر میں بھیجا اور آپ باہر کھڑا رہا میں نے شور مچایا تو وہ شخص بھاگ گیا اس نے مجھے ایک لات مارا کہ کیوں شوہر کی یہ کل باتیں لڑکی نے اپنے شوہر کے روبرو کہیں لڑکی کے باپ نے کہا تم

جماعت میں آؤ تصفیہ ہوگا اور تمہارا اسلا حفظ کیا جائے گا تب لڑکی بھیجوں گا اس دہشت سے وہ بھاگ گیا اس کو لڑکی کی طرف سے نوٹس دیا گیا تو دایس کیا اور کئی خط دئے مگر جواب نہیں آیا کچھ

دن بعد اس کے باپ بھائی آئے جماعت نے کہا لڑکے کو لاؤ وہ پندرہ روز کا وعدہ کر کے گیا ایک ماہ میں اکیلا آیا اور کہا کہ ایک ہفتہ میں لاؤں گا جس کو ڈیڑھ ماہ ہوا پتہ نہیں ہے نہ کچھ خط ہے اب لڑکی بالغ ہو گئی ہے اور بارہ ماہ سے باپ کے یہاں بیٹھی ہے اور اس کا باپ بہت غریب شخص ہے عدالت نہیں کر سکتا اور وہ ایسی جگہ ہے کہ کوئی مسلمان وہاں نہیں ہے اب کیا کیا جائے معروضہ ہے کہ جو حکم شرع میں ہو اطلاق بختین ویسا عمل میں لاویں گے فقط۔

الجواب؛ صورت اولیٰ میں جب تک شوہر اپنی بی بی کو طلاق نہ دیدے اور عدت نہ گذر جائے اس وقت تک اس کا نکاح دوسرے سے نہیں ہو سکتا۔

زوج کی موجودگی میں اس کی بھانجی کے نکاح | سوال (۳) زید کا نکاح ہندہ سے ہوا جس کو ایک مدت دراز فاسد ہے اور عسر واجب ہوگا | گذر گئی اور کوئی اولاد اس وقت تک ہندہ کے بطن سے نہیں ہوئی عرصہ تین سال کا ہوا کہ زید نے ہندہ کی حقیقی ہمیشہ زادی کے ساتھ بسا زیا یا بعلم ہندہ تعلق ناجائز کر لیا اس درمیان میں ہندہ کی ہمیشہ زادی کے تعلق ناجائز سے صل قرار یا گیا جس کا علاج حکما سے کر لیا گیا اور استسقا ظاہر کیا گیا بعد گذرنے نو ماہ کے فروری ۱۹۲۲ء کو ہندہ کی ہمیشہ زادی کے تعلق ناجائز سے دختر پیدا ہوئی کہ جواب چھ ماہ کی ہے اور موجود ہے بروقت پیدائش دختر کے زید نے یہ ظاہر کیا کہ ہندہ کے ہمیشہ زادی سے جس سے وہ دختر پیدا ہوئی ہے میں نے نکاح کر لیا ہے جس کا علم زید کو ہوگا اور باقی نکاح کا علم یہاں کسی کو نہیں ہے۔ ایسی صورت میں ہندہ اور اس کی ہمیشہ زادی دونوں کا اجتماع موجودگی ہندہ زید کے گھر میں جائز طور سے ہوا اور دونوں خالہ بھانجی زید کے زوجگان جائز قرار دی جاسکتی ہیں اور وہ دختر جو پیدا ہوئی ہے اور موجود ہے اولاد جائز ہے۔ اب زید کا انتقال ہو گیا اب زید نے ہندہ اور اس کی ہمیشہ زادی مع دختر کے اور میری اور زوجہ لاؤ لہذا نکاح سے چھوڑی ایسی صورت میں تینوں زوجگان میں سے کوئی زوجہ جائز قرار دی جائے گی اور کون زوجہ ناجائز ہے گی اور ہندہ کی زوجگان میں سے کس کا زید پر واجب تھا اور بعد انتقال کس کس کا واجب رہا اور وہ دختر جو ہندہ کے ہمیشہ زادی سے موجود ہے وہ مستحق ترکہ پدری یعنی زید کا ہے یا نہیں اور زید کے مرنے کے بعد علاوہ ان عورتوں کے ایک بڑا بھائی حقیقی بھی موجود ہے ایسی حالت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے مفصل حال سے معزز فرمائے ؟

الجواب؛ صورت سئوہ میں زید کی دوزوجین سے نکاح صحیح ہوا ہے یعنی ہندہ اور زوجہ لاؤ لہذا نکاحی وارث ہیں اور ہندہ کی بھانجی جس سے زید نے ہندہ کی موجودگی میں نکاح کرنے کا

دعویٰ کیا اور وارث نہیں ہے کیونکہ اس سے زید کا نکاح فاسد ہوا ہے البتہ ہندہ کی بھانجی سے جو لڑکی پیدا ہوئی ہے وہ بیشک زید کی وارث ہے یہ حکم تو میراث کا ہے مہر کا حکم یہ ہے کہ زید کی دوزوج یعنی ہندہ اور زوجہ لاؤ لہذا نکاحی کو مہر سی کامل ملے گا اور ہندہ کی بھانجی مہر مثل بطور عقر کے دیا جائے گا خواہ مہر مثل کتنا ہو لیکن اگر وہ مہر سی سے زیادہ ہو تو اس سے زائد نہیں دیا جائے گا اور اگر مہر سی مہر مثل سے زیادہ ہو تو مہر مثل دیا جائے گا خلاصہ یہ کہ مہر سی اور مہر مثل میں جو کم ہو وہی اس کو ملے گا قال فی الدس و یجب مہر المثل فی نکاح فاسد وهو الذی فقد شرط من شرط الط الصحة کتھود بالوطائی القبل لا بغيره کالخلوة لعمرة وطمہا ولدین ومہر المثل علی المسی لرضاھا بالخط ولو کان دون المسی لزم مہر المثل لفساد التمیة بفساد العقد ولولم یدم او جہل لزم بالغاما بلخ (انی ان قال) و یثبت النسب احتیاطاً بلا دعویٰ ۱ھ (ص ۵۷۲ لغایت ۲۷۵) وفی رد المحتار قولہ کتھود و مثله تنویر الاختین معاً و نکاح الاخت فی عداة الاخت و نکاح المعتد الخ (ص ۲۷۵) وفیہ ایضاً قولہ و یثبت النسب اما الارث فلا یثبت فیہ و کذا النکاح الموقوف ط عن ابی السعود ۱ھ (ص ۲۷۵) پس صورت سئوہ میں اگر زید کا وارث بجز ان لوگوں کے جن کا ذکر سوال میں ہے اور کوئی نہیں تو بعد اوائے دین مہر و قرض وغیرہ کے جو ترکہ بچے اس کے آٹھ سہام کر کے ایک سہم دونوں زوجہ کو اور چار سہام زید کی بیٹی کو جو ہندہ کی بھانجی سے ہوئی ہے اور ۳ سہام زید کے بھائی کو ملیں گے، واللہ اعلم۔ ۸ ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ۔

غیر کی منکوحہ سے نکاح باطل ہے اور اگر | سوال (۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مولیٰ اپنی زوجہ اس سے اولاد ہو جائے تو اس کا حکم | نابالغہ عید و کو اپنے ہمراہ لیکر عبد الغنی کے مکان پر آیا کئی دنوں کے بعد مولیٰ مذکور بیمار ہو گیا اور مولیٰ خرچ وغیرہ سے بہت تنگ دست ہو گیا اس وقت مولیٰ نے عبد الغنی سے کہا کہ میں خرچ سے تنگ دست ہو گیا ہوں تم میرا علاج معالجہ کرو اور مسماة عید سے بھائی پنا نکاح کر لو اور میں نے مسماة مذکور سے صحبت داری نہیں کی عبد الغنی نے مسماة عید سے نکاح کر لیا تقریباً بارہ گھنٹہ کے بعد مولیٰ مر گیا آیا نکاح جائز رہا یا نہیں ؟

الجواب از حضرت مولانا مظلمہ؛ نہیں اور یہ بالکل ظاہر ہے۔
بقیہ سوال بالا
اور عید و مذکور عبد الغنی کے یہاں بیس سال تک رہی اور پانچ چھ اولاد بھی عبد الغنی سے

ہوئیں جس سے ایک دختر بندی عبد الغنی کی موجود ہے اور عبد الغنی فوت ہو گیا آیا عبد الغنی کے ترکہ میں سے مسماہ عید و دختر بندی کو حق پہنچتا ہے یا نہیں۔ عبد الغنی کی دو بیوی مسماہ بخش زوجه اول و مسماہ عید و مذکور ایک دختر بندی ایک چچا زاد بھائی اسی بند و چھوڑا اور اپنے ذمہ کچھ قرض چھوڑا ایک دوکان اور کچھ روپیہ نقد جو کہ امانت میں ہے اور سامان استعمالی چھوڑا اور عبد الغنی اپنی زندگی میں اپنے بھائی بند و مذکور سے ناراض تھا اور تندرستی کے وقت عبد الغنی کہا کرتا تھا کہ میں دوکان مسجد کے نام کروں گا تاکہ دوکان میرے بھائی بند و مذکور کو نہ ملے اور بیماری کے وقت بھی عبد الغنی نے دو تین مرتبہ دوکان مسجد میں کرنے کو کہا مگر ان دونوں عورتوں مسماہ بخش و عید نے نہ کرنے دی عبد الغنی فوت ہو گیا مسماہ بخش و عید نے بعد عدت کے نکاح کر لئے بخش مذکور نے برادری کے بھائی سے نکاح کیا اور عید نے عبد الغنی کے چچا زاد بھائی بند سے نکاح کر لیا اور بندی مذکور اپنی ماں مسماہ عید کے پاس موجود ہے اب ترکہ کس طرح تقسیم ہونا چاہئے اور بندی کا کون ولی ہونا چاہئے؟

الجواب: صورت مسئلہ میں مولیٰ نے اپنی زوجہ عید و کو نہ طلاق دی ہے نہ طلاق کا کوئی لفظ استعمال کیا ہے لہذا اس کا نکاح زوجہ مذکورہ سے باقی تھا اس حالت میں عبد الغنی کا اس سے نکاح کرنا بالکل باطل اور حرام ہوا اور اگر مولیٰ نے کوئی لفظ طلاق کا استعمال کیا ہو تو سائل کو لکھنا چاہئے لیکن اس صورت میں بھی اگر مولیٰ اور عید میں تنہائی کسی وقت ہو چکی ہے گو صحبت نہ ہوئی ہو تو زوجہ مذکورہ پر عدت کا گزارنا واجب تھا اور عبد الغنی نے عدت میں اس سے نکاح کیا ہے اس لئے بھی یہ نکاح باطل ہے مگر بہر صورت مسماہ عید و کو عبد الغنی کے ترکہ میں مہر مثل بطور عقر کے ملے گا بشرطیکہ عبد الغنی نے اپنی حیات میں مہر نہ دیا ہو اور نہ عید نے معاف کیا ہو جس کا حکم یہ ہے کہ اگر نکاح کے وقت کچھ مقدار مہر کی مقرر کی گئی تھی اور وہ مقدار مہر مثل (یعنی خاندانی مہر) سے کم یا اس کی برابر ہے تب تو وہی ملے گا جو مہر نکاح میں مقرر ہوا ہے اور اگر مہر مہر مثل سے زیادہ ہے تو مہر مہر مثل نہ ملے گا بلکہ مہر مثل دیا جائے گا اور عید و کو عبد الغنی کے ترکہ میں سے میراث کچھ نہ ملے گی البتہ مسماہ بندی جو عبد الغنی کے نکاح کے بعد عید و سے پیدا ہوئی ہے اس کو عبد الغنی کے ترکہ میں سے میراث ملے گی پس بعد لائے دین مہر مرد و زوجگان اور دیگر قرض وغیرہ کے جو عبد الغنی کے ذمہ ہو اس کے باقی ماندہ ترکہ کو اس طرح تقسیم کیا جائے گا:-

(نقشہ تقسیم ہر صفحہ آئندہ)

مسئلہ	زوجه اولیٰ	زوجه حرام	دختر	برادر عم زاد	عبد الغنی
بخش	عید و	عید و	بندی	بند و	
۱	۲	۳	۴	۵	

اور عبد الغنی جو زندگی میں بند و سے ناراض تھا اس سے بند و میراث سے محروم نہ ہوگا اور جس دوکان کو عبد الغنی مسجد میں دینا چاہتا تھا چونکہ تندرستی میں وہ اس کو وقف نہ کر سکا اس لئے وہ دوکان بھی سب وارثوں میں تقسیم ہوگی پس جس قدر سامان بعد لائے قرض و لائے دین مہر وغیرہ کے باقی رہے اس کے آٹھ سہام کر کے ایک سہم مسماہ بخش زوجه اولیٰ کو دیا جائے اور ۳ سہام مسماہ بندی کو اور ۳ سہام بند و کو دینے جاویں مسماہ عید و کو میراث کچھ نہ ملے گی۔ قال فی الدرر و میب مہر المثل فی نکاح فاسد و هو الذی فقد شرائط من شرائط الصیحة کشہود بالوطأ فی القبل لا بغيره کالخلوة لحمہ و طہا و لم یبدا مہر المثل علی المسنی لرضاہا بالخط ولو کان دون المسنی لزم مہر المثل لفساد التسمیة بفساد العقد ولو لم یبدا و جہل لزم بالغاما بلغ (الی ان قال) وثبت النسب احتیاطا بلا دعویٰ ام (۵۴۳ لغایت ۵۴۷ ج ۲) و فی الشامیة قولہ کشہود و مثله تن و ج الاختین معاً و نکاح الاخت فی عدۃ الاخت و نکاح المعتدۃ الخ (۲۷ ۵۴۳) و فیہ ایضاً قولہ وثبت النسب اما الارث فلا یثبت فیہ کذا النکاح الموقوف عن ابی السعود ام (۲۷ ۵۴۷) و اللہ اعلم۔

۲۱ رذی الحجہ ۱۳۲۰ھ

سوال (۶) علماء دین و مفتیان شرع متین مسائل عورت کا عدت و فوات میں نکاح کر لینے کا حکم اور شرائط متارکہ ذیل میں کیا فرماتے ہیں؟

سوال اول: ہندہ کے شوہر نے انتقال کیا اور ہندہ نے قبل تمام ہونے عدت و فوات کے زید سے نکاح کیا تو آیا یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟

سوال دوم: ہندہ ایک سال تک بعد نکاح مذکور کے زید کے ساتھ رہی جب بچوں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ عدت کے اندر ہندہ کا نکاح ہوا ہے اس لئے بچوں نے ہندہ کو اس کے باپ کے یہاں بھیج دیا جس کو عرصہ تین ماہ کا ہوا اب اگر ہندہ دوسرے شخص سے نکاح کرنا چاہے

تو اس میں عدت کی ضرورت ہے یا نہیں ہے

سوال سوم : صورت مسئلہ میں اگر عدت واجب ہے تو عدت کی ابتداء کب سے ہوگی اور کونسی عدت واجب ہوگی اور دوسرے مرد سے کب اس کا نکاح جائز ہوگا

سوال چہارم : صورت مسئلہ میں بچوں نے پنچایت کر کے ہندہ کا جہیز زید کے بھائی وغیرہ کے ذریعہ منگا کر ہندہ کو واپس کر دیا لیکن زید پنچایت میں آیا اور نہ اس نے کوئی لفظ بابت انکار نکاح کہا تو اس پر متارکہ کا اطلاق ہو سکتا ہے یا نہیں اگر نہیں تو متارکہ کی کیا تشریف ہے

سوال پنجم : اگر زید مذکور متارکہ نہ کرے تو اس ملک میں جہاں غیر مسلم کی حکومت ہے اور قاضی شرع مقرر نہیں ہے تفریق کی کیا صورت ہے اور کیا بچوں کو تفریق کا حق شرعاً حاصل ہے یا نہیں

سوالات مذکورہ بالا کا جواب بالتفصیل مع حوالہ کتب معتبرہ ارقام فرما کر ابر عظیم حاصل فرمائیے

ہوالموفق للصواب

(جواب بعض علماء)

جواب سوال اول : ہندہ کا نکاح جو عدت کے اندر ہوا ہے صحیح نہیں ہے۔ قال الله تعالى: وَلَا تَقْرَبُوا عِدَّةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ط

جواب سوال دوم : ہندہ نے جو عدت کے اندر نکاح کیا ہے یہ نکاح فاسد ہے۔ درالمختار میں ہے۔ و يجب مهر المثل في نكاح فاسد وهو الذي فقد شرط من شرائط الصحة كشهود۔ درالمختار حاشیہ المختار میں علامہ ابن عابدین تحت قوله (كشهود) فرماتے ہیں: ومثله تزوج الاختين معا ونكاح الاخت في عدة الاخت ونكاح المعتدة والخامسة في عدة السابعة الخ اور فتاویٰ عالمگیری باب نکاح فاسد میں ہے۔

لوتن وحتب فی عدتہ الوفات فدخل بها ثانی ففرق بينهما انتہی اور نکاح فاسد میں بعد دخول عدت واجب ہوتی ہے فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ لو كان النكاح فاسداً ففرق القاضی ان فرق قبل الدخول لا يجب العدة وكذا الفرق بعد الخلوة وان فرق بعد الدخول كان عليها الامتداد من وقت التفريق وكذا لو كانت الفرقة بغیر قضاء كذا فی الظهيرية۔ درالمختار میں ہے۔ لكل واحد منهما فسخه دخل بها اولاً فی الاصح خروجاً عن المعصية بل يجب على القاضی التفريق بينهما وتجب العدة بعد الوطئ لا للخلوة للطلاق لا للموت من وقت التفريق

اور متاركة النكاح انتہی درالمختار حاشیہ درالمختار میں ہے۔ وتقدم فی باب المهر ان الدخول فی النكاح الفاسد موجب للعدة او فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ لوتن وحتب فی عدتہ الوفات فدخل بها ثانی ففرق بينهما فعليه بقية عدتها من الاول لتام اربعة اشهر وعشراً وعليها ثلاث حيض من الاخير ويحتب بها حاضت بعد التفريق من عدة الوفات كذا فی معراج الدرماية۔ انتہی۔

عبارات مذکورہ سے ثابت اور متحقق ہوا کہ نکاح فاسد میں بعد دخول عدت واجب ہوتی ہے اور چونکہ ہندہ سال بھر تک زید کے ساتھ رہی ہے لہذا اس پر عدت واجب ہے۔

جواب سوال سوم : صورت مسئلہ میں ہندہ پر تفریق قاضی یا متارکہ زوج کے بعد عدت کی ابتداء ہوگی درالمختار میں ہے۔ وتجب العدة بعد الوطئ لا للخلوة للطلاق لا للموت من وقت التفريق او متاركة النكاح۔ انتہی۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ و

العدة في النكاح الفاسد عقيب التفريق او عنم الوطئ على ترك وطئها۔ اور یہ عدت عدت طلاق کی ہوگی یعنی حائضہ کے لئے تین حیض اور آئسہ کے لئے تین ماہ اور حاملہ کے لئے وضع حمل عدت ہوگی۔ تنویر الابصار میں ہے۔ والمنكحة نكاحاً فاسداً والموطوءة بشبهة وام الولد غير الأئمة والحامل الحيض للموت وغيره انتہی۔ درالمختار میں ہے۔ اسی عدتہ المذکورات ثلاث حیض ان کن من ذوات الحيض والا فالاشهر او وضع الحمل وهذا اذا كانت المنكحة نكاحاً فاسداً الخ۔

الحامل تفریق قاضی یا متارکہ زوج کے بعد سے عدت کی ابتداء ہوگی۔ اور جب تک عدت پوری نہ ہو دوسرے مرد سے ہندہ کا نکاح صحیح نہ ہوگا

جواب سوال چہارم : ہندہ کا اپنے باپ کے یہاں رہنے اور مجبورہ سامان والیس پانے سے متارکہ صحیح نہ ہوگا۔ متارکہ کے لئے ضروری ہے کہ واطی یعنی مرد ترک وطی کا ارادہ کر کے زبان سے بھی اس کا اظہار کرے کہ میں نے تجھ کو علیحدہ کیا یا میں نے تجھ کو چھوڑ دیا یا میں نے تیری راہ خالی کر دی یا میں نے تجھ کو طلاق دی وغیرہ۔ قال العینی فی شرح الکنز ولا یتحقق المتاركة الا بالقول بان يقول تارکتک او تارکتها او خلیت سبیلک او خلیتھا الخ۔ وفي العالمگیریة۔ والمتاركة في الفاسد بعد الدخول لا يكون الا بالفتول كخلیت سبیلک او تارکتک ومجرد انكار النكاح لا يكون متاركة الخ

وعدم مجبی احد ہمالی الاخر بعد الدخول لا يحصل متاركة . انتهى . فی رد المحتار
فی البرازية المتاركة فی الفاسد بعد الدخول لا يكون الا بالقول كخليت
سبيلك او ساكتك و مجرد انكار النكاح لا يكون متاركة اما لو انكر وقال اذبحي
وتزوجي كان متاركة والطلاق فيه متاركة لكن لا يقص به عدد الطلاق و
عدم مجبی احد ہمالی الاخر بعد الدخول ليس متاركة لانها لا يحصل
الا بالقول . انتهى .

جواب سوال پنجم : تفریق کے لئے قاضی کا ہونا ضروری ہے . فتاویٰ عالمگیری میں ہے . لو
كان النكاح فاسداً ففرق القاضی بينهما الم . در المختار میں ہے . بل يجب علی
القاضی تفریق بينهما الم . اور نچول کو حق تفریق حاصل نہیں ہے . اور ایسے مسائل جن میں قاضی
شرع کی ضرورت ہوتی ہے ہند کی اسلامی ریاستیں جیسے ریاست بھوپال ریاست رامپور ریاست
حیدرآباد کن کے قاضی سے تفریق حاصل ہو سکتی ہے . خود وہاں جا کر یا بذریعہ تحریر حکم تفریق
طلب کرنے سے . مجموعہ فتاویٰ حضرت مولانا عبدالحی میں ہے . در بلادیکہ زیر حکومت کفار اند
و قضای قاضی و رانجا مفقود است اگرچہ واقعہ ضرورت است کہ صاحب معاملہ بہ بلاد اسلام کہ
در ان قضاء قاضی موجود مثلاً بلاد حجاز و بلاد روم وغیرہ و از بلاد ہند رامپور و بھوپال وغیرہ
الفضل سازد یا بذریعہ تحریر از قضاة بلاد اسلام حکم فسخ طلب سازد . انتهى . والشا علم بالصواب
والیہ المرجع والمآب . حررہ الراجی غفور بہ اللطیف ابو الطیب محمد حنیف عفی عنہ ومن والدیہ
المدرس لمدرسة انوار العلوم الواقعة فی قصبہ متوآملہ من مضافات البرباد .

الجواب من جامع امداد الاحکام

(۱) جواب دوم صحیح نہیں کیونکہ علامہ شامی نے اولاً نكاح فاسد کی بہت سی مثالیں بیان کر کے آگے
چل کر مجتبیٰ سے قاعدہ کلیہ نقل کیا ہے . اور تصریح کر دی ہے کہ نكاح معتدہ موجب عدہ نہیں پس نكاح
معتدہ کو فاسد کہنا بمعنی باطل ہے جو اصلاً معتدہ نہیں ہوتا . قال الشامی و سیاقی فی باب العدة
انہ لا عدۃ فی نكاح باطل و ذکر فی البحر هناك عن المجتبیٰ ان کل نكاح اختلف
العلماء فی جوازہ کالنكاح بلا شہود فالدخول فیہ موجب للعدۃ و اما نكاح
منکوحة الغیر و معتدہ فالدخول فیہ لا یوجب العدة ان علم انہا للغیر لانہ

لم یقبل احد بجوازہ فلم یعتقد اصلاً قال فعلى هذا یفرق بین فاسدہ و
باطلہ فی العدة لهذا یجب الحد مع العلم بالحیة لانه زنا کما فی الغنیہ وغیرہ
اھ (ص ۲۶۵) لہذا ہند پر نكاح زید کی وجہ سے کوئی عدت نہیں .

(۲) جواب سوال سوم صحیح نہیں کیونکہ نكاح فاسد میں زواجین میں سے ہر ایک کو فسخ نكاح
کا حق حاصل ہے . اور متارکت و فسخ میں کچھ فرق نہیں البتہ اگر نكاح اصل سے صحیح ہوا اور فساد بعد
میں طاری ہوا ہو . اس صورت میں متارکت زوج کے ساتھ مخصوص ہے اور صورت موجودہ میں
فساد اصل عقد میں ہے لہذا ہندہ کا بھی فسخ و متارکت کافی ہے قال علامۃ الشامی وخص
الشارح المتاركة بالنسب . کما فعل الشلیبی لان ظاہر کلامہ انہا لا تكون
من المرأة اصلاً مع ان فسخ هذا النكاح یصح من کل منہما بحدیث الاخر اتفاقاً
والفرق بین المتاركة والفسخ بعید کذا فی البحر . و فرق فی النہر بان المتاركة
فی معنی الطلاق فیخص بہ الزوج اما الفسخ فرفع العقد فلا یخص بہ وان کان
فی معنی المتاركة و ردہ الخیر الیہ بان الطلاق لا یتحقق فی الفاسد فكیف یقال
ان المتاركة فی معنی الطلاق . فالحق عدم الفرق و لذلک اجزم بہ المفدسی فی شرح
نظم الکترانم و تمامہ فی ما علقناہ علی البحر اھ (ص ۲۶۵) و فی البحر ظاہر
کلامہ ان المتاركة لا تكون من المرأة اصلاً کما قیدہ الشلیبی بالنسب و لکن
فی القنیۃ لکل واحد منہما ان یتبدل بفسخہ قبل الدخول بالاجماع و بعد
الدخول مختلف فیہ و فی الذخیرۃ و لکل واحد من الزوجین فسخ هذا النكاح
بغیر محض من صاحبه عند بعض المشائخ و عند بعضهم ان لم یدخل بہا فذلک
فان دخل بہا فليس لواحد منہما حق الفسخ الا بدحض من صاحبه . اھ و هكذا
فی الخلاصۃ و هذا یدل علی ان للمرأة فسخہ بمحض الزوج اتفاقاً و لا شک
ان الفسخ متاركة الا ان یفرق بینہما و هو بعید و اللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم .
اھ (ص ۱۷۲) و فی الدرر و ثبت لکل واحد منہما فسخہ و لو بغیر محض
من صاحبه و دخل بہا و لا فی الاصح خروجا عن المعصیۃ اھ (ص ۲۶۵) .

جب مطلقاً نکاح فاسد میں یہ حکم ہے تو نکاح معتد میں جو کہ باطل ہے بدرجہ اولیٰ متارکت کی ضرورت نہیں لائنہ لا یعقد اصلاً۔

(۳) پھر مجیب نے قضای قاضی کی صورت اہل ہند کے لئے بیان کر کے جو یہ لکھا ہے کہ خود ماں جا کر یا بذریعہ تحریر حکم تفریق طلب کرنے سے اگر یہ تردید بھی صحیح نہیں کیونکہ جن مسائل میں قضا شرط ہے ان میں قاضی کی تحریر کافی نہیں ہوتی۔ اگر تحریر مثل کتاب القاضی الی القاضی کے ہو تو معتبر ہو سکتی ہے اور اس کے لئے پھر یہاں قاضی کے ہونے کی ضرورت ہے۔ پس مسائل قضا میں بجز یا ستوں میں جا کر دعویٰ دائر کرنے کے کوئی صورت نہیں، واللہ اعلم۔ ۲۱ صفر ۱۳۱۱ھ۔

سوال (۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین صورت مسئلہ میں کہ عدم صحت اور طوقی متارکت | آٹھ سالہ نابالغ لڑکی کا نکاح اس کے والد کے فوت ہو جانے کے بعد اس کی والدہ نے ایسی صورت میں کہ ایک شخص سے اس کا ناجائز تعلق ہو گیا تھا اسی سے اپنی لڑکی کا نکاح کر دیا لڑکی اب معمرہ ۱۵ سالہ ہے جس کا اب تک خاوند سے کوئی تعلق صرف اسی وجہ سے نہیں ہے کہ اس نے اپنی ماں کو ناجائز تعلق کرتے ہوئے یعنی مباشرت فاحشہ میں خاوند کے ساتھ بار بار دیکھا ہے از روئے شرع شریف لڑکی خاوند کے نکاح میں رہ سکتی ہے یا نہیں نیخاوند سے طلاق لینے کی ضرورت ہے یا بغیر طلاق خاوند سے جدا ہوگی؟ بیٹو اتوجس دا۔

الجواب: جب لڑکی کی ماں کا ناجائز تعلق اپنے داماد سے قبل نکاح بنت ہی ہو چکا ہو تو اس صورت میں لڑکی کا نکاح اس شخص سے صحیح نہیں ہو بشرطیکہ لڑکی نے اپنے نکاح سے پہلے ماں کا ناجائز تعلق خود دیکھا ہو یا دوسرے دیکھنے والوں نے اس سے بیان کیا ہو یہ ضرور نہیں کی مباشرت فاحشہ کرتے ہوئے ہی دیکھا ہو بلکہ اگر پاسد سوتے ہوئے یا تقبیل وغیرہ کرتے ہوئے بھی دیکھا ہو تب بھی کافی ہے جب نکاح صحیح نہ ہو تو لڑکی کو شوہر سے طلاق لینے کی ضرورت نہیں بلکہ چند آدمیوں کے سامنے اسے اتنا کہہ دینا چاہئے کہ میں اپنے نکاح کو جو فلاں شخص سے ہوا تھا فسخ کرتی ہوں اور بہتر یہ ہے کہ شوہر کے سامنے بھی یہ بات کہہ دے گو ضرورت نہیں۔ پھر اگر شوہر سے لڑکی کی بہتری نہیں ہوئی جیسا کہ سوال سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے تب تو اس پر عدت بھی واجب نہیں بلکہ بدون عدت کے مذکورہ بالا کلمات کہہ کر وہ اپنا نکاح دوسرے شخص سے جو اس کا فو ہو خاندانی مہر پر کر سکتی ہے اور اگر بہتری ہو چکی ہے تو مذکورہ بالا کلمات کہنے کے بعد تین حیض گزرنے پر وہ اپنا نکاح دوسرے سے کر سکتی ہے۔ قال فی الخلاصۃ اما بالخلوۃ الصحیحۃ والفاصد فی النکاح الفاسد

فلا یجب العدة وکمال المهر والنکاح الفاسد لا حکم له قبل الدخول حتی لو تزوج امرأة نکاحاً فاسداً بان من امها بشهوة ثم تن وجها ثم نکھا له ان یتزوج الام والمتارکة فی النکاح الفاسد بعد الدخول لا یكون الا بالقول ترکتک او خلیت سیکک الی ان قال فی المحيط لکل واحد فتح هذا العقد بغیر محض من صاحبه قبل الدخول وبعد الدخول لیس لکل واحد منهما حق الفسخ الا بحضرة صاحبه کالبیع الفاسد وعند بعض المذاہم لکل واحد حق الفسخ بعد الدخول وقبله ۱۴ ص ۲۶۴۔ اور اگر لڑکی کے نکاح سے پہلے اس کی ماں کا ناجائز تعلق داماد سے نہ ہوا ہو بلکہ بعد نکاح کے ناجائز تعلق ہوا ہو تو سوال دوبارہ کریں، واللہ اعلم۔ ۹ رجب۔

حرفہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ بام سیدی حکیم الامت دام محمدیم۔
سوال (۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی دختر کا نکاح بیخ سال کی عمر میں ایک لڑکے

کے ساتھ کر دیا بعد ازین معلوم ہوا کہ وہ لڑکا جوئے باز اور شراب الخمر ہے اور جب وہ لڑکا اپنی منکوتہ کو لینے کے واسطے اپنے خسر سے آکر متقاضی ہوا تو اس کے خسر نے کہا کہ جب تک تو جوئے کے کھیلنے اور شراب کے پینے سے باز نہ آئے گا تب تک میں اپنی دختر کو تمہارے ساتھ روانہ نہ کروں گا کیونکہ ہمارے گھنے میں نہ کوئی شرابی ہے اور نہ قمار باز اس شخص نے کہا کہ میں شراب کے پینے اور جوئے کے کھیلنے سے ہرگز تائب نہ ہوں گا تو اس کے خسر نے کہا کہ میں اپنی بیٹی کو تمہارے ساتھ نہ بھجوں گا حال کلام وہ شخص مذکور خالی پھر گیا جب اس بات کو بیخ سال کا عرصہ گزر گیا تو اس لڑکی کے والد نے بدین عرض کہ شاید وہ تنگ آکر بد عادتوں کو چھوڑ دے مے اور میری دختر کو اپنے گھر آباد کر لیوے عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا عدالت نے بذریعہ سمعہا سے سخت تلاش کی لیکن اس کا کچھ پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں گیا بعد ازاں عدالت نے اس کے مہر کی یکطرفہ ڈگری دیدی جب اس فیصلہ کو تمہیں بیخ سال گزر گئے تو اس عورت نے نان و نفقہ سے تنگ آکر ایک شخص کے ساتھ ناجائز علاقہ پیدا کر لیا اور صاحب اولاد ہو گئی، جب اسکے گاؤں والوں نے اس کو تنگ کیا اللہ تعالیٰ نے اس کا بند کر دیا تو اس نے ناچار آپ کی جناب عالی میں عرضہ بصورت استتقا پیش کیا کہ میرا نکاح بوجہ مفقودیت زوج جان صورتوں کے جو ذکر کئے گئے دیگر سے ہو سکتا ہے اگر ہو سکتا ہے تو برائے مہربانی تحریر فرما کر مکتوب فرمادیں؟

الجواب: قال فی العالمکبریۃ رجل زوج ابنته الصغیرۃ من رجل

على ظن انه صالح لا يشرب الخمر فوجده الاب شامياً مد منا وكبرت الابنة
فقالت لا ارضى بالنكاح ان لم يعرف الوها يشرب الخمر وغلبة اهل بيته
الصالحون فالنكاح باطل اى يبطل وهذه المسئلة بالاتفاق كذا في الذخيرة
ص ۱۶ ۲۶ - وفي رد المحتار قال في البرازية زوج بنته من رجل ظنه مصلحا
لا يشرب مسكراً فاذا هو مد من فقالت بعد الكبر لا ارضى بالنكاح ان لم يكن
الوها يشرب المسكر ولا عرف به وغلبة اهل بيتها الصالحون فالنكاح باطل
بالاتفاق ص ۵۳۶ ۲۶ - وفيه ايضا فرجع الى ان المعتبر صلاح الاباء
فقط وانه لا عبرة لفسقها بعد كونها من بنات الصالحين اه -

صورت مسئو لہ میں اگر لڑکے نے بعد جوان ہونے کے اس نکاح سے اپنی ناراضی ظاہر کی تھی
تو یہ نکاح باطل ہو گیا اور یہ لڑکی دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے اور اگر جوان ہونے کے بعد اس
نے نکاح سے ناراضی ظاہر نہیں کی یا رضامندی ظاہر کی تھی تو سوال دوبارہ کیا جائے واللہ اعلم -
حرمہ الاحقر ظفر احمد بامر سیدی حکیم الامت ۲۸ رجب المرجب ۱۲۸۵ھ -

سوال (۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس
مسئلہ میں کہ متوفی زید کی بی بی کو عدۃ وفات کے اندر یعنی چالیس
دن پہلے عمر نے نکاح کر کے اس سے وطی کرتا رہا اور نکاح کے
بعد دونوں کے تفریق نہ ہوئی اور نہ اس عورت نے مابقی عدۃ وفات کو بھی پورا کی اس حالت
میں پہلے ہوئے زید کی وفات کی مدت چھ مہینے گزر جانے سے پھر عمر نے اس عورت کو بعض مولوی
صاحب کے حکم سے ثانیاً نکاح کر لیا ہے فتاوی عالمگیری میں باب العدة میں مرقوم ہے و
لو تزوجت فی عدۃ الوفاة فدخل بها الثاني فصرق بينهما فعلیها بقية عدتها
من الاول تمام اربعة اشهر وعشر وعلیها ثلث حیض من الاخر ویحسب
بما حاضت بعد التفریق من عدۃ الوفاة کذا فی معراج الدراریة وهکذا
فی المبسوط والیصافیة المطلقة اذا حاضت حیضه ثمة وجبت بین زوج اخر
ووطئها الثاني وصرق بينهما وحاضت حیضتین بعد التفریق کان لهذا التفریق
الثانی ان یتزوجها لانقضاء عدۃ الاول الخ ان عبارتوں میں معلوم ہوتا ہے کہ
مابقی عدۃ وفات پورا کرنا اس عورت پر واجب ہے بغیر پورا کرنے عدت وفات کے عمر کا نکاح

اس سے ثانیاً بھی درست نہیں اگرچہ مدت وفات زید کی چھ مہینے سے گزر گئی ہو لیکن بعض مولوی صاحب
کا قول ہے کہ جب عمر نے اس عورت کو زید کے مرنے سے چھ مہینے کے بعد پھر ثانیاً نکاح کر لیا ہے تو وہ نکاح
درست ہوا ہے اور مابقی عدت وفات بغیر تفریق کے بھی اسی حالت میں پوری ہو گئی ہے چونکہ مسئلہ مذکور
کے بارہ میں چون تنازع ہوا ہے اور جناب حامی دین متین و وارث سید المسلمین میں لہذا دفع تنازع
اور حقیقت مسئلہ دریافت کے لئے جناب عالی میں عرض پرداز ہوں کہ متوفی زید کی بی بی کو اس وقت
عمر سے جدا کر کے مابقی عدۃ وفات پوری کرنا اس پر واجب ہے یا نہیں جناب از روئے مہربانی و شرع
پروری کے با اولہ شرعیہ بیان فرمائیں اور نکاح ثانی جائز اور عدت وفات پورا نہ ہونے کی تقدیر پر
عمر اگر اس عورت کو پھر نکاح کرے تو عالمگیری و مبسوط کے قول و لو تزوجت فی عدۃ الوفاة الخ
کے رو سے تین حیض پورا گزر جانے یا صرف مابقی عدۃ وفات چالیس دن گزر جانے کے بعد نکاح
کرے از روئے شرع ارشاد فرمائیں ہا بیٹو اتوجسوا -

الجواب ! اگر معتدۃ الوفاة عدۃ کے اندر نکاح کرے تو عدت وفات کا تمام ہونا تفریق پر
موقوف نہیں بلکہ چار ماہ دس دن گزر جائیں گے (دھی غیر حامل) تو عدت پوری ہو جائے گی
اب اگر یہ مدت تفریق سے پہلے ہی گزر گئی تو زوج ثانی کو اس سے ثانیاً نکاح کر لینا معادرت ہے
اور اگر چار ماہ دس دن گزرنے سے پہلے ان دونوں میں تفریق ہو گئی تو عورت کو مابقی عدت کا پورا کرنا
ضروری ہے مابقی عدت پورا ہو جانے کے بعد زوج ثانی کو تو معاً اس سے نکاح درست ہے اور
دوسروں کو بعد تفریق کے تین حیض گزر جانے کا بھی انتظار کرنا لازم ہوگا عالمگیری کی عبارت
مرقومۃ الصدر کا مطلب یہ ہے کہ عورت نے عدت وفات میں نکاح کر لیا اور عدت ہی میں زوج
ثانی نے دخول کیا اور عدۃ ہی کے اندر دونوں میں تفریق کر دی گئی تو اس عورت پر زوج اول کی مابقی
عدۃ کا پورا کرنا ضروری ہے اور چونکہ زوج ثانی کے دخول سے بھی اس کے ذمہ عدۃ وطی بالشہ لازم ہو گئی
ہے تو اگر وہ زوج ثانی کے علاوہ کسی اور سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو اس پر تین حیض کا بھی تفریق کے
بعد سے انتظار کرنا ضروری ہے اور تین حیض کے گزرنے کے ساتھ ساتھ عدۃ وفات بھی گزرتی ہے
گی اھ - اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر عدۃ وفات بحالت نکاح فاسد پوری ہو چکی ہو تب بھی دونوں میں تفریق
کی اور تفریق کے بعد عدۃ وفات پورا کرنے کی ضرورت ہے کلا وحاشا - قال فی الدرر
مبدأ العدة بعد الطلاق وبعد الموت علی الفور وتنقضی العدة وان جهلت
المراة بهما ای بالطلاق والموت لانها اجل فلا یشترط العلم بمضیه اھ ص ۱۱

وفي البدائع والدليل على انها اسم للاجل لا للفعل انها تنقضي من غير فعل
 التريين بان لم تجتنب عن محظورات العدة حتى انقضت المدة ولو كانت
 فعلا لما تصور انقضاءها مع ضدها وهو الترتك سلمنا انه كف لكنه ليس
 بركن في الباب بل هو تابع بدليل انه تنقضي العدة بدونها (اي بدون
 الكف عن المحظورات) اذ ان قال ولما كان الركن هو الاجل عندنا وهو
 معنى الزمان لا يقف وجوبه على العلم به كمنى سائر الاوصاف ثم قد بينا
 انه لا يقف على فعلها اصلا وهو الكف فانها لو علمت (بالموت) فلم تكف
 لم تجتنب ما تجتنبه المعتدة حتى انقضت المدة انقضت عدتها ام
 ص ۱۹۰ و ۱۹۱ ج ۳ - اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ انقضاء عدت عورت کے تریوں
 اور کف عن المحظورات پر موقوف نہیں بلکہ انقضاء عدت کے لئے صرف عدت کا پورا ہونا
 کافی ہے پس صورت مسؤلہ میں جب معتدہ ۶ ماہ تک زوج ثانی کے پاس رہی تو اگر وہ غیر حامل ہو
 اس کی عدت پوری ہوگئی اور عمر کا نکاح جو پیلے شوہر کی موت کے ۶ ماہ بعد کیا ہے اس کے ساتھ عدت
 ہو گیا اور عدت وفات گذر جانے کے بعد تین حیض کے گذرنے کا انتظار عمر پر لازم نہیں ہاں
 اگر یہ عورت عمر سے تفریق حاصل کر کے کسی دوسرے سے نکاح کرنا چاہتی تو دوسری کو عدت وفات
 گذرنے کے ساتھ بعد از تفریق تین حیض گذرنے کا بھی انتظار لازم ہوتا قال فی رد المحتار
 عن البصر واذا تمت عدة الاول حل للثاني ان يتزوجها لا لغيره ما تقدم
 عدة الثاني بثلاث حيض من حيض التفریق اه ص ۱۰۳ ج ۱ -

(قتلیہ) عدت وفات کا تمام ہونا تو اس پر موقوف نہیں کہ جو نکاح فاسد عدت میں کیا
 گیا ہے اس سے تفریق ہو تب ہی عدت گزیرے عدت وفات بجا لے بقار نکاح فاسد بھی تمام
 ہو جائے گی البتہ تداخل عدتین تفریق پر موقوف ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ معتدہ وفات پر عدت
 میں نکاح و دخول بالثانی کرنے سے دوسری عدت و طی بالشبہ کی وجہ سے لازم ہو جاتی ہے جبکہ وہ
 زوج ثانی کے علاوہ کسی اور سے نکاح کرنا چاہے اور اگر وہ زوج ثانی ہی سے نکاح کرنا چاہے اس
 کا حکم اوپر گذر چکا ہے۔ اب اس کی دو صورتیں ہیں (۱) یہ کہ ان دونوں میں عدت کے اندر ہی
 تفریق ہو جائے اس صورت میں تین حیض تفریق کے بعد گذرنے کے ساتھ عدت وفات بھی پوری
 ہوتی ہے گی۔ (۲) یہ کہ ان دونوں میں عدت وفات کے اندر تفریق نہیں ہوتی بلکہ چار ماہ میں

کے بعد تفریق ہوتی اور ان چار ماہ میں اس کو تین حیض بھی آچکے اس صورت میں صرف عدت وفات
 تمام ہوتی عدت و طی بالشبہ باقی ہے اگر یہ عورت کسی تیسرے سے نکاح کرنا چاہے تو اس کو تین حیض
 تفریق کے بعد اور گزارنا واجب ہے قال فی رد المحتار ولو كانت وطئت بعد حیض من
 (العدة) الاولى فعليها حیضتان تكملة للاولى وتحتب بهما من عدة الثانية
 فاذا احاضت واحدة بعد ذلك تمت الثانية ايضا وهذا اذا كان بعد
 التفریق بينهما وبين الواطئ الثاني اما اذا احاضت حیضه قبله (اي قبل التفریق)
 فهي من عدة الاولى خاصة اه ص ۱۰۲ ج ۲ -

اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ زوج اول کی عدت تو بدون تفریق کے تفریق سے پہلے ہی
 تمام ہو سکتی ہے البتہ تداخل عدت اول و ثانی بدون تفریق کے نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم۔
 حرره الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ بامر سيده حكيم الامة . ۱۷ شوال ۱۳۸۵ھ

سوال (۱۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ
 اور مزید چند صورتوں کا حکم میں کہ نکاح فاسد اور باطل کسے کہتے ہیں۔ باعتبار تعریف و احکام وغیرہ
 ان دونوں میں کچھ فرق ہے یا نہیں۔ فتح القدر میں ہے کہ ان دونوں میں کچھ فرق نہیں بعض دوسرے
 فقہاء نے فرق لکھا ہے۔ ایسی صورت میں ترجیح کس قول کو ہوگی؟

ایک عورت کے نکاح ہوتے ہوئے اس کی بہن سے بھی نکاح کر لینا فاسد ہے یا باطل۔ فتاویٰ
 عالمگیری القسم الرابع للمحرمات بالجمع میں ہے وان تنا وجہما فی عقدین فنکاح
 الاخر فاسد ويجب عليه ان يفارقها ولو علم القاضي بذلك يفرق بينهما
 فان فارقها قبل الدخول لا يثبت شيء من الاحكام وان فارقها بعد الدخول
 فلها المهر ويجب الاقل من المسمى ومن مهر المثل وعليها العدة ويثبت
 النسب ويعتزل عن امراته حتى تنقضي عدة اختها كذا في محيط السرخسي
 اس میں ثانی کو فاسد کہا ہے رد المحتار اور دیگر کتب میں باطل لکھا ہے ان دونوں میں قول صحیح
 و مفتی یہ کیا ہے؟

اس دوسری عورت سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ عبارت عالمگیری کی بنا پر ثابت النسب
 ہو کر نکاح کی وارث ہوگی یا نہیں؟ جن فقہاء نے نکاح ثانی کو باطل کہا ہے ان کے نزدیک
 ثبوت نسب اور ارث کا کیا حکم ہے دونوں کے نزدیک عورت نکاح سے وارث ہوگی یا محروم؟

اس کے اور نیز اولاد کے وارث ہونے کے متعلق بھی متفق اور مفتی بہ قول ارقام فرماتے ہیں ان تمام سوالات کے متعلق ذرا مفصل اور مدلل جواب تحریر فرمایا جائے جس سے طالب علم تردد اور غلبان سے محفوظ رہے والسلام۔

الجواب؛ قال في الدرر ويجب مهر المثل في نكاح فاسد وهو الذي فقد شرط من شروط الصحة كشهود ام وفيه ايضا وثبت النسب احتياطاً بلا دعوة ام قال الشامي ومثله تزوج الاختين معاً ونكاح الاخت في عدة الاخت ونكاح المعتدة والخامسة في عدة الرابعة والامة على الحرّة وفي المحيط تزوج مسلمة فرّق بينهما لانه وقع فاسداً ام فظاهره انهما لا يجدان وان النسب يثبت فيه والعدة ان دخل بحس، قلت لكن سيدكم الشارح في آخر فصل في ثبوت النسب عن مجمع الفتاوى: نكح كافر مسلمة فولدت منه لا يثبت النسب منه ولا تجب العدة لانه نكاح باطل ام وهذا اصح فيقدم على المفهوم فانهم ومقتضاه القرين بين الفاسد والباطل في النكاح لكن في الفتح قبيل التكلم على نكاح المتعة انه لا فرق بينهما في النكاح بخلاف البيع نعم في البرازية حكاية قولين في ان نكاح المحارم باطل او فاسد والظاهر ان المراد بالباطل ما وجوده كعدمه ولذا لا يثبت النسب ولا العدة في نكاح المحارم ايضاً كما يعلم مما سيأتي في الحد ود الى ان قال وسيأتي في باب العدة انه لا عدة في نكاح باطل و ذكر في البحر هناك عن المجتبي ان كل نكاح اختلف العلماء في جواز كالكفا بلا شهود فالدخل فيه موجب للعدة اما نكاح منكوحه الغير ومعتد به فالدخل فيه لا يوجب العدة ان علم انها للغير لانه لا يقبل احد بمجوزة فلم ينعقد اصلاً قال فعلى هذا يفرق بين فاسده وباطله في العدة ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لانه زنا كما في القنية وغيرها ام والحاصل انه لا فرق بينهما في غير العدة اما فيها فالفرق ثابت وعلى هذا فيقيد قول البحر هنا ونكاح المعتدة بما اذا لم يعلم بانها معتدة لكن يرد على ما في المجتبي مثل نكاح الاختين معاً فان الظاهر انه لا يقبل

احد بجوازته ولكن لينظر وجه التقييد بالمعينة والظاهر ان المعينة في العقد لا في ملك المتعة اذ لو تأخر احدها عن الآخر فالمتاخر باطل قطعاً ام (ص ۲۷۵ ج ۲) وفيه ايضا عن الخانية لو تن وج محرمه لا احد عليه عند الامام وعليه مهر مثلها بالغاما بلغ ام وصرح في البحر ان المواضع التي يجب فيها المهر بسبب الوطأ بشبهة فليس المراد بالمهر فيها مهر المثل المذكور هنا لما في الخلاصة ان المراد بالمهر العقر وتفسير العقر انه بكم تستاجر للنساء لو كان حلالاً يجب ذلك القدر ام ملخصاً وقال ابن عابد بن في حاشيته ان في التارخانية في وجوب المهر بلا نكاح ذكر ما هنا معنياً الى المحيط ثم اعقبه بقوله وفي الحجة روى عن ابي حنيفة قال تفسير العقر هو ما يتزوج به مثلها وعليه الفتوى ام فظهر ان في المسئلة خلافاً وان المفتي به خلاف ما هنا ام (ص ۱۴۳ ج ۳) وفي الدرر في باب الحد ود لا احد ايضاً بشبهة العقد اي عقد النكاح عنده اي الامام كوطأ محرم نكحها وقال ان علم الحرمة حد وعليه الفتوى خلاصة، لكن المرجح في جميع الشروح قول الامام فكان الفتوى عليه اولى قاله القاسم في تصحيحه لكن في القهستاني عن المضمرات على قولهما الفتوى وحرر في الفتح انها من شبهة المحل وفيها يثبت النسب ام قال الشامي وكذلك نقل في الفتح عن الخلاصة ان الفتوى على قولهما ثم وجهه بان الشبهة تقتضي تحقق الحل من وجه وهو غير ثابت والاوجب العدة والنسب ثم دفع ذلك بان من المشائخ من التزم وجوبهما ولو سلم عدم وجوبهما لعدم تحقق الحل من وجه فالشبهة لا تقتضي تحقق الحل من وجه لان الشبهة ما يشبه الثابت وليس بثابت ام ملخصاً وحاصله ان عدم تحقق الحل من وجه في المحارم لكونه زناً محضاً يلزم منه عدم ثبوت النسب والعدة ولا يلزم منه عدم الشبهة الدارعة للحد ولا يخفى ان في هذا ترجيحاً لقول الامام قوله وحرر في الفتح ثم صوابه في النهر قال وهذا انما يتم بناء على انها شبهة اشتباه قال في الدرر اية وهو

قول بعض المشائخ والصحيح انها شبهة عقد لانه روى عن محمد انه قال سقوط الحد بشبهة حكمية فيثبت النسب وهكذا ذكر في المنية اه وهذا صريح بان الشبهة في المحل وفيها يثبت النسب على ما سماه كلام النهر قلت وفي هذا زيادة تحقيق لقول الامام لمانيه من تحقيق الشبهة حتى ثبت النسب ويؤيد ما ذكره الخير الرضوي في باب المهر عن العيني ومجمع الفتاوى انه يثبت النسب عند لا عندهما اه (۲۷۲۳۷) وفيه ايضا تحت قول الدرر كوطا محرم نكحها اي عقد عليها اطلق في المحرم فمثل المحرم نكاحا رضاعا وصهرية واشار الى انه لو عقد على منكوحة الغير ومعتدته او مطلقته الثلاث او امة على حرمة او تزوج مجوسية او امة بلا اذن سيدها او تزوج العبد بلا اذن سيده او تزوج خمسا في عقدة فوطئهن او جمع بين اختين في عقدة فوطئهما او الاخيرة لو كتمتا بعد التزوج فانه لاحد وهو بالاتفاق على الاظهر اما عند فظاها واما عند فلان الشبهة انما تلتقي عندهما اذا كان مجعنا على حرمة وهي محرمة على التابيد بحى قلت وهذا هو الذي حرره في نسيم القديم وقال ان الذين يعتمدون على نقلهم كابن المنذر ذكر انه انما يحد عندهما في ذات المحرم لاني غير ذلك كمجوسية ومعتدة وكذا عبارة الحاكم في الكافي تفيد كما ذكرها فليراجع (ص ۲۳۶) وفي الدرر في كتاب الفرائض (ص ۲۷۵) ويستحق الارث باحد ثلاثة برحم ونكاح صحيح فلا توارث بفاسد ولا باطل اجماعا اه

ان عبارات سے امور ذیل استفاد ہوتے :

(۱) نکاح میں بھی باطل و فاسد ہے اور فتح القدر میں جو یہ کہا ہے کہ نکاح میں باطل و فاسد کی تقسیم جاری نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ نکاح باطل نکاح ہی نہیں ہے پس اس کو نکاح سے موصوف کر کے باطل کہنا فضول ہے صرح بہ الشامی فی حاشیة البحر بقوله والذی ظہری ان المماذ بالباطل فی کلام البرازیة فی قوله نکاح المحارم فاسد ام باطل ثم الذی وجودہ کعدمہ لان النکاح ینقسم الی باطل و فاسد اه (ص ۱۷۱ ج ۳)

(۲) نکاح باطل و فاسد میں صرف باب عدہ میں فرق ہے کہ باطل موجب عدہ نہیں ہے

اور فاسد موجب عدہ ہے بقیہ احکام میں منسرق نہیں۔

(۳) اور بعض عبارات میں جو نکاح باطل کی بعض صورتوں میں ثبوت نسب کی نفی کی گئی ہے جس سے باطل و فاسد میں ثبوت نسب میں بھی افتراق معلوم ہوتا ہے وہ صاحبین کے قول پر مبنی ہے۔ جو بعض کے نزدیک مضمی بہ ہے ورنہ امام صاحب تو نکاح محارم میں بھی ثبوت نسب کے قائل ہیں اور اس کو شبہہ العقد میں داخل کرتے ہیں اور شامی نے باب الحدود میں اسی کی تصریح نقل کی ہے۔

(۴) نکاح باطل و فاسد دونوں میں عورت اور مرد میں توارث نہیں ہوتا۔

(۵) رہا مہر تو فاسد میں مہر مثل لازم آتا ہے جو سسلی سے زیادہ نہ ہوگا اور باطل میں بھی مہر مثل لازم ہے جتنا بھی ہو خواہ سسلی کے برابر یا زائد کما من عن الخانیة فی نکاح المحرم۔

(۶) دو بہنوں سے آگے پیچھے نکاح کیا جائے تو دوسرا باطل ہے دوسری عورت مرد کی وارث نہ ہوگی مگر دوسری عورت دخول و وطی سے مہر خاندانی کی مستحق ہے اور امام صاحب کے نزدیک دوسری کی اولاد ثابت النسب بھی ہے اور صاحبین کے نزدیک بظاہر ثابت النسب ہونا چاہئے مگر عبارت باب الحدود سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ امام سے صاحبین کا اختلاف صرف نکاح محارم میں ہے یعنی محارم ابدیہ میں بقیہ محرمات کے نکاح میں اختلاف نہیں اور ان میں وہ بھی نکاح کو موجب شبہہ مانتے ہیں تو اس بنا پر نکاح اختین میں صاحبین کے نزدیک بھی اولاد کا نسب ثابت ہونا چاہئے پس صورت مسئلہ میں دوسری عورت مسماة افضل خود تو نیا زالہ کی وارث نہیں نہ اس کے ذمہ

عدت واجب ہوتی البتہ اس کی اولاد مثل اولاد زوجہ اولی کے نیا زالہ کی وارث ہے اور مسماة افضل مہر مثل کی مستحق ہے۔ تقسیم ترکہ و اخراج بطون خود فرمالیں، واللہ اعلم۔ ۳ ربیع الاول ۱۳۲۸ھ

نکاح معتدہ | سوال (۱) میری بیٹی کو خاندان نے طلاق دیدی اور عدت کے اندر صرف آٹھ ہی دن کے بعد میں نے اس کا نکاح دوسری جگہ کر دیا سنا ہے کہ یہ نکاح نہیں ہوا اس کو کئی سال سے گزر گئے اولاد بھی ہو چکی اب کیا کیا جائے یہ اولاد حلالی ہے یا حرامی اب دونوں کا نکاح کر دیا جائے تو آئندہ کے لئے گناہ سے حفاظت ہو جائے گی یا نہیں ہے

الجواب ؛ بیشک یہ نکاح ثانی عدت کے اندر ہوا ہے اس لئے درست نہیں ہوا اور ان دونوں کا اب دوبارہ نکاح کر دینا ضرور چاہئے اور اس زمانہ میں جو وطی ہوئی ہے وہ وطی بالشبہ کے حکم میں ہے اگر زوجین اپنے نکاح کو نکاح بھی سمجھتے تھے اور وطی بالشبہ سے اولاد حرامی نہیں ہوتی اور اگر زوجین اول ہی سے اپنے نکاح کو حرام سمجھے ہوئے تھے تو سوال دوبارہ کیا جائے اور صورت

مذکورہ میں زوج اول کی عدت تو تمام ہو چکی ہے پس اگر اس وقت نکاح صحیح زوج ثانی کے ساتھ ہی کیا جائے تو اس اور عدت کی ضرورت نہیں اور اگر زوج ثانی کے علاوہ کسی اور سے کیا جائے تو ایک اور عدت لازم ہوگی والسلام۔ ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ۔

سوال (۱۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس صورت میں کہ زید نے ایک عدت نکاح کا حکم غیر مسلمہ منکوحہ کو اغوار کر کے مسلمہ کر لیا اور بغیر انتظار کے اس کے ساتھ طہی کرتا رہا اور وہ عورت زید سے حاملہ بھی ہو گئی اور بعد دو ماہ کے زید نے اس عورت سے نکاح کر لیا تو آیا یہ نکاح جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب! فی العالمگیریۃ (ص ۲۳۵) واذا اسلم احد النزوجین فی دار الحرب ولم یكونا من اهل الکتاب او کانا والمرأة ہی النبی اسلمت فانه یتوقف انقطاع النکاح بینہما علی مضي ثلاث حیض سواء دخل بها ولد یدخل بها کذا فی الکافی فان اسلم الاخر قبل ذلك فالنکاح باق ولو کان مستامنین فالبینونة اما بعرض الاسلام او بانقضاء ثلث حیض کذا فی العنایۃ ام اس عورت سے جواز نکاح تین حیض گذرنے پر موقوف ہے پس اگر وقت نکاح زید تک اس عورت کو تین حیض آچکے تھے تو یہ نکاح درست ہو گیا اور اگر تین حیض نہیں آئے تھے تو یہ نکاح درست نہیں ہوا بعد وضع حمل کے تجدید نکاح کی جائے اور اس وقت تک اس عورت سے قربت وغیرہ اور تقبیل و لمس سب حرام ہے، واللہ اعلم۔ ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ۔

سوال (۳) حکم نکاح میں الرضعیین کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید و بکر دونوں آپس میں رضاعی بھائی بہن اس طرح پر کہ ایام رضاعت میں زید نے بیکر کی ماں کا دودھ پیا اور بکر نے زید کی ماں کا۔ زید و بکر کی ماںیں خالده و زبیدہ دونوں ہی بہنیں ہیں۔ زید کا عقد (ہندہ) کے ساتھ ۱۳۱۵ھ میں ہوا جو بکر کی علاقہ حقیقی (یعنی نسبی) ۱۳۱۶ھ میں ہے اور اسی طرح (ہندہ) زید کی رضاعی بھوپتی ہے۔ زید و بکر کی رضاعت کا علم بوقت نکاح و قبل نکاح خاندان کے ہر چھوٹے بڑے کو تھا اور خود ہندہ و زید اور اس کے والدین بھی بخوبی جانتے تھے لیکن زید و بکر کے رضاع سے اس کا خیال کسی کو قبل نکاح یا بوقت نکاح نہ ہوا کہ اس رضاعت کی حرمت کا اثر (ہندہ) تک جاتا ہے اور ہندہ زید کے لئے محل نکاح نہیں ہے اور بعد نکاح بھی عرصہ تک کسی کا خیال یا وجود علم رضاعت منتقل نہ ہوا کہ زید و ہندہ بوجہ رضاعت بھوپتی اور بھتیجی ہیں۔

مسئلہ کی تحقیق و آگاہی :- جبکہ نکاح کو بارہ تیرہ سال گذر چکے اور چند والد بھی بھوپتی اور دو بیٹے زندہ موجود بھی ہیں (بکر) کا چھوٹا بھائی (عمر) جو بزمانہ عقد پانچ بھوپتی ہندہ کے سرس کم سن تھا جب سن تمیز کو پہنچا اور تحصیل علوم دینیہ میں مشغول ہوا تو فقہ کی کتابوں میں اس نے رضاعت بیان پڑھا اس وقت اسے یہ خیال ہوا کہ میری بھوپتی ہندہ کا جو عقد زید سے ہوا وہ بوجہ رضاعت غلط ہوا چونکہ رضاعت کا علم خاندان کے ہر چھوٹے بڑے کو تھا اور سب جانتے تھے کہ زید و بکر رضاعی بھائی ہیں اس کی تحقیق وصحت کو معلوم کرنا تھا عمر نے اپنی بھوپتی ہندہ کو خاموشی سے حرمت و فساد نکاح سے آگاہ کیا اور چونکہ ہندہ بھی ایک خاندان کی لڑکی ہے اور رضاعت مذکورہ کا اس کو علم ہمیشہ سے بخوبی تھا اور اسی طرح زید بھی بخوبی واقف تھا، بوجہ آگاہی مسئلہ دونوں نے خاموشی کے ساتھ علیحدگی اختیار کی اور اس وقت سے جس کو عرصہ تھینا ۶ سال کا ہوتا ہے بوجہ خوف حرمت رضاعت ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں اور اس خاموش علیحدگی کو خاندان کے بہت سے لوگ جانتے ہیں مثلاً بکر، عمر، زید کا باپ ہندہ کی ماں بہن، بہنوئی وغیرہ۔ ہاں عام طور پر اعلان نہیں ہیں اب بعض لوگ زید سے یہ کہتے ہیں کہ چونکہ حرمت رضاعت کا علم بہت عرصہ کے بعد ہوا ہے لہذا یہ معتبر نہیں ہے تم جس طرح آپس میں زن و شوہر کی طرح رہتے تھے رہو لیکن زید اس کو منظور نہیں کرتا زید کہتا ہے کہ عمر کا بیان شہادت نہیں ہے وہ تو ایک غلطی کی اطلاع ہے اگر خود میری نظر سے مسئلہ گذرتا تو بھی میں ہی کرتا اس لئے کہ رضاعت یا تو مجھ کو قبل نکاح علم تھا اور میں نے بچپن میں بار بار اپنی رضاعی ماں اور اپنی ماں سے اس وقت کے حالات سنے ہیں اور خاندان کے چھوٹے بڑے رضاعت سے آگاہ تھے اور میں جو کچھ لاطمی اور جہالت سے ہوا وہ خدا معاف کرے اب علم و یقین ہوتے ہوئے کسی صرح کروں۔ پس واقعات حالات مذکورہ کے بنا پر اب زید و ہندہ کو کیا کرنا چاہئے باہم زن و شوہر کے تعلقات سبھرا قائم کر لینا چاہئے یا ترک رکھنا چاہئے۔ نان و نفقہ بحالت علیحدگی زید پر واجب ہے گا یا نہیں۔ نکاح جو ہوا اعتبار کیا جائے گا اور اولاد کا نسب صحیح ہے یا نہیں مہر ذمہ زید کے کل واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئلہ میں زید کو لازم ہے کہ ہندہ کو اپنے لئے حرام سمجھے اور چونکہ ۶ سال سے دونوں میں علیحدگی ہو چکی ہے تو ظاہر ہے کہ عدت تین حیض بھی گذر چکی ہوگی پس اگر زید نے علیحدگی کے وقت ہندہ سے یہ لفظ بھی زبان سے کہہ دیا ہو کہ تو میرے لئے حلال نہیں اس لئے اب میں تیرے ساتھ میاں بی بی کے تعلقات نہیں رکھتا بلکہ تم سے الگ رہوں گا تو

اب ہندہ کو اپنا نکاح جس سے چاہے کر سکتی ہے اور اگر بالفرض تین حیض نہ آئے ہوں تو تین حیض کے بعد جس سے چاہے نکاح کرے اور اگر زیر صرف عملی علیحدگی اختیار کی ہے اور زبان سے علیحدگی اختیار نہیں کی تو ابھی ہندہ دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی بلکہ جب زیادہ اس سے زبانی علیحدگی ظاہر کرے اور اس کے بعد تین حیض گزر جائیں تب وہ اس کے نکاح فاسد سے علیحدہ ہوگی اور یہ علیحدگی دونوں پر واجب ہے زید کو چاہئے کہ اس کو طلاق دیدے یا زبان سے انا کہدے کہ میں تجھے الگ ہوتا ہوں اگر زید یہ لفظ کہے تو ہندہ کو چاہئے کہ وہ شوہر کے سامنے یہ لفظ کہدے کہ میں تجھے الگ ہوتی ہوں ہر درت میں یہ تعلق فاسد منقطع ہو جائے گا اور اس صورت مذکورہ میں اولاد سب حلالی ہے اور ثابت النسب ہے اور ہندہ کے لئے زید پر مہر مثل بھی لازم ہے اگر مہر مقررہ مہر مثل سے زیادہ ہو اور اگر مہر مثل مہر مقررہ سے کم ہو تب بھی مہر مثل ہی دیا جائیگا قال فی الثامیۃ تحت قول الدس وعدۃ المنکوحۃ نکاحاً فاسداً ہی المنکوحۃ بغیر شہود و نکاح امرأۃ الغیر بلا علم بانہا متزوجۃ و نکاح المحارم مع العلم بعدم الحل فاسد عندنا خلافاً لہما الی ان قال و تقدم فی باب المهر ان الدخول فی النکاح الفاسد موجب للعدۃ و ثبوت النسب و مثلہ فی البہر ہناک بالتزوج بلا شہود و تنوج الاختین معاً و الاخت فی عدۃ الاخت و نکاح المعتدۃ و الخامسۃ فی عدۃ السابعۃ و الامۃ علی الحرۃ ام (۲۷۹۹) قلت و فی صورتہ المسئولۃ تنوج بالمحرمة مع عدم العلم بالحرمۃ نہو فاسد بالاتفاق لا باطل و فی الدس و مبدلہا فی النکاح الفاسد بعد التفریق من القاضی او المتارکۃ ای اظہار العزم من النزوج علی ترک و طہا بان یقول بلسانہ تماکتک و نحوہ (کخلیت سبیلک او فارقتک) و منہ الطلاق او انکار النکاح لو بحضورہا والا لا۔ لا مجرد العزم لو مدخولۃ و الا فیکفی تفریق الابدان ام قال الشامی قولہ من التزوج قید بہ لان ظاہر کلامہم انہا لا تكون من الملاء قال فی البہر و رجحانی باب المہر انہا لا تكون من الملاء ایضاً و لذلک ذکر مسکین صورہا ان تقول فارقتک ام و رجحہ باتفاقہم علی ان لكل منہما فنم ہذا النکاح و الفسوخ متارکۃ ام (ص ۱۰۰۷) فی الدس المختار (و یجب مہر المثل فی نکاح فاسد بالوطء) فی القبل (لا بغیرہ و لہدیند) مہر المثل (علی المسنی) لرضاها بالخط ولو کان دون المسنی لنیم مہر المثل (۲۷۵۷) (۲۷۵۷)۔

نوسدہ منکوحہ کافرہ قبل از انقضاء عدت نکاح جائز نہیں ہے | سوال (۱۴) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس عورت میں ہندستان میں موجودہ عدت نکاح کی حالت میں اگر کوئی غیر مسلمہ مشرف باسلام ہو۔ اور حالت کفر میں منکوحہ بھی ہو۔ زوج اول اسلام سے انکاری بھی ہو۔ اس عورت میں نو مسلمہ کا نکاح وقت اسلام سے کتنے دن بعد جائز ہے۔ اگر فقہ حنفیہ کے اس اصل کو مدنظر رکھا جائے۔ کہ عورت مہاجرہ نہ ہو تو بعد گزرنے تین ماہ کے ابانت ہوتی ہے۔ زمانہ موجودہ میں اتنی مدت کا انتظار موجب ارتداد ظاہر ہوتا ہے ضرورت وقت و اصل فقہ کے توافق کی صورت رقم فرما کر شکریہ کا استحقاق بخشیں |

الجواب؛ جب تک اس نو مسلمہ کو اسلام لانے کے بعد تین حیض نہ آجائیں اس وقت تک اس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے جائز نہیں۔ اور جس عورت کے لئے اتنی مدت کا انتظار واجب ارتداد ہو اس کا اسلام ہی قابل اعتبار نہیں۔ کیونکہ اسلام یہ ہے کہ مسلمان ہونے والا حکم شرعی کا پابند ہو نہ یہ کہ وہ قانون شرعی کو اپنا پابند بنا چاہے پس ایسے شخص کے مرتد ہونے سے کچھ رنج نہیں۔ بس ہم سمجھ لیں گے کہ اس نے پہلے ہی سے اسلام کو اسلام سمجھ کر قبول نہیں کیا تھا۔ بلکہ محض شہوت رانی کے لئے اس نے اسلام کا نام کیا ہے، واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ، ۲۰ محرم ۱۳۷۴ھ

نعمد الجواب الذی لا یتجاوز ذلک الصواب اشرف علی، ۲۳ محرم ۱۳۷۴ھ

دوران عدت نکاح کی خاص صورت کا حکم | سوال (۱۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ زید نے مسماہ ہندہ کو طلاق دیدی بعد از طلاق یا بیخ یوم بعد۔ قبل انقضائے عدت ہندہ نے عمرو سے نکاح کر لیا دس برس تک عمرو کے گھر میں اسی نکاح سے یعنی جو کہ قبل از انقضائے عدت ہوا تھا وہی عمرو کو لوگ کہتے ہے کہ تو عدت گزار کر نکاح پھر کر لے عمرو نے دس برس بعد ایک روز بیٹھے بیٹھے نکاح پھر کر لیا اور اس نکاح ہونے کے بعد عمرو نے ہندہ کو طلاق ثلاثہ دیدی اب پھر ہندہ اور عمرو کا باہمی سلوک ہو گیا ہے اور پھر وہ باہمی نکاح کرنا چاہتے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ عمرو نے جو نکاح دس برس بعد کیا تھا اس میں بھی طلاق کی عدت گزارنی چاہئے تھی بعدہ نکاح کرنا چاہئے تھا انہوں نے ایسا نہیں کیا لہذا بعد از طلاق بلا حلالہ نکاح عمرو کے ساتھ ہو سکتا ہے اب دریافت طلب صرف یہ امر ہے کہ ہندہ کا نکاح عمرو سے بلا حلالہ ہو سکتا ہے یا حلالہ کرنے کے بعد ہو سکتا ہے جواب بامواہب |

الجواب؛ صورت مسئلہ میں دوبارہ جو نکاح کیا گیا وہ صحیح ہو گیا تھا اس لئے اس کے بعد تین طلاق دینے سے حرمت مغلظہ ہو گئی اب بدون حلالہ عمرو سے نکاح نہیں ہو سکتا جو لوگ

یہ کہتے ہیں کہ دس سال کے بعد جو نکاح کیا گیا اس میں بھی ۔۔۔ طلاق لازم تھی (یعنی عورت کو زوجہ ثانی کے جدا کر دینے اور تفریق کے بعد عدت گزرنے پر نکاح کیا جاتا تب صحیح ہو سکتا تھا) ان کا یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ عدت کے اندر نکاح کرنے سے اس عدت میں اضافہ نہیں ہوتا وہ عدت تو وقت طلاق سے تین حیض آنے تک ختم ہو جاتی ہے البتہ بعض صورتوں میں خود اس نکاح نارسہ کی وجہ سے دوسرے شخص کے لئے عدت واجب ہوتی ہے یعنی دوسرا کوئی شخص نکاح کرنا چاہے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ بدون تفریق اور تفریق کے بعد عدت گزرنے پر نکاح کرے اور اگر خود وہی شخص نکاح کرے کہ جس نے عدت سابق میں گزارا تھا تو اس کے لئے اس نکاح نارسہ کی وجہ سے عدت واجب نہیں ہے۔

قال المصنف في فلو كانت وطئت بعد حيضة من الاول في فليها حيضتان فكملة الاول وتحتب بهما من عدة الثانية فاذا احاضت واحدة بعد ذلك تمت الثانية ايضا وهذا اذا كان بعد التفریق بينهما وبين الواطئ الثاني اما اذا احاضت حيضة قبله فهي من عدة الاول خاصة وتامة في البحر عن الجوهره (ص ۳۳) ون الصفحة الآتية واذا تمت عدة الاول حل للثاني ان يتزوجها لا لغيره ما لم يتم عدة الثاني بثلاث حيض من التفریق وفيه ايضا (ص ۲۷۵) اما ان كان من عدة الغير ومعتده فالدخول فيه لا يوجب العدة ان علم انها لا غير لانه لم يتزوجها احد جوازها فلم ينعقد اصلاً وبعد سطر وعلى هذا في سيد قول المصنف هنا دنكاح المعتدة بما اذا لم يعلم بانها معتدة الخ

کتبہ الاحقر عبدالکریم گمٹھلوی عفی عنہ، ۲۰، ۲۷، ۲۵

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ۔

دوران عدت نکاح کی خاص صورت کا حکم | سوال (۱۶) عرض ہے کہ ایک لڑکی کا نکاح گیارہ سال کی عمر میں نابالغی کی حالت میں ہوا اور رواجاً خاوند کے مکان پر بھیجی گئی بعد یک شب کے واپس بلائی گئی اور خاوند کے ساتھ تنہا رہنے کا اتفاق ہوا ممکن ہے کہ صحبت ہوئی ہو لیکن لڑکی نابالغ تھی پھر دوبارہ کبھی خاوند کے مکان پر نہیں گئی باہمی تکرار کی وجہ سے اور چار سال ماں باپ کے مکان پر ہی نکل گئے آئندہ اتفاق کی صورت نظر نہ آنے کی وجہ سے چار سال بعد جبکہ لڑکی بالغ ہو چکی

عہ ای فی وجوب العدة ۱۳ منہ

جس کو چار سال ہوئے۔

(۳) سابق خاوند سے تو پوچھنے کا اتفاق نہیں ہوا لیکن لڑکی خود خلوت اور صحبت دونوں کی مقرر ہے لیکن اس کے گھر والے اس کے خلاف ہیں۔

(۴) دوسرے (یعنی موجودہ) خاوند سے صحبت کا کئی مرتبہ اتفاق ہوا اور اب تک ہے۔

(۵) زوج سابق سے صحبت کا علم ہونے کے بعد صحبت کا کئی مرتبہ اتفاق ہوا۔ لڑکی بیان کرتی ہے کہ جب سے مجھے سابق خاوند نے تین طلاق دی ہیں اس کے بعد ایک حیض آیا اور پھر دوسرا

نکاح ہونے کے بعد ایک حیض آیا اور اب ان دنوں میں تیسرا حیض جاری ہے۔

یہ بھی لڑکی سے کہا گیا کہ تو نے نکاح کے پہلے خلوت کا ذکر کیوں نہیں کیا تو لڑکی جواب دیا کہ مجھ سے کسی نے اس بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔

یہ بھی واضح ہے کہ دوسرا نکاح ہونے کے بعد پہلی ہی رات کو غالباً صحبت کے بعد اول خاوند سے

صحبت ہونے کا علم ہو گیا اور اس دوسرے خاوند کو بھی نکاح ہونے میں شک رہا بلکہ بار بار یہ خیال

اس کے دل میں آتا رہا کہ نکاح نہیں ہوا لیکن پھر بھی وہ اس وقت تک اس سے صحبت کرتا رہا اور

پھر لڑکی سے بھی کہہ دیا کہ نکاح نہیں ہوا۔ البتہ دوسرے لوگوں اور اس کے والدین کو بھی تک

اس کا علم نہیں۔ اب شرعی حکم بتلایا جائے کہ نکاح ہوا یا نہیں اگر نہیں تو اب پھر نکاح کر سکتا

ہے یا نہیں۔ نیز جبکہ لڑکی کو طلاق کے بعد تیسرا حیض بھی شروع ہو گیا، اب اس حیض کے پورا ہونے

کے بعد نکاح کرے یا کیا ہے

(نوٹ) زوجین کو اس دیدہ دانستہ جھارت اور احکام شرعیہ کی مخالفت پر سخت تنبیہ کی گئی اور

زوجین میں علیحدگی اور توبہ و استغفار کی تاکید کر کے سوال یکھکر واپس کر دیا کہ توبہ و استغفار

کے بعد مکرر سوال کیا جائے۔ پھر سوال مکرر آیا جس میں زوجین کا علیحدہ ہو جانا ظاہر کیا اس پر

زوجین کو آئندہ کے لئے عاجزی کے ساتھ توبہ و استغفار کرتے رہنے کی ترغیب دی گئی اور مندرجہ

ذیل جواب دیا گیا۔

الجواب؛ اب دوبارہ اس زوج ثانی سے نکاح ہو سکتا ہے تیسرے حیض ختم ہونے کے

بعد زوج اول کی عدت طلاق گزر چکی ہے اور زوج ثانی سے نکاح ہو سکتا ہے البتہ اگر کوئی اور

شخص اس زوج ثانی کے علاوہ اس عورت سے نکاح کرنا چاہے تو اس سے ابھی نکاح نہیں

ہو سکتا بلکہ اس عورت کو زوج ثانی کے جدا کر دینے کے بعد سے تین حیض آنا شرط ہے کہ انی التامی

تھی اور عمر بھی پندرہ سال ہو چکی تھی خاوند نے طلاق دیدی طلاق دینے کے بعد ایک ماہ چار دن کے لڑکی نے دوسرا نکاح کر لیا نکاح سے پہلے تحقیقات کرنے سے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ خاوند سابقہ کے یہاں جو شب کو رہی تھی خاوند سے علیحدہ رکھی گئی تھی اس پر علمائے بلاعدت نکاح کا حکم دے دیا نکاح ثانی ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ خاوند سابقہ سے صحبت یا خلوت کا اتفاق رہا اب اس صورت میں جبکہ طلاق کے ایک ماہ اور چار دن بعد بلاعدت پورے کئے ناواقفی کی وجہ سے نکاح کر لیا یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں اور اگر نکاح ناجائز ہوا تو عدت کب سے شمار کی جائے۔ تاریخ طلاق سے جو کہ اگلے خاوند نے دی تھی یا جب سے صحبت کا ہو جانا اگلے خاوند سے معلوم ہوا تھا اس وقت سے کیونکہ طلاق سے ایک ماہ چار دن بعد تو نکاح ہوا اور نکاح ہونے کو پندرہ روز ہوئے کل ایک ماہ انیس دن ہو چکے ہیں یہ عدت میں شمار کئے جائیں گے یا کیا اور ایام عدت میں موجودہ خاوند سے عورت علیحدہ رہے یا کیا بعد طلاق لڑکی کو ایک مرتبہ حیض بھی بیس پچیس یوم کے بعد آیا فقط جواب جلد مطلع فرمایا جائے ؟

تنقیح :- اس سوال کے متعلق چند امور دریافت طلب ہیں ان کا جواب آنے کے بعد انشاء اللہ حکم شرعی لکھا جائے گا۔

۱) دوسرے نکاح سے قبل خلوت و صحبت کی تحقیق کس کس سے کی گئی تھی ؟
 ۲) اور اب کون کون صحبت کو بیان کرتا ہے اگر پہلے اس لڑکی یا زوج نے انکار کیا تھا اور اب وہی اقرار کرتے ہیں تو انکار سابق کی وجہ سے کیا بیان کرتے ہیں ؟
 ۳) اگر لڑکی اور زوج سابق خلوت اور صحبت کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں تو یہ بھی لکھا جائے کہ دوسرے گھر والے کیا کہتے ہیں ؟

۴) دوسرے خاوند سے اب تک صحبت یا خلوت ہوئی یا نہیں ؟
 ۵) اگر ہوئی تو زوج سابق سے صحبت کا علم ہونے کے قبل یا بعد ؟
 تمام واقعات اور بیانات مع اس سوال و تنقیح کے دائرہ کیا جائے فقط ۔ ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۸۸ھ

جواب تنقیح :- (۱) لڑکی کے والدین سے پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ سابق خاوند سے خلوت کا اتفاق ہی نہیں ہوا (۲) دوسرا نکاح ہونے کے بعد خود لڑکی نے دریافت کرنے پر اقرار کیا کہ سابق خاوند سے مجھے خلوت اور صحبت دونوں کا اتفاق ہوا یہ اتفاق سابق شادی کے دن صرف دو تین گھنٹہ کے لئے ہوا اس کے بعد میں پھر سابق خاوند سے ملنے کا اتفاق ہی نہیں ہوا

تحت قول الدس (والصائی) من الحيض (منهما) وهذا اذا كان بعد التفريق بينهما وبين الواطئ الثاني اما اذا حاضت حيفة قبله فهي من عدة الاول خاصة وتسامه في الحر من الجوهره الى ان قال وفي البحر من الخانية واذا تمت عدة الاول حل للثاني ان يتزوجها لا لغيره ما لم تمت عدة الثاني بثلاث حيض من التفريق وهكذا في العالم كبرية الا انه لم يذكر حكم الحيض قبل التفريق والله اعلم بالصواب . احقر عبد الكريم عفا عنه . ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۸۸ھ ۔

الجواب صحیح ، ظفر احمد عفا عنه ۔

اقرار نامہ کے خلاف درزی کی صورت | سوال (۱۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک میں بیوی کے نکاح ثانی کی ایک صورت عورت اپنے خاوند سے ناراض ہو کر اپنے باپ کے گھر چلی گئی کچھ عرصہ کے بعد شوہر نے رضا مندی کے ساتھ حسب ذیل اقرار نامہ تحریر کیا ۔ اس میں مبلغ چھ روپیہ ماہوار دینے قرار پائے ۔ جبکہ شوہر نے تقریباً آٹھ ماہ تک کچھ نہیں دیا تو زوج نے اس کے بعد اس اقرار نامہ کی رو سے اپنے آپ کو مطلق سمجھ کر شوہر مذکور کی زندگی میں دوسرا نکاح کر لیا اور کئی سال اس کے گھر میں رہی ۔ مگر کسی نے زوج سے اس رقم کا مطالبہ بھی نہیں کیا جو اس نے اپنے ذمہ مقرر کر لی تھی لہذا یہ عقد جائز ہوا یا نہیں ۔

نقل اقرار نامہ

منکہ حفیظ ولد نبی بخش قوم شیخ ساکن گٹو مکتیہ ساہیوں ۔ جو کہ نان نفقہ کے مبلغ چھ روپیہ ماہوار دینے قرار پائے اس کے ادا کرنے میں مجھ کو کسی وقت کوئی عذر نہ ہوگا اور مبلغ دو روپیہ ماہوار بچوں کے کپڑوں وغیرہ کے صرف کے واسطے میں نے مقرر کر دئے ہیں ۔ جو میں اس اقرار سے کسم قسم سا کوئی عذر کروں تو مح بی بی بچوں کے بالکل قطعی دست بردار ہوں گا ۔ لہذا یہ چند کلمے بطریق اقرار نامہ کے لکھ لئے کہ سند ہوں اور بوقت ضرورت کام آویں فقط ۔

تنقیح :- اقرار نامہ میں جو یہ لکھا ہے کہ اس کے ادا کرنے میں مجھ کو کسی وقت کوئی عذر نہ ہوگا اس کے متعلق وہاں کے سمجدار محاورہ شناس لوگوں سے دریافت کر کے لکھا جائے کہ وہاں کے لوگ اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ میں خود رقم مقررہ دیدیا کروں گا یا یہ مطلب ہے کہ جب ماٹکا کرے گی جب ادا کرنے میں عذر اور حیلہ بہانہ نکروں گا

جواب تنقیح :- اس عبارت کا محاورہ میں یہ مطلب ہوتا ہے کہ بلا مطالبہ رقم معینہ ماہوار

اداکرتارہوں گا۔

الجواب: اگر جواب متعین کے موافق اس عبارت کا یہی مطلب متعین ہو کہ بلا مطالبہ ادا کرتا رہوں گا اور وہاں کے لوگوں کو مسکرا اس کے خلاف کا شبہ نہ ہوتا ہو تو طلاق واقع ہو چکی ہے اور زوج ثانی کا نکاح صحیح ہو گیا بشرطیکہ عدت کے بعد ہوا اور اگر اس عبارت میں یہ شبہ بھی ہوتا ہو کہ مطالبہ کرنے پر رقم معینہ ادا کروں گا تو طلاق واقع نہیں ہوتی اور نکاح باطل ہے کما ہوا لظاہر لیکن بہر حال زوج ثانی پر مہر واجب ہے صحت نکاح کی صورت میں تو مہر مقررہ اور فساد نکاح کی صورت میں مہر مثل اور مہر مقررہ دونوں میں سے جو کم ہو وہ واجب ہے کیونکہ مہر مقررہ کے بعد نکاح فاسد میں بھی مہر واجب ہوتا ہے فی العالمگیریہ (ص ۲۷۲) وان كان قد دخل بها فلها الاقل مما سعى لها ومن مهر مثلها ان كان تمه الا فقط والله اعلم۔ کتبہ الاحقر عبد الکریم علی عذہ ، مورخہ ۲ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ - (بہ ضمیمہ ص ۱)

فصل فی الاولیاء والاکفأر

نابالغہ کا نکاح چھلنے کر دیا اور ماں ناراضی ہو | سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دختر زید نابالغہ کا اس کا برادر حقیقی عمر و بعد وفات زید بلا رضا مندی زید جبراً نکاح اپنے فرزند سے کرے اس نیت سے کہ دختر مذکور کی والدہ یا اس کا ماموں کہ جو بعد وفات زید اس کے ہر طرح کے خرچ و غیرہ کا کفیل ہو رہا ہے کسی دوسری جگہ کر دیوے درست ہے یا نہیں؟ دختر مذکور مع اپنی والدہ کے جو قبضہ چھپرولی ضلع میرٹھ اپنے ماموں کے یہاں رہتی ہے کسی تقریب میں قبضہ شاملی گئی ہوئی تھی واپسی میں جس وقت گاڑی کیرانہ کے قریب آئی تو عمر و مذکور مع چند مردمان لٹھے بند ہو کر آیا اور لڑکی کو زبردتاً تار کر اپنے مکان پر لے گیا اور اس کا نکاح اپنے لڑکے سے کر کے دختر مذکور کو چھپرولی اس کی والدہ کے پاس چھپرولی اس کے ماموں کے یہاں پہنچا دیا یہ نکاح درست ہے یا نہیں۔

الجواب: صورت مذکورہ میں دختر زید نابالغہ کا ولی شرعاً اس کا برادر حقیقی عمر و ہے دختر مذکور کی ماں یا اس کا ماموں ولی نہیں ہے لہذا عمر و نے جو نکاح اس دختر کا اپنے بیٹے سے کر دیا ہے وہ صحیح ہے بشرطیکہ نکاح خاندانی مہر پر ہوا ہو اور خاندانی مہر سے بہت زیادہ قلیل مہر پر نکاح نہ کیا ہو۔ قال فی الدس دان كان المزوج غیرها اسی غیر الاب و ابیہ لا یصح

النکاح من غیر کفوا و بغین فاحش أصلاً و ان كان مکفود بمهر المثل صح ولكن لهما اسی الصغیر و الصغیرة لا یغیر الفسخ بالبلوغ او العلم بالنکاح بعداً ام ملخصاً (ص ۵۰۰ و ۱۷۵۰۱ مصری) والله اعلم۔ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ

اگر ماں باپ کی رضامندی و نکاح ہو | سوال (۲) اس مسئلہ میں علماء دین کیا فرماتے ہیں جبکہ تولد لڑکی کو خیار بلوغ نہیں ہے ایک شخص نے اپنی نابالغہ دختر کا نکاح ایک بالغ لڑکے سے کیا

اور اس لڑکی کا والدہ ہمیشہ شراب پیتا تھا نیز اس نے قبل از نکاح شراب پی ہوئی تھی اور بیہوشی کی حالت میں تھا اس نے عین نکاح کے وقت جو اس شروع کر دیا تو اس کے قریبی رشتہ داروں نے اس کو ایک مکان میں بند کر دیا لڑکی کی والدہ اور دادی اس جگہ موجود تھیں ان کی بھی نامرضی تھی مگر بعد کچھ جدوجہد کے مشورہ کر کے لڑکے کی طرف سے ایک اقرار نامہ سرکاری کاغذ پر لکھوایا گیا پیشتر نکاح پڑھنے کے کہ میں اپنی زوجہ کو اپنی تمام زندگی میں وداع کر لیا کرتا ہوں گھر نہ لے جاؤں گا ہمیشہ اپنی بود و باش اپنے سسرال کے گھر رکھوں گا اور پانچ سو روپیہ بابت مہر قبول عند الطلب ادا کر دوں گا نیز اگر میں اپنے شہر سے باہر کسی اور شہر یا ملک میں برائے روزگار چلا جاؤں تو پانچ سو روپیہ ماہوار خرچ نان پارچہ ادا کرتا رہوں گا بعد نشتر اترنے کے اس کاغذ اقرار نامہ سے لڑکی کے والد کی تسلی کر دی گئی اور کاغذ دیدیا گیا یعنی لڑکی کے والد کو، اب اس نکاح کو عرصہ چھ سال کا گذر گیا اور لڑکی اب بالغ ہو گئی ہے اس عرصہ میں اس کا شوہر نہ اپنی زوجہ کو اپنے گھر لے گیا اور نہ بموجب اقرار نامہ اپنی سسرال میں آکر رہا اور نہ کوئی خرچ نان پارچہ ادا کیا اب لڑکی اپنے بالغ ہونے پر بموجب شرع محمدی بذریعہ فقہ امام صاحب اس نکاح کو فسخ کر کے اپنی مرضی سے اور کسی دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: خیار بلوغ اس وقت ہوتا ہے جبکہ باپ اور دادا کے سوا کوئی اور ولی نکاح نابالغہ کا کرے اور صورت مذکورہ میں یہ نکاح باپ کی اجازت سے ہوا ہے کیونکہ بعد نکاح کے اس پر راضی رہا اس لئے صورت موجودہ میں لڑکی کو خیار بلوغ حاصل نہیں ہوا اللہ اعلم۔ ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ

ولی اقربا کے ہوتے ہوئے اگر ولی بعد | سوال (۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں:

نابالغہ کا نکاح پڑھانے اور ولی اقرب سکوت اختیار کرے تو کیا حکم ہے

مسماۃ ہندہ یتیمہ نابالغہ کے دو حقیقی چچا عمر و بکر اور ایک حقیقی چچا زاد بھائی زید جو ہندہ کا بہنوئی بھی ہے موجود ہیں زید نے اپنی حقیقی چچیرسی بہن مسماۃ ہندہ کا اپنی ولایت سے خالد کے ساتھ نکاح پڑھا دیا چونکہ عمر و بکر دونوں چچا اپنی پسند کردہ لڑکوں سے ہندہ کا

نکاح کرنا چاہتے تھے شریک مجلس نکاح نہ ہوئے نہ مجلس نکاح میں نکاح کے وقت خالد کے ساتھ نکاح پڑھانے سے انکار کیا اور نہ ان کے پاس جا کر ہندہ کے نکاح مذکورہ کی اجازت حاصل کی گئی لیکن اب کچھ عرصہ کے بعد یہ کہتے پھرتے ہیں کہ ہندہ کا نکاح ہی نہیں ہوا۔ مندرجہ ذیل سوالات کی ضرورت ہے

(۱) حقیقی چچا کی موجودگی میں حقیقی چچا زاد بھائی کی ولایت معتبر ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں، جائز و ناجائز کی وجہ کیا ہے؟

(۳) کیا زید کا حقیقی بہنوئی اور حقیقی چچا زاد بھائی ہونا ہندہ کے معاملہ نکاح میں اس کی ولایت کو چچاؤں کی ولایت پر ترجیح دیتا ہے؟

(۴) اگر نکاح جائز ہو گیا تو کیا با حقیقی چچاؤں کے انکار سے وہ نسخ ہو گیا؟

استفسار از مجیب بر (۱) کیا اب بھی ہندہ نابالغ ہی ہے؟ (۲) جب اس نکاح کی خبر عمر و بکر کو پہنچی انہوں نے سکوت کیا یا کچھ کہا اگر کہا تو کیا کہا یا خبر پہنچنے کے وقت سکوت کیا اور پھر کچھ کہا؟

جواب از سائل :- (۱) ہندہ اب بھی نابالغ ہی ہے (۲) جب اس نکاح کی خبر عمر و بکر کو پہنچی تو انہوں نے سکوت کیا چنانچہ ہندہ نکاح کے بعد کچھ عرصہ اپنے خاوند کے مکان پر رہ بھی گئی ہے۔ اب اہل مملکت کے کہنے سنتے سے عمر و بکر نے ایسا کہنا شروع کیا۔

الجواب : قال فی الخلاصة فی بیان ترتیب الاولیاء اما العم لاب و ام ثم لاب ثم بنوهم علی هذا الترتیب ام ص ۲۱۸ ج ۲ ، و فی الدر فلوزوج الاب بعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ . قال الشامی تقدم ان البالغة لو زوجت نفسها غیر کفو فللولی الاعتراض مالم یرض صریحا او دلالة کقبض المهر ونحوه فلم یجعلوا سکوتہ اجازة والظاهر ان سکوتہ هنا کذاک فلا یكون سکوتہ اجازة لنکاح الاب بعد وان کان حاضرا فی مجلس العقد مالم یرض صریحا او دلالة تأمل ام ص ۵۱۶ ج ۲ . صورت سوال میں حقیقی چچا کی موجودگی میں حقیقی چچا زاد بھائی ولی نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ بہنوئی بھی ہو پس ہندہ کا نکاح چونکہ بلا اجازت ولی اقرب کے ہوا تھا وہ اولاً موقوف تھا اگر ولی اقرب اس کو جائز کر دیتا جائز ہو جاتا اور اس کا سکوت اجازت نہیں اب چونکہ ولی نے اس نکاح سے اپنی ناراضی ظاہر کر دی اور اس سے پہلے کوئی قول فعلی دال بر اجازت اس سے صادر نہیں ہوا بجز سکوت کے اس لئے ہندہ کا نکاح خالد سے باطل ہو گیا واللہ اعلم۔

۱۸ شعبان ۱۳۳۸ھ

احکام کفارت اور اس بات کا بیان کہ

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ

نسب مرد میں معتبر ہے نہ کہ عورت میں (۱) کفارت نسبت شرفاً کن کن امور میں قابل اعتبار ہے؟

(۲) ایک شخص زید نے ایک عورت نو مسلمہ سے جس کا باپ مشرک ہے نکاح کیا اس کی اولاد ہوئی وہ اولاد اور ایک شخص والدین کی جانب سے صدیقی ہے ان میں کون از روئے نسب افضل ہے اور ایک شخص سید ہو کہ جس کی ماں نو مسلمہ ہو تو اس کی لڑکی کا کفو عربی النسل غیر قریشی ہو سکتا ہے یا نہیں اور قریشی اس کا کفو ہے یا نہیں؟

(۳) جس جگہ عربی النسل غیر قریشی باعزت سمجھا جاتا ہے اس جگہ وہ شخص کہ جس کی ماں مشرکہ ہو بعد میں مسلمان ہو گئی اور باپ سید ہے باعزت از روئے نسب ہے یا نہیں؟

(۴) ایک شخص کہ جس کے والدین سید ہیں اور ایک شخص کہ باپ سید ہے وہ اس کا کفو ہو سکتا ہے یا نہیں مع حوالہ کتب تحریر فرمایا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب : (۱) کفارت نسبت اسلام و حریت و دیانت و مال و حرقت میں معتبر ہے۔

(۲) نسب کا اعتبار مرد سے ہوتا ہے نہ کہ عورت سے اگر عورت عجمی ہو اور باپ عربی ہو تو اولاد عربی صاحب نسب ہوگی اور کفارت میں وہ ان لوگوں کے برابر ہے جن کے ماں باپ دونوں عربی النسل ہیں۔ قال العلامة عبد الحمی فی فتاواہ ناقلا عن شرح الغر المولد یتبع الاب فی النسب لانه للتعریف والام لا تشہر ام ونقل عن البحر حتی لو تزوج ہاشمی امۃ انسان فانت بولد فہو ہاشمی تبعاً لابیہ رقیق تبعاً لامہ کما فی فتم القدریس . وعن حاشیة الدر للطحاوی قوله ولا فی نسب ای لا یتبع امہ فی نسب هذا نص صریح فی ان ابن الشریفة لیس بشریف وان کان لہ شرف حموی ام ص ۲۶۹۳ . وعن رد المحتسب لابن عابدین من کان امها علویة وابوہ عجمی یكون العجمی کفوا لہا وان کان لہا شرف ما لان النسب للاباء ولذا اجاز دفع الزکوة لہا۔

فلا یعتبر التفاوت بینہما من جهة شرف الام ولدان من صرح بہذا واللہ اعلم ام ص ۵۲۳ ج ۲ . وفيہ ایضاً الکفاءة معتبرة من جانبہ ای الرجل لان الشریفة تالی ان تكون فمات اللادنی ولدان لا تعترف من جانبہ لان الزوج مستفرض ولا تغیظہ ذناءة المراس وھذا عند الكل

فی الصحیح ۱ھ ص ۲۷۵۲۔ پس جس صدیق کی ان نو مسلمہ ہے وہ اس صدیق کا کفو ہے جس کے ماں باپ دونوں صدیقی ہیں گو اس کو فی الجملہ ایک شرف حاصل ہے مگر کفارت میں اس کا اعتبار نہیں۔ اور وہ سید جس کی ماں نو مسلمہ ہے نسبتاً سید ہے اور اس کی اولاد بھی سید ہے لہذا اس کی بیٹی کا کفو عربی النسل غیر قریشی نہیں ہو سکتا۔ ان قریشی اس کا کفو ہو سکتا ہے۔

(۲) بعض مشائخ کے نزدیک حسب مرتبہ کفو ہے۔ مگر یہ قول ضعیف ہے صحیح یہ ہے کہ حسب نسب کا کفو نہیں قالوا الاحیب کفو للنسب حتی ان الفقہاء کفوا للعلویۃ ذکر فی قاضی خان والعتابی فی جوامع الفقہ فی الینابیع العالم کفو للعربیہ والعلویۃ والاصح انہ لا یكون کفوا للعلویۃ کذا فی غایۃ السردجی ۱ھ (ص ۱۵۷) عالمگیریہ۔ پس وہ سید جس کی ماں نو مسلمہ ہے اس کا کفو عربی النسل غیر قریشی نہیں ہے گو معزز کیسا ہی ہو۔

(۳) ان کفو ہے۔ والشرع علم، حرر الاجوبہ کما لا یحکم الا تعظیفاً عنہ بامر سیدہ حکیم الامتہ دام مجدیہم۔

۲۹ ذی القعدہ ۱۳۳۱ھ

سوال (۵) جس ملک میں عورت سیدہ کے نکاح کرنے سے ساتھ ساتھ غارت کھا جاتا ہو وہاں سیدہ اور غیر سیدہ کفارت کا ہونا

جس جگہ سیدہ کا نکاح غیر سیدہ کے ساتھ غارت کھا جاتا ہو وہاں سیدہ اور غیر سیدہ کفارت کا ہونا

سوال (۵) جس ملک میں عورت سیدہ کے نکاح کرنے سے ساتھ ساتھ غارت کھا جاتا ہو وہاں سیدہ اور غیر سیدہ کفارت کا ہونا

کے بغیر نہیں چھوڑتے ایسے حالت سے کہ تمام اقوام مسلمانان عورت سیدہ کو مثل ماں بہن بھوی بھی وغیرہ محرمات ابدیہ کے خیال کرتے ہیں ابتداء رسیدتہ سے تا حال اس جگہ سیدہ کا نکاح کسی غیر شخص سے نہ کیا اور نہ کرنے کا ائندہ ارادہ ایسے حالت میں فقریش بعضہم کفوا بعض پر عمل کر کے فتویٰ جواز نکاح سیدہ با غیر سیدہ بکر اس کو قتل کرایا جائے یا کہ بنا بر قول محمد بعد عبارت مذکورہ الا ان یكون نسباً مشهوراً کافل بیت الخلافة جس پر علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں حتی لا یکن فواہل بیت الخلافة غیرہم من القریشیین ہذا ان قصد بہ عدم الکفاۃ لا ان قصد بہ تسکین الفتنة اور ایک حدیث کی تحقیق کر کے فرماتے ہیں فیدور الحکم مع العرب حتی یكون الحائک کفوا للعطار بالاسکنس یہ لما حناک من حسن اعتبارها وعدم عدها نقصاً غرض بنا پر عرف الناس کافتنہ را یثارفتنہ عدم جواز کا حکم ہوگا یا نہ؟ اور پھر اسے باب الکفو میں فرماتے ہیں وبالجملة فلا بد من اصل فاذا ثبت فیمن تفصیلها بالنظر الی عرف الناس فیما یحقر نہ

ویدعیرن بہ جس سے صاف ظاہر ہے کہ ایسے ملک میں سیدہ کا نکاح ساتھ غیر سیدہ کے ہونا جائز ہے۔

الجواب: قال فی الہدایۃ ولا یعتبر التفاصل فیما بین قریش لما روینا وعن محمد کذا الا ان یكون نسباً مشهوراً کافل بیت الخلافة کانه قال تعظیماً للخلافة وتسکیناً للفتنة ۱ھ قال فی العنایۃ یعنی قال محمد لا یعتبر التفاصل فیما بین قریش الا ان یكون نسباً مشهوراً فی الحمایۃ کافل بیت الخلافة فحینئذ یعتبر التفاصل حتی لو قرش وحت قرشیۃ من اولاد الخلفاء قرشیۃ لیس من اولادہم کان لا ولیاء حق الاعتراض قال المصنف کانه یعنی محمداً قال ذلك تعظیماً للخلافة وتسکیناً للفتنة لا لانعدام اصل الکفۃاء ۱ھ

والمطلبی کفۃاء دون غیرہم بالنسبۃ الیہم ۱ھ (ص ۱۹) جس ملک میں سیدہ کا نکاح غیر سیدہ قرشی سے کیا جانا موجب غارت ہو جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے وہاں قول محمد کے موافق تسکین فتنة کے لئے یہ فتویٰ دیدینا جائز ہے کہ قرشی غیر سیدہ کا کفو نہیں جس کی تائید امام شافعی کے قول سے بھی ہوتی ہے، والشرع علم۔

سوال (۶) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسی زید جس کا دماغ خراب تھا اور ایک عرصہ تک مجنونانہ حالت میں رہا تھا اور اس کے اقربا نے ایک شخص مسی بکر کو دھوکہ دیکر کلاب اس کی حالت درست ہو گئی ہے زید کا نکاح ہمراہ دختر بکر کے پڑھو اور نکاح کے وقت لڑکی لڑکا ہر دو بالغ تھے مجلس نکاح میں ایجاب و قبول زید کے ساتھ ہوا تھا مجلس نکاح میں جس وقت زید کو لایا گیا اس کے چہرہ سے آثار خون ضرور نمایاں تھے لیکن زید کے اقربا نے بکر کو لفظوں سے ایسا اطمینان کیا کہ اس نے یعنی بکر نے اپنی دختر کنواری ہندہ باغہ کا نکاح اپنے ولایت سے پڑھو اور لڑکی سے ایجاب قبول نہیں کرایا اور نہ حسب رواج اس وقت ہندہ کو رخصت کر کے زید کے گھر بھی گیا یہ قرار پایا تھا کہ ایک ہفتہ میں انتظام کر کے رخصتی ہو جائے گی لیکن زید نے ہفتہ بھی نہ ہونے دیا دو تین یوم بعد بلا اطلاع کسی طرف کو چلا گیا جس کو عرصہ تین سال سے زائد ہو گیا ہے مسماۃ ہندہ بدستور اپنے والدین کے گھر میں ہے اور تین سال سے زید کی اطلاع کبھی کبھی کہیں سے معلوم ہو جاتی ہے کہ فلان مقام پر دیکھا گیا ہے ایسی حالت میں یہ نکاح جو ایک دھوکہ دیکر کرایا گیا ہے

بروئے شریعت جائز ہے یا ناجائز رہا؟ جو کچھ الفاظ تحریر کئے گئے ہیں سر مؤ فرق نہیں حلفیہ صدق
دل سے بلا رور عایت بخوف خداوند عالم و حضور سرور کائنات تحریر کئے گئے ہیں۔

تنقیح :- (۱) لڑکی سے جو ایجاب قبول نکرا نا لکھا ہے اس کا کیا مطلب ہے آیا زبان سو
نہیں کہلایا یا اذن بھی نہیں لیا اگر اذن لیا گیا تو وہ خاموش ہوئی یا کچھ کہا اور اگر نکاح کے وقت
اذن نہیں لیا تو بعد نکاح کے جب اس کو اطلاع ہوئی تو کیا کہا اور اطلاع کس کے ذریعہ سے ہوئی؟
(۲) ایسا ہی سوال شاکر الدین صاحب محلہ انصاریاں نے بھیجا تھا اس میں یہ بھی تھا کہ اب وہ
مجنونانہ حالت میں کبھی کبھی نہیں دیکھا جاتا ہے اس میں اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا اگر یہ صحیح
ہے تو اس حالت کو بیان کرنے والے عادل ہیں یا نہیں؟

دس نیز یہ بھی لکھا جائے کہ زید کا جنون مطبق ہے جو سال بھر یا سال کے اکثر حصہ میں رہتا تھا
یا غیر مطبق ہے جو سال کے کم حصہ میں رہتا تھا اور زیادہ حصہ سال کا افاقہ میں گذرتا تھا ان سوالات
کا جواب دیا جائے اور جواب کے ساتھ یہ پرچہ ضرور واپس کیا جائے پہلے پرچہ کے واپس نہ کرنے کی
وجہ سے دوبارہ تنقیح کی ضرورت ہوگی۔

جواب تنقیحات :- (۱) یہ لڑکی سے نہ اذن لیا گیا نہ ایجاب قبول کرایا گیا بلکہ اس
کی بلا رضا والدین نے اس کا نکاح بزعم ولایت پڑھوا دیا بعد نکاح جب اس کو اطلاع نکاح کی ہوئی
تو اس نے ناراضی ظاہر کی اور یہ بھی کہا کہ میرے باپ نے مجھ کو کیوں دیو پیا کیونکہ تمہارا دل ظالمی وجہ
سے والدین کے سامنے کچھ نہیں کہتی۔

(۲) سوال شاکر الدین اس کے متعلق تھا زید کی مجنونانہ حالت کی خبر اکثر بزرگ راہیہ مسلمان و معتبر
اشخاص سے معلوم ہوئی ہے جس کو جھوٹ باور کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔

(۳) زید کا جنون مطبق ہے سال کا زیادہ حصہ جنون میں گذرتا ہے اور تھوڑا حصہ سکون میں اور
جنون کی یہ حالت ہے کہ یا تو ہر وقت بولتا رہتا ہے یا ایسا خاموش ہو جاتا ہے کہ ہفتوں بالکل چپ رہتا
ہے لہذا التماس ہے کہ جواب باصواب سے مطلع فرمایا جائے؟

الجواب، واللہ الموفق بالصواب۔ صورت مسئلہ میں مہرہ کا نکاح زید کے ساتھ بوجہ
عدم کفارت کے اور اولیاء زید کے دھوکہ دینے کے صحیح نہیں ہوا قال فی الدرر لکن فی النہر
عن المس غینانی المدجنون لیس بکفو للعاقلة ام قال الشامی نقلاً عن النہر
لانہ یفوت مقاصد النکاح فکان اشد من الفقر و دناءة الحرثہ و ینبغی اعتمادہ

لان الناس یعیرون بترویج المجنون اکثر من ذی الحرثۃ الدنیۃ ام (ص ۵۳)
وفیہ ایضاً الکفایۃ معتبرۃ فی ابتداء النکاح لیس و مہ اولصحۃ من جانبہ ام
الرجل لان الشریفۃ تأبی ان تكون فراساً للذی ام قال الشامی معناه معتبرۃ فی
المن و م علی الاولیاء حتی ان عند عد مہاجاز للولی الفسخ ام فتح و ہذا بناء
علی ظاہر الرأیۃ من ان العقد صحیح وللولی اعراض اما علی روایۃ الحسن
المختارۃ للفتوی من انه لا یصح معتبرۃ فی الصحۃ و کذا لو کانت الترویجۃ
صغیرۃ و العاقد غیر الاب و الحد فقد مر ان العقد لا یصح ام (ص ۲۷۵۱۹)
وفی الدرر ایضاً و یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلاً و هو المختار للفتوی لفساد
النرمان فلا تحل مطلقۃ ثلاثاً نکحت غیر کفو بلا رضی ولی بعد معرفتہ ایاہ
فلیحفظ ام قال الشامی قال شمس الاثنتہ و ہذا اقرب الی الاحتیاط
کذا فی تصحیح العلامة قاسم لانہ لیس کل ولی یحسن المرافعة و الخصمۃ
ولا کل قاض یعدل و لو احسن الولی و عدل القاضی فقد یتبرک انفة للتردد
علی ابواب الحکام و استتقالاً لنفس الخصومات فیتقرر الضرر فکان منعه
دفعاً لہ فتح قال وقولہ نکحت لغت لمطلقۃ وقولہ بلا رضی متعلق بنکوت
وقولہ بعد ظرف للرضی والضامیر فی معرفتہ للولی و فی ایاہ لغیر الکفو وقولہ
بلا رضی نفی منصب علی المقید الذی ہو رضی الولی و المقید الذی ہو بعد
معرفتہ ایاہ۔ فی صدق بنی الرضی بعد المعرفۃ و بعد ما و بوجود الرضی مع
عدم المعرفۃ فی ہذہ الصور الثلاثۃ لا تحل و انما تحل فی الصورۃ
الرابعۃ و ہی رضی الولی بغیر الکفو مع علمہ بانہ کذا لک ام (ص ۲۷۲۸)
قلت و المسئلۃ وان کانت مفروضۃ فیما اذا نکحت المرأۃ عاقد بنفسہا
ولکن لا فرق بین مباشرۃ الولی العقد و کونہ عاقداً و بین مباشرۃ
المرأۃ برضی الولی و کونہا عاقدۃ فکما لیس صح النکاح فی الثانی بدون
معرفۃ الولی بالکفایۃ فکذا اذا باشر الولی بنفسہ العقد ولم یعلم
بہا و دعوی الفرق بینہما لا یتآی الا بالفارق المعتبر فان الولی فی نکاح
البالغۃ لیس الا سفیراً محضاً و انما یشترط وجودہ حال عدم الکفایۃ

لحصول اذنه ورضاه فقط ومباشرة العقد ومباشرة المرأة له برضاه
في ذلك سواء فكان حكمهما واحداً فما ذكر في بعض العبارات الفقهية ان
الولي لو زوجها برضاها ولم يعد بعد الكفاءة تدع له لا خياراً لأحد
الا اذا شرط الكفاءة او اخبروا بها وقت العقد فتزوجها على ذلك ثم ظهر
انه غير كفؤ كان له الخيار ولو لوجبة المشعر بصحة النكاح وثبوت الخيار
للولي مبني على ظاهر الرأية دون رواية الحسن المختارة للفتوى .

خلاصہ یہ ہے کہ درمختار میں جو بالغہ مطلقہ ثلثہ کے نکاح کو غیر کفو کے ساتھ بلا رضائے ولی کے
ناجائز کہا ہے شامی نے اس کی چار صورتیں کی ہیں (۱) ولی کو اس شخص کا غیر کفو ہونا معلوم ہوا و ولی
راضی نہ ہو (۲) ولی راضی بھی نہیں اور اس کو عدم کفایت کا علم بھی نہیں (۳) ولی راضی ہے مگر عدم
کفایت کا اس کو علم نہیں . ان تین صورتوں میں روایت حسن پر نکاح صحیح نہیں ہوتا صرف ایک
صورت میں جائز ہے کہ ولی کو عدم کفایت کا علم ہو اور اس پر وہ راضی ہو ، میں کہتا ہوں کہ عورت کا
خود بذاتہا نکاح کرنا اور ولی کا عدم کفایت ناواقف ہو کر اس عقد پر راضی ہونا اور ولی کا عاقد نکاح ہونا
اور عدم کفایت سے ناواقف ہو کر راضی ہونا ان دونوں میں کچھ فرق نہیں . اس لئے جب کفایت
میں دھوکہ دیا جائے گا تو جو حکم خود عورت کے نکاح کرنے کا ہے وہی حکم ولی کے نکاح کرنے کا ہونا
چاہئے اور جیسا کہ شیخ اول میں رضا ولی مع عدم معرفتہ بالکفایت صحت نکاح کو کافی نہیں ایسا ہی
ولی کے عاقد ہونے میں بھی اس کی رضامع عدم المعرفۃ کافی نہیں .

وايضاً فان المرأة في صورة السؤال بالغة وليس للولي ولاية الاجبار عليها
بل يجب لصحة النكاح اذنها صلاحاً في غير الكفو ويكفي سكوتها رضاً في الكفو و
ههنا لم يوجد . منها ما يدل على رضاها واذنها بل اظهرت عدم الرضا لما بلغها
الخبر فلم يصح النكاح لهذا الوجه ايضاً قال في الدر ولا تجبر البالغة البكر
على النكاح فان استأذنها هو اى الولي وهو السنة او وكيله او رسوله او زوجها
وليها واخبرها رسوله او فضولي عدل فكتت او ضحكت غير مستهزئة او بكت
بلا صوت فلو بصوت لم يكن اذناً فهو اذن ام قال الشامي واختلف فيما اذنها
غير كفؤ فبلغها فكتت فقالات لا يكون رضا وقيل في قول ابى حنيفة يكون رضا
ان كان المزوج ابا او جدا وان كان غيرهما فلا كفاية اخذ من

مسألة الصغيرة المناجحة من غير كفؤ اه قال في النهر وجرم في الدساية بالاول
بلفظ قالوا اه (ص ۲۷۹ ج ۲) قلت وظاهراً كون المسئلة اتفاقية ومن ذلك
فيه خلاف ابى حنيفة ليس عنده رواية عنه وانما اخذها من مسألة الصغير
ولذا ذكره الشامي بلفظ قيل الدال على تضعيفه والله اعلم .

پس ہندہ صورت مستولہ میں بدون طلاق وعدت کے کسی اپنے ہم کفو سے دوسرا نکاح کر سکتی ہے
کیونکہ زید سے اس کا نکاح صحیح ہی نہیں ہوا اس لئے کہ ولی کو خود کفایت کا یعنی زید کے عاقل ہونے
کا علم نہ تھا اور اس کو دھوکہ دیا گیا اور لڑکی نے بھی یعنی ہندہ نے خبر نکاح سن کر صراحتاً اجازت نہیں
دی حالانکہ اس صورت میں صریح اذن کی ضرورت تھی محض سکوت کافی نہ تھا واللہ اعلم ۔

۶ صفر ۱۲۵۵ھ

مسلمان کفرو کے ولایت سے | سوال (۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین مندرجہ ذیل
سئلہ میں کہ :-

مسماة عید یا جس کی عمر اس وقت میں ۱۱ سال کی ہے چھار کی لڑکی تھی . اس کی ماں مسماہ جنکو بچپن
نے بلا معاوضہ مسماہ نصیباً کو (جو پیشتر قوم کی ڈھیر تھی اور قریب ۱۵ سال ہوئے سے کہ مسلمان ہوئی تھی)
جیکہ مسماہ عید یا ۲ ماہ کی تھی نصیباً کو دے دیا مسماہ نصیباً نے ۲ ماہ کی عمر مسماہ عید یا لڑکی کو
مسلمان کرایا اب مسماہ عید یا ۱۱ سال کی ہے ۹ سال کی عمر میں نکاح برضا مندی اپنے شوہر مسمی
کریم کی اجازت سے زید کے نکاح میں دے دی گئی تو ایسی حالت میں نکاح جائز ہے یا نہیں
یا پھر دوبارہ مسلمان ہو کر نکاح ہونا چاہئے ؟ بینوا تو جسدا .

تتقیہ :- (۱) یہ نکاح مسماہ عید یا کے مسلمان ہونے کے بعد ہوا یا مسلمان ہونے
سے پہلے ؟

(۲) اس وقت مسماہ عید یا بالغ تھی یا نابالغ ؟ کیونکہ بعض لڑکیاں نو سال کی عمر میں بھی بالغ
ہو جاتی ہیں جس کی علامت حیض کا آنا ہے ۔

(۳) اگر مسماہ عید یا نکاح کے وقت بالغ تھی تو اس نے اپنی زبان سے نکاح کی اجازت
دی تھی یا نہیں ؟ ان تنقیحات کے جواب کے بعد حکم نکاح بتلایا جائے گا اور طلاق کا حکم بھی صحت
نکاح پر موقوف ہے اس کا حکم بھی بعد جواب تنقیحات بتلایا جائے گا جواب کے ساتھ یہ دونوں
پرچے بھی بچنبہ واپس ہوں فقط ۔

۳۰ محرم ۱۲۵۵ھ

جواب تنقیحات: (۱) مسماة عید یا ۴ ماہ کی عمر میں مسلمان ہوئی تھی۔ اور اسی مسلمانی کی حالت میں جب عمر ۹ سال ہوئی تو نکاح کیا گیا۔

(۲) مسماة عید یا اُس وقت میں نابالغ تھی۔ کوئی علامت سن بلوغ کی نہیں تھی (یعنی نکاح کے وقت وہ بالغ نہ تھی)۔

(۳) مسماة عید یا اُس وقت میں یعنی نکاح کے وقت نابالغ تھی۔ اگر بالغ ہوتی تو اجازت دیتی۔ نابالغی کی صورت میں تعلقات زوجین اور زنا شونی کے معاملات سے قطعاً ناواقف تھی۔ اجازت دینا کیا۔

الجواب: مسماة عید یا کا نکاح جو بحالت نابالغی مسمی زید سے ہوا تھا وہ نکاح شرعاً درست نہیں ہو کیونکہ اس وقت مسماة عید یا نابالغ تھی اور مسماة نصیباً یا اس کا شوہر کریم بخش شرعاً اُس کے ولی نہیں تھے تو یہ نکاح صغیرہ بدون ولی ہوا۔ اور نکاح صغیرہ بدون ولی کے باطل ہے لہذا یہ نکاح باطل ہوا اور جب تک مسماة عید یا بالغ نہ ہو جائے اُس وقت تک اُس کا نکاح کسی کی ولایت سے نہیں ہو سکتا ابولایة القاضی والی ہونی بلادنا قال فی الدسود لا یعتقد للملقط علیہ نکاح و بیع و کذا الجارية فی الاصح لان الولاية علیہ فی مالہ و نفسہ للسلطان لحدیث السلطان ولی من لا ولی لہ اہ قال الشامی قولہ ولا یفقد علیہ نکاح لانه یعتقد الولاية من القراۃ والملك والسلطنة ولا وجود لواحد منہا نہ (ص ۲۹۰ ج ۲) بعد بلوغ کے مسماة عید یا کی صریح رضا و صریح اجازت سے اس کا نکاح دوبارہ کیا جائے خواہ مسمی زید ہی سے یا جس کے ساتھ مسماة مذکورہ راضی ہو اور بلوغ کے بعد بھی اس کا سکوت قبل نکاح اذن نہ ہوگا، واللہ اعلم۔ ۲ صفر ۱۳۵۵ھ۔

سوال (۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بچہ کے فریب میں اگر اپنی لڑکی ہندہ (چھ ماہ) سالہ کا نکاح بچہ کے لڑکے کے عمر کے ساتھ ہونا منظور کیا اور بچہ نے فوراً اپنے ہی مکان پر زید کی موجودگی میں نکاح براہ چالاک کر دیا۔ زید کی لڑکی کو قطعی خبر نہیں وہ اپنے میکہ میں یعنی دوسرے گاؤں میں تھی ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ کا دن گذر شب میں یہ واقعہ ہوا ۱۲ صبح کو جب زید اپنے مکان پر واپس گیا تو لڑکی کو اس نکاح سے منکر اور غیر رضا مند پایا اور اپنے جملہ اہل قرابت کے ہدف ملامت ہوا کیونکہ جو جو بات مختلف یہ نکاح ناموزوں اور زید کو دھوکہ میں لاکر ہوا تھا زید

انگ لیشیاں ہندہ علیحدہ نالال اس سال میں ۱۲ تاریخ کا دن گذر گیا ۱۳ تاریخ کو بچہ کے گاؤں کا ایک شخص مل گیا جس سے بچہ کے پاس زید کی جانب پر یہ پیام بھیجا گیا کہ ہندہ کو اس نکاح سے جس میں اس کے باپ زید کو مغالطہ دیکر رضا حاصل کی گئی سخت اختلاف اور قطعی انکار ہے اور وہ اس غم میں بیہوش ہے لہذا بچہ اس نکاح کو فسخ و باطل منظور کر کے زید اور ہندہ کی جان چھوڑ دے کوئی فتنہ قائم نہ کرے بچہ اور اس کا لڑکا اس نکاح کو جائز اور اٹل ہونے کے بیان کے ساتھ مصر ہے کہ ہندہ کی شادی اب دوسری نہیں ہو سکتی ازدواج مکر شرعاً اور قانوناً نادرست ہے۔ ہندہ نے نکاح کی خبر پانے کے چودھویں یا پندرہویں روز اپنی جانب سے ایک نوٹس بنام بچہ زید کے بھیجا کہ باپ ہمارا کم عقل ہے، تم لوگوں کے فریب میں آ گیا میں شرعاً بالغ ہوں (لڑکی کی عمر نکاح کے روز تک پورے ۱۳ سال کی تھی) اس لئے بذریعہ نوٹس ہذا نکاح کی منظوری سے قطعی انکار کرتی ہوں آئندہ اس کا خیال ہرگز نہ کیا جائے پس بلحاظ حالات مذکورہ نکاح مذکورہ جائز ہے یا ناجائز اور ہندہ اپنا نکاح اپنی رضا سے کسی دوسرے شخص سے شرعاً کر سکتی ہے یا نہیں؟ بیٹنوا تو جس وا۔

تنقیح ۱۔ ہندہ کی عمر جب نکاح کے وقت پوری چودہ سال کی تھی اور اس حالت میں وہ دعویٰ بلوغ کا کرتی تھی تو اس سے دریافت کیا جائے کہ اُس وقت اُس میں کوئی علامت بلوغ کی پائی گئی تھی اور یہ سوال اس طرح کیا جائے کہ کوئی عورت اُس کو جواب سمجھانے نہ پائے۔

(۲) کیا ہندہ نے اس نکاح کی خبر سنکر اسی مجلس میں نکاح سے انکار کیا جس مجلس میں اس کو خبر پہنچی تھی یا اُس مجلس میں سکوت کیا اور دوسری مجلس میں انکار کیا صاف لکھا جائے۔

(۳) بچہ نے زید کو کیا فریب دیا اس فریب کی تشریح کی جائے اور زید بچہ کے فریب میں کیوں آیا اس کو بھی واضح کیا جائے اس کے بعد جواب دیا جائے گا یہ پرچہ بھی جواب تیج کے ساتھ واپس ہو فقط۔ ۲۸ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ۔

جواب تنقیح ۲۔ عرض یہ ہے کہ لڑکی کے باپ نے کنیہ کی دو خاص عورتوں کو لڑکی کے پاس بھیج کر دریافت کیا کہ نکاح کے روز تک کن علامات کی بنا پر اس نے اپنے کو بالغ سمجھا لڑکی نے جواب دیا کہ جو علامات بلوغ دنیا میں مسلمہ ہیں مجھ میں موجود ہیں چونکہ باپ بھی قریب سامنے موجود تھا لڑکی نے کہا کہ آپ کیوں نہیں لکھ دیتے کہ (لڑکی بلاشبہ بظہور علامات بلوغ بالغ تھی) اس سے زیادہ کن لفظوں میں میں کہوں۔ کیا شرم و حیا کوئی چیز نہیں۔ عورتوں نے باپ کی ملامت کی اور کہا کہ بات تو صاف ہو گئی اب کیا صراحت چاہتے ہو وہ خاموش ہو گیا۔

(۲) نکاح کی خبر اندازاً آدھی رات کے وقت لڑکی کو ملی تو اس نے اظہار نفرت اور الفاظ انکار کرنے اور مین کے ساتھ ظاہر کئے اور فرط غم میں بیہوش ہو گئی لڑکی کی ماں لڑکی کی ہنجیال اور گھر میں شریک حال تھی اس بنا پر اسی مجلس میں انکار سمجھنا چاہئے۔

(۳) بکرنے زید کو یہ فریب دیا کہ کفو اور طبقہ بندی اور رسم و رواج کے لحاظ سے وہ زید کے خاندان میں نہ کبھی شادی کر سکا تھا نہ بجالت اعلان شادی اب بھی ممکن تھی زید کے کنبہ کے لوگ بکرنے کے خاندانی حالت کو مختلف اعتبار سے سہتر نہیں سمجھتے علاوہ ازیں بکرا زقوم ملک و زید از قوم شیخ فاروقی ہے دونوں میں باعتبار مختلف فرق امتیازی ہے بکرنے زید کو فریب اور مخالطہ دیکر ہوں ہاں کہہ لیا اگر یہ طریقہ مخالطہ آمیز بکرنے اختیار کرتا تو بالاعلان مناکحت ناممکن تھی اور زید کے بھائی بند اہل کنبہ زید کی بیوی لڑکی کبھی اس عقد ناموزوں کو نہ گوارا کرتے نہ کیا۔ زید بکرنے کے فریب میں یوں آیا کہ اس کے دروازہ پر لڑکا پڑھانے کے سلسلہ میں مقیم تھا اور بوجہ نیت یام اختیار کیا تھا اور چونکہ قدرۃ و خلقۃ زید نہایت کم عقل اور سادہ لوح ہے اس وجہ سے فریب میں آگیا۔ تنقیحوں کے جوابات بالتفصیل لکھ دئے گئے اب جواب باصواب سے ممنون فرمایا جائے فقط والسلام۔

الجواب: قال فی الدرر: وادنی مدۃ له اثنتا عشرة سنة ولها تسع سنین هو المختار كما هو فی احکام الصغار فان راهقا بان بلغا هذا السن فقالا بلغنا صدقانا لم یکن ذمهما الظاهر کذا قیدہ فی العمادیة وغیرها فبعد ثنتی عشرة سنة یشرط شرط اخر لصحة اقراره بالبلوغ وهو ان یكون بحال یحتمل مثله والا لا یقبل قوله شرح وھبانیة وھما حیثین کما بالغ حکما فلا یقبل ججودہ بالبلوغ بعد اقراره فی الشرنبلالیة یقبل قول المراهقین قد بلغنا مع تفسیر کل بما اذا بلغ بلا یمین اھ قال الشامی فی الشرنبلالیة وعبارة ھایعنی وقد فسر اما به علما بلوغھما ولیس علیھما یمین اھ قال ابو العود والظاہر ان هذا هو المراد مما نقله الحموی عن شرح درر البحار من انه یشرط لقبول قولھما ان یمینا کیفیة المماھقۃ حین السؤال عنہ اھ (ص ۱۴۸ ج ۵) وفی تنقیح الحمادیة قال شیخ الاسلام وھذا من باب الاحتیاط (ای مطالبۃ التفسیر عنھما) وانما یقبل قوله بغیر هذا التفسیر وکذا الجاریۃ اذا اقرت بالحبس اقول المشہور فی کتب المذھب صحۃ الاقرار بالبلوغ من الغلام بعد اثنتی عشرة

سنة ومن الجاریۃ بعد تسع سنین وقول شیخ الاسلام ان هذا الاستفسار من باب الاحتیاط یفید انه فعله القاضی فھو الا ولی ثم قال بعد ذکر عبارۃ الحموی عن درر البحار فی المنع من الخانیۃ صبی اقرت انه بالمخبر وراسم وصی النبیۃ قال ابن الفضل ان کان صراھقا و یحتمل مثله یقبل قوله وان کان صراھقا و یعلم ان مثله لا یحتمل لا تجوز قسمته ولا یقبل قوله لانه ینکذب ظاہراً و تبین بھذا ان بعد اثنتی عشرة سنة اذا کان بحال لا یحتمل مثله اذا اقرت بالبلوغ لا یقبل اھ (ص ۱۵۰ ج ۲) قلت واطلاق العتوان یدل علی قبول قول المراهقین بدون التفسیر اذا کانوا بحال یحتمل او تحیف مثلھم فلیعول علیہ۔

صورت مسئلہ میں اگر یہ لڑکی جسم اور اٹھان میں ایسی ہو کہ عادیہ ایسی لڑکی کو حیض آسکتا ہے اس کا دعویٰ بلوغ قبول کیا جائے گا اور جب وہ ایسی ہو تو اس کا نکاح مذکور کو سنتے ہی رد کرنا اس نکاح کے لئے مبطل ہوگا اور اگر وہ اٹھان میں ایسی نہ ہو کہ اسے حیض آسکے تو سوال دوبارہ کیا جائے فقط۔

۳۰ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ

سوال (۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص سبھی زید فوت ہو گیا اس نے ایک بہت صغیرہ مسماہ کریمہ زوجہ مسماہ بندہ آدم مسماہ زینب چھوڑی اور اپنے حیات میں ایک ذمی علم متدین شخص وصی مقرر کیا اور صغیرہ مسماہ کریمہ کی تزویج کو بھی اپنے وصی کے حوالے کیا اب سوہ اتفاق سے زندگی زوجہ بندہ کو ایک شخص مغلس تلاش بغرض طبع اس کے جائداد کے برراہ کر کے اس کو اس پر آمادہ کیا ہے کہ اپنا نکاح اس سے اور صغیرہ کریمہ کا نکاح اس کے بیٹے سے کر دے لیکن صغیرہ کریمہ کی جدہ صحیحہ مسماہ زینب کو اس امر سے سخت صدمہ اور الم اور اضطراب ہوتا ہے اور صغیرہ کو بھی تمام ضرر اور نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے پس اس صورت میں جب وصی کو ولایت نکاح نہیں اور متون عند عدم العصبات ام کو ام الاب پر مقدم رکھتے ہیں لیکن صاحب درالمختار نے ولی کی تعریف میں ما لم یکن متہتکا کا قید بھی لگا یا ہے اور مسماہ بندہ بلا شک فاسق متہتک ہے پس اگر مصلحت و ضرورتاً و تحقیقاً من الضرر التام للیتیم جدہ صحیحہ مسماہ زینب قیام کریمہ کا نکاح کسی اہل علم متدین مالدار سے کر دے تو نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟ بیٹنوا توجس و امہربانی فرما کر جواب شافی مدلل عنایت فرماویں جو مسئلہ واقعی اور ضروری ہے۔

الجواب: قال في الدر فان لم يكن عصبة فالولاية للأُم ثم للأُم
الاب وفي القنية عكسه ام قال الشامي اي حيث قال فيها ام الاب اولي
في التزويج من الأُم قال في النهر وحكى عن خواهر زاده وعمى النسفي تقديم
الاخت على الام لانها من قوم الاب اي فيكون من اعتبار ترجيح قوم الاب يرجح
الجدة للاب والاخت على الام لكن المتون على ذكر الام عقب العصبات ام
(ص ۵۱۲ ج ۲)

قال في الدر اباً لو وجد المدعي من منهما سوء الاختيار مجانة وفسق وان
عمق لم يصح النكاح اتفاقاً ام قال الشامي: والحاصل ان المانع هو كون الاب
مشهوراً بسوء الاختيار قبل العقد فاذا لم يكن مشهوراً بذلك ثم تزوج بنته
من فاسق صح وان تحقق بذلك انه سبى الاختيار واشتد به عند
الناس فان زوج بنتا اخرى من فاسق لم يصح العقد الثاني لانه كان
مشهوراً بسوء الاختيار قبله بخلاف العقد الاول لعدم وجود المانع قبله ام
(ص ۲۹۹ ج ۲) قلت فعلى هذا لا يمكن سلب الولاية عن الام بمجرد تهتكها
نعم لو اقتصى مفتي في مثل تلك الحالة بتقديم ام الاب على الام فلا فتاء
بذلك مجال لذهاب بعض المشايخ الى تقديم قوم الاب على الام فليتنظر
والله اعلم

صورت مسئولي في اگر بده صحیحہ مذکورہ کا نکاح بدون اجازت ام کرے اور اس کے مصالح
دنیہ و دنیویہ کی پوری طرح رعایت کرے تو جرمہ صبیہ کا کیا ہوا نکاح صحیح ہوگا اور اگر بجا
عدم بلوغ نکاح کیا جائے تو لحاظ کفو اور ہر مثل ضروری ہے غیر کفو میں یا ہر مثل سے کم میں نکاح
نہ کیا جائے واللہ اعلم۔
۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۰ھ

سوال (۱۰) گوئی نے اپنی ابا بزرگ کی اشارہ سے اذن دیکھ شادی
کر دی بعد بلوغ لڑکے اس نکاح کو نسخ کر سکتی ہے یا نہیں؟
الجواب: اگر وہ اتنا ولایت میں کافی تھا تو وہ نکاح لازم ہو گیا
بعد بلوغ نسخ نہیں کر سکتی

في الاشياء والنظائش (ص ۲۶۲) الاشارة من الاخرين معتبرة قائمة مقام

العارة في كل شيء الى ان قال الا في الحدود انه وفيه ايضا ولا بد في اشارة الاخرين
ان تكون معهودة والا لا تعتبر فقط - كتبه الاحق عبد الكريم عني عنه -

مورت ولایت بکام و جائداد بالغان | سوال (۱۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین
اس مسئلہ میں کہ مسماة محمودہ نے انتقال کیا اور حمیدہ، سعیدہ اور صالحہ تین لڑکیاں نابالغان
اور مسماة واحده مال اور زید باب کو وارث شرعی چھوڑا۔ حمیدہ، سعیدہ اور صالحہ نابالغان کے
نکاح کے ولی ان کے حقیقی چچا کے لڑکے ہیں اور نابالغان کے پرورش کا حق شرعاً مسماة
واحده کے ہے جو کہ نابالغان کی نانی ہے مسئلہ جواب طلب یہ ہے کہ نابالغان حمیدہ، سعیدہ اور
صالحہ کے مال و اسباب و جائداد کی ولایت کس کو حاصل ہے آیا نانی جائداد وغیرہ کا انتظام
کر کے اور تحصیل وصول کر کے نابالغان کی پرورش کرے یا وہ لوگ جائداد کا انتظام کریں
جو کہ نکاح کے ولی ہیں اس مسئلہ میں سخت اختلاف واقع ہو رہا ہے جس سے نابالغان کو نقصان
پہنچنے کا خطرہ ہے لہذا مفصل اور مدلل جواب تحریر فرما کر عند اللہ ما جو رہوں اور جو کچھ
تحریر فرماؤں اس کی دلیل شرعی بھی تحریر فرماؤں ورنہ یتیموں اور نابالغوں کو نقصان
پہنچے گا۔ بیٹو اتوجروا

الجواب: ولایت مال یعنی تصرف و حفظ کی اصل بیاب کے لئے ہے وہ نہ ہو تو
اس کا وصی وہ نہ ہو تو دادا اور دادا کے بعد دادا کا وصی ولایت مال کا مستحق ہے ان چاروں
سے اگر کوئی موجود ہو تو مال پر کسی قسم کی ولایت دوسرے شخص کو حاصل نہیں ہوتی لیکن جب یہ
چاروں نہیں تو پھر جس کو پرورش کا حق ہے اس کو حفظ مال کی ولایت حاصل ہوتی ہے نہ
ولایت تصرف یعنی جس کو ولایت حفظ حاصل ہے وہ بلا ضرورت مال یتیم میں تصرف نہیں کر سکتا
بلا ضرورت کوئی شے خریدنا جائز ہے نہ کسی شے کا فروخت کرنا جائز ہے بلکہ فقط ضرورت
کی وجہ سے خرید و فروخت جائز ہے مثلاً گھانا کپڑا وغیرہ خریدنا جائز ہے اور اسی طرح نفقہ
وغیرہ کی ضرورت سے کسی شے کا فروخت کرنا بھی جائز ہے البتہ جائداد غیر منقولہ کو کسی حال
میں فروخت کرنے کی اجازت نہیں فی کتاب الہبۃ للہدایۃ (واذا وھب للیتیم
ھبۃ فقبضھا ولیہ وھو وصی الاب او جد الیتیم او وصیۃ جار) لان
لھولاء ولایۃ علیہ لقیامہم مقام الاب (وان کان فی حجر امہ فقبضھا
لہ جائز) لان لھا ولایۃ فیما یرجع الی حفظہ وحفظ مالہ وھذا من

بابہ لانہ لا یبقی الا بالعمال فلا بد من ولايته التحیل وقال صاحب الکتابية تحت قوله لان المولود في وفي الايضاح ولا يجوز قبضه غير هؤلاء الاربعة اذ بدلتك الاربعة الاب ووصيه والجد اب الاب وصيه مع وجود واحد منهم سواء كان الصبي في عيال القابض او لم يكن وسواء كان ذارحاً محرم منه او اجنبياً لانه ليست لهؤلاء ولاية التصرف في المال فقيام ولاية من يملك التصرف في المال يمنع ثبوت حق القبض له ثم قال وان لم يكن احد من هؤلاء الاربعة جاز قبضه من كان الصبي في حق حجة وعياله ولد يجر قبض من لم يكن في عياله لانه اذا كان في عياله فله عليه ضرب ولاية لم (فتح القدیر ج ۷ ص ۴۹) وفي الهداية ونوع آخر ما كان من ضرورة حال الصغار وهو شراء مال ابداً للصغير منه وبيعه واجارة الاطوار وذلك جائز ممن يعوله وينفق عليه كالاخ والعم والام والملقط اذا كان في حجرهم وادام ملك هذا النوع فالولي اولى به الا انه لا يشترط في الولي ان يكون الصبي في حجة (هداية اخيرين ص ۴۶ متفرقات كتاب الكراهية) وفي الفتاوى الحامدية (ص ۲۹۶) ثمان ما مر ان عائل اليتيم يملك بيعه مال ابداً منه خالص بغير العقار من نحو المنقولات اما العقار فليس له بيعه ولو مع وجود المسوق لما في الدر المختار حيث قال وهذا في بيع العقار للمسوق لو البائع وصياً لا من قبل ام او اخ فانهما لا يملكان مع العقار مطلقاً ولا شراء غير طعام وكسوة الخ تأمل ام وقال صاحب البدائع في تعليل هذه المسئلة لان الوصي خلف الوصي قائم مقامه فلا يثبت له الا قدس ما كان للموصي وهو قضاء الدين والحفظ الخ (بدائع جلد ۵ ص ۱۵۵) جب معلوم ہو گیا کہ اولیاء اربعہ کے ولایت مال اس کو پہنچی ہے جس کو حق حضانتہ حاصل ہو اور یہ ظاہر ہے کہ صورت مسئلہ میں حق حضانتہ نانی کو حاصل ہے پس ولایت حفظ مال بھی نانی کو حاصل ہے ، واللہ اعلم - احقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۲ سوال ۳۳

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ - ۱۵ سوال ۳۳

کفارت کا اعتبار رک جائز ہے | سوال (۱۲) معروض آنکہ زید نے اپنی بی بی ہندہ کو طلاق

مغلظہ دیدی پھر زید نے ہندہ کو بعد طلاق مغلظہ رکھ لیا اب وہ دونوں رہنے لگے بعد چند اولاد پیدا ہوئیں ایک لڑکا اور دو لڑکیاں زینب و تمول جب دونوں لڑکیاں بالغ ہوئیں تو زید نے ان دونوں کی شادی کر دیا زینب کے ایک لڑکا پیدا ہوا اس کے بعد اس کا شوہر انتقال کر گیا اب عمر و ایک ایسا شخص جس کی خاندان ایسے فعل شیع اور ایسی نفسانیت سے بالکل پاک ہے بلکہ شہادت ایش سے اس کی خاندان میں سنا جاتا ہے کہ بہت ہی لوگ سلیم الطبع اور دیندار تھے وہ زینب کو زید سے شادی کرنا چاہتا ہے تو اس کا نکاح اس سے بجاہت ہوگا یا بلا کسی کراہت کے اور جو اولاد اس سے پیدا ہوگی اس کے نسب میں نقصان ہے گا یا نہیں اور آئندہ نسل خراب ہونے کا ڈر ہے یا نہیں؟

الجواب: فی العالمگیریہ (ص ۱۲) الکفاءة معتبرة فی الرجال للنساء للندوم النکاح کذا فی محیط السخسی ولا تعتبر فی جانب النساء للرجال کذا فی البدائع فاذا تزوجت رجلاً خیراً منها فليس للولی (ای لولی الرجل) ان یفرق بينهما فان الولی لا یتعیر بان یكون تحت الرجل من لا یكافئه کذا فی شرح المبسوط للامام السخسی وفي الدر المختار (لا تعتبر من جانبها) لان الزوج مستقرش فلا تعيظه دناءة الفراش وهذا عند الكل في الصحيح كما في الخبازية (شامی ص ۵۲ ج ۲) وفي تنقيح الفتاوى الحامدية (ص ۱۱۲) وجزم بعدم حصوله على احكام القرشيين لتصریح الفقهاء بان الولد یقیم اباه بیقین الخ ان عبارتوں سے معلوم ہو گیا کہ اگر کم درجہ کی عورت سے نکاح کر لیا جائے تو یہ موجب عار نہیں اور نہ اس سے نسب میں کچھ فرق آئے گا کیونکہ نسب باپ سے ثابت ہوتا ہے، واللہ اعلم - احقر عبد الکریم عفی عنہ - ۸ جمادی الثانیہ ۱۳۳۳ھ - البتہ اس صورت میں جو اولاد پیدا ہوگی وہ نجیب الطرفین نہوگی اس سے نسب میں تو فرق نہوگا البتہ عمدگی نسب کی کم ہو جائے گی - ظفر احمد عفا عنہ -

بالغرضہ کا نکاح بلا اجازت | سوال (۱۳) علماء دین و مفتیان شرع متین اس باب میں کیا ارشاد اس کے باپ نے کر دیا الخ فرماتے ہیں کہ ایک لڑکی بالغہ کے نکاح کے وقت اس کے والد نے نہ تو اس کو مطلع کیا اور نہ اس سے اجازت چاہی بغیر اس کی اطلاع کے اس کا عقد کر دیا بعد عقد ہو جانے کے لڑکی بہت روئی اور بوقت رخصت بھی بہت روئی اور اس کے شوہر نے اس پر ہر قسم کا ظلم و تعدی کرنے میں کوئی کمی نہیں کی اور اس لڑکی کو اپنی جان تلف ہو جانے کا اندیشہ قوی ہے اور اب وہ اپنے

والد کے گھر ہے شوہر کے گھر جانے سے انکار کرتی ہے لہذا گزارش ہے کہ کوئی صورت عند الشرح اس کی خلاصی کی ہو سکتی ہے یا نہیں اور اگر ہو سکتی ہے تو وہ کیا صورت ہو سکتی ہے اور عقد مذکور صورت مذکورہ میں جائز ہوا یا نہیں فقط بتیوا و جروا۔

الجواب: فی الشامی (ص ۲۷۲۹) وصرح بہ ایضاً فی الذخیرۃ حیث قال بعد حکایۃ الروایتین وبعضہم قالوا ان کان مع الصیاح والصوت فہو رد والافہو رضی وھو الا وجہ وعلیہ الفتوی ام اس سے معلوم ہوا کہ اس لڑکی کا ردنا اگر ناراض ہو کر اور رد کرنے کے واسطے آواز کے ساتھ جلا کر تھا تو نکاح صحیح نہیں ہوا البتہ یہ ضروری ہے کہ یہ ردنا نکاح کی اطلاع ہوتے ہی یا یا گیا ہو اگر نکاح کی خبر یا کر ذرا بھی اپنے اختیار سے خاموش رہی تو نکاح صحیح ہو گیا اور اس کے بعد رد کرنے سے نکاح میں فرق نہ آنے کا فی الدس (فسکت عن ردہ مختارۃ قال الشامی اما لو اخذھا عطا اس او معال حین اخبرت فلما ذهب قالت لا ارضی او اخذ فمھا شدتھا نکالت ذلك صح ردھا لان سکو تھا کان من اضطرار بھی (ص ۲۷۲۹) اور جس صورت میں نکاح صحیح ہو گیا ہے اس صورت میں علاوہ طلاق کے کوئی صورت علیحدگی کی نہیں۔ احقر عبد الکریم ۲۷ رجب ۱۳۲۷ھ۔

الجواب صحیح - ظفر احمد عفا اللہ عنہ - ۲۹ رجب ۱۳۲۷ھ۔

ماموں اور خالوں نے بالغہ کا نکاح بلا اس کی رضامندی کے کر دیا۔ اس منعقد ہو جائیگا یا نہیں

سوال (۱۱۳) عرض خدمت میں یہ ہے کہ ایک لڑکی کے ماں باپ فوت ہو گئے تھے اس وقت وہ لڑکی تقریباً چودہ سال کی عمر تھی جس وقت اس لڑکی کے ماں باپ فوت ہوئے لیکن اس لڑکی کے ماں باپ نے اپنی زندگی میں رشتہ سگائی کر دی بعد فوت ہونے ماں باپ کے وہ لڑکی اپنے ماموں خالو کے یہاں اسی موضع میں لگئی تھی جس موضع میں اس کے ماں باپ نے رشتہ سگائی کر دی تھی وہاں وہ اگر کچھ عرصہ کے بعد ایک اپنے بھولی برادری کے لڑکے کے اوپر عاشق ہو گئی پس جس پر وہ لڑکی عاشق ہوئی اسی سے اپنا نکاح چاہتی تھی اس کے ماموں خالو نے جس وقت یہ بات سنی ایک اور دوسری جگہ اس لڑکی کا نکاح کر دیا براہ زبردستی کے وہ لڑکی وہاں دس ماہیں روزہ کر چلی آئی اسی گانوں میں جس میں اس کے ماموں خالو رہتے تھے وہاں اگر بعد ایک مہینہ کے اس لڑکے کو کہیں لیکر چلی گئی جس پر وہ عاشق تھی لہذا حضور اب وہ طلاق نہیں دیتے ہیں جس کے ساتھ میں اس لڑکی کا نکاح ہوا تھا اور نہ وہ اس کو اپنی زوجیت میں لیتے ہیں حضور سے ہم لوگ امیدوار ہیں کہ اس لڑکی کا نکاح اس

لڑکے کے ساتھ (یعنی معشوق کے) درست ہو سکتا ہے یا نہیں اور وہ لوگ طلاق تمام عمر نہیں دیتے ہیں عار دنیا کے سبب سے۔

تنقیح: (۱) نکاح کے وقت لڑکی نے زبان سے اجازت دی تھی یا صاف انکار کیا تھا یا خاموش رہی تھی صاف صاف نکھیں۔

(۲) نکاح کے بعد خاوند کو ہمبستری کا موقع دیا تھا یا نہیں ان دونوں نمبروں کا جواب آنے پر مسئلہ بتلایا جائے گا اور یہ دونوں پرچے بھی ساتھ بھیجیں اور کسی صاف نکھنے والے سے نکھو کر بھیجیں۔

جواب تنقیح: جس وقت وہ لڑکی لڑکے کے ساتھ گئی ۲۷ برسہ میں لڑکی کی عمر اس وقت بیس سال کی ہو گئی تھی اور اس لڑکے کے ساتھ میں گئے ہوئے عرصہ دو سال کا ہو گیا پس اب لڑکی کی بائیس سال ہو گئی ہے جس وقت وہ لڑکی ماموں اور خالو کے یہاں آئی اس وقت اس کی عمر چودہ سال کی تھی اور نکاح جس وقت اس کے ماموں اور خالو نے اس کی بلامرضی کے دوسری جگہ کیا اور اس وقت بھی عمر لڑکی کی بیس سال کی ہو گئی تھی اور اس نکاح پر رضامند نہیں تھی ہم نے خوب اچھی طرح سے حال دریافت کیا ہے ان لوگوں سے جو اس وقت نکاح کے وقت موجود تھے ان لوگوں نے یہ بات کہی ہے کہ ہمارے سامنے نکاح لڑکی کا ہوا ہے مکان چوپال میں اور مکان زننے میں نکاح نہیں ہوا ہے بوجہ اس کے کہ وہ لڑکی مسماة مقصودن صاف انکار کرے گی کیونکہ اس لڑکی کی رضامندی تو اسی لڑکے سے ہے جس پر وہ ہمیشہ سے رضامند ہے لہذا حضور کو معلوم ہو کہ اس لڑکی کے ماموں اور خالو نے نکاح چوپال میں اس واسطے کیا تاکہ ہماری حماقت ان دس آدمیوں میں انکاری ہونے سے نہ ہوئے یہ کام نکاح کا پس پردہ ہو جائے ایسا ہی ہوا نکاح ہونے کے بعد وقت دس بجے رات کے اس لڑکی کا ماموں بنام میر جہت و خالو ولی محمد اور عمر انمبر داران ان تینوں آدمیوں نے اپنی ایک رائے ملا کر اس لڑکی کے پاس گئے اور اس کا انگوٹھ حیرا ایک کتاب پر لگائے گئے وہ لڑکی تمام رات سوچتی رہی انگوٹھ لگانے کے بارے میں کہ میرا انگوٹھ حیرا لگانے کے بعد اس بات کے اگلے روز لڑکی کو وہاں بھیج دی ڈولے میں بٹھا کر جہاں کی وہ بارات آئی تھی وہاں جا کر وہ لڑکے کو لیکر چلی گئی جس پر وہ عاشق تھی عرصہ دو سال ہو گئے ہیں علاوہ اس کے ہم نے اور عورتوں کے ہاتھ دریافت کیا ہمبستری کا تو ان عورتوں نے بھی یہی کہا کہ ہمبستری اس لڑکے کے ساتھ نہیں ہوئی جس کے ساتھ نکاح چوپال میں ہوا اور وہ عورتیں تینوں اس لڑکی مقصودا کی بھولی اور

ہم وردی اور سہیلی تھی اور اس لڑکے کی ماں اور بہن سے بھی یہی حال معلوم ہوا کہ ہمارے لڑکے کے ساتھ وہ لڑکی ہبستر نہیں ہوئی اور مسماة مقصودا کا بھی یہی بیان ہے کہ نہ میں نے اجازت نکاح کی دی اور نہ کسی نے مجھ سے پوچھا بوجہ اس کے کہ وہ خود ہی جانتے تھے کہ اگر ہم پوچھیں گے تو صاف انکار کرنے لگی پس اگر وہ مجھ سے پوچھتے ہی تو میں صاف انکار کرتی کیونکہ میں رضامند نہ تھی اور نہ میں وہاں جا کر اس لڑکے سے ہبستر ہوئی۔ پس حضور کو معلوم ہوئے کہ ہم نے سب حال اچھی طرح دریافت کر کے تحریر کر دیا ہے آپ مسئلہ نکاح کا تحریر کر کے روانہ فرمادیں۔

الجواب؛ والله الموفق للصواب۔ قال في الدرر فان استاذتها غير الاقرب كالجنبي او ولي بعيد فلا عبرة لسكوته بل لابد من القول كالثيب البالغة او ما هو في معناه من فعل يدل على الرضا كطلب مهرها ونفقتها وتمكينها من الوطى ودخوله بها برضاها ظهيرية وقبول التهنئة والضحك سرورا ونحو ذلك بخلاف خدمته او قبول هديته اه قال الشامي عن المحيط والظهيرية ولو اكلت من طعامه اخذتمه كما كانت فليس برضا دلالة اه وفيه ايضا قبله باسطين عن الخامية الولي اذا نوح الثيب فضيت بقلبهها ولم تطهر الرضا لسانها كان لها ان ترد لان المعتبر فيها الرضا باللسان او الفعل الذي يدل على الرضا نحو التمكين من الوطى وطلب المهر وقبول المهر دون قبول الهدية وكذا في حق الغلام (۲۹۳ ج ۲)۔

سائل نے جو صورت واقعہ بیان کی ہے کہ مسماة مقصودن کی عمر نکاح کے وقت بیس سال کے قریب تھی اور اس کا نکاح ماموں اور خالو نے بدون اس سے پوچھے کر دیا اس سے اجازت نہیں لی اور وہ جانتے تھے کہ مسماة کی رضا اس جگہ نکاح کی نہیں ہے تو یہ نکاح فضولی کا عقد ہوا جس کی صحت اس پر موقوف تھی کہ مسماة کی طرف سے یا تو صراحتہ رضامندی کے الفاظ بعد علم نکاح کے پائے جاتے یا کوئی ایسا فعل پایا جاتا جس سے رضا پر دلالت ہوتی۔ صورت واقعہ سے معلوم ہوا کہ مسماة نے خبر نکاح سنا کر رضامند نہیں کی اور نہ وہ خوشی سے بات کے ساتھ گئی بلکہ ماموں خالو کے جبر سے گئی اور نہ وہاں جا کر نکاح سے ہبستر ہوئی نہ اس کو اس کا موقعہ دیا اور وہاں سے آکر اپنی راضی کا صاف اظہار کیا تو اگر یہ سب بیانات صحیح اور واقعہ کے مطابق ہیں تو جزئیات مذکورہ کی بنا پر یہ نکاح صحیح نہیں ہوا بلکہ جب مسماة نے اس سے ناراضی ظاہر کی اسی وقت کا عدم ہو گیا اور اب مسماة مقصودن

جہاں چاہے اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ والله اعلم۔ ۲۲ رجب ۱۳۵۵ھ۔

سوال (۱۵) ہندہ نابالغہ کا باپ حیل خانہ میں تھا کی دلیل جو باپ کی صریح رضامندی اس کے بعد بھی ضروری ہے ہندہ کے برادر کلاں بالیخ نے زید سے ہندہ کا نکاح کر دینے کی

بات حجت درست کی رخصتی کے روز باپ بھی آ گیا اور کہا کہ اگر زید مجھ کو شہ روپیہ دیوے تو میں نکاح کر دینے میں راضی ہوں۔ پس زید نے روپیہ دیدیا اور وہ راضی ہو گیا اور اس کی رضا پر برادر کلاں زید کے مکان میں ڈولی لے جا کر نکاح کر دیا ہندہ ایک ماہ تک زید کے پاس رہی باپ اور برادر وغیرہ خویش و اقارب چند بار آئے گئے بعد ایک ماہ کے بوجہ لالچ ذیوی کے ہندہ کو باپ نے اپنے گھر بٹھا رکھا اور کہا کہ میں تو زید کے ہمراہ نکاح کر دینے پر راضی نہ تھا میرے بیٹے نے نکاح دیا ہے پھر وہ لڑکی بکر کو دیدی، اس کے بعد ایک عالم کو ثالث مقرر کیا اس نے دعویٰ الرجلین علی امراة واحدة کا لحاظ کر کے دونوں زوج اور ہندہ کا باپ اور ہندہ کا وکیل اس کا برادر کلاں وغیرہ کے سامنے ٹری مجلس میں موافق طلاقہ شرعیہ دعویٰ سنا زید کی طرف سے نصاب شہود عدول مسلم جرح موثر سے پایا گیا کہ باپ شہ روپیہ ہمارے سامنے لیکر راضی ہوا اور بیٹے نے موافق مرضی باپ کے جا کر نکاح کر دیا۔ قاضی صاحب نے وکیل مسماة اور زوج ثانی اور باپ کو کہا کہ گواہوں کو قسم دیتے ہو سب نے کہا کہ ہم نے اس کی بات پر اعتبار کر لیا ہم ان کو قسم نہیں دیتے پس قاضی نے بحضور وکیل ہندہ اور زوج ثانی و والد ہندہ و جلسہ عظیمہ حکم دیدیا کہ زید کا نکاح درست ہے اور بکر کا باطل ہے بعدہ مسماة کے وکیل اور والد زوج ثانی نے کہا کہ ہم شہ روپیہ دیتے ہیں اور خلع ہو جانا چاہئے اور خلع کا معنی بھی سنایا گیا کہ خلع طلاق بائن ہوتی ہے۔ اب عرض یہ ہے کہ یہ شہادت باخود راہم واسطے راضی ہونے کے اور شہرت اس رضامندی کی عام و خاص پر اور عدم اعتراض باپ کا بوقت رخصتی کے اور ایک ماہ تک کمال اختلاط و انبساط اور بغیر قسم کے گواہی کی تصدیق اور التماس خلع معنی طلاق بائن نہ معنی طلاق مطلق صلح قاطع نزاع۔ آیا یہ کل امر مثبت رضاء والد ہندہ کے اور موجب صحت نکاح زید کے ہیں یا نہیں بصورت وجود و عدم عبارت کتاب و فصل و باب ضرور قلمبند فرمادیں جزاک اللہ تعالیٰ خیر الجزاء فقط۔

الجواب؛ قال في الدرر وله امي للولي اذا كان عصبه الاعتراض في غير الكفو ما لم يكت حتى تلد منه اه قال الشامي زاد لفظ يكت للانشاء والى ان سكوته قبل الولادة لا يكون رضاً وان هذه ليست من المسائل التي نزل

فيها السكوت منزلة القول اه (۲۷۲۸۶) ثم قال في الدرر فربما البعض من
الاولياء قبل العقد وبعدة كالكل الى ان قال وقبضه اى
المهر ونحوه مما يدل على الرضا دلالة اه قال الشامي قوله قبل
العقد وبعدة فيه ان الرضا قبل العقد يصح على كل من الاول والثاني اى النكاح
بالكفو وبغير الكفو اه وقوله ونحوه بالرفع عطفاً على قبضه اى ونحو قبض
المهر قبض النفقة او المخاصمة في احدهما وان لم يقبض وكالتجهيز ونحوه
فتم اه (ص ۲۷۲۸۸)

صورت مسئوٰله ميں ہندہ نابالغہ کے باپ کا یہ قول کہ زید مجکوستہ روپیہ دیدے تو میں نکاح کر دینے پر راضی ہوں اس کی رضا پر دلالت دال ہے جبکہ اس کو سنتہ روپیہ دیدیا گیا گو ان روپوں کا لینا اس کو جائز تھا اگر بطور مہر معجل کے نہیں پھر روپیہ لینے کے بعد اس کے صرح الفاظ کی ضرورت نہیں بلکہ یہ دلالت بھی کافی ہے جیسا کہ عبارت مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قبض مہر و قبض نفقہ و تہیز و مخاصمہ فی المہر و النفقہ بھی بمنزلہ قول رضا کے ہے اور چونکہ آج کل ہندوستان میں جاہل لوگوں میں لڑکی پر کچھ رقم لینے کا رواج ہوتا ہے تو اس رقم کا مانگنا اور اس پر رضا کو معلق کرنا اور بعد میں اس رقم پر قبضہ کر لینا بھی قرآن رضا سے ہے پس زید کا نکاح صحیح ہو گیا اور بکر کا باطل ہو گیا باقی انبساط آمدورفت قائم مقام قول رضا کے نہیں ایسے ہی بکر اور والد ہندہ کا یہ کہنا کہ خلع ہو جانا چاہئے یہ بھی اقرار بالنکاح نہیں قال فی الدرر وقوله لعبدہ طلقها رجعية اجازة للنكاح الموقوف لا طلقها او فارقتها لانه يستعمل للمتاركة اه قال الشامي اى قوله طلقها او فارقتها لانه يستعمل للمتاركة فيكون ردًا ويحتمل الاجازة فحمل على الرد لانه ادنى لان الدفع اسهل من الرفع اه (ص ۲۷۶۱۳) قلت وايضا فطلبه الخلع يحتمل الصلح في الصورة المستولة فلا يكون اقرارًا بصحة النكاح والله اعلم - ۲۲ ذيقعدة سنة ۱۲۵۰ھ

قاضي نابالغ کے اور لڑکی کا ایجاب و قبول کرانے اور ولی حاضر نہ ہو تو نکاح منعقد ہو جائے گا یا نہیں سوال (۱۶) اگر ولی تصریحاً نہ اجازت دے نہ وقت نکاح کے حاضر ہے خصوص لڑکی کا ولی مگر اور سامان دونوں طرف کے ولی سب کریں مثلاً نسبت ٹھیک کرنا فرس فروش چھو بارہ وغیرہ لوگوں کا بلانا اور اسی قبیل کے تمام کام کریں لیکن قاضی صرف نابالغ لڑکی و لڑکے سے ایجاب قبول

کرائے تو ایسی صورت میں نکاح ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب؛ اگر قاضی کو لڑکی کے یا لڑکے کے ولی نے بلایا ہے کہ تم اگر میری لڑکی یا لڑکے کا نکاح کر دو تب تو اس کی طرف سے قاضی وکیل ہو گیا صرف دوسرے ولی کی طرف سے اجازت کی ضرورت رہی۔ اگر دوسرے ولی نے عقد کے بعد اجازت صراحتاً دیدی یا کوئی فعل ایسا کیا جو اجازت پر دلالت کرے مثلاً لڑکی کے ولی نے جہیز وغیرہ دیا اور لڑکے کے ولی نے جہیز پر قبضہ کیا تو اب دوسرے کی طرف سے بھی اجازت پائی گئی اور نکاح صحیح ہو گیا اور جو افعال سوال میں مذکور ہیں وہ اجازت کے لئے کافی نہیں کیونکہ وہ عقد کے پہلے کے افعال ہیں نہ بعد کے۔ اور اگر قاضی کو لڑکی اور لڑکے کے ولی میں کسی نے نہیں بلایا بلکہ وہ خود ہی خبر نکاح سُکرا گیا یا کسی اور شخص کے بلانے پر گیا اور بدون اجازت احد الولیٰین کے اس نے نکاح پڑھا تو یہ نکاح موقوف رہا جو بعد اجازت اولیا طرفین کے نافذ ہوگا۔ اور اگر ان اولیا میں سے کسی نے اس نکاح کو صریحاً یا دلالتاً نافذ نہ کیا تو یہ نکاح موقوف ہے گا جس کو یہ صغیرین بعد بلوغ کے نافذ کر سکتے ہیں بشرطیکہ نکاح کے وقت دونوں عاقل تمیز دار ہوں کہ نکاح کے معنی کو سمجھتے ہوں اور اگر وہ نکاح کو سمجھتے بھی نہیں تو نکاح باطل ہے۔ قال فی الدرر وقبضه اى الولى المهر ونحوه مما يدل على الرضا دلالة اه قال الشامي كقبض النفقة او المخاصمة في احدهما وان لم يقبض وكالتجهيز ونحوه اه (ص ۲۷۲۸۸) وفيه ايضا صغيرة تراجت نفسها ولا ولي ولا حاكم ثمه توقف وصمها باجازتها بعد بلوغها لان له مجيزاً وهو السلطان اه قال الشامي والصغير كالصغيرة اه وقال ايضا قوله صغيرة زوجت نفسها اى من كفو بمهر المثل والالمد يتوقف لان الحاكم لا يملك العقد عليها بذلك فلا يملك اجازته فكان عقد بلا مجازت نعم لو كان لها اب او جد وزوجت نفسها كذلك توقف لان له مجيزاً وقت العقد لان الاب والجد يملكان العقد بذلك اه (ص ۲۷۵۱۵) وفي الخلاصة عن الاجناس كل عقد له مجيز حال وقوعه يقف على الاجازة ومالا مجيز له حال وقوعه لا يتوقف اه (ص ۱۲۷۱۷) - ۸ محرم سنة ۱۲۵۰ھ

سوال (۱۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ ماں کی ولایت سے نابالغ کے نکاح کی ایک عورت کے ساتھ نکاح کیا تھا اور اس کے ساتھ ایک

لڑکا تھا اب اس لڑکے کی شادی اس شخص نے گاؤں میں کر دی لڑکا نابالغ تھا اور لڑکی بالغ تھی جس عورت کے ساتھ نکاح کیا تھا وہ عورت اس کے یہاں سے چلی گئی اب وہ لڑکا اور لڑکے کی بہورہ گئی اب اس شخص نے اپنے سوتیلے لڑکے کی منکوحہ بہو کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے وہ جائز ہے یا نہیں۔

الجواب: جب تک یہ لڑکا نابالغ نہ ہو اور بالغ ہو کر اس عورت کو طلاق نہ دے اور طلاق کی مدت نگذرا جائے اس وقت تک اس عورت سے کسی کا نکاح درست نہیں کیونکہ اس لڑکے کا نکاح اس لڑکی سے درست ہو گیا ہے گو یہ سوتیلہ باپ اس کا ولی نہیں مگر لڑکے کی ماں اس کی ولی تھی اور ظاہر ہے کہ ماں کے علاوہ اس کا کوئی ولی نہیں اور یہ نکاح ماں کی رائے اور رضائے سے ہوا ہے لیکن اگر ماں کی رائے اور رضائے نہیں ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے اور یہ بھی بتلایا جائے کہ اس لڑکے کا کوئی ولی ماں کے علاوہ سے یا نہیں اور ماں نے یا اس ولی نے اس نکاح کی خبر نہ کر لیا یا اس پر ناراضی و انکار کا اظہار کیا فقط۔ ۱۸۔ ۲۶۔

ماموں نے نابالغ بھائی کی موجودگی **سوال (۱۸)** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مقتیان شرع متین میں نابالغہ کا نکاح کر دیا تو اس مسئلہ میں کہ مسمیان زید و ہندہ کو جبکہ ان دونوں کے والدین کا وفات ہو گیا بوجہ نابالغی بغرض پرورش مسمی بچہ جو ان دونوں یعنی زید و ہندہ کا ماموں ہے اپنے مکان پر لے گیا اور اپنے لڑکے مسمی بقرید سے ہندہ کا بغیر اجازت زید نکاح کر دیا حالانکہ زید و ہندہ اب تک نکاح مذکور پر راضی نہیں ہیں اور اب ہندہ تقریباً دو ماہ سے بالغہ ہے اور عرصہ آٹھ مہینہ سے اپنے بھائی مسمی زید کے یہاں چلی آئی ہے تو صورت مذکورہ میں ہندہ کا نکاح بقرید سے از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجسوا۔

الجواب: صورت مذکورہ میں چونکہ ہندہ قبل بلوغ و بعد بلوغ اپنے ماموں کے نکاح سے کاتبہ تھی لہذا نکاح مذکور صحیح نہیں ہوا مطابق حدیث لانکاح الابوی کے ولی کا ہونا ضروری ہے اس لئے نکاح صحیح نہیں ہوا ہندہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ محمد عبداللہ مدرس مدرسہ فیض عام۔ ۳۰۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۶ھ۔

احمد عفی عنہ مدرس فیض عام۔ ۳۰۔ ۱۳۶۶ھ۔

ماموں بھی ولی ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے اس کی تحقیق کی ہے اور اس اعتبار سے نکاح ہو جائے گا مگر بلوغ اور علم بالنکاح کے بعد اختیار فسخ حاصل رہتا ہے۔ امام محمد کے نزدیک ماموں ولی نہیں اور امام ابو یوسف صاحب کی اشہر الروایۃ میں بھی ہے دیکھو ہدایہ اور حسن بن زیاد نے بھی

امام صاحب سے یہی روایت کیا ہے اور الولایۃ الی العصبات بھی اسی کی مودید ہے اور خیاب فسخ کی تاثیر کے لئے قضا کی شرط ہے جو آجکل قریباً اس دیار میں مستعدراً حصول ہے اس لئے اگر کوئی حنفی امام صاحب علیہ الرحمۃ کی دوسری روایت پر فتویٰ دے اور سرے سے نکاح کے انعقاد ہی کا انکار کرے تو اس بچیدان کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے بہتر ہو گا کہ اس مسئلہ کی تحقیق حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ العالی سے کر لی جائے۔ ناچیز عبداللطیف نعمانی مدرس دارالعلوم متون اعظم گڑھ۔

الجواب من تھانہ بھون:

صورت مسئلہ میں چونکہ نکاح بولایت ولی صحیح منعقد ہو چکا ہے بشرطیکہ کفو سے بہتر مل پر ہوا ہو یا علیٰ اگر ہندہ اس کو بعد بلوغ کے فسخ کرنا چاہے تو قاضی اسلام کے یہاں مراجعہ کرے اور اگر قاضی اسلام میسر نہیں تو صبر کرے یا کسی طرح خاندان کو خلع پر راضی کرے بہر حال بدون قضا قاضی یا طلاق زوج کے یہ نکاح فسخ نہیں ہو سکتا اور بدون اس کے ہندہ کو کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔

پہلا جواب کسی غیر مقلد کا معلوم ہوتا ہے وہ بالکل غلط ہے کیونکہ حدیث لانکاح الابوی سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ بدون ولی کے نکاح نہیں لیکن اس کے کیا معنی ہیں آیا یہ کہ باطل ہے یا مناسب نہیں دونوں احتمال میں انہوں نے بدون حدیث کے ایک احتمال کو ترجیح کیونکہ وہی اندر اگر ایسا امر نکحت نفسہا بدون اذن ولیہا فنکاحہا باطل پیش کریں تو اس کی صحت ثابت کریں اور تصحیح حدیث میں کسی حدیث کی تقلید نہ کریں ورنہ فہم حدیث میں فقہاء کی تقلید سے کیوں غار ہے۔ دوسرے اگر اس کو بھی تسلیم کر لیا جائے تو وہ حدیث سے یہ ثابت کریں کہ خال ولی نہیں اگر حدیث الولایۃ الی العصبات پیش کریں تو اس کی صحت بدون تقلید محدثین کے ثابت کریں۔ پھر حدیث ہی سے عصبات کے ایسے معنی ثابت کریں جو خال پر صادق نہ آتے ہوں۔ نیز یہ بھی بتلائیں کہ اس حدیث میں تو صرف اتنا ہی کہ عصبات کو ولایت حاصل ہوتی ہے یہ کہاں ہے کہ غیر عصبات کو کسی وقت بھی ولایت حاصل نہیں ہوتی حدیث میں کوئی لفظ نفی کا نہیں ہے اگر ان امور کو حدیث ہی سے حل نہ کر سکیں تو اہل حدیث ہونے کا اور حدیث سے فتویٰ دینے کا دعویٰ نہ کریں۔

محیب ثانی حنفی معلوم ہوتا ہے مگر ان کو امام صاحب کی دوسری روایت ضعیفہ پر فتویٰ

دینے کا خیال ہو رہا ہے۔ مگر یہ خیال غلط ہے۔ کیونکہ ایسے مسائل تو اجتہادات میں بہت کم نکلیں گے جن میں اختلاف علماء یا اختلاف روایات ہو دیکھنا ہے کہ اختلاف کے وقت قوت کس کو ہے قول ضعیف پر فتویٰ جائز نہیں سوظاہر ہے کہ امام صاحب سے جو روایت اہل متون نے نقل کی ہے اور متون ہی نقل مذہب کے لئے موضوع میں وہ یہی ہے کہ عدم عصبیت کے وقت ماں کو اور ذوی الارحام کو ولایت ترویج حاصل ہے اور دلیل سے بھی قوت اسی کو ہے اور امام ابو یوسف بھی امام ابو حنیفہ ہی کے ساتھ ہیں۔ حدیث احمد الاحمد کما صحیح بہ فی فتح القدیر وسط الکلام فی الدلالة ص ۳۶۱۸۲ فی رد المحتار ص ۲۶۵۱۲ باب الولی، واللہ اعلم۔ ۱۰ رمضان ۱۳۳۶ھ

گوئی بری لڑکی جس کو کوئی ولی نہ ہو | سوال (۱۹) علماء دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک اس کا نکاح کس طرح کیا جائے عورت ہے نہ اس کو سنتا ہے اور نہ کچھ وہ زبان سے کہہ سکتی ہے اور عمر اس کی ۲۱ سال کی ہے اور اشارہ بھی کچھ نہیں سمجھتی مگر کھانے اور پینے کا اور پائٹھانے اور پیتھاب کی جس وقت ضرورت ہوتی ہے خود کہہ دیتی ہے اور نہ اس کے کوئی ولی ہے اب اس کا نکاح کس صورت سے کرنا چاہئے بفظ والسلام۔

الجواب: یہ نہیں ہو سکتا کہ اس لڑکی کا عصبہ کوئی نہ ہو یا یہ ممکن ہے کہ عصبہ قریب نہ ہو لیکن عصبہ بعید ضرور ہوگا۔ اگر یہ لڑکی شیخ زادی سے تو سارے شیخ زادے اس کے عصبہ میں ان میں جو زیادہ دور نہ ہو وہ اس کا ولی ہوگا مثلاً جو شیخ زادہ اس کی بستی میں ہے وہ دوسری بستی کے شیخ زادے سے مقدم ہے اور اگر شیخ زادی نہیں بلکہ مغل چٹھان یا جلاہی وغیرہ ہے تب بھی اتنی بات معلوم ہو سکتی ہے کہ اس لڑکی کے باپ کی رشتہ داری کن کن مواضع میں تھی یہی مواضع میں اس کے باپ کی رشتہ داری میں جو شخص سب سے زیادہ قریب ہوگا وہی اس کا عصبہ اور ولی ہوگا، ولی کی اجازت سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے واللہ اعلم۔ ۷ رمضان ۱۳۳۶ھ۔

اب وقبہ کے لئے ہونے نکاح میں صغیر | سوال (۲۰) سید سلیمان ندوی نے حنفیہ کے خلاف یہ لکھا دصغیرہ کو خیار بلوغ حاصل نہ ہوئی دین | ہے کہ اب وجد اگر صغیرہ و صغیرہ کا نکاح کر دیں تو انہیں خیار بلوغ حاصل ہونا چاہئے کیونکہ خیار نہ ہونے پر حدیث سے ثبوت نہیں۔ بلکہ حدیث میں ہے کہ جن عورتوں نے آکر دربار رسالت میں باپ کے نکاح پر ناگواری ظاہر کی حضور نے بلا اس کے دریافت فرمائی کہ تم بوقت نکاح نابالغ تھیں یا بالغ نکاح فرمائی تھیں تو اس سے معلوم ہوا کہ ترویج اب کے بعد حق نسخ رہتا ہے۔

مبسوط، بدائع، بذل وغیرہ میں حضرت عائشہ کے واقعہ نکاح سے ثبوت دیا ہے مگر حدیث میں خیار نہ دینے کا ذکر ہے نہیں اور عدم ذکر سے استدلال کیسے ہو سکتا ہے۔ انت وما لک لا بیس سے بھی استدلال بظاہر نہیں ہوتا۔ اب کی ترویج کے بعد صغیرہ بکر کو خیار بلوغ نہ ہونے پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے مگر ثبوت نہیں ملتا حضرت کچھ ارشاد فرمادیں کہ ثبوت کہاں سے ہوا۔

الجواب: اس مسئلہ کی دلیل اجماع امت کافی ہے۔ اب کی ترویج کے بعد صغیرہ بکر کو خیار بلوغ نہ ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ اور اجماع خبر واحد سے اقویٰ ہے۔ فلا حجة الى الاستدلال بالاجماع وايضا فالاستدلال بنكاح عائشة تام فقد ثبت انه صلى الله عليه وسلم خیر بريرة حين عتقت وقال بنت حمزة حين زوجها وهي صغيرة لها الخيار اذا بلغت فلو كان الخيار ثابتاً للصغيرة اذا زوجها ابوها لصرح النبي صلى الله عليه وسلم حين تزوج عائشة بان لها الخيار اذا بلغت والسكوت في موضع البيان بيان فثبت ان لا خيار للصغيرة والحال هذه وايضا نقوله تعالى **وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ** اطلق للاولياء انكاح موليهم التي لا زوج لها وهذا هو معنى الايسم لغة واطلاق ذلك لهم يقتضي تمام العقد بانكاحهم وثبوت الخيار بعد تمام العقد خلاف القياس فيقتصر على مورداه وقد خیر صلى الله عليه وسلم الثيب والبكر البالغة ولم يخیر الصغيرة الا اذا زوجها غير الاب كما ورد انه زوج امامة بنت حمزة وقال لها الخيار اذا بلغت رقم القدیر ص ۱۳۶۱۷۵ ولقد ثبت انه خیر صغيرة زوجها ابوها فلا خيار لها، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۵ رمضان ۱۳۳۶ھ۔

(تمت) وفي الجوهر النقی قال ابن المنذر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ولا تنكح البكر حتى تستأذن وهو قول عام وكل من عقد على خلاف ما شرع رسول الله صلى الله عليه وسلم فهو باطل لانه الحججة على الخلق وليس لاحد ان يستثنى من السنة الا سنة متعلها فلما ثبت ان ابابكر الصديق زوج عائشة من النبي صلى الله عليه وسلم وهي صغيرة لا امر لها في نفسها كان ذلك مستثنى منه انتهى كلامه (ص ۲۶۷۷ و ۲۶۷۸) وهذا امر صحيح في ثبوت نكح الخیار لعائشة

اما نقلًا وابن المنذر حجة في النقل واما لكون السكوت بمعرض البيان بيانًا
ففيه تاشيد لما قلنا اولًا فافهم .

سوال (۲۱) : علماء دین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے
ہیں کہ مومن قوم کا ایک مرد کا نکاح شیخ ، سید ، پٹھان وغیرہ اقوام
اولیا کرے تو نکاح طہل ہے
کی عورتوں سے ہو سکتا ہے یا نہیں .

۱) اور کیا اس عورت کے اولیاء کو ایسی صورت میں جب اس سے رضائے خاطر اور بعد بلوغت
کسی مومن دیندار ذی علم سے نکاح کیا ہے ، حق فریض حاصل ہے ؟ بینوا توجہ و

الجواب : (۱) بدون رضاء عورت کے اولیاء کے نہیں ہو سکتا .

(۲) اگر کوئی شریف سید شیخ مغل پٹھان عورت اپنے اولیاء کی بدون رضاء و اجازت مجاہدے
سے نکاح کرے تو یہ نکاح منعقد ہی نہ ہوگا بلکہ ابتدائی ہی سے طہل ہے فتح کی بھی ضرورت نہیں .

وظاهر الروایة ان النکاح ینعقد وللاولیاء حق الفسخ والاعتراض ولکن
المتأخرین افتوا برایة الحسن عن ابی حنیفة انه لا یصح ولا ینعقد به تو

سوال کا جواب ہے مگر اس مسئلہ کی بنا اس پر نہیں کہ قوم مومن شرعاً ذلیل ہے فقد قال
تعالیٰ ان اکفر مکم ینقض اللہ انکسکم . فالکفر انما هو بالتقویٰ والرخالة
بالمعصیة . بلکہ اس کی بنا اس پر ہے کہ نکاح کے مصالح عادتہ ہم کفو قوم ہی میں حاصل ہوتے ہیں

اور یہ مشاہد ہے اس کا انکار نہیں ہو سکتا اس لئے شریعت نے نکاح میں کفارت کا لحاظ کیا ہے
تاکہ مصالح نکاح بخوبی حاصل ہوں البتہ اگر عورت کے اولیاء راضی ہو کر غیر کفو سے کر دیں تو ان کا راضی
ہونا اس کی علامت ہوگی اس غیر کفو سے بھی مصالح نکاح حاصل ہونے کی امید ہے تو اس صورت

میں غیر کفو سے بھی عورت کا نکاح درست ہے . اور مصالح نکاح صرف میاں بیوی کی رضامندی
میں منحصر نہیں بلکہ اس کے زوج و زوجہ کی قرابت میں رابطہ اتحاد و محبت و تعاوض و تناسل و تہنہ و تہنہ
ہی ملحوظ ہے اور یہ بات غیر کفو کے نکاح میں مفقود ہے الا نادراً و النادر کالمعدوم

فلا یعت برؤفی الاحکام اور غیر کفو سے نکاح کر کے اگر عورت کا خاوند جلد مر جائے اور
لا ولد مر جائے یا بچے چھوٹے چھوٹے ہوں تو اب اس عورت کی امداد اس کا خاندان تو ناراضی
کی وجہ سے کرے گا نہیں تو اس کو بہت تکلیف ہوتی ہے وغیر ذلک من المصالح اس لئے کفارت

کا نکاح میں لحاظ ہے اور یہاں قوم مومن ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اگر کوئی سید زاری یا شیخ زاری
کا نکاح میں

کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اگر کوئی سید زاری یا شیخ زاری

پٹھان یا مغل مرد سے بدون اپنے اولیاء کی اجازت کے نکاح کر لے تو اس کا بھی یہی حکم ہے اور اگر
عدم کفارت میں وہ مرد بڑھا ہوا ہو تو نکاح درست ہے عورت کے ادنی ہونے سے وہ مصالح فوت
نہیں ہوتے ، واللہ اعلم .

سوال (۲۲) : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین
اس مسئلہ میں کہ لڑکی نابالغہ کا عقد لڑکی کے باپ نے پنتیس سالہ
عمر والے شخص کے ساتھ کر دیا لڑکی نے مانع ہوتے ہی اس کے ساتھ
جانے یا اپنے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ شخص شراب خوری اور بد چلتی
وغیرہ کے کاموں میں مصروف رہتا ہے اور نہ از وغیرہ کا قسطنی پابند نہیں شخص عیدین کی نماز شاذ و نادر پڑھ

لیتا ہے اور لڑکی قرآن شریف و مسائل ضروری سے واقف ہے اور نماز کی بھی پابند ہے شوہر سے طلاق
کے لئے کہا جاتا ہے مگر انکار کرتا ہے لڑکی کا باپ بھی اسے شوہر کے ایسے حالات دیکھ کر نہیں چاہتا کہ
میں ایک ایسی شائستہ اور دیندار لڑکی کو ایسے گمراہ شخص کے ساتھ کر دوں جو بالکل احکام شرع کا پابند
نہ ہو بروقت عقد ولی جائز کو اس کے ناشائستہ حرکات سے بالکل بے خبری تھی پس ایسی صورت میں اس
سے طلاق حاصل کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے اور لڑکی کا طلاق مانگنا حق بجانب ہے یا نہیں
اور ایسے شخص کے ساتھ ولی جائز کا (بے جانے ہوئے) نکاح کر دینا جائز ہوا یا نہیں ؟ بینوا توجہ و

الجواب : اگر سوال واقع کے مطابق ہے کہ ولی کو اس شخص کی بد چلتی وغیرہ کا نکاح کے
وقت علم نہ تھا اور بعد میں علم ہوا اور ولی خود بد چلتی نہیں تو یہ نکاح بالکل صحیح نہیں ہو لڑکی کو طلاق
لینے کی کچھ ضرورت نہیں وہ بدون طلاق ہی کے دوسرے نیک شخص سے نکاح کر سکتی ہے .

قال فی رد المحتار واما اذا كانت صغيرة فنز وجها ابوہا من فاسق فان كان
عالمًا بفسقه صم العقد ولا خيار لہا اذا اکبرت لان الاب لہ ذلک (ای عند

الامام لا عندہما ۱۲) ما لم یکن ما جناکما من فی الباب السابق واما اذا كان
الاب صالحًا وظن الزوج صالحًا فلا یصح قال فی البرازیة ، زوج بنتہ رجلاً
ظنہ مصلحاً لا یشر ب مسکراً فاذا هو مد من فقالت بعد الکبر لا رضی بالنکاح

ان لم یکن ابوہا یشر ب المسکر ولا عرف بہ وغلبہ اهل بیتہا مصلحون فالنکاح
باطل بالاتفاق ام (ص ۵۳۶ ج ۲) واللہ تعالیٰ اعلم .

۲ ذیقعد ۱۲۰۴

۲ ذیقعد ۱۲۰۴

۲ ذیقعد ۱۲۰۴

۲ ذیقعد ۱۲۰۴

۲ ذیقعد ۱۲۰۴

ولایت نکاح میں حقیقی بہن ماموں اور اخیانی بھائی سے مقدم ہے ماموں اور اخیانی بھائی اور حقیقی بہن اور ماں کا پہلا شوہر زندہ ہے، ولایت نکاح ان میں سے کس کو حاصل ہے؟

الجواب: صورت مسئلہ میں ولایت نکاح حقیقی بہن کو ہے۔ قال فی الدرر ذان لہ لیکن عصبة فالولاية للام ثم لام الاب ثم للاخت لاپ ثم لام ثم للاخت لاپ ثم لولد الام الذکر والانشی سواء ام (ص ۱۲۳۵) ولله اعلم۔ ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۴۴ھ۔

سوال (۲۳) ایک شخص نعمت اللہ گیا اور اس نے دل عصہ نابالغہ کے نکاح کا حق ماں کو تفویض کر دیا۔ مرنے سے پہلے اپنے عصہ کو اور زوجہ کو وصیت کی کہ میری لڑکی نابالغہ شریفین کا نکاح میرے سالے کے لڑکے سے کر دینا۔ عصہ نے بعد موت مورث کے ایک اقرار نامہ

اسلامیہ پر تحریر کر کے مسماة شریفین کی ماں کے حوالے کیا جس میں یہ لکھا کہ: "مسماة شریفین کا نکاح حسب وصیت نعمت اللہ مسماة رحمت (مادر شریفین) کرنے کی مجھے یا میرے قائم مقام کو کوئی عذر نہ ہوگا شادی کا خرچہ مسماة رحمت برداشت کرے گی"

اس کے بعد لکھتا ہے: "اور جس کو مسماة رحمت پسند کرے گی وہاں مسماة شریفین کا نکاح بمرضی خود کر سکے گی مجھے عذر نہ ہوگا"

اس کے بعد قادر بخش اور مسماة رحمت میں کچھ تنازعہ ہو گیا۔ مسماة رحمت نے اس خیال سے کہ مباردا تنازعہ کی وجہ سے یہ شریفین کے نکاح میں بھی گڑبڑ نہ کرے شریفین کا نکاح حسب وصیت نعمت اللہ اپنے بھتیجے سے کر دیا یہ خبر باکر قادر بخش نے شریفین کا نکاح دوسرے شخص سے کر دیا اب ان دونوں نکاحوں میں سے کونسا نکاح صحیح ہے؟

الجواب: صورت مسئلہ میں شریفین کا نکاح وہی صحیح ہے جو اس کی ماں بویہ نعمت اللہ نے کیا ہے اور جو نکاح اس کے بعد قادر بخش نے کیا ہے وہ صحیح نہیں کیونکہ گو قادر بخش عصہ ہے اور دراصل ولایت نکاح اسی کو حاصل تھی مگر اس نے بذریعہ اقرار نامہ تحریری شریفین کے نکاح

کا اختیار اس کی ماں کو سپرد کر دیا ہے اس کے الفاظ مندرجہ اقرار نامہ تفویض پر صاف ولایت کرتا ہے اور جو عقد بعد تفویض من لہ اکتی صادر ہو وہ صحیح ہوتا ہے قال فی البھی وقولہا (ای البالغة للولی) ذلك البیک اذن مطلقاً ذکر مسئلة ذکر الولی بین ید یہا اقواما لا یحصون نسکت فلیس بیضا ثم قال وهذا کله اذالہ تفویض الامر الیہ اما اذا قالت اناراضیة بما تفعلہ او زوجنی ممن تختارہ ونحوہ فہوا استیذان صحیح ام (ص ۱۱۲ ج ۲) ولا یخفی وجود التفویض من الولی الی الام فی الصوۃ المسئولة فہوا اذن لہا مطلقاً بنکاح مولیتہ والاذن قبل العقد کالاجازة بعدہ لہما فی الدرر واذنہ لعبدہ فی النکاح ینتظم جائتہ و فاسد فی بیام العبد لہم من نکحہا فاسد ا بعد اذنہ ام وفیہ قبلہ وقولہ لعبدہ مطلقاً رجعیة اجازة للعقد الموقوف ام (ص ۶۱۲ ج ۲) وفی الہدایة فی بیع الفضولی واذن المالك بعدہ لان الاجازة اللاحقة بمنزلة الوكالة السابقة ام (ص ۴۳ ج ۳)۔ دوسرے قادر بخش نے شریفین کا دوسرا نکاح محض صدا ورفسانیت اور نزاع باہمی کی وجہ سے کیا ہے لڑکی کی مصلحت پر نظر کر کے نہیں کیا اور یہ درست نہیں نہ کان کمن زوج مولیتہ برجل طمعاً فی مال یعطاه رشوة وهذا یبطل الولاية کذا ہینا واللہ تعالی اعلم۔ ظفر احمد عفا عنہ۔ ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۴۴ھ۔

الجواب صحیح عندی، اشرف علی عفی عنہ۔ ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۴۴ھ۔ سوال (۲۵) کیا فرماتے ہیں علمائے حنفیہ ان مسائل میں: اپنا نکاح کرے تو نکاح صحیح ہوگا یا نہیں اگر کسی عاقلہ بالغہ ذات الولی کا نکاح اپنے کفو کے ساتھ اپنی رائے سے مہر مثل سے کم پر نکاح کر لے تو وہ مثل نکاح بغیر کفو کے غیر صحیح ہوگا یا بنا براس فرق کے جو ذیل کی عبارت میں مذکور ہے صحیح ہوگا اور اولیاء کو صرف اتمام مہر کا مطالبہ ہوگا وہ عبارت یہ ہے۔ فی الدرر المختار ولو نکحت باقل من مہر ہا فللولی الاعتراض حتی یتیم مہر مثلہا ویفرق القاضی بینہما فی رد المختار قوله: الاعتراض ما فادان العقد صحیح وتقدم انہا لو تسکت غیر کفو فال مختار رواية الحسن انه لا یصح العقد ولما من ذکر مثل هذه الروایة (ای رواية عدم الصحة) ہینا مقضاه انه لا خلاف فی صحة العقد ولعل وجهہ انه لا یسکن الاستدراك ہینا

باتمام مهر المثل بخلاف عدم الكفاءة (باب الكفاءة) قلت والمراد بما تقدم
ما في الدر المختار وله الاعتراض في غير الكفو الى قوله ويفتي في غير الكفو بعدم
جواز اصله وهو المختار والفتوى لفساد الزمان .

الجواب ! علامہ شامی نے اس مقام پر جو کچھ لکھا ہے محض ان کی رائے ہے نقل نہیں ہے
اور اس رائے پر صاحب تحریر مختار نے اعتراض کیا ہے بلفظ ولكن التعليل المذكور للافتاء
بعدم الجواز في غير الكفو جار في مسألة التزوج بدون مهر المثل ومقتضى
عدم الجواز تامل ام (ص ۱۷۱۸) وفيه ايضا على قوله ومقتضاه انه لا
خلاف ثم مانعه تقدم ان مقتضى العلة انه لا فرق بين المسئلتين ام
ص ۱۷۱۹ والله اعلم .

قال في العالمگیریة: ولو زوج ولدا الصغير من غير كفو بان زوج ابنه
امة او ابنته عبداً او زوج بغين فاحش بان زوج البنت ونقص من مهرها
او زوج ابنه وزاد على مهرها ما أتته جاز وهذا عند أبي حنيفة وعندهما
لا يجوز الزيادة والخط الا بما يتغابن الناس فيه قال بعضهم فاما اصل
النكاح فصحيح والاصح ان النكاح باطل عندهما كذا في الكافي والصحيح
قول أبي حنيفة كذا في المصنفات واجمعوا على انه لا يجوز ذلك من غير
الاب والجد ولا من القاضي ام (ص ۱۸۲) -

قلت ومقتضى تعليل المتأخرين لرواية الحسن عن أبي حنيفة عدم
الجواز عندنا أيضاً خلاصه یہ کہ اس مسئلہ میں یعنی مہر مثل سے کم کرنے میں صاحبین کا قول تو یہ
ہے کہ نکاح صحیح نہیں جبکہ عورت نے خود بلا رضا اولیا مہر کم کیا ہو یا ولی نے بلا رضا عورت
کے کم کیا ہو اور امام صاحب کے نزدیک نکاح صحیح ہے اور مصنفات میں قول امام ہی کو صحیح کہا ہے ،
لہذا فتویٰ تو صحت نکاح کے باب میں امام صاحب ہی کے قول پر دیا جائے گا مگر احوط یہ ہے کہ
مہر مثل سے مہر کم نہ باندھا جائے کیونکہ غلطی سے بچنا اولیٰ ہے ۔ ولینتبه لهذا فان الناس

عہ ولس الحکم خامتاً بنکاح الصغیرین بل عام للبالغین ایضاً كما في
البدائع، وسياتي ۱۲

عنه غافلون فيرون نقص المهر ستة وثوباً ولا يعلمون ان في ذلك نقص
حق المرأة وسكوت المرأة البالغة البكر انما يكون رضا لقبول النكاح
فقط لا لنقص المهر فان السكوت لا يكون حجة في الاموال والله تعالى اعلم .
قال في البدائع ومنها كمال مهر المثل في النكاح الحرة العاقلة البالغة
نفسها من غير كفو وبغير رضا الاولياء في قول أبي حنيفة حتى لو زوجت نفسها
من كفو باقل من مهر مثلها مقدار ما لا يتغابن فيه الناس بغير رضا الاولياء
فللاولياء حق الاعتراض عندنا فاما ان يبلغ النكاح الى مهر مثلها او يفرض بينهما
وعند أبي يوسف ومحمد هذا ليس بشرط ويلزم النكاح بدونه حتى يثبت للاولياء
حق الاعتراض وهاتان المسئلتان اعني هذه المسئلة والمسئلة المتقدمة
عليها وهي ما اذا زوجت نفسها من غير كفو وبغير رضا الاولياء لاشك انهما
يتفرعان على اصل أبي حنيفة وزفر واحدي الروايتين عن أبي يوسف ورواية
الرجوع عن محمد لان النكاح جائز واما على اصل محمد في ظاهر الرواية
عنه واحدي الروايتين عن أبي يوسف فلا يجوز هذا النكاح فيشكل التفریح
فتصور المسئلة فيما اذا اذن الولي لها بالتزويج فنزوجت نفسها من غير كفو باقل
من مهر مثلها ام (ص ۳۲۲) -

وفي البحر تحت قول الكثر من نكحت غير كفو فرق الولي مانعه وهذا ظاهر
في انعقاده صحيحاً وهو ظاهر الرواية عن الثلاثة والمفتي به رواية الحسن
عن الامام من عدم الانعقاد اصلاً اذا كان لها ولي لم يرض به قبل
العقد وفي الخلاصة وكثير من مشائخنا افتوا بظاهر الرواية وهذا يدل على
ان كثيراً من المشائخ افتوا بانعقاده فقد اختلف الافتاء ملخصاً (ص ۱۲۸) -
قلت ولم يثبت افتاءهم بقول صاحبين ولا بمقتضى تعليل رواية الحسن
في مسئلة تقليل المهر عن المثل بل صرح في الهنديه ان الصحيح في مسئلة
تقليل المهر عن المثل قول أبي حنيفة ان اصل النكاح صحيح ورواية الحسن
عن الامام ليست صريحة في هذه المسئلة وانما هي في الكفاءة فالاحوط الافتاء
بالمع من ذلك اى التقليل واذا وقع التزويج بالاقل من الاب والجد

فینبقی الافتاء بالاعتقاد ما من غیرها دمی صغیرۃ فلا والله اعلم۔

یکم صفر ۱۳۵۵ھ

نکاح نابالغہ کی ایک صورت کا حکم | سوال (۳۶) علماء سے دین و مفتیان شرع متین ایسی حالت میں کیا فرماتے ہیں۔ ہندو جس کی عمر دس سال یا کچھ زائد ہے سن تمیز کو پوری طرح پہنچ چکی ہے اور نیک و بد کا بخوبی امتیاز ہے لیکن نابالغ ہے والد اس کا بزور و جبر زید کے ساتھ کہ جس کی عمر ساٹھ سال سمجھی جاتی ہے عقد کرنا چاہتا ہے ہندو زید کے ساتھ کسی طرح راضی نہیں ہے بلکہ خود کشی و جان کھونے پر آمادہ ہے اس کے والد نے مجبور ہو کر ظاہر کیا کہ زید کے ساتھ نہیں بلکہ بجز کے ساتھ کہ جس کی عمر بھی مناسب ہے عقد ہوتا ہے روز نکاح جب ہندو کو معلوم ہوا کہ وہی زید بوڑھا آدمی ہے دھوکا دیا جاتا ہے نکاح کے خوف سے بھاگ کر دوسرے شخص کے مکان میں چھپی اس کے والد کو جب خبر ہوئی چھری وغیرہ لیکر اس مقام پر پہنچا اور قتل کرنے پر آمادگی ظاہر کی اور بزور اپنے مکان میں پکڑ لایا اور بلا رضا مندی ہندو کے نکاح ہو گیا مگر ہندو نے ایجاب و قبول نہیں کیا برابر انکار ہا ہندو رخصت ہو کر زید کے یہاں نہیں گئی بعد چار سال کے محض دباؤ و ڈرانے کی غرض سے ایک مقدمہ فوجداری میں ہندو کے باپ اور اس کے خاص عزیزوں پر زید نے دائر کیا زید کے خاص عزیزوں نے اپنی ربائی و گلو خلاصی ہندو کے رخصت ہو جانے پر سمجھ کر بزور و جبر رخصت کر دیا اس خوف سے ہندو دلاں جا کر بیمار ہو گئی اور وہاں بھی وہی نارضا مندی برابر رہی اور کجائی کی نوبت نہیں آئی اب عمر ہندو کی بیس برس ہے اور اپنے باپ کے مکان میں ہے حبان کھونے پر آمادہ ہے مگر زید کے ساتھ رہنے یا اس کے گھر جانے پر رضامند نہیں ہے، فقط اب دریافت طلب ہے امر ہے کہ زید کے ساتھ جو نکاح ہندو کا بحالت نابالغی بلا رضا مندی ہندو، ہندو کے باپ نے کر دیا تھا وہ صحیح نکاح ہوا تھا یا نہیں اور اب ہندو بالغ ہو گئی ہے اور دوسرا نکاح دوسرے شخص کے ساتھ کرنا چاہتی ہے بلا زید کے طلاق دئے ہوئے ہو سکتا ہے یا نہیں اور کس طرح سے دوسرا نکاح ہو سکتا ہے؟

تتقیہ : ہندو نے کیا ہندو کے باپ نے اس نکاح میں زید سے کچھ رقم لی ہے یا کچھ رقم لینا طے ہوا تھا۔ یا ہندو کے باپ کو زید سے کچھ اور طبع تھی صاف صاف لکھا جائے نیز ہندو کے باپ نے اس نکاح سے پہلے کسی اور لڑکی کے نکاح میں لڑکے والوں سے روپے

لئے ہیں یا نہیں؟

۱۔ بروقت نکاح ہندو کا کوئی اور ولی باپ کے سوا موجود تھا یا نہیں مثلاً ماں، بھائی وغیرہ اور یہ لوگ زید سے ہندو کا نکاح ہونے پر راضی تھے یا نہیں؟

۲۔ زید خاندان وغیرہ کی حیثیت سے ہندو کا ہم کفو ہے یا نہیں؟

ان سوالات کے جواب پر حکم نکاح بتلایا جائے گا۔ فقط حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ۔

۵ صفر ۱۳۵۵ھ

جواب تنقیہ : ۱۔ رقم کی بابت زید اور اس کے بہنوئی نے کچھ لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کیا کہ روپیہ دیکر نکاح کیا ہوں بلا رقم خرچ کئے ہوئے بھلا وہ کیوں ہوتا اور ایسا نکاح بھلا کے بعد کثرت رائے اس بات پر اتفاق کرتی ہے کہ ضرور کچھ رقم لی گئی اور قبل نکاح زید ہندو کے باپ کو بہت سے تحفہ تحائف دیتا تھا اور لڑکوں کی شادی نہ تو اس طرح ہوتی ہے جس میں کوئی خاص عزیز مثل بہنوئی خواہ بہن وغیرہ کے نہ شریک کئے گئے ہوں اور نہ اس طرح کا بے جوڑ معاملہ کہ جس سے لڑکی خود انکار کر دیے اور زبردستی نکاح مشہور ہو۔

۲۔ بروقت نکاح ہندو کی ماں موجود تھی کہ جس کا ارادہ قطعی نکاح کرنے کا نہیں تھا مگر بلحاظ شوہر کے کچھ پس و دم نہیں مار سکتی تھی سو اسے ماں کے اور کوئی دوسرا وارث یا عزیز موجود نہیں تھا۔

۳۔ زید خاندان کی حیثیت سے ہندو کا ہم کفو نہیں ہے ہندو کا حسب نسب زید سے کہیں اچھا ہے، زید و ہندو کے باپ سے کبھی کی جان و پیمانہ نہ تھی اور نہ آمد و رفت تقریب ماہین کبھی تھا۔

دو بارہ تنقیہ : زید کس بات میں ہندو سے گھٹا ہوا ہے دونوں کی ذات کیا گیا ہے اس کے جواب کے بعد حکم بتلایا جائے گا نیز یہ بھی لکھیں کہ جن لوگوں کے سامنے زید اور اس کے بہنوئی نے اس نکاح میں رقم لینا بیان کیا ہے وہ لوگ دیندار معتبر ہیں یا نہیں فقط ظفر احمد۔

جواب تنقیہ دو بارہ : ۱۔ زید ہندو کے مقابلہ میں نہیں ہے۔ کیونکہ حسب نسب بیشتر سے اپنے برادرانہ وغیرہ برادرانہ میں اچھا سمجھا جاتا ہے اور اب تک اچھا ہے۔ اور اس کا قاعدہ خاص طریقہ اسلام پر ہے اور فرض اسلام و طریقہ مسلمانی کو باقاعدہ ادا کرتی ہے۔ زید کا حسب نسب معمولی درجہ کا ہے اور قاعدہ بالکل خراب ہے یعنی زید کے یہاں کی عورتیں اکثر بازار جانا یا

کہیں دوسری جگہ جانا ہو تو بلا کسی پردہ کے اور بلا کسی امداد یعنی دوسرا مرد جو ان کے گھر کا ہے اس کے ساتھ جانا بلکہ خود تنہا دوسری جگہ جانا جو دیگر اشخاص کے دیکھنے میں بالکل معیوب بات سمجھی جاتی ہے اور بات حیت بالکل اہل ہنود کے قاعدہ سے ملتی ہے۔

ع ۲۱ زید و ہندہ ہم قوم ہیں اور شیخ کہے جاتے ہیں۔

ع ۲۲ رقم کے بابت نیدا اور اس کے بہنوئی نے ایسے شخص کے سامنے بیان کیا ہے جو دیندار اور نہایت معتبر شخص ہیں اور احکام خدا و رسول سے واقف ہیں علاوہ بریں اور کی جگہ رقم کا تذکرہ برادری غیر برادری میں بذریعہ زید و اُس کے عزیزان مثلاً بہن و بہنوئی وغیرہ سے آچکا ہے۔

الجواب! فی الدہم المختار و لزوم النکاح ولو بغین فاحش) بنقص

مہرھا و زیادۃ مہرہ (او) زوجہا (بغیر کفو ان کان الولی) المنہ و زوج بنفہ بغین رابا و جدًا، و کذا المولی و ابن المجنونہ (لمدعیہ منہما سوء الاختیار) مجانۃ و فسقًا (وان عرفنا لا یصح النکاح اتفاقًا و قال الشافعی تحت (قوله وان عرفنا لا) بعد الاشکال و الجواب: والحاصل ان المانع کون الاب مشهورا بسوء الاختیار قبل العقد فاذا لم یکن مشهورا بذلك ثم زوج بنته من فاسق صح وان تحقق بذلك انه سئ الاختیار و اشتہار بہ عند الناس فلوزوج بنتا اخری من فاسق لمدعیہ الثانی لانہ کان مشهورا بسوء الاختیار قبلہ بخلاف العقد الاول لعدم وجود المانع قبلہ (ص ۳۹۹ ج ۱۲)۔

وفی العالمگیریۃ (ص ۱۸ ج ۲) ولو زوج ولدا الصغیر من غیر کفو

بان زوج ابنہ امۃ او بنتہ عبدًا او زوج بغین فاحش بان زوج البنت و نقص من مہرھا او زوج ابنہ و زاد علی مہر اماتہ جاز و هذا عند ابی حنیفۃ ۳۷ ہکذا فی التبین و عند ہمالا یجوز فی الزیادۃ و الحط الا بما یتعابن الناس فیہ قال بعضهم فاما اصل النکاح فصحیح و الاصح ان النکاح باطل عند ہما ہکذا فی الکافی و الصحیح قول ابی حنیفۃ ۳۸ کذا فی المضمومات و فی السطر الاتیۃ منہ و الخلاف فی ما اذا المدعیہ سوء اختیار الاب مجانۃ او فسقًا اما اذا عرفنا ذلك منہ فالنکاح باطل اجماعًا

وفی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ (ص ۱۲۲ ج ۱) (سئل) فی ہاشمی زوج صغیرتہ بغیر ہاشمی عالمًا بذلک و اضیابہ فهل یصح النکاح۔

(الجواب) نعم و الحالۃ ہذہ ام۔

ان سب عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اس سوال میں اگر زید کو دین کے اعتبار سے ہندہ کا کفو بھی تسلیم نہ کیا جائے (جس کو جواب تنقیح میں محمل بیان کیا گیا ہے) تب بھی نکاح صحیح ہو گیا پس ہندہ زید سے طلاق لئے بدون دوسرے شخص سے نکاح نہیں کر سکتی کیونکہ ہندہ کے والد کی طمع (اگر وہ ثابت ہو جائے) اسی نکاح ہندہ میں معلوم ہوئی ہے اس سے پیشتر اُس سے ایسا واقعہ نہیں ہوا جو سو را اختیار کی شرط ہے۔ واللہ اعلم کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ۔ ۱۵ رجب الاول ۱۲۵۰ھ۔

سوال (۲۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ باپ نے ایک جگہ نکاح کی وصیت کی تو اول دوسری جگہ لڑکی کا نکاح کر سکتا ہے پھول بہار کے والد بنام عبد الجلیل نے دختر مذکور کی نسبت زید سے کی تھی اور مرتے وقت یہ وصیت اس کی والدہ اور دادی سے کی تھی کہ پھول بہار کا نکاح زید سے کرنا کہ جس سے کہ میں نے نسبت کی پس صورت مذکور میں پھول بہار کا ولی نکاح بلا اس کی والدہ کی اطلاع کے اس کے والد کی وصیت کے خلاف پھول بہار کا عقد کسی دوسرے سے کر سکتا ہے یا نہیں؟ بتینوا تو جروا۔

الجواب: اس وصیت پر عمل ضروری نہیں ہے اس لئے ولی بلا اطلاع والدہ کے وصیت کے خلاف کر سکتا ہے البتہ اگر اس جگہ نکاح کرنے میں کوئی شرعی خرابی نہ ہو تو وصیت کا لحاظ کرنا جائز ہے مگر واجب نہیں فقط احقر عبد الکریم عفی عنہ۔ ۱۹ جمادی الاخری ۱۲۵۰ھ۔

الجواب صحیح ظفر احمد عفی عنہ۔ ۱۹ جمادی الاخری ۱۲۵۰ھ۔

سوال (۲۸) چہ میفرماید علماء دین و مفتیان شرع سے غیر کفو میں کردے تو نکاح منع ہو جائیگا متین اندرین مسئلہ کہ زید اور عمر نجیب الطرفین یا بند صوم و صلوة ہیں زید اپنی آبائی خاندان سادات سے ہے اور عمر اپنے آبائی خاندان پٹھان سے ہے زید کی رشتہ داری علاوہ سادات کے دیگر خاندان یعنی پٹھان اور شیخوں سے بھی مشترک ہے علیٰ ہذا القیاس عمر کی رشتہ داری بھی علاوہ پٹھانوں کے خاندان سادات اور شیخوں میں مشترک ہے حتیٰ کہ عمر کا نانا خاندان سادات سے ہے کیا ایسی صورت میں زید کی لڑکی عمر کے لڑکے سے منسلک ہو سکتی ہے یا نہیں جواب باصواب سے مطلع فرمائیے؟

تنقیح :- لڑکی بالغ ہے یا نہیں اگر بالغ ہے تو وہ اس رشتہ پر راضی ہے یا نہیں اور بالغ نہیں ہے تو زید لڑکی کی کس مسامت سے اس جگہ نکاح کرتا ہے یا کسی اپنی غرض سے کرتا ہے مفصل لکھیں اور زید کے باپ دادوں میں تو کوئی پٹھان تو نہیں کیونکہ رشتہ داری کا مفہوم اس کو بھی عام ہے۔ فقط۔

جواب تنقیح :- لڑکی بفضلہ تعالیٰ بالغ ہے سن پندرہ سال سے مگر اس ملک کا یہ رواج نہیں ہے کہ اس کو اس قدر آزادی حاصل ہو کہ اپنے والدین کی موجودگی میں بوجہ شرم و لحاظ کے اپنے تمیں رضامندی ظاہر کر سکے۔

(۲) زید کو کوئی مصلحت یا غرض نہ ہوئی نہیں ہے محض خداوند تعالیٰ کی رضامندی و رضا جوئی و رکار ہے بدین خیال خاندان سادات یا شیخوں میں ہنوز کوئی لڑکا یا پابند صوم و صلوة دستیاب نہیں ہوا اور جو ملتے بھی ہیں وہ زمانہ کے بگڑے ہوئے روشن خیال غنیمین وضع میں نظر آتے ہیں۔ برعکس اس کے عمر اور اس کے اولاد بفضلہ تعالیٰ نجیب الطرفین اور پابند صوم و صلوة ہیں لہذا ایسی صورت میں شریعت کیا اجازت دیتی ہے ؟

(۳) زید کے آباء و اجداد میں سوائے سادات کے کوئی شیخ یا پٹھان نہیں گذرا البتہ فرقہ انات سے جملہ مشترک میں فقط۔

الجواب :- اگر لڑکی بالغ ہے اور باکرہ ہے اور اس کا ولی غیر کفو سے نکاح کرتا ہے اور لڑکی اس نکاح پر خاموش ہے یا زبان سے اس کو منظور کرے تو نکاح صحیح ہے غیر کفو سے نکاح کرنا اس صورت میں مضائقہ نہیں رکھتا۔ واللہ اعلم۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ ۸ رجب ۱۳۲۵ھ

سوال (۲۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ عمر نے انتقال کس کی ولایت و اجازت نکاح ہوگا کیا ایک زوج و دختر مسماہ ہندہ و برادرزادہ حقیقی مسمی بہ زید و نسیرہ چھوٹی و خالد زاد برادر چھوٹا ظاہر ہے کہ برادرزادہ حقیقی ولی بالغ لڑکی کا ہے اب ولی مذکور کی خواہش ہے کہ اپنا نکاح خود نابالغہ سے کرے دریافت طلب یہ ہے کہ اس نکاح کا ولی کون شخص ہوگا اور

عہ یعنی یا اس کو حیض آنے لگا ہو یا پورے پندرہ سال کی ہوگی ہو اور اگر حیض نہ آتا ہو اور پورے پندرہ سال کی نہ ہو تو نابالغہ ہے اگر ایسا ہو دوبارہ سوال کیا جائے ۱۲ از حضرت مولانا علی

یہ نکاح کس کی اجازت سے ہوگا۔ بحوالہ کتاب جواب دین اللہ آپ لوگوں کو اجر دے گا۔
الجواب من بعض العلماء :-

صورت مسئلہ میں برادرزادہ حقیقی خود نکاح کر سکتا ہے اور وہ خود اجازت دے گا بشرطیکہ لڑکی نابالغہ کا نقصان کسی قسم کا متصور نہ ہو۔ اور دیانت و امانت سے اس عقد کو کرے اگر برادرزادہ حقیقی نے نکاح کر لیا اور اس میں نابالغہ کا نقصان ہو تو بعد بلوغ نابالغہ کو تفسیح کا ہوگا جیسا کہ عبارت شرح وقایہ جلد ثانی ط ۱ سے ظاہر ہے وصح انکاح الاب والجد عند عدم الاب الصغير والصغيرة بغین فاحش فی المهر او من غیر کفو لالغیرهما ای لایصح لغير الاب والجد انکاح الصغير والصغيرة بغین فاحش فی المهر او من غیر کفو اتفاقاً واللہ اعلم بالصواب کتبہ عبد الحمید غفرلہ ساکن قصبہ نگر ہندہ، لقد اصاب من اجاب محمد عبد الاحد کان اللہ لہ ساکن قصبہ نگر ہندہ۔ ۲۷ سوال ۱۳۲۸ھ

شرح من بعض العلماء

مفتی نے جو یہ جواب لکھا ہے کہ صورت مسئلہ میں برادرزادہ حقیقی خود نکاح کر سکتا ہے اور وہ خود اجازت دے گا بشرطیکہ لڑکی نابالغہ کا نقصان کسی قسم کا متصور نہ ہو اور دیانت و امانت سے اس عقد کو کرے ام معلوم مفتی رحمنا اللہ ولہ کا اس انعقاد سے کیا مراد ہے اگر عقد لازمی مراد ہے تو عقد لازم ہوگا موقوفی ہوگا۔ اور مفتی رحمنا اللہ ولہ نے جو یہ جواب دیا ہے کہ۔ اگر برادرزادہ حقیقی نے نکاح کر لیا اور اس میں نابالغہ کا نقصان ہو تو بعد بلوغ نابالغہ کو تفسیح کا ہوگا۔ یہ مفتی رحمنا اللہ ولہ کا تاہل ہے کیونکہ اگرچہ بھائی نے نابالغہ سے غبن فاحش مہر میں اپنے ساتھ نکاح کر لیا تو یہ نکاح باطل ہوگا موقوفی ہوگا اسی واسطے وقایہ متن والا بولتا ہے صح انکاح الاب والجد عند عدم الاب الصغير والصغيرة بغین فاحش فی المهر او من غیر کفو لالغیرهما۔ اگر کوئی کہے کہ اگرچہ بھائی نے نابالغہ سے مہر میں غبن فاحش کر کے نکاح کر لیا تو یہ نکاح صحیح ہوگا۔ جیسا کہ شرح وقایہ میں ہے وان فعل غیرہما فلہما ان یفسخا بعد البلوغ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں وقایہ سے یہاں وہم واقع ہوا ہے جو اس نکاح کو صحیح ہونا بتاتا ہے حالانکہ نہ لازماً موقوفی کوئی نکاح نہیں ہوا۔ چنانچہ در مختار میں ہے وان کان المندرج غیرہما ای غیر الاب و ابیہ لا یصح النکاح من غیر کفو و بغین فاحش اصلاً و مافی صدر الشریعہ صح

ولہما نسخہ وہم وان کان من کفوہ بيمہ المثل صح ولتوالیہما ان الصغیر والصغیرۃ
خيار الفسخ بالبلوغ او العلم بالنکاح بعدہ انتہی ملخصاً۔

اور در مختار کی شرح شامی میں ہے قولہ صح ولہما نسخہ ای بعد بلوغہما والجملة
قصد بہا لفظہا من روعة المحل علی انہا بدل من ما ادر محکته بقول محذوف
ای قاعلاً وقولہ تم تبرعن ما وعبارة صدر الشریعة فی متنہ وصح النکاح الاب و
الجد عند عدم الاب الصغیر والصغیرۃ بغین فاحش ومن غیر کفو لا غیرہما
وقال فی شرحہ ای لو فعل الاب اوالجد عند عدم الاب لا یكون للصغیر والصغیرۃ
حق الفسخ بعد البلوغ وان فعل غیرہما فلہما ان یفسخا بعد البلوغ اھ ولا
یحقی ان الوہم فی عبارة الشرح وقد نبہ علی رھمہ ابن الکمال وکذا المحقق
التفتازانی فی التلویح فی بحث العوارض و ذکر انہ لا یوجد رواية اصلا و
اجاب القہستانی بان صحته بالغین الفاحش نقلتها فی الجواہر عن بعضهم و
بغیر کفو نقلتها فی الجامع عن بعضهم قال وهذا یدل علی وجود الروایة اھ
قلت وفيہ نظر فان ما کان قولاً لبعض المشائخ لا یلزم ان یكون فیہ رواية
عن ائمة المذہب ولا سیما اذا کان قولاً ضعیفاً خالفاً لما فی مشاہیر کتب المذہب
المعتمدۃ انتہی کلامہ ، وقال فی هامش شرح الوقایة وهذا یدل علی
وجود الروایة وفيہ انہ قول غیر معتبر والا صح بطلان انکاح غیرہما بغین
فاحش ومن غیر کفو من اصلہ انتہی۔

اب صورتہ مسئلہ کا جواب لکھا جاتا ہے کہ نابالغہ کا چھیرا بھائی جو ولی ہے اگر وہی اپنے ساتھ
نکاح کرنے کی خواہش رکھتا ہے تو ایسی صورت میں بھی ولی چھیرا بھائی ہی ہوگا اور اپنے ساتھ اپنی اجازت
سے مہر بالمثل میں نکاح کر سکتا ہے مگر نابالغہ کو اختیار ہے کہ بعد بلوغ اس نکاح کو قائم رکھے یا فسخ
کرے۔ ہدایہ میں ہے ویجوز نکاح الصغیر والصغیرۃ اذا زوجہما الولی فان
زوجہما الاب اوالجد یعنی الصغیر والصغیرۃ فلا خيار لہما بعد بلوغہما و
ان زوجہما غیر الاب والجد فلکل واحد منہما الخيار اذا بلغ ان شاء اقام
علی النکاح وان شاء فسخ انتہی ملخصاً اور جانا چاہئے کہ صورت مسئلہ میں چھیرا
بھائی نابالغہ کا ولی واصل ہے یعنی خود اپنے ساتھ اگر مہر بالمثل میں نکاح کرنا چاہتا ہے تو یہ نکاح

صحیح ہوگا مگر نابالغہ کو بعد بلوغ فسخ و عدم فسخ کا اختیار ہے شرح وقایہ میں ہے ویتولی طرفی
النکاح واحد لیس بفضولی من جانب وهو علی اقسام منها ان یكون الواحد
اصیلاً وولیا کا بن العم بین زوج بنت عمہ الصغیرۃ انتہی بتغیر ما۔ حاصل
کلام اگر چھیرا بھائی نابالغہ کا چھیرا نہیں ہے مہر بالمثل میں یا بغیر نقصان فاحش نکاح کرے گا تو صحیح ہوگا
ورنہ نہیں واللہ اعلم و علمہ ام۔ کتبہ عبد الرشید بن شوق نیموی عظیم آبادی رحمہما اللہ تعالیٰ

۳۰ سوال ۳۲۸ ۱۳۸۸ھ نویں صلی اللہ علیہ وسلم

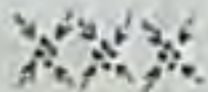
الجواب من جامع امداد الاحکام

الجواب الثاني صحیح۔ ولكن خيار الفسخ بعد البلوغ یقتضی قضاء القاضی
وتیوقف علیہ ولا تنفرد المرأة بفسخ نکاحہا بعد البلوغ بدون القضاء و
لیس فی الہند قاض شرعی یتولی فسخ مثل هذا النکاح واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ۔ ۱۵ ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ۔

دھوکہ سے غیر کفو میں نکاح ہو گیا تو لڑکی اور (۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع
اولیاء کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوگا متین اس سئلہ میں کہ ہندہ بالغہ کا نکاح اس کے سوتیلے باپ
نے زید کے ساتھ کر دیا جس نے اپنے کو شیخ انصاری بتلایا بعد نکاح معلوم ہوا کہ زید نور بان ہے
چونکہ یہ نکاح لاعلمی میں غیر کفو میں ہو گیا کیا شرعاً یہ نکاح درست اور جائز ہے؟ بینوا تو جبروا۔

الجواب؛ صورت مسئلہ میں نکاح تو ہو گیا لیکن چونکہ زید نے ہندہ کو اور اس کے اولیاء
کو دھوکہ دیا کہ اپنے کو انصاری ظاہر کیا اور یہی سمجھ کر وہ لوگ نکاح پر راضی ہوئے اس لئے ہندہ
کو اور اس کے اولیاء کو اس نکاح کے فسخ کرانے کا حق حاصل ہے وہ عدالت میں دعویٰ کر کے
نکاح کو فسخ کر سکتے ہیں اگر حاکم عدالت مسلمان ہو تو اس کا فسخ شرعاً بھی معتبر ہے اگر مسلمان نہ ہو تو
اس کے بعد ہندہ کو اپنا مقدمہ برادری کی بنیاد کے سامنے بھی پیش کرنا چاہئے جس میں کسی عالم کو
بھی شریک کیا جائے برادری اس نکاح کو فسخ کر دے گی تو شرعاً نکاح فسخ ہو جائے گا جس کے بعد ہندہ
دوسری جگہ اپنا نکاح کفو میں کر کے گی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ الحجو الناجزہ واللہ
تعالیٰ اعلم۔ ظفر احمد عفا عنہ۔ ۲۶ شعبان ۱۳۸۸ھ۔



بَيَانُ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

فِي

مَسْئَلَةِ الْكِفَاءَةِ بِالْإِنْسَابِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بعد الحمد والصلوة - کلامی

لا ینسخ کلام اللہ حدیث صحیح نہیں ، متواتر تو کیا ہوتی اس کی سند میں ایک راوی متہم بالوضع ہے ملاحظہ ہو تنقیح المشکوٰۃ ص ۲۵ ، اور آیت فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ إِذَا تَرَاضُوا بَيْنَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ الْأُیَةِ ثَبَاتِ کے متعلق ہے جو پہلے ذات ازواج رہ چکی ہیں اس سے مطلقاً تراضی کے اشتراط پر استدلال کرنا عربیت سے نادانی پر مبنی ہے۔ فقہار نے تراضی کو ضرور شرط کیا ہے مگر وہ شرط عام ہے خواہ تراضی زوجین ہو اگر دونوں حُر اور بالغ ہوں یا تراضی اولیاء و موالی ہو اگر نابالغ یا غلام باندی ہوں اس آیت سے فقہار کے اس قول کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ یہ آیت مطلقاً ثبوتاً بالغات کے حق میں ہے۔ اور اگر بالفرض اس سے مطلقاً اشتراط تراضی پر استدلال کیا جائے تو آگے بالمعروف کی قید بھی تو مذکور ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ تراضی مطلقاً معتبر نہیں بلکہ اسی وقت معتبر ہے جبکہ قاعدہ معروفہ کے

مبطلًا وحامدًا ومصليًا . مخدوم و مکرم حضرت مولانا! السلام علیکم ، چونکہ میرا اور آپ کا نیز کل اہل حق کا اعتقاد یہ ہے کہ موانیاء کے کوئی معصوم عن الخطا نہیں ہے اس لئے اس عریفہ کے لکھنے کی جرأت کرتا ہوں وہ یہ کہ امر مسلم ہے کہ احکام قرآن کی تسخیر صرف آیات قرآن سے ہی ہو سکتی ہے حسب لا ینسخ کلام اللہ حدیث متواتر سے بھی قرآن کے احکام نہیں ترک ہو سکتے ہیں اور اس لئے حضرت عمرؓ نے زینب کی حدیث پر عمل نہیں کیا جب یہ امور مسلمہ ہیں تو کیا استحسان سے نصوص قرآنیہ کو چھوڑنا جائز ہے؟ حال یہ ہے کہ استحسان بھی قیاس ہی کا ایک قسم ہے یقیناً میرا اور آپ کا اعتقاد یہ ہے کہ جائز نہیں ہے اب عرض یہ ہے کہ تراضی زوجین فی النکاح فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ إِذَا تَرَاضُوا بَيْنَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ کے نص صریح سے ثابت ہے اور اس لئے کل فقہار نے بالاتفاق نکاح کے

اعتقاد میں تراضی زوجین شرط اور قید لگایا ہے و ینعقد بايجاب و قبول بالتراضی آپ کے سامنے ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ قبل از بلوغ تراضی نہیں ہے پس اگر کسی نے نابالغ کا نکاح کیا خواہ باپ ہو یا دادا ہو پس وہ نکاح تراضی بعد البلوغ پر موقوف رہنا چاہئے اس لئے کہ باپ دادا کو حق نہیں ہے بغیر رضی ترکہا کے نکاح کرنے کا خواہ وہ بالغ ہو یا نابالغ چنانچہ خنسا کی حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے اور قرآن کے نص مذکور سے ثابت ہوتا ہے پھر یہ فتویٰ دینا جیسے کہ آپ نے بہشتی زیور میں تقلیداً درج فرمایا ہے کہ اگر لڑکی کا نکاح باپ دادا نے کیا ہو تو بعد بالغ ہونے کے اس کو توڑنے اور فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے کتنی بڑی جرأت ہے کہ نص قرآن تو باوازا بلند تراضی کا اعلان کرتا ہے اور احناف بعض تقلید کی وجہ سے ایک صورت میں بدون تراضی نکاح نافذ قرار دیتے ہیں لڑکی بعد بالغ ہونے کے صاف انکار کرتی ہے کہ میرے بانیچہ نکاح میری لاعلمی میں قبل از بلوغ کیا ہے وہ مجھ کو منظور نہیں ہوتا اور احناف کہتے ہیں کہ اگرچہ تم تراضی نہ ہو اور اس نکاح کو ناپسند کرتی ہو مگر تم کو توڑنے اور فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے اس لئے کہ تمہارے باپ یا دادا نے کیا ہے تو کیا خدا کے یہاں ابوحنیفہؒ احناف کو اس جرأت علی کتاب اللہ سے نجات

موافق ہو اور قاعدہ معروفہ اسلام میں یہی ہے کہ نابالغ لڑکی کا نکاح ولی کی رضا سے ہوتا ہے اور ولی اگر باپ ہو تو لڑکی کو بعد بلوغ کے اختیار نہیں ہوتا جیسا آئندہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح سے اس کا ثبوت آتا ہے اسی قید بالمعروف سے حنفیہ نے یہ کہا ہے کہ اگر عورت ہر مثل سے کم پر یا غیر کفو سے نکاح پر راضی ہو جائے تو یہ رضا معتبر نہیں کیونکہ خلاف معروف ہے اس وقت ولی کو حق عضل حاصل ہوگا۔ پس اذا تراضوا بینهما کو دیکھ لینا اور بالمعروف سے قطع نظر کرنا علم نہیں ہے جہل ہے۔ قال ابن العربی المالکی فی احکام القرآن لہ قولہ تعالیٰ اذا تراضوا بینهما بالمعروف یعنی اذا کان کفوہا لہ لان الایۃ نزلت فی ثیب مالکۃ ام ہانڈل علی ان المعروف المراد بالایۃ هو الکفۃ و فیہا حق عظیم للاولیاء لہذا فی کتابہا من ادخال العار علیہم و ذلك اجماع من الامۃ ام ص ۱۸۵ وانکحو الا یا علی منکم میں اولیاء کو خطاب ہے کہ جن عورتوں کے شوہر نہ ہوں ان کا نکاح کر دو۔ ایسے عام ہے ہر غیر ذات زوج کو ، آگے ارشاد ہے والصالحین من عبادکد و اما عکد اپنے غلام اور باندیوں

میں سے جو نیک ہوں ان کا بھی نکاح کر دو
اسی سے یہ معلوم ہوا کہ نابالغہ اور غلام باندی
کے نکاح میں ولی اور مولیٰ کی رضا کافی ہے
نابالغہ اور غلام باندی کی رضا شرط نہیں ورنہ
یہاں بھی اذا تساموا کی شرط مذکور ہوتی۔
احناف اور شوافع وغیرہم جو مجتہدین کے واسطے
سے قرآن و حدیث کو سمجھتے ہیں وہ جرات علی اللہ
نہیں کرتے، جرات علی اللہ وہ کرتے ہیں جو
محض قرآن و حدیث کا ترجمہ دیکھ کر مجتہد بنے
بیٹھے ہیں حالانکہ وہ محض مطالعہ ترجمہ سے نہ
طیب و ڈاکٹر بن سکتے ہیں نہ وکیل و پیرسٹر،
یہ محض دین سے بے اعتنائی ہی تو ہے کہ ہر شخص
اوس میں رائے کو دخل دیتا ہے۔

آیت ان اکرمکم عند اللہ اتقکم
میں فخر بالانساب کی ممانعت ہے مسئلہ کفارت
کی نفی کہاں ہے۔ اور جو شخص مسئلہ کفارت
کو فخر بالانساب سمجھتا ہے وہ جاہل ہے مسئلہ
کفارت کا مدار اسی تعارف پر ہے جس کا
ذکر اس آیت میں ہے وجعلناکم شعوبا
وقبائل لتعارفوا۔ جس سے معلوم
ہوا کہ شعوب و قبائل کو تعارف میں دخل
ہے اور نکاح کی بنیاد ہی تعارف پر ہے
بدون تعارف کے جو نکاح ہوگا اس
میں مقصد نکاح فوت ہوگا زوجین میں العین
عہ حاشیہ برصغیر ائمہ

دلا سکتے ہیں پھر گز نہیں پھر کیونکر ایسی تقلید
کو رانہ کی وجہ سے عسکر کے تنگ احاطہ میں
مسلمانوں کو قید کیا جاتا ہے اور سیر کے میدان
وسیع میں جانے کی اجازت نہیں دیتے ہیں؟
قرآن تو یوں فرماتا ہے دیوم یبادیہم
فیقول ماذا احببتم المرسلین کیا یہ بھی
کہیں سے ثابت ہے کہ خلائمة اربعہ یا اور کسی
بزرگ کی تقلید کے بائے پوچھے گا؟

دوسری عرض یہ ہے کہ ان اکرمکم
عند اللہ اتقکم عام ہے اور اس کا یہی
معنی ہے کہ اکرم عند اللہ فی الدنیا والآخرۃ مستقی
اور پرہیزگار ہے خواہ وہ کوئی ذات ہو عرب یا
عجم یا جولا یا دھنیا یا شیخ یا پٹھان یا شیخ یا سید
یا علوی یا انصاری یا اور کوئی کلمہ گوہر اور احد
صحیحہ میں اس کی تصریح ہے۔ فاظض بذات
الدین سے عام بذات الدین مراد ہے خواہ
کوئی ذات اور کوئی قوم ہو اور کوئی پیشہ کرتا ہو
اس سے نہ آپ انکار کر سکتے ہیں نہ اور کوئی
منصف مزاج مسلمان اور نکاح میں جو یہ
ارشاد ہے اذا وجدت لها کفو اس

وہی ذات الدین مراد ہے چنانچہ دوسری حدیث
صحیحہ میں اس کی تصریح ہے اذا خطب
الیکم من ترضون دینہ وخلفہ فزوجوا
الا تفعلوا تکن فتنۃ فی الارض وفساد
عریض۔ ہر مومن باللہ ورسولہ سے اس حدیث
میں ہر اس مسلمان کو ارادہ کرے گا جو مومن
بالدین المرضی واخلق المرضی ہو خواہ وہ کوئی
ذات ہو پس تفرقی بین المؤمنین جو آپ نے تقلید
بہشتی زیور میں درج کیا ہے کہ فلانے کے یہاں
نکاح بے جوڑ ہے اور فلانے کے یہاں باجوڑ
ہے اور نصوص قرآن و حدیث پر غور نہیں فرمایا
ہے اس کا جواب خدا کو دیں گے کیا ابوحنیفہ
یا صاحب ہر ایہ وغیرہ کی تقلید حجت عند اللہ
ہو سکتی ہے؟ ہاں مولانا یہ جو کچھ ہے کفار اور
زمانہ جاہلیت کا رسم بد ہے جو بد نصیبی اور تقلید
کو رانہ سے مسلمانوں میں لگا آتی ہے آپ کے سامنے
حدیث صحیحہ موجود ہے جس میں آنحضرت نے
فخر بالانساب کو مانعہ ضحک عن الضرطۃ
زمانہ جاہلیت یا کفار کا رسم بد قرار دیا ہے پس
کیونکر نصوص قرآن و حدیث سے چشم پوشی کی
جاتی ہے اور محض رسم و رواج کی بنا پر اور
تقلید کو رانہ کی وجہ سے وہ چیز جس کو آنحضرت

و محبت نہ ہوگی اس لئے نکاح میں تعارف کی
ضرورت ہے جو شعوب و قبائل پر مبنی ہے،
اس سے کسی خاندان پر کسی خاندان کی ایسی
فضیلت لازم نہیں آتی کہ عمل ہی استخار
ہو جائے ان اکرمکم عند اللہ اتقکم
کا یہی مطلب ہے۔ پس جو لوگ اس آیت سے
ابطال کفارت پر استدلال کرتے ہیں وہ قرآن
میں اپنی رائے سے زیادتی کرتے ہیں۔ اگر
وہ تدبر سے کام لیتے تو اسی آیت سے کفارت
کے مسئلہ کو سمجھ لیتے۔

فاظض بذات الدین میں مردوں
کو خطاب ہے کہ دیندار عورت کو تلامش
کر دو۔ اور مردوں کے واسطے فقہار نے
کفارت کی شرط کہاں لگائی ہے، مرد جس
مسلمان عورت سے چاہے نکاح کر سکتا ہے،
کفارت کی شرط عورتوں کے واسطے ہے،
اس سے اس حدیث میں کچھ تعارض نہیں اور
جو شخص اس سے عورتوں کے لئے خطاب
سمجھے وہ عربیت سے محض نابلد ہے۔
البتہ اذا خطب الیکم من ترضون
دینہ وخلقہ میں عورتوں کی بابت
مردوں کو خطاب ہے کہ جب تمہارے پاس

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) حدیث میں ہر اور روایت جنود مجتہدہ ما تعارف منها اختلف وما تناکر منها اختلف فلا دلیل علی کون
التعارف فی الایۃ مخصصا بتعارف الاقرباء بل هو عام لتعارف الارواح والاشخاص جمیعا ۱۳ ظ

کفار باہریت کی رسم بد فرماتے ہیں حکم اسلام
اعتقاد کیا جاتا ہے اور فقہار نے جو احادیث
اپنی کتابوں میں درج کئے ہیں کفارت کے
بالے میں ان کو کون تسلیم کر سکتا ہے جو نصوص
قرآن و احادیث صحیحہ سے خلاف ہیں۔

کوئی ایسا شخص پیغام لائے جس کے دین
اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے اپنی
عورتوں کی شادی کر دو۔ مگر یہاں فقط دین
پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ حلقہ بھی فرمایا گیا ہے
اور مشاہدہ ہے کہ شوب و قبائل کے اخلاق
میں باہم زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے، ایک
قریشی سید کے جو اخلاق عالیہ ہوں گے وہ کسی
جلبے یا تیلی کے نہیں ہو سکتے، اس قیود
سے خود کفارت کے اعتبار پر اشارہ موجود ہے
مگر کوئی نہ سمجھے تو اس کا کیا علاج ہے نیز اس
حدیث میں لفظ فسق و جوحہ اس بات کو بھی بتلا
رہا ہے کہ نکاح میں ولی کی رضا کافی ہے کیونکہ
یہاں اولیاء ہی کو خطاب ہے پس نابالغ
لڑکیوں کی رضا کو شرط بنانا حدیث میں رائے
کو دخل دینا ہے۔

اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ ابوحنیفہ اور
صاحب ہدایہ نے جو کچھ کہا ہے حدیث و قرآن
سے سمجھ کر کہا ہے، مگر یہ اس چودھویں صدی
کی حریت اور آزادی کا اثر ہے کہ اخلاف
امت سلف کو تو برا کہتے ہیں اور اپنی رائے
سے دین کو سمجھنا چاہتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فخر بالانساب
کی ضرورت مذمت کی ہے مگر اعتبار کفارت کی
مذمت نہیں فرمائی اور دونوں کو ایک سمجھنا
سراسر جہالت ہے کیا حدیث میں یہ نہیں ہے

الناس معادن كمعادن الذهب و
الفضة خيارهم في الجاهلية خيارهم في
الاسلام اذا فهموا اور حدیث میں یہ نہیں ہے
الاثمة من قریش اور کیا قرآن میں نہیں ہے
لا یستوی منکم من اتق قبل الفتن و
قاتل۔ جس میں مہاجرین کو غیر مہاجرین سے
افضل کہا گیا ہے، کیا قرآن میں نہیں ہے،
هل یستوی الذین یعلمون والذین
لا یعلمون، جس میں عالم کو جاہل سے افضل
کہا گیا ہے، کیا قرآن میں نہیں ہے ام جعل
المتقین کالفجار، جس میں صلحاء کو فاسقوں
سے افضل کہا گیا ہے یہ وہ امور ہیں جن کی کفارت
میں رعایت ہے۔

انہ احادیث نے شکر اللہ سعیم
ان چھ کتابوں میں انہی احادیث کو درج کئے
ہیں جو ان کی تحقیق اور تنقید میں صحیح تھیں اور
جن کو اس وقت تک اہل السنہ والجماعہ مانتے
چلے آتے ہیں پس ان سے خلاف جو احادیث
فقہاء نے نقل کئے ہیں ان کو کون تسلیم کر سکتا
ہے حضرت مولانا اگر آپ قرآن اور احادیث صحیحہ
پر غور فرمائیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کفارت
کے مسائل جو فقہاء نے درج کئے ہیں شاید ان
میں سے ایک آدھ قابل عمل ہو۔ قرآن کے بالے
خدا فرماتا ہے ولقد یسرنا القرآن للذکر
فهل من مدکر۔ پس قرآن تو ہر ذی عقل

اور بتلایا جا چکا ہے کہ مسئلہ کفارت
صرف احادیث ہی نہیں بلکہ نص قرآن سے
بھی ثابت ہے مگر کوئی نہ سمجھے تو اس کا کیا
علاج ہے کفارت کے متعلق جو احادیث ہیں
ان میں سے ایک آدھ بھی قابل عمل ہوئی تو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد کیا
کافی نہیں ہے سچر اس کا انکار کرنے والا منکر
حکم رسول ہوگا یا نہیں؟

ولقد یسرنا القرآن للذکر کی جو
تفسیر آپ نے سمجھی ہے وہ تفسیر بالرائے ہے
یقیناً قرآن عربی فصیح و بلیغ ہے اس کا سمجھنا
فصحاء و بلغار عرب ہی کا منصب ہے محض ترجمہ

عربی وان بخوبی سمجھ سکتا ہے خدا نے قرآن میں جو یہ فرمایا ہے انا خلقناکم الذیۃ اور شعوب اور قبائل بنایا ہے یہ صرف تعارف کے لئے ہی نہ تفاسل کے لئے ولا تنکحوا المشرکین حتی یومنوا اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو ایمان لایا وہ ہر مسلمان کا کفو ہو اور ہر مسلمہ کا نکاح اس سے باجوڑ ہے نہ بے جوڑ خواہ وہ عرب ہو یا عجم یا جولا یا یادھنیا یا اور کوئی پیشہ کرتا ہو۔

جاننے سے قرآن سمجھ میں نہیں آسکتا چنانچہ اوپر آیات و احادیث گذر چکی ہیں جن کے سمجھنے میں آپ نے غلط فاحش کا ارتکاب کیا ہے، پھر قرآن اگر ذکر کے لئے آسان ہے تو کیا استنباط احکام کے لئے بھی آسان ہے؟ جو اس کا دعویٰ کرے یقیناً جرأت علی اللہ کا ارتکاب کرتا ہے ذکر و استنباط میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

ولا تنکحوا المشرکین حتی یومنوا میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ کافروں سے مسلمان عورتوں کا نکاح نہ کرو۔ اس سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ اسلام لانے کے بعد سب کسب برابر ہیں جو یہ دعویٰ کرتا ہے وہ قرآن میں اپنی رائے سے اضافہ کرتا ہے، سمجھ۔ ولا تنکحوا میں صاف اشارہ ہے کہ عورتوں کا نکاح کرنا نہ کرنا مردوں کے ہاتھ پر اسی لئے تو مردوں کو خطاب کیا گیا کہ تم ان کا نکاح کافروں سے نہ کرو۔

حدیث میں خلق مرضی کی رعایت کا حکم ہے وہی تو فقہاء کی شروط کفارت کی دلیل ہے کیونکہ شعوب و قبائل کے اخلاق میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

حضرات صحابہ تو سب کے سب ایسے ہی تھے کہ کفر سے اسلام میں داخل ہوئے تھے اس لئے وہ سب کفو تھے ان میں کسی کے

ہاں احادیث میں جو خلق مرضی اور دین مرضی کفارت فی النکاح کا معیار قرار دیا گیا ہے وہ ضروری اور قابل لحاظ اور طول بالمال اور استطاعت بالبارہ بھی شرط ہے اور قرآن و حدیث سے ثابت ہے مگر یہ جو احناف نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے کہ کفار نو مسلم کے لئے کم از کم ابوان فی الاسلام

ہونا چاہئے جو نفس قرآن سے بالکل خلاف ہے کیوں مانا جاتا ہے صحابہ کرام کے پاک ماعنوں میں ہرگز یہ خلاف نعوس خیالات نہ تھے بلکہ لاکھوں کو مشرف باسلام کیا اور جو مسلمان ہوا اگرچہ اس کا باپ کافر ہو وہ کل اہل اسلام کا کفو اور حقوق میں مساوی ہوتا تھا خود صدیق اکبر حضرت ابو بکرؓ کا باپ ابو قحافہ مکہ میں کفار کے ساتھ تھا اور غالباً وہ فتح مکہ سے قبل اسلام نہیں لایا تھا مگر حضرت ابو بکرؓ نے یہ طعن نکیا کہ تمہارا باپ کافر ہے اس لئے تمہارا کفو نہیں ہیں ایسے ہزار ہا مثلہ موجود ہیں اور آپ کے سامنے ہیں پھر کوئی تفسیر کو راند کی وجہ سے نعوس قرآن و حدیث اور تعامل صحابہ کرام بالائے طاق رکھا جاتا ہے اور تفریق بین المؤمنین کے گناہ کبیرہ میں مبتلا ہوتے ہیں فرقہ ناجیہ حسب ہم الذین علی ما انا علیہ و اھمابی وہی ہیں جو صحابہ کرام کے تعامل کو اپنا دستور العمل بناتے ہیں اور واللہ باللہ تم بالہ کہ صحابہ کرام میں کفارت کے یہ خیالات نہ تھے جن کو احناف نے اپنا ایمان و اسلام قرار دیا ہے۔

باپ کے کافر ہونے سے دوسرے پر فوقیت لازم تھی لہذا وہاں ابوان فی الاسلام معیار کفارت کیونکر ہوتا اس کا ثبوت دین چاہئے کہ صحابہ نے نکاح میں عرب و عجم کا بھی لحاظ نہیں کیا اور حقیقہ کے پاس اس کی دلیل موجود ہے کہ اس کا لحاظ کیا گیا ہے۔ سنہی البزار بسنداً عن سلمان رضی اللہ عنہ قال نفضلکم یا معاشرا العرب لتفضل رسول اللہ صلی اللہ علیہ ایاکم فلا تنکحوا نسائکم ولا تؤمکن فی الصلوۃ قال الحافظ ابن تیمیۃ فی اقتضاء الصراط المستقیم و ہذا السناد جید و روط الثوری عن ابی اسحق عن ابی لیلی عن سلمان انہ قال فضلتمونا یا معاشرا العرب بائسین لانؤمکنم ولا تنکحنا نسائکم اھ ص ۷۶۔ حافظ ابن تیمیہ نے بتلایا ہے کہ یہ حدیث ان فقہاء کی حجت ہے جو کفارت میں عربیہ کا عجمی کے مقابلہ میں لحاظ کرتے ہیں اور جو شخص احادیث صحیحہ کو صرف صحاح ستہ میں منحصر کرتا ہے وہ اپنی جہالت کا ثبوت دیتا ہے، مؤطا مالک، مسند احمد بسند شافعی، مسند ابی حنیفہ، مصنف عبد الرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، مسند بزار، مسند ابی یعلیٰ جامع سفیان ثوری، جامع و کعب و مستدرک حاکم وغیر میں ہزار احادیث صحیحہ موجود ہیں۔

آج کل آریہ سماجی پلیٹ فارم کھڑے ہو کر کہتے ہیں کہ اسلام لانا اپنے آپ کو نہ صرف عقبی کے عذاب میں گرفتار کرنا بلکہ دنیا میں بھی عذاب میں پڑ جانا ہے اس لئے کہ تم کو مسلمان اپنی برادری میں شامل نہ کریں گے نہ تم کو لڑکی دیں گے اور نہ تمہاری لڑکی سے شادی کریں گے۔ آریہ سماجی بوجاؤ اور شدہ بوجاؤ تو تم کو ہم دل سے اپنی برادری میں شامل کرتے ہیں تم کو لڑکی دیں گے تمہاری لڑکی سے شادی کریں گے۔ آخرت کے بارے میں تو آریہ سماجیوں کا کہنا اگر چھٹا ہے مگر دنیا کے بارے میں بالکل درست ہے اور اس وجہ سے دیگر مذاہب والے اسلام قبول نہیں کرتے ہیں خادم کا چشم دید واقعہ ہے بہار کے علاقہ میں کاتون کا ایک خاندان مسلمان ہو گیا جن میں بڑے بڑے لوگ تھے، ایک ان میں خان بہادر وکیل محمد جان تھے ان کو اسلام لانے کے بعد لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی کرنے میں بڑی دقت پیش آئی یہ دیکھ کر آریہ سماجیوں نے دعوت ارتدادی اور کہا کہ تم شدہ اور آریہ بوجاؤ ہم بھی تمہاری لڑکیوں اور لڑکوں کی شادی اچھے سے اچھے گھرانے میں کرتے ہیں مگر چونکہ وہ راسخ الاعتقاد تھے مرتد نہ ہوئے۔

حدیث مذکور میں جو لکن فتنۃ فی الارض وفساد عمریض وارد ہے وہ یہی

آریہ سماج کے مسئلہ کفارت پر اعتراض کرنے سے اگر مسئلہ غلط ہو جائے گا تو ستیا رتھ پر کاش اور ٹھاکر دیکھو اس میں اسلام کے عقائد و عبادات کا بھی مضحکہ اڑایا گیا ہے تو کیا دوسروں کے اعتراض سے اپنے سارے گھر ہی کو برباد کر دو گے تم تو یہ کہتے ہو کہ مسئلہ کفارت کفار کو اسلام سے روک رہا ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ قربانی ان کو اسلام سے روکتی ہے تیسرا کہتا ہے کہ فتنہ کا مسئلہ مانع ہو رہا ہے چوتھا کہتا ہے کہ نماز کا حکم مانع ہو رہا ہے تو بس اسلام ہی ان کی خاطر مٹا دو۔

پھر مسئلہ کفارت کا یہ مطلب کس نے بتلایا ہے کہ عورت مسلمہ کا نکاح غیر کفو میں ہو ہی نہیں سکتا اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ نابالغ لڑکی کا نکاح غیر کفو میں نہ کیا جائے کیونکہ نابالغ لڑکی کے نکاح میں تمام مصالح کی رعایت ضروری ہے کیونکہ وہ خود اپنی مصالح کو نہیں سمجھ سکتی۔ اور بالغ عورت کا نکاح غیر کفو میں بدون اس کی مرضی کے نہ کیا جائے، تراضی طرفین کی ضرورت کا تم کو خود اعتراف ہے، نیز عورت بالغہ غیر کفو میں بدون اولیاء کی رضا کے خود نکاح نہ کرے کیونکہ اذا اتاکم من ترضون دینہ وخلقہ فمن وجوا سے رضا سے اولیاء کی ضرورت بھی ثابت ہے نیز ترضی کی حدیث ہے ایسا امر نکحت

کفارت کے نامشروع مسائل میں جو زمانہ جاہلیت کے کفار کی رسم بد میں اور حدیث صحیحہ اس کا گواہ ہے اور اشاعت اسلام کے لئے سدباب میں مگر نصیبی اور تقلید کو روانہ آباؤی سے احناف نے ان کو منتریل من اللہ اعتقاد کر لیا ہے۔ یہ میں جو عرض کر رہا ہوں نہ صرف میری رائے ہے بلکہ بڑے بڑے ائمہ سلف کی رائے ہے کفایہ شرح ہدایہ میں سفیان زہری کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اس کفارت سے جو احناف نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے سخت منکر تھے اور فرماتے تھے کہ عرب اور عجم وغیرہ سب برابر ہیں ان میں تفاضل صرف باعتبار تقویٰ کے ہے اور کفایہ میں اس کی تردید میں متعدد احادیث ہیں ایک ان میں سے یہ ہے النساء سواسیۃ کاسنان المشط، علامہ شامی جو بڑے حنفی ہیں اس کی تردید کرتے ہیں آپ کے سامنے یہ کتابیں موجود ہیں آپ نے ضرور ملاحظہ کئے ہوں گے علاوہ بریں نصوص احادیث صحیحہ اور نصوص قرآن سے یہ مسائل احناف خلاف ہیں اور جیسے کہ عرض کر چکا ہوں وہ لا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا صاف بتاتی ہے کہ ہر کافر اور مشرک بعد ایمان لانے کے ہر مسلم مسلمہ کا کفو ہے۔ اور اس سے نکاح کرنا بے جوڑ نہیں ہے بلکہ باجوڑ ہے بشرطیکہ اس میں دین مرضی اور خلق مرضی ہو اور استطاعت

نفسہا من غیر ولی فنکاحها باطل باطل باطل، حیرت ہے کہ اہل حدیث نکاح بدون ولی کو جائز نہیں کہتے اور غیر کفو میں بدون ولی کی مرضی کے نکاح کو جائز کرنا جانتے ہیں۔ اور اگر عورت اور اس کے اولیاء غیر کفو میں نکاح پر راضی ہوں تو اس سے حنفیہ نے کب منع کیا ہے؟ پس آریہ کا اعتراض حنفیہ کے مذہب پر نہیں ہو سکتا حنفیہ تو صرف اتنا کہتے ہیں کہ تراضی عورت و اولیاء شرط ہے یہ نہیں کہتے کہ نکاح مطلقاً صحیح نہیں، یا عورتوں اور مردوں کو غیر کفو سے راضی ہونا چاہئے۔

سفیان زہری کون ہیں؟ آپ کو نام بھی صحیح نہ آیا، اور اگر کوئی جوڑ میں بتلا چکا ہوں کہ کفارت کا ثبوت احادیث صحیحہ اور قرآن کی دلالت سے موجود ہے اس کے مقابلہ میں حنفیہ پر کسی کا قول حجت نہیں۔

الناس سواسیۃ کاسنان المشط یہ حدیث صحیحہ میں ہے تو دکھلائی جائے اور غیر صحیحہ میں ہے تو اس سے احتجاج کا آپ کو کیا حق ہے؟ پھر اس سے مسئلہ کفارت کی نفی کیونکر ہو گی آدمی آدمی سب برابر ہیں مگر پھر بھی علم و جبل، صلاح و فسق اخلاق وغیرہ کافر کو موجود ہے اس فرق سے کیونکر انکحیں بند کی جائیں گی پھر شعوب و قبائل کا تعارف

خود حضرت لوط ان لوطیوں سے فرماتے تھے ہٹو لڑائی من اطہر لکم حال یہ ہو کہ نہ مذہب ایک اور نہ قومیت، یہ دوسری بات ہے کہ اسلام نے کافر سے نکاح ناجائز کیا اور حضرت لوط کے مذہب میں جائز تھا مگر کفار نے فی الاسلام اس طرح پر مہیے کہ منافق نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے کہاں سے ثابت ہوتا ہے نصوص قرآن و حدیث تو اس کی تردید کرتی ہیں۔

حضرت یعقوب کی ایک بیوی حضرت یوسف کی والدہ تو ان کے خاندان سے تھیں مگر دوسری کنیز تھیں نہ معلوم کس قوم کی تھیں، جامی فرماتے ہیں۔

بیا بگر کنیزک زادگان را
ز اولاد و دین افتادگان را

جب حضرت یعقوب اپنی اولاد کو لیکر مصر گئے تو یعنی اس رہے کہ حضرت یعقوب کے گھر میں غیر ممکن تھا کہ سب کی شادی آپس میں ہو بلکہ قبیلوں سے خلطاملا ہوا جیسے حضرت یوسف نے زلیخا امراة العزیز سے نکاح کیا جو بہت پرست اور قبیلہ تھیں اس طور پر ان کے بھائیوں کے رشتے بھی قبیلوں میں نہ دیکھے ہوں گے۔ جب حضرت موسیٰ مدین کے تودا ایک مرد صالح کی لڑکی سے شادی کی جو یقیناً ان کے ہم قوم اور ہم نسب نہ تھے حضرت موسیٰ

ہو لاء بناتی سے حضرت لوط کی بیٹیاں مراد نہیں بلکہ اسی قوم کی عورتیں مراد ہے مطلب ہے کہ مرد مردوں سے متخول نہوں بلکہ اپنی عورتوں سے منتفع ہوں جو میری بہو بیٹیاں ہیں، امت کی عورتیں نبی کے لئے بمنزلہ اولاد کے ہوتی ہیں اور جب اس وقت نکاح کے لئے اسلام بھی شرط تھا جیسا آپ کو مسلم ہے کہ بعد میں اسلام نے اس کو شرط کیا تو یہ کیوں ممکن نہیں کہ بعد میں کفارت کی بھی شرط ہو گئی ہو۔

جن آیات و احادیث سے تم نے ابطال کفارت سمجھا ہے میں بتلا چکا ہوں کہ وہ کفارت پر دل نہیں آتا اس

حضرت یعقوب علیہ السلام کی دوسری بیوی غیر نازدان سے تھی یا حضرت یعقوب کی اولاد نے قبیلہ عورتوں سے نکاح کیا یا حضرت موسیٰ کی بیوی (احادیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی تھیں مگر اہل حدیث کی حدیث بالکمال منظر ہو کہ اس کو صرف مشہور نہ ہو کر مانا جانا ہے) کس خاندان کی تھیں، حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جریم قبیلہ میں شادی کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اقوام کی عورتوں سے نکاح کیا اس کو مسئلہ کفارت سے کیا تعلق؟ یہ سب کچھ دہیں ہے اس کی کہ آپ نے کفارت کے مسئلہ کو مطلق نہیں سمجھا، اس کا ثبوت

اسرائیلی اور وہ مرد صالح نہ معلوم کس قوم کے تھے مشہور تو یہ ہے کہ وہ حضرت شعیب بنیمیر تھے مگر قرآن میں مستجد فی ان شاء اللہ من الصالحین ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مرد صالح تھے۔

حضرت اسماعیل حضرت ہاجرہ کے ساتھ مکہ معظمہ میں رہے جو ان ہونے پر جریم کے قبیلہ کی کئی عورتوں سے نکاح کیا جن میں سے چند کو طلاق دیا، خود سرور کائنات فخر موجودات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف قولاً اپنی امت کو فخر بالانساب کے رسم بد سے ڈرایا اور فرمایا کہ یہ زمانہ جاہلیت کے کفار کی رسم بد ہے بلکہ فعلاً آپ نے مختلف اقوام کی عورتوں کو اپنے حرم نبوی میں داخل کیا تاکہ امت محمدی سے یہ رسم بد کفار جاتا ہے حضرت صفیہ بیوی تھی اور ام ابراہیم حضرت ماریہ قبیلہ فراعنہ کی قوم میں سے تھیں اور یہ دونوں حرم سرانے بنیمیر میں تھیں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے مجوسیہ آتش پرست پارسیہ سے نکاح کیا جس سے سادات کے نسب کا سلسلہ ہے۔

على هذا القياس قرون اولی میں ہزاروں مثالیں ہیں کہ ان بزرگوں نے نکاح میں قومیت کا لحاظ نہ کیا بلکہ حسب ارشاد قرآن فانکحوا ما طاب لکم من النساء جو عورت پسند آئی بشرط مسلمان ہونے کے

دو کہ حضور نے اپنی کس نہایت لڑکی کا نکاح غیر کفو سے کیا ہے یا آپ کی کسی لڑکی نے بیرون آپ کی رضا کے غیر کفو سے نکاح کیا ہے۔

قرون اولی میں اس کی ہزاروں لاکھوں مثالیں ہیں کہ مردوں نے ہر خاندان کی عورتوں سے شادی کی مگر اس سے مسئلہ کفارت کے خلاف کچھ ثابت نہیں ہوتا، اس کا ثبوت دیا جائے کہ قرون اولی کے مسلمانوں نے اپنی

اس سے نکاح کیا جس ثابت ہو کہ نکاح کے کفارت کے بارے میں احناف نے جو قومیت اور پیشہ اور عرب اور عجم کا فرق اپنی کتابوں میں درج کیا ہے وہ نہ صرف نفوس قرآن و حدیث سے خلاف ہے بلکہ تعامل انبیاء سے اور تعامل قرن اولی سے بھی خلاف ہے۔

اور دیگر علماء اسلام میں یہ رسم برفکار جاہلیت کا زیادہ لحاظ نہیں ہے صرف ہندوستان میں ہنود کے اثر سے یہ رسم جاری ہے ظاہر ہے کہ ہندوں میں اس بات کا بڑا اعتقاد ہے کہ ہر قوم کی شادی اس قوم میں ہونی چاہئے، یہی رسم ہنود اور کفار مسلمانوں میں جاری ہے اور احناف کی کتابوں میں چونکہ اس کے لئے کچھ مسالک ملتا ہے اس لئے رد ستوں نے اس کو منزل من اللہ اعتقاد کر لیا ہے اور تفریق بین المؤمنین کے گناہ کبیرہ میں مبتلا ہوتے ہیں اور الاعتصام بجمیل اللہ جمیعاً ولا تفض قوا کے نص صریح پر عمل نہیں کر سکتے ہیں۔

اور نہ ہرج و مرج ولا یسخر قوم من قوم سے غافل ہو کے ایک دوسرے کو حقارت کا نگاہ سے دیکھتے ہیں، بلکہ مکینہ اور رذیل کہہ کر غیبت اور بہتان کے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہیں بلکہ اپنی نادانی

نابالغ لڑکیوں کا نکاح غیر کفو سے کیا ہے یا ان کی یا بلوغ لڑکیوں نے بدون رضائے اولیا غیر کفو سے نکاح کیا ہے اور اس کو جائز سمجھا گیا، بدون اس کے جو کچھ تم نے لکھا ہے اس سے مسئلہ کفارت کے خلاف نہ تعامل انبیاء کا ثبوت ہو سکتا ہے نہ تعامل خیر القرون کا۔

کفار کی رسم بد تو یہ ہے کہ ان کے مرد بھی اپنی گوت کے سوا نکاح نہیں کرتے۔ مسئلہ کفارت کا یہ مطلب ہے کہ سمجھا ہے وہ جاہل ہے۔ حنفی مرد ہر خاندان میں نکاح کرتے ہیں اور کر سکتے ہیں ہزاروں کے گھر میں تو مسلم عورتیں موجود ہیں جن کو مسلمان کر کے نکاح میں داخل کیا گیا ہے، مسئلہ کفارت کا جو مطلب ہے وہ بار بار مذکور ہو چکا ہے اس کو اعتصام بجمیل اللہ کے خلاف سمجھنا سراسر نادانی ہے بلکہ اس کو اتحاد و اتفاق میں بڑا دخل ہے کیونکہ تعارف کا مدار اسی پر ہے اور بدون تعارف کے اتفاق نہیں ہو سکتا۔

لا یسخر قوم من قوم کو مسئلہ کفارت سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر مسئلہ کنارت کو کوئی جاہل فخر بالانساب کا ذریعہ بنائے وہ خود اس کا ذمہ دار ہے یہ مسئلہ اس کا ذمہ دار نہیں اگر کوئی شخص نماز پڑھ کر اپنے کو بزرگ اور ولی

اور بہالت اور تقلید کو رائے آسانی سے اس غیبت اور بہتان کو گناہ نہیں خیال کرتے ہیں بلکہ شیر مادر اعتقاد کرتے ہیں آخر خیر القرون غیبت کی تعریف یوں فرمائی ہے ذکر الخاک بما یکس، اور یقینی امر ہے کہ کسی شخص کو جو لایا اور مدینیا وغیرہ کہنا اس کو ناگوار معلوم ہوتا ہے پس یہ یقینی غیبت ہے اور رذیل اور مکینہ کہنا یقیناً بہتان ہے چنانچہ ارشاد ہے فان لم یکن فیہ ما تقول فقد بہتہ بل اول الذکر الفاظ بھی بہتان ہے اس لئے کہ ان لوگوں کو بھی یہ الفاظ کہے جاتے ہیں جو ان پیشوں سے مطلق تعلق نہیں رکھتے ہیں اور محرز پیشوں میں اچھی اچھی حیثیت رکھتے ہیں فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اسلام جو خدا کا آخری دین ہے اور مسلمانوں کو خیر الامم کا لقب دیا گیا ہے اور اتحاد اور مساوات اور اتفاق اسلام کا اہل المصوب ہے وہ مسلمانوں میں مفقود اور دیگر ملل باطلہ میں بخوبی موجود ہے آری یہ سماجیوں کا ذکر تو ہو چکا کہ جو کوئی شدھ اور آریہ ہو اس کو بلا امتیاز

سمجھنے لگے اور بے نماز یوں کو حقیر مانتے لگے تو کیا اس سے نماز کو کہہ دو گے؟ اگر جولا، دھنیا، موچی وغیرہ پیشہ کی وجہ سے کسی قوم کا لقب ہے تو جو لوگ ان القاب سے برا مانتے ہیں وہ اپنے جائز پیشہ کو برا سمجھتے ہیں اور جائز پیشہ کو برا سمجھنا خود برا ہے، اور اگر یہ لقب پیشہ کی وجہ سے نہیں ہے کسی اور وجہ سے ہے تو اس وجہ کو ظاہر کر کے بتلایا جائے کہ یہ الفاظ غیبت میں کیونکر داخل ہو گئے؟ کسی پیشہ ور کو اس کے پیشہ کے نام سے یاد کرنا ہرگز غیبت نہیں کتب رجال دیکھو۔ علاج، نداف، خیاط، اسکاف وغیرہ القاب بلا تکلف محمد بن نے استعمال کئے ہیں بلکہ وہ تو اعمی، اعمش، اعرج وغیرہ بھی استعمال کرتے ہیں جب کہ کسی کا لقب مشہور ہو جائے، اور اس کو غیبت نہیں سمجھا گیا۔ کسان کو کسان، بھنگی کو بھنگی، چمار کو چمار ہی کہا جائے گا اور کیا کہا جائے گا؟ فاعتبروا یا اهل الحدیث مدعی الاجتہاد۔

اپنی جماعت میں داخل کرتے ہیں اور بلا تردد اس سے رشتہ داری کرتے ہیں، عیسائیوں میں چمار سے لیکر برمن اور چھتری شامل ہیں مگر عیسائی ہونے کے بعد قومیت کی جہالت جاتی رہتی ہے اور بلا امتیاز ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور رشتہ داری کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ عیسائیوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے مگر احناف کے یہ کفار کے یہ نام معقول مسائل نہ صرف مسلمانوں میں تفریق اور تشقت کا باعث ہیں بلکہ دوسرے اقوام کو اسلام لانے سے روکتے ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ تم مسلمان ہو جائیں گے تو لڑکوں کی شادی کہاں کریں گے؟

آریہ سماج یا عیسائی جیسا کسی قوم کو اپنی لڑکیاں دیتے ہیں دنیا کو معلوم ہے وہ لڑکیاں تو کیا دیتے کسی کو اپنا حقہ بھی نہیں دے سکتے غلط باتیں سمجھنے سے واقعات نہیں بدلا کرتے، ہمارے یہاں سکولز ہندو صنفی چار مسلمان ہوتے ہیں کسی کو بھی یہ شکایت نہیں کہ مجھے مسلمان عورت نہیں ملتی ہر نو مسلم کو اس کے مناسب مسلمان عورتیں ہمیشہ مل جاتی ہیں، اگر تمہاری طرف نو مسلموں کو مسلمان عورتیں نہ ملتی ہوں تو ان کو ہمارے پاس بھیج دو، اگر وہ واقعی سچے مسلمان ہوں گے ان کو مسلمان عورتیں ضرور مل جائیں گی، واقعہ یہ ہے کہ نہ ہندوؤں کو نکاح کا بہانہ ہے نہ عیسائیوں کو سب کو اس کا یقین ہے کہ مسلمانوں کی برابر کسی قوم میں مساوات نہیں مگر جن لوگوں کو اپنے جائز پیشے کا نام بھی ناگوار ہے یہ سب ان کی بنائی ہوئی باتیں ہیں۔

پھر اگر حنفیوں کے مسئلہ کفارت سے ہندوؤں کو اسلام سے رکاوٹ ہو تو ہندوستان میں کروڑوں مجاہد ہیں، تیلی غیر قذیح موجود ہیں وہ کیوں ان کے سامنے اپنی لڑکیاں پیش نہیں کرتے تاکہ ان کو شکایت کا موقع نہ رہے، آخر اسلام تو سب ہی کا ہے فقط شریفوں کا نہیں ہے نہ فقط حنفیوں کا ہے میں بتلا

چکا، اور کہ مسئلہ کفارت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ غیر کفو میں شادی کرو صرف اتنا مطلب ہے کہ غیر کفو میں بدون رضائے اولیاء و رضائے عورت کے نکاح نکلیا جائے۔

میں عرض کر رہا ہوں کہ قرون اولیاء میں یہ منہ اور یہ تپ کہنا اور رذقہ زمانہ جاہلیت کے کفار سے چلا آیا ہے شاید کسی کے خیال میں یہ وہوسہ شیطانی آئے کہ تم نے جو مثالیں پیش کی ہیں ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرون اولیاء کے پیغمبروں نے دوسرے اقوام کی عورتوں سے نکاح کیا ہے نہ یہ کہ اپنی لڑکیوں کا نکاح دوسرے اقوام سے کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ کے بارے میں حکم ہے کہ ان کی عورتوں سے نکاح کر سکتے ہو مگر مسلمان عورتوں کا نکاح ان سے نہیں ہو سکتا۔ پس اہل اسلام کے بارے میں یہ خیال غلط ہے

سب سے بڑھ کر تو نص قرآن ہے جس پر ایمان لانا فرض ہے اور قرآن میں یہ صاف حکم ہے ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا اور یہ حکم ہے ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمنن جس کا صاف مطلب بلا تاویل یہ ہے کہ جو مشرک ایمان لائے خواہ وہ عم ہو یا عرب اور جو مشرک ایمان لائے خواہ وہ عرب ہو یا عجمیہ ان کے ساتھ رشتہ نکاح باجوڑ اور مناسب ہے اور کفارت کے جو قیود احناف نے اپنی کتابوں

ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا سے یہ استدلال کرنا کہ قرون اولیاء کے مسلمان اپنی لڑکیاں ہر مسلمان کے نکاح میں دیدیا کرتے تھے غلط استدلال ہے آیت کے کسی لفظ سے اس کا ثبوت نہیں ہو سکتا، میں بار بار بتلا چکا ہوں کہ حنفیہ نے جو شرط کفارت کیلئے ذکر کی ہیں نصوص قرآن و احادیث اس کی مؤید ہیں۔ پس جھوٹ اور افتراء وہ کرتا ہے جو نہ مسئلہ کفارت کی حقیقت

کو سمجھتا ہے نہ قرآن و حدیث کو۔

جبکہ تم کو بھی تسلیم ہے مابعد نبی الانی
احساب قومہ کہ انبیاء علیہم السلام ہمیشہ
شرفین خاندانوں میں مبعوث ہوا کرتے تھے،
کوئی نبی چھوٹے گھرانے میں پیدا نہیں ہوا تو
اس سے خود یہ بات ثابت ہوگئی کہ انبیاء کے
خاندان کی لڑکیاں چھوٹے خاندانوں میں جاتی
تھیں ورنہ ان کے خاندان دوسروں سے
بڑے کیونکر رہتے چھوٹے اور بڑے خاندان
کا امتیاز باہمی اختلاط کے بعد باقی نہیں
رہ سکتا پس تمہارا وہ قول غلط ہو گیا کہ انبیاء کا
تعامل مسئلہ کفارت پر تھا۔ نیز جب اللہ تعالیٰ
نے انبیاء کے لئے بڑے گھرانوں کو منتخب فرمایا
ہے تو معلوم ہوا کہ کسی خاندان کا بڑا ہونا چھوٹا
ہونا خدا کی طرف سے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ
کے نزدیک سب خاندان برابر تھے تو اس
حدیث کے کچھ معنی ہی نہیں رہتے کہ انبیاء کیلئے
بڑے گھرانے تجویز کئے گئے۔ پس مسئلہ کفارت
کا ثبوت خود حق تعالیٰ کے فعل سے ہو گیا۔
اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسئلہ کفارت
کو تفریق بین الامم کا سبب سمجھنا غلط ہے ورنہ
لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے خود تفریق کی ہر کہ
بڑے گھرانوں میں تو انبیاء بھیجے جلاہوں تیلیوں
میں انبیاء نہ بھیجے۔

میں درج کئے ہیں اس نس قرآن سے چونکہ مثلاً
میں اس لئے وہ جہوت اور ناقابل عمل ہیں۔
ہاں یہ دوسری بات ہے کہ اعلیٰ خاندان
کے مرد اور عورت حسن خلقی اور حسن خلقی کے لحاظ
سے زیادہ تر بالا اور برتر ہوتے ہیں اور اسی لئے
خدا نے کوئی پیغمبر چھوٹے گھرانے میں نہیں بھیجا
ہے چنانچہ ارشاد ہے مابعد من ہی الا
فی احساب قومہ اور حسن صوری اور حسن
معنوی، ان دیگر کمالات مرغوبہ ان میں زیادہ
ہوتے ہیں اور صفات حسنہ ان میں زیادہ پائے
جاتے ہیں اور اس لئے عام طور پر لوگ یہ چاہتے
ہیں کہ میرا نکاح بڑھے گھرانے میں ہو یہ بالکل
درست ہے اور قرآن کے اس ارشاد کے مطابق
ہے فانکحوا ما طاب لکم من النساء
یعنی ان عورتوں سے نکاح کرو جو تم کو پسند ہو
مگر یہ امور طبعیہ ہیں اور ہر شخص کی طبیعت کی خواہش
اور رغبت مختلف ہوتی ہے واللہ اعلم فیما
یعشون مذاہب۔ اور اس میں کوئی
ہرج اور عنایت نہیں ہے مضائقہ اور ہرج
اور ظلم اور نصوص قرآن و حدیث سے خلاف یہ کہ
کہ مسلمانوں میں کفارت مختصہ کی وجہ سے تفریق
پیدا کی جاتی ہے اور یہ فتویٰ دیا جاتا ہے کہ فلانے
کے یہاں کچھ بوجھ ہے اور فلانے کے یہاں بے جوڑ
ہے۔ حضرت مولانا آپ نے سیکڑوں تصنیفات
مضخ خدا کے لئے لکھی ہیں اگر ان مسائل پر آپ

غور فرمائیں گے اور جو نصوص قرآن و حدیث
میں نے پیش کی ہیں انہی کے مطابق ایک رسالہ
تصنیف فرمادیں تاکہ مسلمانوں میں سے یہ تفریق فی
کفارة النکاح جاتی ہے اور مثل آریوں اور
عیسائیوں کے واعتصموا بحبل اللہ پر عمل
کر کے باہم رشتہ پیدا کریں تو خدا کے یہاں
آپ کو بڑا ثواب ملے گا جو قوم ترقی کے میدان
میں قدم رکھتی ہے وہ اس تفریق کو بالائے طاق
رکھتی ہے قادیانیوں نے بھی اٹھایا پس آپ
نصوص پر غور فرما کر احناف سے اٹھائیے۔
هذا والسلام علی من اتبع الهدی
فردہ الی اللہ والرسول۔

خادم عبداللہ از کالج فیض آباد۔

۳ - ۷ - ۱۳۵۸ھ -

تم نے خود اعتراف کیا ہے کہ اس انتخاب
کا سبب یہ تھا کہ حسن صوری اور حسن معنوی اور
دیگر کمالات مرغوبہ ان میں زیادہ ہوتے ہیں
اور صفات حسنہ ان میں زیادہ پائے جاتے
ہیں اس کے ساتھ ایک مقدمہ یہ بھی ملا لو کہ
نکاح میں الفت اور محبت اور تعلق و اتم کی
ضرورت ہے اور وہ بدون توافق طباہ کے
نہیں ہو سکتا اور توافق طباہ کا مدار انہی
صفات کے اشتراک پر ہے جس کا انکار سکارہ
ہے تو اس سے خود مسئلہ کفارت کا ثبوت ہو گیا
اور یہ مقدمہ ہر چند کہ عقلی اور بدیہی ہے مگر
حدیث اذا تاکد من تضمنون خلقہ
و دیتہ فن رجوہ سے بھی ثابت ہے کیونکہ
شرفین خاندان والی کو چھوٹے خاندان والے
کے اخلاق پسند نہیں ہو سکتے، اگر انصاف
سے غور کیا جائے گا تو معلوم ہو گا کہ مسئلہ کفارت
قرآن و حدیث سے ثابت ہے اس کا انکار
نہیں ہو سکتا والسلام علی من اتبع
الهدی۔

حررہ الامیر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۶ رجب ۱۳۵۸ھ

تمہ: یہ تو اعتراضات کا جواب تھا جس میں ضمناً کچھ دلائل بھی آگئے ہیں اب مستقل

کفارت کے دلائل ملاحظہ ہوں :-

ساری مسلم من حدیث واثلة بن الاسقع ان اللہ اصطفیٰ کنانہ من بی
اسمعیل و اصطفیٰ من بنی کنانہ قریشاً و اصطفیٰ من قریش بنی ہاشم و زاد الی ترمذی

بن ابی اسطفی من ولد ابراهیم اسعیل ومن ولد اسعیل کنانة الحدیث
قال الحافظ فی التلخیص لا یعارض هذا ما رواه الترمذی عن ابی هریرة مرثیاً
لیتخین اقوام یفتخرون بآبائهم الحدیث لانه محمول علی المفاخرۃ
المفضیة الی احتقار المسلم وعلی البطر وغمط الناس وحدیث واثلة تستفاد
منه الکفاءة ویذکر علی سبیل شکر المنعم .

وروی الترمذی عن علی رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
سلم قال لہ یا علی لا تؤخر ثلاثا الصلوة اذا اتت والجنائزہ اذا حضرت
والایم اذا وجدت لہا کفواً ، رجالہ موثقون کما فی الاعلاء وقال البیهقی
امت ما ورد فی اعتبار الکفاءة حدیث علی هذا کذا فی التلخیص ص ۶۹ ج ۱
وصححہ الحاکم فی المستدرک واقرب علیہ الذہبی ص ۱۶۲ ج ۲ .

وقال الشافعی فی اصل الکفاءة فی النکاح حدیث بھریرة لما خیرت لانها
انما خیرت لان زوجها لم یکن کفواً اھ ای لان السراج عند المحدثین
ان زوجها کان عبد کذا فی التلخیص ص ۲۶۹ و حدیث بھریرة متفق علیہ مشہور
وقال ایضاً روى الشافعی عن ابن ابی ندیک عن ابن ابی ذئب عن ابن شہاب
انہ بلغہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال قد موارثت اولا تقد موھا
ورواہ البیهقی من حدیث علی بن ابی طالب وجبیر بن مطعم وغیرہما وقد جمعت
طریقہ فی جنہ کبیر اھ ص ۱۲۵ وھذا مما احتج بہ الشافعی علی الکفاءة .

وقال ابن تیمیة فی اتقاء الصراط المستقیم ص ۷۶ وایضاً فان عمر بن
الخطاب رضی اللہ عنہ لما وضع ایوان العطاء كتب الناس علی قدمی انسا بہم
نبدأ باقر بہم فاتر بہم نسیا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما انقضت
العرب ذکر العجم کذا کان الدیوان علی عهد الخلفاء الراشدین وسائر
الخلفاء من سنی امیة وولد العباس الی ان تغیر الامر بعد ذلك وبسبب هذا
الفضل ما اختصوا بہ فی عقولہم والستہم واخلقہم اعمالہما و
فیہ دلالة علی اعتبار التقدم بالنسب بالاجماع .

وروی الخلیل بسندہ عن عمر رضی اللہ عنہ قال لا تمنع فریح ذوات الاحساب

الامن الکفاء ، احتج بہ احمد بن حنبل وهو الامام فی الحدیث فقال
اذا تزوج المولی العربیة فرق بینہما وهو قول سفیان لقول عمر فذکر کذا
قالہ الموفق فی المغنی ص ۲۷۲ ج ۲ واحتجاج مثل ابن حنبل بحدیث تصحیحہ
وأستدل ابن الجوزی فی التحقیق علی اعتبار الکفاءة بحدیث عائشة انہ
علیہ السلام قال تخیر والنطفکم وانکحوا الکفاء ولہ طرق عدیدة من حدیث
انس وعمر بن الخطاب رواہ ابن ماجہ والحاکم والبیہقی کذا فی العزیز ص
ھو صحیح علی قاعدة السیوطی وصححہ بالمرزا فی الجامع الصغیر ص ۱۲۹ .

کیا ان دلائل کے بعد بھی کسی کو یہ کہنے کا منہ ہے کہ بہشتی زیور میں جو مسئلہ کفارت کا ذکر
ہے وہ ہندوستان کی ہندو اقوام کا اثر ہے نعوذ باللہ من ذلك . سوچنا چاہئے کہ یہ الزام کہاں
تک پہنچتا ہے جبکہ حدیث وقرآن سے کفارت کا ثبوت موجود ہے . موفق الدین حنبلی امام المخالفة
نے مغنی میں اعتبار کفارت پر ائمہ اربعہ کا اجماع نقل کیا ہے ، اشراط کفارت میں تو علماء کا
اختلاف ہے مگر اعتبار کفارت میں کسی کا اختلاف نہیں . سفیان ثوری کا قول وہی ہے جو امام
ابو حنیفہ وغیرہ کا ہے . ابن رشد نے بھی کفارت کے اعتبار پر اجماع نقل کیا ہے نفس اعتبار
کفارت میں کسی کا اختلاف نہیں اگر کچھ اختلاف ہے تو اس کی تفصیلات و فروغ میں ہے ملاحظہ
ہو ص ۱۰ ج ۲ . علامہ ابن العربی مالکی نے آیت وَلَا تَعْضَلُوْهُنَّ اِنْ يَسْكُنْنَ اِزْوَاجَهُنَّ اِذَا

تس اضربینہم بالمعروف کی تفسیر میں تصریح کی ہے کہ بالمعروف سے مراد کفارت ہے
پھر فرمایا ہے کہ اعتبار کفارت پر ائمت کا اجماع ہے اور یہ عورت کے اولیاء کا حق ہے ملاحظہ
ہو ص ۸۵ ج ۱ . ابن حزم ظاہری اگرچہ کفارت فی الدین کے سوا کسی کفارت کے قائل نہیں مگر
وہ بھی رعایت کفو کو مستحب اور مختار کہتے ہیں قال وانما تخیر فانکاح الاقارب لانه
فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یسکح بناتہ الامن بنی ہاشم وبنی
عبد شمس وقال اللہ تعالیٰ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ اسوة حسنة ص ۲۷۲ .

فانکحوا ما طاب لکم من النساء سے کفارت کا ابطال نہیں ہو سکتا کیونکہ اس میں
مردوں کو اختیار دیا گیا ہے عورتوں کو اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ جس سے چاہیں نکاح کر لیں ، انما
المؤمنون اخوة فاصلحوا بین اخویکم کونکاح سے کچھ تعلق نہیں یہاں اصلاح اور
مصالحت کا ذکر ہے اور اس باب میں سب مسلمانوں کا بھائی بھائی ہونا متفق علیہ مسئلہ ہے ،

دینی بھائی ہونا کفو ہونے کو مستلزم نہیں۔ فاسق فاجر بھی دینی بھائی ہے مگر نص موجود ہے،
افمن کان مومنًا کمین کان فاسقًا لا یستون۔

مسئلہ اولیٰ بھی یعنی نابالغ لڑکی کا نکاح باپ کرے تو اس کو بلوغ کے بعد اختیار ہوگا
اجماعی مسئلہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے ابن حزم ظاہری بھی
اس کے قائل ہیں جو قیاس و استحسان سے بہر عمل دور ہیں اس کو حنفیہ کا استحسان کہنا جہالت سے
قال فی المحلی وللاب ان ینزوج ابنته الصغیرۃ البکرۃ ما لم تبلغ بغیر اذنها
ولا ینسبها اذا بلغت قال والحجة فی ذلك انکاح ابی بکر رضی اللہ عنہ النبی
صلی اللہ علیہ وسلم عائشۃ وہی بنت ست سنین وهذا امر مشہور غنیاً
عن امیر الادب ابن کثیر فیہ فمن ادعی انه خصوص لم یلتفت الی قوله لقول اللہ
عز وجل لقد کان لکد فی رسول اللہ اسوۃ حسنة۔ ص ۳۶۰ ج ۹

والمیثبت انہ صلی اللہ علیہ وسلم خیرھا ولو فعل لنقل کما نقل
تخیرہ لبریرۃ حین اعتقت قال ابن المنذر اجمع کل من نحفظ عنہ اهل العلم
ان نکاح الاب ابنته الصغیرۃ جائز اذا زوجھا من کفو یجوز لہ ذلك مع کراهتھا
وامتناعھا ثم ذکر حدیث عائشۃ تن زوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وانا بنت ست سنین وزوج علی ابنته ام کلثوم وہی صغیرۃ عمر بن الخطاب
(معنی ص ۳۴۶ ج ۷) والبسط فی المطولات و فیما ذکرناہ بالاختصار کفایۃ لاهل
العلم والانصاف والدمایۃ والحمد لله ولی الحمد والهدایۃ صلی اللہ
علی سیدنا النبی محمد وعلی آلہ واصحابہ اولی الفضل والولایۃ والحمد
لله الذی بعزته وجلالته ونعمته تتم الصالحات۔

باب الوکالۃ بالنکاح

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین
نکاح کے وقت وکیل نے عورت کے نام
میں غلطی کر دی تو نکاح نہیں ہوا
اس بارہ میں کہ بروقت نکاح ہندہ اور زینب غلطی ہو گئی کہ
ہندہ نے جس شخص کے ساتھ نکاح باندھنے کی اجازت دی تھی اس کے روبرو زینب کا نام

لے دیا گیا اور زینب نے جس شخص کے ساتھ اپنا نکاح باندھنے کی اجازت دی تھی اس شخص کے
روبرو ہندہ کا نام لے دیا گیا ان دونوں شخصوں میں سے ہر ایک نے قبول کیا ایسے نکاح کا شرعاً
کیا حکم ہے؟

الجواب: صورت مسئلہ میں نکاح نہیں ہوا۔ دونوں کا نکاح دوبارہ صحیح نام کے
ساتھ ہونا چاہئے۔ قال فی الدس (ص ۲۵۰ ج ۲) غلط وکیلہا بالنکاح فی اسمہا بیہا
بغیر حضورھا لم یصح للجهالة وکذا لو غلط فی اسم بنتہ اھ و فی الشامیۃ
تحت قوله لم یصح۔ والظاهر انہ فی مسئلتنا لا یصح عند الكل لان ذکر
الاسم وحده لا یصح فہا عن المراد الی غیرہ بخلاف ذکر الاسم منسوب الی
اب اخر فان فاطمۃ بنت احمد لا تصدق علی فاطمۃ بنت محمد تأمل
وکذا یقال فیہا لو غلط فی اسمہا اھ۔ و فی العالمگیریۃ ص ۳ ج ۲ رجل لہ
بنت واحدة اسمہا فاطمۃ قال رجل زوجت منک ابنتی عائشۃ ولم تقع
الاشارة الی شخصہا ذکر فی فتاویٰ الفضیلی انہ لا ینعقد النکاح وان اللہ اعلم
بالصواب۔ ۲۲ محرم سنہ ۱۲۰۰ھ۔

سوال (۲) ایک بیوہ عورت نے اپنی عدت میں ایک
شخص کو وکیل مقرر کر کے کہا کہ میرا نکاح بعد گزرنے
عدت کے دین محمد سے کر دینا بعد گزرنے عدت کے
معدہ نے کسی کو وکیل بالنکاح بنایا اور جب
اس نے نکاح کروا دیا تو اس نے کسی اور عورت
شخص سے فودح کر لیا تو کچھ اول صحیح ہو یا کچھ ثانی

وکیل نے نکاح مسماۃ کا دین محمد سے کر دیا جب عورت کو معلوم ہوا کہ میرا عقد وکیل نے دین محمد
سے کر دیا ہے تو بعد اس کے دوسرے روز عورت نے اپنی رضا سے ایک اور شخص کے ساتھ
اپنا عقد کر لیا آیا نکاح اول جو کہ وکیل مقرر کردہ عورت نے کر دیا ہے بعد عدت کے وہ صحیح ہے
یا نکاح ثانی جو عورت نے اپنی رضا سے کر لیا ہے وہ صحیح ہے مہربانی فرما کر ہر ایک سوال کا جواب
عبارت کتب مخصوصہ و حدیث شریف و دلیل شرع کے ساتھ تحریر فرماویں چونکہ سب لوگ کہتے
ہیں کہ آیت اور حدیث سے ثابت کر دو بہت لوگ رسومات بری سے خراب ہو گئے ہیں اس لئے
عند اللہ حوالہ کتاب و صفحہ و نمبر وغیرہ تحریر فرما کر اپنی مہربانی فرما کر مشکور فرماویں۔ فقط۔

الجواب: صورت مسئلہ میں جب عورت نے ایک شخص کو وکیل بالنکاح کروا دیا اور
اس کو وکالت سے معزول بھی نہیں کیا تو جو نکاح وکیل نے کر دیا ہے وہ نافذ ہو گیا اب عورت نے

جو دوسرا عقد اس کے بعد دوسرے شخص سے کیا ہے وہ بالکل درست نہیں ہوا نکاح اول بدستور باقی ہے لیکن اگر عورت اس دوسرے شخص سے ہم صحبت ہو چکی ہے پس اگر اس کو نکاح اول کی خبر تھی تو اس سے علیمہ گد کے بعد ایک عدت دوسری اس عورت کے ذمہ ہوگی۔ بعد انقضائے عدت دین محمد کو اس سے وطی جائز ہوگی باقی نکاح دین محمد کا اس عدت میں بھی باقی رہے گا اور اگر دوسرے شخص کو بھی پہلے نکاح کی خبر تھی تو عورت پر عدت ثانیہ واجب ہوگی۔ فی العالمگیریۃ لوقن وجہ بمنکوحۃ الغیر وهو لا یعلمہ انہا منکوحۃ الغیر فوطئہا تجب العدة و ان کان یعلمہ انہا منکوحۃ الغیر لا تجب حتی لا یحرم علی الزوج وطئہا کذا فی فتاویٰ قاضی خان اہ (ص ۲۶۹) ۲۲ جمادی الثانیہ ۱۲۴۲ھ

بالعورت اگر غیر ولی کے اجازت طلب کرنے پر کوتاہی اختیار کرے جبکہ غیر ولی نے خود کو عورت کے ولی کا رسول یا وکیل ظاہر نہ کیا ہو اس صورت میں لڑکی کا سکوت اذن سمجھا جائے گا یا نہیں

کا وکیل یا رسول ؟

سوال (۳) ایک شخص سے ولی نے کہا کہ جاؤ لڑکی سے جو بالغہ باکرہ ہے نکاح کی اجازت لے آؤ اور اس کے کان میں یہ بات ڈال دو کہ تیرا نکاح فلاں شخص سے کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں یہ شخص ولی

(۲) اگر یہ شخص جا کر لڑکی سے اتنا ہی کہدے کہ "تیرا نکاح فلاں سے کرتے ہیں" یہ نہیں کہا کہ مجھے ولی نے بھیجا ہے یا میں اس کی طرف سے وکیل یا رسول ہو کر آیا ہوں اور لڑکی نے اس کی بات سن کر سکوت کیا تو اس صورت میں لڑکی کا سکوت معتبر ہے یا نہیں اور یہ سکوت اجازت پر محمول ہوگا یا نہیں ؟

الجواب ؛ (۱) قال الشامی بعد تفصیل الفرق بین الوکیل والرسول و حاصلہ انہ یصیر وکیلًا بالفاظ الوکالۃ ویصیر رسولًا بالفاظ الرسالۃ وبالاسر۔ لکن صرح فی البدایہ ان افعل کذا واذلت ان تفعل کذا توکیل ویؤیدہ ما فی الوالوجیۃ فذکرہ ثم قال واذ انہ لیس کل امر توکیل بل لابد مما یفید کون فعل المأمور بطریق النیابۃ عن الامر فلیحفظ اہ ص ۲۶۹ ج ۲۴ و فی البحر ان الرسالۃ لا تتضمن الوکالۃ لانہا فوقہا اہ (ص ۱۴۸ ج ۲)۔

چونکہ ولی کا یہ قول کہ جاؤ لڑکی سے اجازت نکاح لے آؤ یا اس کے کان میں یہ بات ڈال دو۔ محتمل ہے نکالت اور رسالت دونوں کو اور کوئی لفظ صریح موجب توکیل موجود نہیں بجز

امر کے اور محتمل طریقین ہے اس لئے اس کلام کو رسالت پر محمول کرنا لازم ہے کیونکہ وہ اولیٰ ہی والادنیٰ ہوا المتیقن۔

(۲) اگر اس شخص نے لڑکی سے جا کر اپنی وکالت یا رسالت کا اظہار نہیں کیا۔ تو اس کے قول کو مستحکم لڑکی کا سکوت کرنا مفید اذن نہ ہوگا۔

قال الشامی فالرسول لابد له من اضافة العقد الی امرسلہ لہما من عن الدرر من انه معبر وسفیر بخلاف الوکیل فانہ لا یضیف العقد الی المؤکل الا فی مواضع کالنکاح والخلع والہبۃ والرهن ونحوہا فان الوکیل فیہا کالرسول حتی لو اضاف النکاح لنفسہ کان لہ اہ (ص ۲۶۹ ج ۲)۔

وفی البحر تحت قول الکترونیما یضیفہ الی المؤکل کالنکاح وغیرہ یتعلق بالمؤکل الخ مانصفہ امر والحقوق فی کل لا یتغنی الوکیل عن اضافتہ الی مؤکلہ لان الوکیل فیہا سفیر محض الا تری انہ لا یتغنی عن اضافتہ العقد الی المؤکل ولو اضافہ الی نفسه کان النکاح لہ نصار کالرسول وھذا لان الحکم فیہا لا یقبل الفصل عن السبب لانہ اسقاط فیتلاشی فلا یتصور صدورہ من شخص و ثبوت حکمہ لغیرہ فکان سفیرًا الی ان قال وأشار بالکاف فی قولہ کالنکاح الی بقیۃ افراد ھذا النوع ولذا قال فی الھدایۃ من اخواتہ العتق علی مال کتابیۃ والہبۃ وکذا اذا کان الوکیل من جانب الملتصق اہ ص ۱۵۲ ج ۲

قال ابن عابدین فی حاشیۃ البحر وکذا بقیۃ الصور الا انہ یقول الوکیل من جهة طالب التملک ہب فلانا و تصدق علیہ او اعمر او ادعہ او ارهن عند کذا او اقرضہ کذا ولوقال ہبنی او تصدق علی او اعمر فی الم یقع لہ لاللمؤکل اہ الی ان قال فعلى هذا قولہم التوکیل بالاستقراض باطل معناه انہ فی الحقیقۃ رسالۃ لا وکالۃ فلواخرج الکلام مخرج الوکالۃ لہ یصح بل لابد من اخراجه مخرج الرسالۃ کما قلنا وید علم ان ذلك غیر خاص بالاستقراض بل کل ما کان تملیکًا اذا کان الوکیل من جهة طالب التملک لا من جهة المملک فان التوکیل بالتملیک صحیح لا یطلب التملک بل هو رسالۃ هذا ما ظہر فی الھدایۃ من کذا، قلت و فی الصورة المسئولۃ لہ یوجد

ما يدل على كون هذا الاجنبى وكيلهما قلنا في الجواب الاول وان سلمنا ان الامر فيه يدل على التوكيل فهو وكيل من جانب الملتزم اى من جهة طالب التملك وقد عرفت ان التوكيل بطلب التملك لا يصح بل هو رسالة وقد تقدم ان الرسول لا يدل له من اخراج الكلام مخرج الرسالة والا لا يكون رسولاً واذا لم يكن رسولاً لم يكن طالباً للاذن من جهة الولى بل من جهة نفسه وهو اذن اجنبى محض فلا يكون سكوت البنات جَعْلَهُمُ الْمَهَالِكُونَ سَكُوتًا بَعْدَ كَلَامِ الْاجْنَبِيِّ مَعَهَا كَلَامُ رَسُولِ الْوَلِيِّ وَاللَّهُ تَعَالَى اعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكُمْ . ۲۷ صفر ۱۳۳۵ھ

حکم بايجاب وكيل بالفاظ
اذن وادہ است

سوال (۳۱) بعونہ تعالیٰ . السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
حضرت تاج العلماء سراج الفضلاء مدظلہ العالی!

شرائط ملازمانہ و فواظ ملازمانہ بجا آورده بعد عرض ملازمان ثریا مکان برساند کہ محمد رشید احمد وکیل زبیدہ خاتون مع دوشاد عادل بحضور مجلس درآمده ناطق شدہ زبیدہ خاتون دختر محمد نصیر احمد یک ہزار روپیہ مہر متعین نمودہ بمعرفت من نزد اسد اللہ کہ پسر عبد اللہ اذن نکاح دادہ است واسد اللہ قبول نمودہ پس لفظ اذن نکاح دادہ است از الفاظ ایجاب است یا نہ بابرہین قاطعہ بزیر کلک نادر سلک آورده این پیمبران را سرفراز دارین فرمایند زیادہ آفتاب عنایت درخشان بادالی یوم التناہ .
الجواب ؛ لفظ اذن نکاح دادہ از الفاظ ایجاب نکاح نیست بلکہ مشعر از توكيل است پس تکلم وکیل بلفظ اذن لازم بود چون وکیل بعد ازان تکلم بلفظ اذن نکاح ایجاب محقق نہ شدہ پس تجدید نکاح لازم است و اگر در عرف سائل اذن نکاح بمعنی اذن نکاح مستعمل است سوال بار دیگر کردہ باید و اللہ تعالیٰ اعلم .

۱۷ رمضان ۱۳۳۵ھ

فصل فی الجہت زوال مہر

زوجہ کے مہر میں سزا زیادتی کرنا | سوال (۱۱) کیا حق مہر نکاح کے بعد (دس یا پندرہ سال بعد) ایڑا ہو سکتا ہے جو منکوحہ کے کہنے پر جو عموماً دیگر وارثان کا حصہ کم کرنے کی خاطر

۲۳۳
کیا جاتا ہے ، جائز ہے یا نہ اور کیا ایسے مہر کو دیگر وراثت جواز قرار دیوں یا نہ بالخصوص جو مہر از قسم مکان یا زمین زوج نے خفیہ بند لیتے تمسک بعد مدت دراز نکاح کے تحریر کر دیا ہو اور شرط بھی تحریر کر دی ہو کہ کاغذات سرکاری داخل خارج کرادوں گا مگر وہ بھی اپنی پندرہ سالہ لقیہ حیات تحریر تمسک عملدرآمد بھی نہ کرایا ہوا اس کو جائز رکھا جاوے یا ناجائز ؟ واضح ہے کہ تمسک ایک سو تالی ماں نے اپنے حق میں کبھی خفیہ تحریر کر لیا ہو اور والد مرحوم نے اپنی زندگی میں اپنے لڑکوں سے جو دوسری بیوی سے ہوں ذکر تک بھی نہ کیا ہو اور نہ ہی اس کی بابت اپنی باقی ماندہ حیات میں ۱۵ سالہ کاغذات سرکاری میں عملدرآمد نہ کر دیا ہو۔

الجواب ؛ زیادت مہر میں عقد کے بعد جائز ہے خواہ کتنی ہی مدت کے بعد زیادت کی ہو۔ الزیادۃ فی المہر صحیحۃ حال قیام النکاح عند علمائنا الثلاثة کذا فی المحيط فاذا زادت فی المہر بعد العقد لمن متہ الزیادۃ کذا فی السراج الوہاج ہذا اذا قبلت المرأة الزیادۃ اہ عالمگیریۃ (ص ۲۹ ج ۲) لیکن جب یہ زیادہ خفیہ طور پر ہوئی ہے اور ورثہ زوج کو اس کا علم نہیں ہے تو عورت کے زہد و گواہ قائم کرنا ہے کیونکہ وہ مدعی زیادت ہے اگر وہ دو گواہ اس پر قائم کرے کہ زوج نے بعد نکاح کے مہر میں اس قدر زیادت کی تھی یا یہ ثابت کرے کہ زوج نے زیادت مہر کی تحریر دو گواہوں کے سامنے لکھی تھی اور گواہ بھی اس کی گواہی دیں اور بہر صورت یہ دعویٰ اور گواہی کسی قاضی شرعی کے اجلاس میں ہو اور وہ اس گواہی کو قبول کرے تو زوجہ مقدار زیادت کو ترکہ سے لے سکتی ہے اور اگر وہ گواہ نہ قائم کر سکے تو بقیہ ورثہ سے قاضی قسم لے کہ ان کو اس زیادت کا علم نہیں اور نہ میت نے یہ تحریر ان کے سامنے لکھی ہے اگر وہ قسم کھالیں تو عورت کا دعویٰ باطل ہے ورنہ اس کا دعویٰ قبول ہوگا اور اگر ورثہ اس کو تسلیم کر لیں کہ یہ تحریر میت کے خط کے مشابہ ہے لیکن اس قسم کھالیں کہ میت نے ہمارے سامنے کوئی تحریر نہیں لکھی اور نہ ہم کو اس تحریر کا علم ہے تب بھی ان کی قسم معتبر ہے اور عورت کا دعویٰ باطل ہے کیونکہ جو تحریر کا شریعت میں اعتبار نہیں ہے فان الخط يشبه الخط هكذا انهمته من القواعد ولما دلہ عن ثبوت صحیحۃ فمن وقف علیہا فلیحرمہ واللہ اعلم۔ ۲۶ ریح الثانی ۱۳۳۵ھ

نما قبل جماع عورت کے مہر کا حکم | سوال (۱۲) ایک شخص نے نکاح کیا تھا بوقت صحبت دیکھا کہ عورت کے صرف پیشاب کا ایک سوراخ ہے اور پستان بھی ہے مگر صحبت کے قابل نہیں تب اس نے اس کو

طلاق سے دیا اب اس کا مہر ادا کرنا واجب ہے یا نہ۔

الجواب: جس عورت کے صرف پیشاب کی جگہ ہے جماع کی جگہ نہیں ہے اس سے خلوت کرنا مؤکد مہر نہیں لہذا جب اس کو طلاق دیدی گئی تو شوہر کے ذمہ نصف مہر ادا کرنا واجب ہے مہر کامل ادا کرنا واجب نہیں قال فی العالمگیریہ ومن الموانع لصحة الخلوۃ ان تكون المرأة ارتقاء او قماء او عضلاء او شعرا کذا فی التبیین ص ۲۳۲-۲۳۳۔

۱۸ محرم ۱۳۱۰ھ

سوال (۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین متین مسئلہ ذیل میں کہ زینہ نے مہر ساقط نہیں ہوتا

وہ بیستری نہیں ہوئی اور ہندہ کسی کے بہکانے سے دن کے وقت بلا اجازت اپنے شوہر کے چوری سے اپنے گھر سے نکل کر اپنی والدہ کے گھر چلی گئی۔ زینہ نے اس کی اس کی ناجائز حرکت سے ناراض ہو کر ہندہ کے بھائی ولی کو اور والدہ کو اور محلہ کے بچوں کو جمع کر کے ہندہ کی یہ ناجائز حرکت ظاہر کی، اس پر بچوں نے بعد دریافت حالات ہندہ کے بھائی اور والدہ کی رائے سے فیصلہ کر دیا کہ چونکہ ہندہ بلا اجازت شوہر دن کے وقت گھر سے نکل گئی ہے اور شوہر سے فارغ خطی چاہتی ہے اس لئے ہم کو آئندہ زوجین کے باہمی تعلق قائم رہنے کی امید نہیں ہے اور ہندہ کے پھر نکل جانے کا اندیشہ ہے لہذا طرفین کی رضامندی سے سرکاری کاغذ پر اس طرح پر تحریری فارغ خطی ہوگئی کہ زینہ سے شوہر کا خرچہ معاف کر دیا اور ہندہ کی طرف سے اس کے بھائی ولی نے مہر کی معافی لکھ دی۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اگر ہندہ کا بھائی ولی یا ہندہ خود بالغ ہو کر کسی کے بہکانے سے زینہ پر مہر کا دعویٰ کرے تو وہ شوہر کی مستحق ہو سکتی ہے یا نہیں اور ایسی نابالغہ کے مہر کیلئے جس سے صرف نکاح ہوا ہو خلوت اور بیستری نہ ہوئی ہو شرعاً کیا حکم ہے وہ مہر کی مستحق ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئلہ میں اگر زینہ نے ہندہ کو طلاق دیدی ہے تو ہندہ پر طلاق بائن واقع ہوگئی لیکن ہندہ کے بھائی نے جو ہندہ کی طرف سے مہر کی معافی لکھ دی ہے اس سے مہر کی معافی نہیں ہوئی ہندہ اپنے نصف مہر کی مستحق شرعاً ہے قال فی الدر خلع الاب صغیرتہ

بمالھا ومہرھا طلقت فی الاصح کما لو طلقت ہی وہی مسیوۃ ولہم یلزم المال لانہ

تبرع اہ فان خالفها الاب علی مال ضامنالہ اسی ملزم مالاً کفیلاً لعدم وجوب المال علیہا صح والمال علیہ کالخلع مع الاجنبی فالاب اولی بلا سقوط مہر

لانہ لم یدخل تحت ولاية الاب ان قال الشامی اسی سوان کان الخلع علی المہر او علی الف مثلاً لکن اذا کان علی المہر فلہا ان ترجع بہ علی الزوج و الزوج یرجع بہ علی الاب لضمائہ الخ ص ۹۳۷، قلت وھنا لا یرجع الزوج علی اخ المہر لانه لضمین بل انه ابرأ الزوج من جانب المہر لانه لا یدخل فی معنی الضمان۔ والله اعلم۔ ۵ ربيع الثاني۔

سوال (۳) اگر کسی دختر کے شوہر کے پاس فی الحقیقت مہر کے مطالبہ کے واسطے ڈگری کرنا جائز ہو یا نہیں نیز شوہر کے مفلس ہو بھی صورت میں کیا شوہر کے باپ کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے

میں اپنے مطالبہ کی ڈگری کرنا اس کے شوہر کو بموجب قانون انگریزی قید خانہ میں ڈالوانے کسی صحابی یا سلف صالحین نے کبھی ایسا کیا ہے؟

کوئی شخص اپنی دختر کے شوہر کے باپ کو شرعاً مجبور کر سکتا ہے کہ وہ اپنی لڑکی کے ذمہ کا مہر جبراً اس کی زوجہ کے باپ کو ادا کرے؟

الجواب: وائے کو بیشک اتنا حق ہے کہ اگر مدیون ہٹ دھرمی کرتا ہو اور باوجود قدرت کے دین ادا نہ کرتا ہو تو اس کو جس کراؤے لیکن جب حاکم کو یہ بات محقق ہو جائے کہ مدیون تنگ دست ہے تو پھر اس کو قید کرنا جائز نہیں علیٰ ہذا قید کرنا بھی بصورت مذکور درست نہیں حق تعالیٰ فرماتا ہے

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ یعنی اگر مدیون تنگ دست ہو تو زمامت وسعت تک مہلت دینی اس کو ضروری ہے باقی علاوہ مدیون کے دوسرے شخص کو جب تک وہ ضامن ہو جائے قید کرنا یا کرنا درست نہیں قال اللہ تعالیٰ وَلَا تَجْرِمُنَّ عَنْ ذُنُوبِكُمْ

أُخْرَىٰ. وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یجعی جان الا علی نفسه ولا یؤخذ المرء بجریمۃ غیرہ او کما قال فانہ اعلم بالصواب۔

احقر عبداللطیف عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح حق عنایت الہی عفی عنہ

سوال (۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زینہ نے ایک عورت ہندہ سے پانچ ہزار

الابیوبہ کلہا صحیۃ احقر تظفر احمد عفا اللہ عنہ

الریاۃ فی مہر احدی النزوجین بعد العقد

هل توجب تسوية الاخرى فیھا ام لا

روپیہ مہر پر نکاح کیا اس کے بہت مدت بعد دوسری عورت زینب سے پانچ سو روپیہ مہر پر نکاح کیا اور دونوں کو ان کا مہر ادا بھی کر دیا۔ زینب نے ایک روز ارمان کیا کہ تم نے میرا مہر بہت کم رکھا زینب نے اس کی دلجوئی کے لئے یہ قصد کیا کہ تین سو چار سو روپے اس کے مہر میں اور زیادہ کر کے (کیونکہ زیادت بعد العقد بھی اصل کے ساتھ تصریح فقہا ہوتی ہو جاتی ہے) اتنی رقم یعنی تین سو چار سو اس کو اور دیدوں خواہ نقد یا کسی مکان کا ایک حصہ کہ زینب کو فی الحال اس حصہ مکان کی ضرورت بھی ہے لیکن زینب کو اس میں تردد یہ ہے کہ جس طرح تمام حقوق میں زوجتین کے درمیان تساوی ضروری ہے کہیں یہ زیادتی مہر احدیہا خلاف عدل نہ ہو جائے اس لئے استفتار کیا جاتا ہے کہ یہ زیادت فی مہر احدیہا جائز ہے یا نہیں اگر کوئی دلیل صریح نہ ہو تو کوئی کلیہ ہی شافی ہو کافی ہے اور تصریح فقہی اگر مل جائے تو اقرب الی الاقناع ہے فقط۔

الجواب الاول من بعض العلماء:

موافق اس قاعدہ فقہیہ کے کہ زیادت فی المہر بعد العقد ملحق باصل المہر ہے اور ہبہ مبتدئہ نہیں ہے کما یقول بہ الامام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ زیادت فی مہر احدی الزوجات درست ہے خصوصاً اس زوجہ کے مہر میں زیادتی کرنا جس کا مہر اصل سے کم ہو اور اضرار زوجہ ثانیہ اس سے مقصود نہ ہو اور اس کو حیلہ ترک عدلی و تسویہ بین جو کہ واجب ہے نہ بنایا جائے) خلاف عدل نہیں معلوم ہوتا فتح القدیر کے تجزیہ ذیل سے بھی یہی مفہوم ہو سکتا ہے کہ زیادت فی المہر اگر بطریق رشوت نہ ہو تو درست ہے عبارت اس کی یہ ہے (قوله وان رضیت احدی الزوجات بترك قسمها لصاحبتهما جاز) هذا اذا لم یکن بر شوق من الزوج بان زادها فی مہرھا تفعل او یتزوجھا بشرط ان یتزوج اخری فیقیم عندھا یومین وعند المخاطبة یومًا فان الشراط باطل ولا یحل لها المال فی الصورة الاولى فله ان یرجع فیہ الخ اور عنایہ کی عبارت بھی جواز کی طرف مشیر ہے قولہ خلافًا لفرس فانہ یقول ان زیادتہ ہبہ مبتدئہ لا تلحق باصل العقد ان بصت ملک و الا فلا الخ اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ زیادت کو ہبہ مبتدئہ قرار نہیں دیتے کہ اس کو خلاف عدل کہا جائے کیونکہ یہ تصریح ہے کہ ہبہات میں بھی تسویہ بین الزوجات

ضروری ہے کما فی العینی علی البخاری و تمام العدل ایضاً بینہن تسویتہن فی النفقة و الکسوة و الصبة و نحوھا فقط و اللہ تعالیٰ اعلم کتبہ.....
 ۵ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ

الجواب صواب

محمد..... عفا اللہ عنہ

الجواب الثاني من جامع امداد الاحکام

اقول وبالله التوفيق. زیادت فی المہر کا ملحق باصل العقد ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ اس کے جملہ احکام مثل مہر کے ہونے کیلئے زیادت کا دخول سے متصرف ہونا اور قبل دخول متصرف نہ ہونا اس پر دال ہیں۔

نیز اس زیادت کا ملحق بالاصل ہونا اس کو بھی مستلزم نہیں کہ اس کے لئے ہبہ کے احکام مطلقاً ثابت ہوں۔ دراصل اس مسئلہ میں حنفیہ کا امام زفر اور شافعی وغیرہ سے جو اختلاف ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ حنفیہ اس کو محض ہبہ ستانفہ نہیں سمجھتے بلکہ اس کے لئے کچھ احکام مہر کے اور کچھ احکام مہر کے ثابت کرتے ہیں اور زفر و شافعی اس کو من کل وجہ ہبہ ستانفہ سمجھتے ہیں ائمہ ثلاثہ حنفیہ اس کو ہبہ ابتداء و مہر انتہاء کہتے ہیں اسی لئے وہ اس زیادت کو حق متعاقدين میں محکم مہر کہتے ہیں اور حق ثالث میں ہبہ و تبرع کما یظہر من کلام الفقہاء و دلیلہ شرط بقاء النواجیة لجواز هذه النواجیة علی الظاہر کما فی الدرر. فلو کان کالمہر فی جمیع الاحکام لم یکن بقاء النواجیة شرطاً لان المہر یقی لوانعدم النواجیة کما لا یخفی۔

قال فی النضر و الظاہر عدم الجواز بعد الموت و البینونة و الیہ یرشد تفسیر المحیط بحال قیام النکاح اذ نقلوا ان ظاہر السواية ان النواجیة بعد هلاك المبیع لا تصح و فی رواية النوادر تصح و من ثم حزم فی المعراج وغیرہ بان شرطها بقاء النواجیة حتی لو زادها بعد موتها لم تصح (رای لعدم المحل وقت النواجیة ۱۳) و الالتحاق باصل العقد وان کان یقع مستنداً الا انه لا یجد

ان یثبت اولاً فی الحال ثم یستند اذ اورطوطاوی نے عدم اشتراط بقار زوجیۃ کو گوتزوج دی ہے مگر اس کی بنا و التحاق باصل العقد پر نہیں رکھی بلکہ یہ کہا ہے و کون ظاہر الرأیة عدم الصحة الزیادة بعد هلاك المبیع لا یقتضی ان یكون ظاهراً الرأیة هنا لفرق بین الفصلین قام عند المجتهد فانه فی النکاح امر الله تعالی بعد عدم نسیان الفصل بین الزوجین و هذه الزیادة من ماعاة الفصل اه شامی (ص ۵۵۲ و ۵۵۳ ج ۲) قول اول میں شرط بقار زوجیت کی وجہ یہ تھی کہ صحت زیادت کے لئے وجود محل ضروری ہے اور قول ثانی نے زیادت کو مراعات فضل میں داخل کر کے اس شرط کی نفی کر دی بہر حال یہ مسئلہ سب کو تسلیم ہے کہ زیادت مہر من کل وجہ مثل مہر کے نہیں ہے۔ بلکہ درحقیقت یہ مہر من وجہ ہے اور مہر من وجہ ہے۔ مہر کی حیثیت سے بعض احکام میں یہ اصل مہر سے منقل ہے مثلاً بحالت مرض موت مہر مثل پر زیادت باطل ہے لہذا فیہ من ابطال حق الورثة قال فی الدماء و ما لزمہ فی مرضه بسبب معروف بیینة او بمعاینة قاض علی ما اقر بہ فی مرض موتہ ولو بدیعة والسبب المعروف مالین بتبرع کنکاح مشاہد ان بصر المثل اما الزیادة فباطلة وان جاز النکاح اه (ص ۲۰۸ ج ۲) فلهذا کما تری قد ادخل الشهادة هنا فی التبرع وهذا اذا كانت الزیادة فی صلب العقد ولو كانت بعد العقد فتبطل بالاولی وان کان المهر اقل من المثل والعلة کونه تبرعاً فی الاصل ابتداءً کما لا یخفی۔ اور مہر کی حیثیت سے اس زیادت کے لزوم میں قبضہ شرط نہیں اگر مہر محض ہوتا تو بدون قبض کے لزوم نہ ہوتا پس حنفیہ کا اس زیادت کو ملحق باصل العقد کہنا صرف باین معنی ہے کہ یہ لزوم میں محتاج قبض نہیں کما یدل علیہ قول صاحب العنایة خلافاً لفرق فانه یقول الزیادة هبة

عہ هذا صریح فی ان تلك الزیادة تلحق باصل المهر بعد ثبوتہ فی الحال ثبوتہ انما هو بصورة العبة والشئ اذا ثبت ثبت بلوازمہ فیثبت لها احکام التبرع فی الجملة ۱۲ منہ

مستأنفة لا تلحق باصل العقد ان قبضت ملکک والا فلا الی باقی تمام احکام اس کیلئے مہر کے ثابت ہیں مثلاً قبول مرآة کا شرط ہونا اور زوجیت کا باقی رہنا وغیرہ وغیرہ جو اصل مہر میں شرط نہیں نیز اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ زیادت فی المہر واصل زیادت فی ثمن المبیع پر قیاس کیا گیا ہے اور زیادت فی ثمن المبیع کے متعلق درمختار میں تصریح ہے لکن انما یظہر فی الشفعة فی الحط فقط قال الشامی لان فی الزیادة ابطال حق الشفیع الثابت قبلہا فلا یملکانہ فله ان یاخذ بدون الزیادة (ص ۲۳۳) فعلم ان الزیادة فی العقد لا تسقط ولا تبطل حقاً ثابتاً للغير قبلہا۔

اب صورت مسؤلہ کا حکم واضح ہو گیا وہ یہ کہ منکوہہ ثانیہ سے جو قلیل مہر پر نکاح کیا گیا ہے اگر یہ مہر مثل تھا تب تو اس کا مستحق زیادت نہ ہوتا ظاہر ہے اور اگر مہر مثل تھا بلکہ اس سے کم تھا تو اس نے اپنے حق کو وقت نکاح خود ہی ساقط کر دیا ہے والساقط لا یعود۔ اور اس سے نکاح ہو جانے کے بعد زوجہ اولی کا مہر و نفقہ وغیرہ میں حق مساوات ثابت ہو چکا ہے لہذا ثانیہ کے مہر میں زیادت کرنے سے گو وہ اصل عقد کی طرف مستند ہو زوجہ اولی کا حق مساوات باطل نہیں ہو سکتا کیونکہ زیادت فی العقد باوجود استناد الی الاصل کے کسی حق ثابت قبلہا کو باطل نہیں کر سکتی کما مر فی مثال الشفیع۔ پس اس زیادت کا اثر صرف یہ ہو گا کہ وہ مہر میں داخل ہو کر محتاج قبض فی اللزوم نہیں رہے گا باقی احکام تبرع و مہر کے بجا رہا باقی رہیں گے۔ اور اگر زیادت فی المہر کو اصل سے ملحق کر کے موجب العدل والتسویہ نہ مانا جائے تو اس میں ہدم باب القسم یا سہلاً لازم آئے گا کیونکہ پھر تو ہر شخص جو کچھ چاہے گا کسی ایک زوجہ کو دے دیا کرے گا اور یہ کہہ دے گا کہ میں تیرے مہر میں یہ زیادت کر رہا ہوں اور جس جزئیہ کے مفہوم سے مجیب اول نے استدلال کیا ہے وہ استدلال بھی صحیح نہیں، یہ جزئیہ تو غور کرنے کے بعد اس امر پر دل سے کہ زیادت فی المہر من کل وجہ بحکم مہر نہیں بلکہ اس کی حالت موجودہ کے احکام بھی اس کے لئے ثابت ہوتے ہیں۔ غور کرنا چاہئے کہ اس صورت میں زیادت فی المہر کو جو رشوت

عہ قلت هذا صریح فیما ذکرناہ قبل ان هذه الزیادة مہر ان تہلوا فی حق المتعاقدين وتبرع زائد فی حق الثالث فلذا لم یعد ہا من الثمن فی حق الشفیع ۱۲ منہ

کہا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زیادت کو قسم کا مقابل کیا گیا ہے اور یہ تقابل اس زیادت کی حالت موجودہ قبل الاستناد ہے ورنہ بعد الاستناد تو یہ زیادت مہر کا جزو ہو کر عوض بضع ہے اور بضع شرعاً منقوم ہے اس کا معاوضہ رشوت کبھی نہیں ہو سکتا پس فقہار کا اس زیادت کو رشوت کہنا صاف بتلا رہا ہے کہ زیادت فی المہر کے لئے مطلقاً احکام مہر ثابت نہیں ہوتے بلکہ اس کی صورت موجودہ کے احکام بھی ثابت ہوتے ہیں پس جس صورت میں کہ زیادت بعوض ترک قسم ہو اس وقت تو رشوت بولنے کی وجہ سے باطل ہے کیونکہ قسم منقوم نہیں جس کا عوض دیا جائے اور جس صورت میں کہ عوض ترک قسم نہ ہو اس وقت یہ ائحدی الزوجتین کے ساتھ صلہ زائدہ ہے پس صلہ زائدہ کے احکام ثابت ہو کر استناد الی الاصل کے احکام ثابت ہوں گے اور اس کے لئے صلہ زائدہ کے احکام کافی الجملہ ثابت ہونا اور عبارات در مختار و رد المختار وغیرہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ مریض کی زیادت کو فقہائے تہذیب میں داخل کر کے بدون اجازت و رثہ باطل کہا ہے علیٰ ہذا اس زیادت کو بیع کی صورت میں مطبق حق شفع نہیں مانا گیا اور اس کے لئے قبول وغیرہ کو شرط قرار دیا گیا ہے اسی طرح یہاں بھی اس زیادت سے زوجہ ثانیہ کا حق مساوات جو ثابت قبل الزیادت کے باطل نہیں ہو سکتا ہذا و اللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

۳ شعبان ۱۲۳۳ھ

اسی عورت کے مہر کا حکم جو رضاعی بہن ہو اور لاعلمی میں ان کا نکاح ہو گیا ہو سوال (۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اور ساجدہ نے ایام طفلی میں مختلف

الاقوات کے با دیگرے مسماۃ بندہ کا رو دھ پیا اور جب یہ دونوں کچھ تھوڑا سن تیز کو پہنچے تو ایام نابالغی ہی میں مسائل اور احکام دینی کی ناواقفیت کی وجہ سے زید اور ساجدہ کا باہم عقد ہو گیا اور بلوغیت کے بعد کچھ عرصہ تک ان کے درمیان تعلقات شوہری اور زوجیت کے قائم رہے بعد ازاں جب مسئلہ رضاعت سے واقفیت حاصل ہوئی اور بہ تحقیقات اپنے درمیان رضاعی بھائی بہن ہونا پایہ ثبوت سے درجہ یقین کو پہنچا ہوا پایا تو مسماۃ ساجدہ نے زید سے کنارہ کشی اختیار کر کے اس کے گھر سے اپنے میکہ چلی آئی اور زبانی اور تحریری اطلاق اپنے مورثان کو اس امر کی دی کہ اب میں ہرگز زید کے ساتھ تعلقات زوجیت کے نہیں رکھنا چاہتی اس معاملہ میں اگر آپ لوگ سختی بھی کیجئے یا جان سے مار ڈالئے تب بھی میں زید

کے گھر نہ جاؤں گی اور نہ اس سے پھر زوجیت کے تعلقات قائم کروں گی زید نے بھی ثبوت رضاعت کے بعد سکوت اختیار کیا اور نہ پھر کبھی ساجدہ کو اپنے گھر بلایا۔ اس تفرقہ کو چھ سات مہینہ گزرے ہوں گے کہ قضا رہی سے زید کا انتقال ہو گیا چونکہ زید صاحب جائداد تھا اس لئے طبع دنیا سے اب مسماۃ ساجدہ بحق زوجیت وراثتاً و بالعوض دین مہر کے دعویدار ہے تو اس صورت میں کیا مسماۃ ساجدہ زید مرحوم کی جائداد سے بحق زوجیت وراثتاً ترکہ شرعی اور دین مہر پانے کی مستحق ہو سکتی ہے؟

الجواب! ساجدہ اس صورت میں مہر مثل کی مستحق ہے اگر زید سے مہر بستی ہو چکی ہو مگر میراث کی مستحق نہیں اور مہر مثل خاندانی مہر کو کہتے ہیں ساجدہ کے جدی خاندان میں عورتوں کا عموماً جو مہر باذہابا ہوا اس میں ساجدہ کی حیثیت و صورت وغیرہ کا بھی لحاظ کیا جائے گا کہ اس صبی عورت کا مہر کتنا ہو کر تا ہے وہ ساجدہ کا مہر مثل ہے اب اگر وہ مہر مقررہ کے برابر ہی ہے تو مہر مقررہ ملے گا اگر کم ہے تو کم ملے گا اگر زیادہ ہے تو مقررہ سے زیادہ ملے گا۔ قال فی الدرر و يجب مهر المثل فی نکاح فاسد و هو الذی فقد شطاً من شئ ائط الصحة کشہوداہ قال الشامی و مثلہ تنادج الاختین معاً و نکاح الاخت فی عدۃ الاخت و نکاح المعتدۃ و الخامسة فی عدۃ الرابعة اھ (ص ۵۷۳ ج ۲) قلت و نکاح المحارم عدۃ بعضهم فی الباطل و لکن قال الشامی و الحاصل انه لا فرق بینہما (ای الفاسد و الباطل) فی غیر العدۃ اھ (ص ۵۷۴ ج ۲) علی ان ہذا النکاح لعلہ بشبہۃ لان الزوجین انما یتقنا بالصماء بینہما بعد بلوغہما بن مان کما یظہر من السؤال فیكون الوطی و طیباً بشبہۃ و الوطیۃ بشبہۃ تستحق مهر المثل کما صرحوا بہ و اما حرمان المیراث فلما صرح بہ فی الدرر (ص ۵۷۵ ج ۲) و لیتحق الارث باحد ثلاثۃ برحم و نکاح صحیح فلا توارث بفاسد و لا باطل اجماعاً اھ و اللہ تعالیٰ اعلم۔

۴ شعبان ۱۲۳۳ھ

سوال (۷) شوہر کو روزانہ بارہ آنہ کی آمد ہے اس میں مہر یا قسط دار بھی درست ہے میں ما مانہ دس روپیہ دیتا ہوں اور اس کے سوائے کوئی ملک وغیرہ نہیں آیا وہ ما مانہ دس روپیہ قبول کر سکتی ہے؟

الجواب؛ بجاالت قیام نکاح تو اقساط کے ساتھ مہر ادا کر سکتا ہے اور بعد طلاق و خلع کے عورت یکمشت کل مہر وصول کرنے کی مستحق ہے اور اس وقت اقساط کلمت کرنا شوہر کے اختیار میں نہیں بلکہ عام کی رائے پر ہے۔

حکم منہ المرأة ففسها عن زوجها
بقيض المعجل والتفصيل في طلاق

سوال (۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ خالدہ خانم اپنے شوہر خالد سے قبل دہلی یعنی رخصت ہونے سے پہلے کل زر مہر یا کوئی جزو زر مہر لینے کی عند اللزوم مستحق ہے یا نہیں؟

الجواب؛ قال في الدرر ولها منعه من الوطى ودواعيه والسفر بها ولو بعد خلوة رضيتها لاخذ ما بين تعجيله من المهر كله او بعضه واخذ قدر ما يعجل لمثلها عرفا به يفتى لان المعروف كالمشروط ان لم يتوكل او يعجل كله فكما شرط لان الصريح يفوق الدلالة اذا جهل الاجل جهالة فاحشة فيجب حالا الا التاجيل بطلاق او موت فيصح للعرب لهاتين الشاهدين عن شرح الجامع لقاضي خان انه لو كان المهر مؤجلا ليس لها المنع قبل حلول الاجل ولا بعدا وكذا لو كان المؤجل بعضه واستوفت العاجل وكذا الواجلته بعد العقد ثم قال وعلى قول ابي يوسف لها المنع الى استيفاء الاجل في جميع هذه الفصول اذ الميكن دخل بها الخ قال في الدرر وعن الثاني لها منعه ان اجله كله وبه يفتى استحسانا ولو الجية ام قال الشامي وهذا اذ الميشرط الدخول قبل حلول الاجل فلو شرطه ورضيت به ليس لها الامتناع اتفاقا اه (ص ۵۸۸ و ۵۸۹ ج ۲)۔

اس سے معلوم ہوا کہ مہر کی مختلف صورتیں ہیں؛

۱۔ کل مہر معجل ہو یا بعض معجل ہو یعنی وقت نکاح کے تصریح کر دی گئی ہو کہ مہر کا کل یا بعض معجل ہوگا اس صورت میں عورت کو قبل رخصت و خلوت کل یا بعض جو بھی معجل طے ہوا ہو طلب کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

۲۔ بعض معجل ہو اور بعض مؤجل ہو تو معجل کے وصول کے بعد بقیہ کے بھی مطالبہ کا حق عورت کو ہے لیکن اس کے وصول ہونے پر اپنے نفس کی تسلیم کو موقوف نہیں کر سکتی۔

(۳) کل مؤجل ہو اور اجل طلاق یا موت ہو تو عرف کی وجہ سے تا جمل مجہول صحیح ہے اور اس صورت میں عورت کو طلب مہر کا تو حق ہے مگر اس کے کسی جزو یا کل کے وصول ہونے پر اپنے نفس کی تسلیم کو موقوف نہیں کر سکتی بلکہ اگر شوہر بدون کچھ مہر نے اس کو اپنے پاس رکھنا چاہے تو اس کو حق امتناع نہ ہوگا۔ البتہ امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ مہر کل مؤجل ہو تو عورت کو حق امتناع ہے مگر یہ جب ہے کہ شوہر نے دخول قبل الادار کی شرط نہ کی ہو اور یہ شرط کر لی ہو تو اتفاقاً عورت کو حق امتناع نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل مرد کو اس شرط کی ضرورت نہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ مہر کل مؤجل ہونے کی صورت میں اگر عورت نے یہ شرط کر لی ہو کہ قبل ادا مہر میں دخول کو منظور نہ کرے تو اس کو حق امتناع ہے ورنہ نہیں۔ کیونکہ کل مہر کو مؤجل کرنا ہندوستان میں رائج ہے اور اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ دخول ادا مہر پر موقوف نہیں والمعرف كالمشروط پس اگر عورت نے اس امر معلوم عرفاً کی صراحتہ نفی نہیں کی تو گویا وہ بھی دخول قبل ادا پر راضی ہو گئی اھذا والله تعالى اعلم۔ ۲۸ ذی قعد ۱۴۲۳ھ

صحیح مہر معلوم نہ ہو اور وارث اپنے دعویٰ پر | سوال (۹) عبداللہ خان مرحوم نے دو شادیاں کیں گواہ نہ رکھتے ہوں تو مہر مثل پر فیصلہ ہوگا | پہلی بیوی کا انتقال ہو گیا اس کی اولاد موجود ہے اور دوسری بیوی زندہ موجود ہے اور اس سے دو بچے ہیں۔ عبداللہ خان اور ان کے والد نے اس پہلی بیوی کا مہر کسی مقدمہ کی شہادت میں اپنا بیان یہ دیا ہے کہ میری بیوی کا مہر ایک ہزار روپیہ ہے اور ان کے والد نے بھی یہی بیان دیا ہے کہ میرے لڑکے کی بیوی کا دین مہر ایک ہزار روپیہ ہے۔ عبداللہ خان کی بیوی کی بہنوں کا مہر ۵۰۰ - ۵۰۰ ہزار روپیہ ہے اور ان کی چھ بیویوں کا مہر بھی ایک ہزار روپیہ ہے اور ان کے والد یعنی صاحب داد خان کی بیوی کا مہر بھی پانچ ہزار روپیہ ہے اور ان کے لڑکوں کی بیویوں کا مہر بھی پانچ ہزار روپیہ ہے اب عبداللہ خان کی اول بیوی کی اولاد یہ دعویٰ کرتی ہے کہ ہماری والد کا مہر پانچ ہزار روپیہ ہے۔ جس سے ان کا مقصود یہ ہے کہ دوسری بیوی اور اس کی اولاد کو محسورم کر کے خود ہی اپنے والد کی جائیداد پر قابض رہیں اور اپنے سوتیلی ماں اور بھائی بہن کو کچھ نہ دیں، دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسی صورت میں عبداللہ خان مرحوم کی پہلی بیوی کا مہر از روئے شرع شریف کیا قرار دیا جائے؟ عبداللہ خان نے جو وصیت نامہ

مرنے سے پیشتر لکھا ہے اس میں سب بہن بھائی کو لکھا ہے کہ اتفاق سے رہنا اور دوسری بیوی زندہ کا مہر ایک ہزار روپیہ لکھا ہے جو واقعی ٹھیک ہے مگر پہلی بیوی کے مہر کا کچھ ذکر نہیں لکھا خدا معلوم کلا کر گیا یا مرحومہ نے معاف کر دیا اس کا علم اللہ کو ہے۔

الجواب: اگر زوجہ اولیٰ کی اولاد اپنے دعویٰ پر دو عادل گواہ نہیں رکھتے تو مہر مثل پر فیصلہ کیا جائے اور مہر مثل میں عورت کے خاندان کا اعتبار ہے سوال میں ظاہر کیا ہے کہ عبداللہ خان کی سالیوں کا مہر ۵-۵ ہزار روپیہ ہے پس اس کے مطابق پانچ ہزار روپیہ عبداللہ خان کی زوجہ اولیٰ کا مہر قرار دیا جائے کما فی الدسالمختار و بعد موتہما فی القدر القول لورثہ و فی الاختلاف (فی اصلہ) القول لمنکر التسمیة (لدقیض بشیء) مالہ یدرہن علی التسمیة (وتالا یقضی بمہر المثل) کحال حیاء (وبہ یقنی) و فی الشامی تحت قولہ لدقیض بشیء لان مہر المثل یختلف باختلاف الاوقات فاذا تقادم العہد یتعدس الوقوف علی مقدارہ فتم دہذا یدل علی انه لو کان العہد قریباً تقضی بہ بحیث قلت و بہ صرح قاضی خان فی شرح الجامع (ص ۵۹۳ ج ۲) . احقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۹ جہادی الثانیہ ۱۳۲۲ھ . الجواب صحیح ، نفیر احمد - ۱۹ ج ۲ ۱۳۲۲ھ .

جو شخص بیوی کو مہر نہ دے اور نہ نیت ادا کی ہو تو اس کی اولاد کو ولد الحرام کہہ سکتے ہیں یا نہیں

سوال (۱۰): کوئی شخص بہت زیادہ اپنی حیثیت سے مہر مقرر کرے جو محض ایک برادری کی رسم کے لحاظ سے ہو اتنی رقم اس کی حیثیت کے اعتبار سے ادا کرنا ناممکن ہے مہر دینے کی نسبت کہتا ہے کہ یہ ایک فرضی بات ہے کون دیتا کون لیتا ہے اگر اتنا مہر مقرر نہ کروں تو نکاح ہی نہ ہو تو ایسے شخص کی اولاد کو کوئی ولد الزنا کہے یا سمجھے تو گناہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اس شخص کی اولاد کو ولد الزنا کہنا حرام ہے اور حرامی سمجھنا بھی بمعنی متعارف جائز نہیں اور حدیث میں جو ایسے شخص کو زانی کہا گیا ہے اس سے مراد گناہ میں مثل زانی کے ہوتا ہے۔ اور مثل زانی پر احکام زانی کے جاری کرنا درست نہیں۔

سوال (۱۱): کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان حکم تجدید نکاح بزیادت مہر از مہر سابق اور اس صورت میں میں شوہر کے ذمہ کونسا مہر واجب ہوگا

شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید عمر ۲۵ سال

اور عابدہ عمر ۱۳ سال ہر دو باوجود بالغین ہونے کے ان کے باہم عقد نکاح اس صورت میں واقع ہوا کہ وکیل نے دو شاہدوں کے ہمراہ ایک عام جلسہ میں اگر عابدہ اور اس کے والد کے وکیل بنانے کا اقرار دونوں شاہدین سے کرا کر زید کے ساتھ عابدہ کا نکاح ایک سو پچیس روپیہ مہر مؤجل پر ایجاب قبول کراہی دیا تھا کہ عابدہ کا ماموں اس جلسہ میں آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ مہر بالکل کم ہے چالیس تولہ سونا چاہئے اور اسی پر اصرار کر کے عابدہ کے والد کو بھی مجبور کیا حتیٰ کہ ثانی نکاح چالیس تولہ سونے پر کراہی چھوڑا حالانکہ زید زوج ایک سو پچیس روپیہ کا بار بھی نہیں اٹھا سکتا اور اس نے تقریب نکاح کا خرچ جو قرض لیکر کیا تھا اس کے ضائع ہو جانے کے خوف سے اور شریعت کی لاعلمی کی وجہ سے طوعاً و کرہاً نکاح ثانی بھی قبول کر لیا۔

(۱) عند الشرع کونسا نکاح منعقد ہوا اول یا ثانی؟ (۲) زوجہ کا ماموں نکاح ثانی باکرہ کا مستحق ہے یا نہیں؟

(۳) نکاح اول کا مہر واجب الادار ہے یا ثانی کا؟ (۴) مہر مؤجل زوجہ کو کس وقت ادا کیا جاسکتا ہے؟

اس کے چار ماہ بعد زوجہ میں باہمی تنازع ہوا اور عابدہ کے والد نے عابدہ کو بے اجازت زید کے مکان سے لیجا کر اپنے مکان پر بٹھا رکھا ہے اور زید کے آنے نہیں دیتا آیا عابدہ کا نان و نفقہ زید پر واجب الادار ہے یا نہیں صحیح حوالہ کتب معتبرہ ارقام و سرکر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں؟

الجواب: قال فی العالمگیریۃ النیادۃ فی المہر صحیحۃ حال قیام النکاح عند علمائنا الثلاثۃ کذا فی المحيط فاذا زادها فی المہر بعد العقد لزمته النیادۃ کذا فی السراج الوہاج ہذا اذا قبلت المرأة النیادۃ سواء کانت من جنس المہر و لا من زوج ادولی . کذا فی النہر الفائق و النیادۃ تتاكد باحد معان ثلاثۃ اما بالدخول او بالخلوۃ الصحیحۃ و اما بصوت احد الزوجین الخ و لو تزوج امرأۃ بالف درهم ثم جدد النکاح بالفین اختلفوا فیہ ذکر الشیخ الامام المعروف بخواہر زادہ فی کتاب النکاح ان علی قول ابی حنیفۃ و محمد لا یلزمہ الالف الثانیۃ و مہر الف درهم و علی قول ابی یوسف یلزمہ الالف الثانیۃ و بعضہم ذکر الخلاف علی عکس

هذا قال بعض مشائخنا المختار عندنا ان لا يلزمه الالف الثانية كذا
 في الظهيرية رقت وهذا اذا كان المقصود بالتحديد تجديد النكاح
 من لا وتلعبا، ففي العالم كبرية ايضا عقب ذلك مانصه وفتوى القاضى
 الامام على انه لا يجب بالعقد الثانى شىء الا اذا عني به الزيادة فى
 المهر فحينئذ يجب المهر الثانى كذا فى الخلاصة اه (ص ۲۹ ج ۲)
 پس صورت مسئوله میں نکاح ثانی تو لغو ہے لیکن چونکہ اس سے مقصود محض زیادت مہر
 تھی اس لئے مہر وہی واجب ہوگا جو دوبارہ مقرر کیا گیا ہے کیونکہ زید زوج نے اس کو برضا
 منظور کیا ہے اس پر اگر شرعی کا تحقق نہیں ہو اور گو ماموں اس صورت میں ولی نہ تھا
 مگر اول تو اس نے والد عابدہ کو اپنے ساتھ متفق کر کے ایسا کیا ہے دوسرے مدار تو زوج
 کے منظور کرنے پر ہے جب اس نے دوسرے نکاح کے مہر کو منظور کر لیا تو اس کی طرف سے
 زیادت فی المہر کا تحقق ہو گیا پس اگر زوجہ سماء عابدہ نے بھی اس زیادت کو قبول کر لیا
 ہو یعنی اس کو دوسرے نکاح کی ہرزاندہ پر ہونے کی اطلاع ہوئی ہو اور اس پر اس کے سکوت
 کیا اور نکاح ثانی سے انکار نہیں کیا تو یہ مہر لازم ہو گیا جو دخول یا خلوت سے مؤکد بھی ہو گیا
 اور اگر اس کو اطلاع نہیں ہوئی تو سوال دوبارہ کیا جائے۔

اور مہر مؤجل ہر ملک میں وہاں کی اصطلاح کے موافق ہے بعض جگہ طلاق یا موت
 کے وقت واجب الادا ہوتا ہے اور بعض بلاد میں وقت مطالبہ زوجہ کے ہم کو بنگال
 کی اصطلاح معلوم نہیں اس لئے کہ نہیں کہہ سکتے۔

اور عابدہ جو اپنے باپ کے گھر چلی گئی ہے تو اس کے متعلق سبھی یہ بات دریافت طلب
 ہے کہ وہ مہر کے متعلق کسی جھگڑے کی وجہ سے گئی ہے یا کسی اور بات پر جھگڑا ہوا ہے؟
 اور یہ بھی لکھا جائے کہ بنگال میں مہر مؤجل کا ادما مطالبہ زوجہ پر واجب ہوتا ہے
 یا طلاق و موت پر؟

اور صورت مسئلہ میں کل مہر مؤجل تھا یا کوئی حصہ معجل بھی تھا اور جو حصہ معجل تھا وہ
 عابدہ کو وصول ہو گیا یا نہیں؟ واللہ اعلم۔

۸ ربيع الاول ۱۳۶۱ھ
 سوال (۱۲) بعد آداب کے عرض یہ ہے کہ میرے عزیز
 قابل ذہبے اس کے مہر وغیرہ لکھا حکم ہے | رحمن بیگ سلمہ کی شادی قریب گیارہ سال ہوئے

جب ان کی خالہ کی لڑکی سے ہوئی تھی جب لڑکی بالغ ہوئی ہم بستری کے لئے اپنے شوہر کے
 پاس سوئی شوہر ہم بستری یعنی جماع کے لئے آمادہ ہوا تو اندام نہانی میں ایک مٹی حائل
 ہوئی جس کی وجہ سے جماع کرنے سے مجبور رہا دوسرے روز صبح زنا شفا خانہ کی لیڈی
 نے ملاحظہ کیا تو بعد معائنہ کہا کہ یہ عورت مرد کے قابل نہیں ہے اور نہ ہی اس کے پستان
 چھتیاں ابھری ہیں مردوں کا ساسینہ صاف ہے۔ اس وقت لڑکی کی عمر ۲۲ سال ہے۔
 عرصہ تک میاں بیوی نے راز کو پوشیدہ رکھا، شفا خانہ کے معائنہ کرنے کے بعد بھی،
 آخر حیب عزیزوں نے مجبور کیا تب صاف صاف بیان کیا، لیڈی ڈاکٹر نے جو انگریزی میم
 تھی پھر دوبارہ دیکھا اور کہا کہ لڑکے کی شادی دوسری کر دیہ عورت مرد کے کام کی نہیں ہے
 لہذا عرض ہے کہ جب دوسری شادی عزیز کی ہو جائے گی تو اس پہلی عورت کا جو نا قابل مرد
 ہے اس کا کیا حق اپنے شوہر پر ہے گا یا نہیں ہے گا، مہر پانچ سو روپیہ کا ہے طلاق ابھی
 نہیں دی ہے دوسری شادی جب ہی ہوگی جب اس پہلی سے نجات ملے گی دوسری
 شادی جہاں ہوگی بات چیت سب طے ہو گئی ہے مگر اس ہی بنا پر لڑکی ہوئی ہے
 کہ پہلی عورت مہر لینے کا حق رکھتی ہے یا نہیں۔ طلاق دینے کے بعد شوہر پر جو کچھ مہر وغیرہ حق
 حقوق ہے۔ براہ کرم بہت جلد اطلاع دیں کہ اس کو طلاق دیکر دوسری شادی کی جاوے
 اور یہ نکاح بھی اس عورت سے جائز ہو یا ناجائز جب کہ وہ مرد کے قابل ہی نہ تھی حدیث
 سے سب باتوں کے جواب سے شاد فرمادیں؟

الجواب؛ قال فی الدرر والخلوۃ بلا مانع حسی وطبعی وشرعی و
 رتق بفتحین التلاحد قمان بالسکون عظم وعقل بفتحین غدة وخصر
 لا یطاق معہ الجماع کالوطا فیما یجیئ اسی فی ثبوت النسب وتاکد المهر
 ص ۲۵۹ ج ۲ وفيه ايضا ويجب العشرة ان سماها او دونها ويجب الاكثر
 منها ان سعى الاكثر ويتأكد عند وطأ او خلوة صحت او موت احد هما
 ويجب نصفه بطلاق قبل وطأ او خلوت (صحت) وعاد النصف الى ملك
 الزوج بمجرد الطلاق اذ لم يكن مسلماً لها وان كان مسلماً لها لم يطل
 ملكها منه بل توقف عوده الى ملكه على القضاء والرضى اه ص ۲۵۳ ج ۲۔
 وفيه ايضا في باب القسم يجب ان يعدل فيه اى فى القسم بالتسوية

فی البیتوتة و فی الملبوس و الماکول و الصعبة لانی الجامعة کالمحبة بل
 یستحب بلا فرق بین فحل و خصی و عنین و محبوب و مرہض و صحیم و صبی
 دخل یا ما آتہ و بالتح لم یدخل بحسب بحثنا و اقرا المصنف و صریحہ و
 صحیحہ و حائض و ذات نفاس و مجنونہ لا تخالف و رتقاء و قسناہ و
 و صغیرہ یمکن و طہا ہ (ص ۶۵۵ ج ۲)۔

ان عبارات سے امور ذیل مستفاد ہوئے کہ اس عورت سے نکاح درست ہو گیا اور
 (۱) اگر اس عورت کو طلاق سے دی گئی تو وہ نصف مہر کی مستحق ہوگی۔
 (۲) اور اگر طلاق نہ دی گئی تو زوج کے مرنے پر وہ مہر کامل کی مستحق ہوگی اسی طرح اگر یہ
 زوجہ مر گئی تو اس کے ورثہ شوہر سے پورے مہر میں حقدار رہوں گے۔
 (۳) اگر طلاق نہ دی گئی بلکہ اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح کیا گیا تو یہ زوجہ بھی دوسری
 کی طرح نفقہ و سکنی اور شب بامی میں مساوات کی مستحق ہوگی اس کا حق ان امور میں
 دوسری سے کم نہ ہوگا ہاں صرف جماع مساوات کی مستحق نہیں کیونکہ وہ جماع کے قابل
 ہی نہیں اگر قابل بھی ہوتی جب بھی جماع میں مساوات کرنا واجب نہیں صرف مستحب
 ہوگا واللہ اعلم۔
 ۱۱۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۶ھ۔

اسی عورت جو کسی علت کے سبب جماع کے قابل نہ ہے اس کے مہر وغنیمہ کا کیا حکم ہے
 سوال (۱۳) ایک کنواری عورت کے والدین جس کی عمر سترہ برس کی ہے اس کی شادی (ایک شریف نوجوان پر) کسی شخص سے کرتے ہیں، بعد رخصتی شب عروسی کے اول وقت میں جبکہ عورت کی ساس کچھ مطابق رسم نصیحت پسند کرنے جاتی ہے تو عورت نہایت شرم سے اپنی ساس سے کہتی ہے کہ اماں جو کچھ آپ نے فرمایا یہ درست ہے میں اس کو سن کر کیا کروں میں اس قابل ہی نہیں کہ میں ان کے پاس یا وہ میرے پاس آسکیں میں مجبور ہوں زیادہ دریافت حال پر عورت نے کہا کہ میرا جسم اور عورتوں کا سا نہیں ہے قدرت نے پیشاب کے واسطے صرف چھوٹا سا سوراخ عطا کیا ہے تو اسپر اس کی ساس دو عورتوں کو بلاتی ہے اور اس کا جسم دیکھ کر تصدیق کرتی ہے کہ دلہن کا بیان سچ ہے۔

عہ اور ان ورثہ میں شوہر بھی ہے اس کا حصہ شرعی مہر میں سے معاف ہو جائے گا ۱۲ اشرف علی

کہا جاتا ہے کہ شادی کیوں کرائی۔ وہ جواب دیتی ہے کہ میرے ماں باپ میں ایک وقت بچت بھی ہوئی مگر میرے والد نے والدہ کو ڈانٹا جو میں نے سنا اور مجھے بھی خاموش کر دیا گیا میں مجبور تھی۔ چنانچہ لڑکے کہہ نوز اس عورت کے پاس نہیں جانے دیا اس کے والدین کو بلایا گیا وہ اپنی خطا پر نادم ہو کر لڑکی کو گھر واپس لے گئے اور کہا کہ ہم علاج کرا کر واپس کریں گے علاج کرایا گیا چار برس سے ہنوز آرام نہیں ہوا۔ لڑکا حیران ہے کہتا ہے کہ طلاق ہی دلا دو میں دوسری جگہ شادی کر لوں میری عمر مت ضائع کرو اس عورت کے ماں باپ زور دیتے ہیں کہ مہر اور ہمارا سامان واپس کر دو۔ لڑکا غریب ہے مجبور ہے لڑکا کہتا ہے میرا اس میں کیا قصور ہے کیا مجھے آپ نے آگاہ کیا میری شادی کرنے کا کیا یہی نتیجہ ہے شادی اسی لئے ہوتی ہے کہ ایسے دھوکہ دیا جائے محض کسی ناجائز لالچ سے جس کی تم کو خبر بھی افسوس ہے۔ امیر ہے کہ با مہر فتویٰ مرحمت فرمادیں اور چونکہ حضور سادہ کارڈ پر جواب صادر فرمائیں گے کچھ فیصل ضرور ہو کہ ہر آدمی وقت فیصلہ سمجھ کے حضور کے جواب کا انتظار ہے (۱) یہ کہ ایجاب قبول ہوئے یا نہیں؟ (۲) نکاح ہوا یا نہیں (۳) اس دھوکہ کی صورت میں مہر واجب ہوا یا نہیں؟ جبکہ یہ عورت اور اس کے ماں باپ کا قصور سے زیادہ والسلام۔

الجواب؛ صورت مسئلہ میں نکاح درست ہو گیا کیونکہ صحت نکاح کے لئے عورت کا عورت ہونا کافی ہے قابل جماع ہونا ضروری نہیں۔ اب اگر اس کو طلاق دی گئی تو چونکہ یہ طلاق قبل از دخول و خلوت صحیحہ ہے اس لئے شوہر پر مہر کامل تو واجب نہ ہوگا ہاں نصف مہر واجب ہوگا۔ اور مہر عورت کا حق ہے جو نکاح سے واجب ہو جاتا ہے، عورت یا والدین کے قصور سے مہر ساقط نہیں ہو سکتا ہاں اگر بیوی مہر کو معاف کر دے تو وہ اپنا حق معاف کر سکتی ہے، واللہ اعلم۔ ۲۲ رجب ۱۳۶۶ھ۔

جہیز وغیرہ دینے کا حکم | سوال (۱۳) بعد سلام مسنون و دیگر مالک کی مجھے خبر نہیں مگر ہندوستان میں عام طور پر رواج ہے کہ شادی میں لڑکے اور لڑکی کو سسرال سے شادیانہ کپڑے دینے جاتے ہیں میرے خیال میں عوام اور خواص سب ہی اس کو لازم اور واجب سمجھتے ہیں کیونکہ کوئی شادی آج تک ایسی نہ دیکھی گئی اور نہ سنی گئی کہ جس میں کپڑے نہ دیئے گئے ہوں کپڑے دینے کے لئے لوگ بہت کچھ اہتمام کرتے ہیں اور شادی کا ایک ضروری جزو سمجھتے ہیں کیا یہ ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ لوگ قولاً اور فعلاً ثابت کر رہے ہیں۔ جناب حضرت نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی متعدد شادیاں کیں۔ ان کی بنات طہیات کی شادیاں ہوئیں کیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شادیوں میں کپڑے لئے دیئے تھے۔ حضرات صحابہؓ اور صحابیات کی شادیوں میں کپڑوں کے لین دین رائج تھی۔ حضرات تابعین اور تبع تابعین نیز ائمہ دین جن کے زمانے میں یہ رسم و رواج تھا یا نہیں اگر نہیں تھا تو کب سے رواج ہوا شادیوں میں شادیاں نہ کپڑے لئے دیئے جائیں یا نہیں۔ جو حکم شرعی ہو مفصل مدلل تحریر فرما کر مخلوقات خدا کو راہِ راست سے واقف فرمائیں اور عند اللہ ما جو رہوں۔

الجواب؛ باپ کی لڑکی کو نکاح کے وقت جہیز دینا سنت نبویہ سے ثابت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو شادی کے وقت جہیز دیا ہے۔ اسی طرح نکاح کے وقت شوہر کا عورت کو زیور کپڑے وغیرہ دینا سنت سے ثابت ہے۔ حضرت علیؓ نے جس وقت نکاح کے بعد حضرت فاطمہؓ کے پاس جانا چاہا تو حضورؐ نے فرمایا اعطھا شیئا قال ما عندی ما اعطھا قال فان درعک الحطیة الحدیث و فی حدیث الواہبۃ نفسہا الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و لم یکن لہ فیہا غرض فقام رجل و قال زوجنیہا یا رسول اللہ ان لہ لکن لک بہا حاجۃ فقال هل عندک ما تعطیہا قال لا الا ازاری قال فالتس شیئا ولو خاتما من الحدید الحدیث کلا ہما صحیح۔

ان روایات سے ثابت ہے کہ شوہر کو عورت کے پاس جانے سے پہلے اس کو کچھ دینا چاہئے یہ عورت کا حق ہے۔

پس شادی میں کپڑے زیور وغیرہ دینے کا جو رواج ہے یہ رواج فی نفسہ خلاف شرع نہیں۔ البتہ اس میں افراط و غلو مناسب نہیں کہ اس قدر اہتمام کیا جائے جس سے پریشانی ہو اور قرض کا بار عظیم ہو جائے۔ باقی اپنی حیثیت کے موافق اہتمام کرنا شریعت کے موافق ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور لڑکے کو جو جوڑا دیا جاتا ہے اس کا ثبوت جزئی تو نہیں ہے مگر کئی ثبوت ہریشا

عہ قلت ذکر الحافظ حدیث جہازہا و کذا حدیث علی اعطھا درعک الحطیة فی تسجۃ فاطمۃ من الامابۃ (ص ۱۵۸ و ۱۵۹ ج ۱) ۱۲ ظفر

تہاد و اتحاوا سے اس کا بھی ہے کیونکہ اس کا منشا محض اکرام و محبت کا اظہار ہے اگر غلو نہ ہو تو اس کا بھی مضائقہ نہیں، واللہ اعلم۔

ادائیگی مہر میں شوہر اور بیوی کے **سوال** کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس درمیان بعض شرائط کا حکم مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک عورت سے کہ تمہارے دو ہزار روپیہ مہر ہے مگر اس شرط پر کہ تم کو اگر میں نے بلا کسی وجہ کے طلاق دے دیا یا گھر سے نکال دیا تو مہر دے دوں گا خواہ معجل ہو یا غیر معجل ہو کوئی تخصیص نہیں ہے اگر اس قسم کے وجوہات پیش نہ آئے تو مہر نہ دوں گا آیا یہ شرط فاسد ہے یا صحیح ہے نیز اس صورت میں مہر مثل ہوگا یا رقم مذکورہ مبلغ دو ہزار روپیہ جو متعین ہے ادا کرے گا اور عورت کی طرف سے یہ عہد ہے کہ ہر طرح سے خاوند کی فرمانبرداری ہوں گی۔ اور اگر خاوند کی مرضی کے خلاف کوئی کام مجھ سے سرزد ہوئے تو معاہدہ مندرجہ بالا کالعدم و باطل تصور ہوگا آیا اس آخری شرط کے ماتے کے بعد مہر مثل ہوگا یا نہیں صاف تحریر فرماویں۔ بغرض مزید تفصیل نقل اور آرائے بھی ارسال ہے۔

نقل اقرار نامہ ملخصاً

منقر نے مسماة لطیفن الخ سے نکاح ثانی کر کے اپنی زوجیت میں لایا ہے مسماة مذکورہ کا مہر دو ہزار روپیہ شرائط ذیل پر قرار پایا ہے کہ ہر دو معاہدین کا خداوند عالم اتفاق و محبت سے زندگی بسر کرے۔ اگر خاوند بلا کسی وجہ یا قصور کے طلاق دے یا گھر سے نکال دے تو مبلغ دو ہزار روپیہ دینا پڑے گا۔ آگے چلکر بیوی کا اقرار ہے

اگر خاوند کی مرضی کے خلاف کوئی کام مجھ سے سرزد ہوئے گا تو یہ معاہدہ مندرجہ بالا کالعدم و باطل تصور ہوگا اور منقر خاوند کو کوئی عورت شادی شدہ یا نکاح ثانی میری موجودگی میں رکھنے کا ہرگز اختیار نہ ہوگا۔

دیگر یہ بھی فرماویں کہ خاوند کے کاروبار خانگی بدمذہب عورت کون کون سے ضروری ہیں؟ زیادہ والسلام۔

الجواب؛ یہ شرط فاسد ہے اور عورت مدخول بہا ہے تو وہ ہر حالت میں دو ہزار کی مستحق ہے خواہ اس کو طلاق دی جائے یا نہ دی جائے گھر سے نکالا جائے یا نہ نکالا جائے اور صورت مسئلہ میں مہر مثل کا کوئی احتمال نہیں لعدم التردد فی

کمیة المهر وعدم تعلیقه علی شیء وانما علق اداءه وعدم اداءه علی شرط
بعد ما جعل المهر الفین کما هو ظاهر من نقل اقرار فامة والله اعلم۔
اور عورت کے عہد سے بھی مہر کا ابطال نہیں ہوا بلکہ وہ عہد ہی لغو ہے وہ جب تک
صراحتہ معاف نہ کرے اور خوشی سے معاف نہ کرے تو معاف نہ ہوگا۔
اور بیوی کے ذمہ چار باتیں لازم ہیں جن پر شوہر اس کو مجبور کر سکتا ہے :
(۱) جب شوہر مجامعت کے لئے بلائے اور عورت بیمار نہ ہو تو انکار نہ کرے۔
(۲) شوہر اگر زینت کا طالب ہو تو اس کے لئے زینت و آرائش کیا کرے بشرطیکہ
زینت خلاف شرع نہ ہو۔

(۳) شوہر کے گھر سے بدون اس کی اجازت کے باہر قدم نہ رکھے نہ کسی نامحرم کے
سامنے چہرہ کھولے۔
(۴) جس شخص کا گھر میں آنا شوہر کو گوارا نہیں اس کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دے۔
ان امور کے سوا اور کسی بات پر مرد عورت کو مجبور نہیں کر سکتا اگر مجبور کرے گا،
گنہگار ہوگا۔ البتہ عورت کو دیانہ واجب ہے کہ شوہر جس مباح شرعی کام کرے
اور اس کی طاقت سے باہر کام نہ ہو اس کو بجالاتے خواہ شوہر کو اس کے حکم کا حق ہو یا
نہو گو وہ بلا استحقاق کسی زائد کام کا بدون رضا کے حکم کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ لیکن اگر وہ
عمل شرعاً مباح اور عورت کی قدرت میں لگتا ہو عورت بھی مخالفت امر زوج سے گنہگار
ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
حکم ذی الحجۃ ۱۳۲۵ھ۔

مہر مثل کی تحقیق نہ ہو سکے یا وہ عرفاً مختلف | سوال (۱۶) مہر مثل کی تعریف جو فقہاء نے لکھی ہے
ہو تو کس مہر پر فیصلہ کیا جائے | اگر اس کی تحقیق نہ ہو سکے یا وہ عرفاً مختلف ہو تو پھر کس مہر پر

فیصلہ کیا جائے گا یا مہر سہی ہی ہر حالت میں معتبر ہوگا ؟
الجواب ؛ فقہاء نے جو مہر مثل کی تعریف لکھی ہے اس کی تحقیق کی ضرورت وہاں
ہے جہاں اختلاف صفات زوجین سے مہر خاندانی مختلف ہو جاتا ہے اور جہاں مہر خاندانی
ہر حال میں واحد ہو کہ خاندان کی ہر لڑکی کا مہر اس سے کم نہ ہوگا اور غالب احوال میں زیادہ
بھی نہیں ہوتا لانا دار العارض تو وہاں مہر خاندانی ہی مہر مثل ہوگا اور ہندوستان
میں اکثر مقامات پر ہر قوم کا مہر ہر شہر میں رواجاً محسن ہے اس سے کم و بیش نہیں ہوتا

پس اسی کو مہر خاندانی کہا جائے گا اور اگر کسی قوم میں مختلف مہر ہوں تو ہر لڑکی کی چھوڑیوں،
اور چچا زاد بہنوں کا مہر اس کے حق میں مہر مثل ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ یکم صفر ۱۳۲۵ھ۔
سقوط مہر کے متعلق "بیان القرآن" | سوال (۱۷) آپ کے مترجم قرآن عظیم کے والمحصنت
کی ایک عبارت کی تشریح کے حاشیہ پر یہ مضمون مرقوم ہے کہ اگر صحبت یا خلوت
نہیں ہوتی اور مرد چھوڑنے تو نصف مہر لازم ہوگا یہ تو ظاہر ہے اور آگے یہ لکھا ہے کہ اگر
عورت ایسا کام کرے جس سے نکاح ٹوٹ جائے تو پھر بالکل مہر لازم نہ آئے گا اس کے کفر
مراد ہے یا اور کچھ ہے ؟

الجواب ؛ عورت کی جانب سے نکاح ٹوٹنے کی صورت ایک یہ بھی ہے کہ عورت
مرتد ہو جائے اور اس کے علاوہ دوسری صورتیں بھی ہیں مثلاً کافر مرد و عورت کا نکاح ہوا
تھا مرد مسلمان ہو گیا اور عورت نے اسلام سے انکار کر دیا۔ یا عورت نے خاوند کے
بیٹے سے بشہوت تقبیل کی۔ یا رضاع کا تحقق ہوا یعنی ایک بالغہ سے کسی نے نکاح کیا
اور ایک چھوٹی بچی سے جس کی عمر دو سال سے کم ہو اور کبیرہ نے صغیرہ کو دودھ پلا دیا اور اب
تک اس سے دخول نہ ہوا تھا تو کبیرہ کا مہر ساقط ہو گیا اور دونوں حرام ہو گئیں کما
فی العالمگیریہ ص ۲۷۵ اذاتزوج الرجل صغیرۃ وکبیرۃ فارضعت
الکبیرۃ الصغیرۃ حمتاعلی الزوج ثم ان لدیدخل بالکبیرۃ فلامہلہا الم
یاخیر بلذغ وعتق کی حالت میں عورت نے نکاح نسخ کر دیا۔ یا کفو نہ ہونے کے سبب۔
کما فی العالمگیریہ ص ۲۷۲ وان جاءت الفراقۃ من جھتها فلا تجب (ای
المتعة) کر دھا وایا تھا الاسلام و تقبیلہا ابن النزوج بشہوة والرضاع و
خيار البلوغ وخيار العتق وعدم الكفاءة الى ان قال وکل موضع لا تجب
المتعة فيه عند عدم التسمية لانصف المسمى عند وجودها کذا فی التبيين
کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ۔

عورت مہر کارو پیہ کس کام میں لاسکتی ہے | سوال (۱۸) زید نے اپنی زوجہ کا مہر ادا کر دیا مہر
کا رو پیہ زید کی زوجہ کے پاس موجود ہے اب وہ مہر کارو پیہ خیرات کر دیوے یا کسی مسجد
یا مدرسہ وغیرہ میں صرف کر دیوے تو جائز ہے یا نہیں علاوہ اس کے مہر کارو پیہ کس کام
میں لانا چاہئے ؟

الجواب: اس کی ملک ہے اس کو پورا اختیار ہے جو چاہے کرے۔
تنبیہ: اگر یہ روپیہ اتنا ہے کہ حج ہو سکے اور اس نے حج نہ کیا ہو تو حج کرنا فرض ہو اور اگر حج کے لئے کافی نہ ہو یا حج کر چکی ہو تو خواہ جمع رکھے اور زکوٰۃ ادا کرتی ہے یا شوہر کو دیدے یا اقارب وغیرہ پر صدقہ یا صدقہ صرف کر دے خواہ خیرات کر دے ہر طرح اختیار ہے۔
 ۱۵ رمضان ۱۳۲۸ھ

مہر مثل کے بارے میں | سوال (۱۹) زید ولی بالغ جو چھپرا بھائی ہندہ نابالغہ کا ہے اس نے ہندہ سے گواہوں کے سامنے بیعتوں پندرہ ہزار روپیہ دین مہر کے اپنا نکاح کر لیا اور اس دیار میں مہر معین نہیں ہے کسی کا چالیس ہزار کسی کا تیس ہزار کسی کا پچیس ہزار کسی کا بیس ہزار کسی کا پندرہ ہزار کسی کا دس ہزار علیٰ ہذا القیاس ہوا کرتا ہے۔ اور ہندہ کی ادالی عورتوں میں یا اس قبیلہ میں جو ہندہ کے باپ کے قبیلہ کے مماثل ہو۔ کوئی ایسی عورت جو اپنے نکاح کے وقت میں ہندہ کے ساتھ مساوات و مماثلت رکھتی ہو نہیں موجود ہے کہ اس عورت کا جو مہر مقرر ہوا ہو وہی مہر ہندہ کا قرار دیا جائے تو یہ پندرہ ہزار مہرین فاحش ہو یا نہیں اور جبکہ ایسی کوئی عورت جو دونوں میں عقد کے وقت مساوات ہو نہیں ملتی ہو تو یہ نکاح صحیح ہوگا یا نہیں۔ اگر نہیں صحیح ہے تو صحیح ہونے کی کیا صورت ہو سکتی ہے تو جرح۔

الجواب من بعض العلماء

سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العليم الحكيم۔ جبکہ اس دیار میں تقدیر مہر بمقدار معین نہیں ہے اور نہ کوئی ایسی عورت خاندانی موجود ہے جس میں ہندہ کے اوصاف کا اجتماع ہو تو ولی بالغ کو نابالغہ سے چالیس ہزار یا پچیس ہزار میں اپنے ساتھ نکاح کرنا تھا تا کہ پندرہ ہزار میں غبن متصور نہ ہوتا چونکہ ولی نے اپنے ساتھ پندرہ ہزار میں بلا وجود عورت متساویہ مانند نکاح کیا ہے لہذا یہ نکاح صحیح ہوگا ولی کو پھر نکاح بلا مہر مقرر کئے کرنا چاہئے کہ اگر پہلا نکاح صحیح نہ ہوا ہو تو نکاح ثانی صحیح ہوگا۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے واذ زوج غیر الاب والجد الصغيرة فالاحتیاط ان یعقد مرتین مرآ بمهر مسمی ومرآ بغیر مسمی لامرین احدہما انہ لوکان فی التسمیة نقصان لایصح النکاح الاول ویصح الثاني بمهر المثل والثانی ان الزوج لوکان حلف بطلاق امرأۃ یتزوجها بلفظ ان اتزوج او بلفظ کل امرأۃ اتزوجها

ینعقد الثاني بمهر المثل وتحل انتہی وھكذا فی فتاویٰ قاضی خان وقال فی رد المحتار (ص ۱۵) نقلًا عن السبھی ولذا ذکرنا فی الخانیة وغیرھا ان غیر الاب والجد اذ زوج الصغيرة فالاحتیاط ان ینزوج مرتین مرآ بمهر مسمی ومرآ بغیر التسمیة لانہ لوکان فی التسمیة نقصان فاحش ولم یصح النکاح الاول یصح الثاني ولیس للتزوج من غیر کفو حیلۃ کمالا یحقی۔

ہاں اگر کوئی عورت ہندہ کے دادالی عورتوں میں سے یا اس قبیلہ میں سے جو ہندہ کے باپ کے قبیلہ کے مماثل ہو۔ ایسی عورت ہو کہ جو اوصاف ہندہ میں ہوں وہ اس قبیلہ میں بھی ہوں تو اس عورت کا جو مہر ہے وہی ہندہ کا ہوگا، اگر اس عورت کا مہر پندرہ ہزار مقرر ہوا تھا تو ہندہ کا بھی پندرہ ہزار یا آٹھ نو ہزار تک ہو سکتا ہے ایسی صورت میں دوبارہ نکاح کی حاجت نہیں۔ اور مہر بالمثل کی تعریف عالمگیری میں یہ لکھی ہے۔ ومہر مثلھا یعتبر بقوم ابیھا اذا استویا سنا وجمالا وبلدا وعصلا ودينًا وبکارۃ وکذا یشرط ان تستویا فی العلم والادب وکمال الخلق وان لا یكون لهما ولد۔ کذا فی التبین کتبہ محمد عبدالرشید انتہی، والله اعلم بالصواب ذوالقعدہ ۱۳۲۸ھ۔

الجواب من جامع امداد الاحکام:

اس میں شک نہیں کہ دوبارہ تسمیہ مہر نکاح کر لینا احتیاط ہے لیکن مہر مثل دادالی خاندانی ہی میں منحصر نہیں بلکہ اگر کسی عورت کا مثل دادالی خاندان میں نہ ہو تو نانہالی خاندان سے مہر مثل اس کا معلوم کیا جائے اگر اس میں بھی نہ مل سکے تو دوسرے اجنبی خاندانوں میں جو خاندان اس عورت کے باپ کے خاندان کا عرفاً مماثل ہو اُس سے مہر مثل معلوم کیا جائے نیز یہ امر بھی قابل تنبیہ ہے کہ مہر مثل میں جن اوصاف کے اندر عورتوں کی مماثلت کو فقہاء نے بیان کیا ہے اُس سے یہ مراد نہیں کہ سب اوصاف میں مماثلت شرط ہے بلکہ بعض اوصاف میں بھی مماثلت کافی ہے صحیح بہ فی الشامیة (ص ۵۸۳) اس کے بعد امید ہے کہ اُس عورت کا مثل اُس کے دادھیالی خاندان میں بھی مل جائے گا۔
 واللہ اعلم۔ ۱۵ ذوالقعدہ ۱۳۲۸ھ۔



فصل فی التقسیم عند تعدد الأزواج

دن کے وقت بیویوں کے درمیان عدل کرنا واجب نہیں | سوال (۱) بہشتی زیور سے معلوم ہوا ہے کہ بیویوں کے درمیان رات میں برابری ضرور چاہئے دن میں برابری نہیں ہے تو اگر کسی بی بی کی باری میں اس کے یہاں دن کو کھانا کھا کر دوسری بی بی کے گھر چلے جائیں تو وہاں باری نہیں ہے دن کو علیحدہ چار پائی پر جا کر سوئے تو درست ہے یا نہیں ؟

الجواب : یہ صورت درست ہے، واللہ اعلم - ۲۷ سوال ۳۷۷ -

بیویوں کے درمیان عدل کرنے کے معنی | سوال (۲) متعدد ازواج میں عدل کا حکم قرآن سے اور فقہاء کے کلام پر ایک استکمال کا جواب ثابت ہے اور وہاں ۱ سے عام رکھا گیا ہے جس کے معنی یہ سمجھ میں آتے ہیں کہ کم از کم امور اختیار یہ میں تو من کل الوجوه عدل ہونا چاہئے یعنی سفر میں اور نفقہ میں اور وطن میں، سفر میں بھی پھر فقہاء نے اجازت دی ہے کہ خواہ جسے لے جائے۔ نفقہ میں موسرہ اور معسرہ کی حالت کا اعتبار کیا ہے جس سے ممکن اور اغلب ہے کہ ایک کی حیثیت تو روپیہ ماہوار کی ہو اور ایک کی دس روپیہ ماہوار کی۔ وطن میں بھی عدل نہیں ہے بلکہ اختیاری زوجہ پر موقوف ہے۔ اس کے بعد عدل واقعی نہیں رہتا بلکہ ایک فرضی دکھائے کی صورت رہ جاتی ہے کہ قسم میں دونوں برابر ہیں۔

الجواب : آپ نے عدل کے معنی تسویہ سمجھے ہیں اس لئے غلط فہمی ہوئی عدل کے معنی جور کے مقابل میں یعنی ہر چیز کے ساتھ اس کے مناسب اور حق واجب کے موافق برتاؤ کرنا پس اگر زوجتیں یسار و اعمار میں مساوی ہیں تو نفقہ میں تسویہ ورنہ حسب حیثیت عدل واجب ہے۔ تعدد ازواج کی صورت میں تسویہ صرف بیوتہ و صلوات زائدہ میں واجب ہے جبکہ سب حرائر ہوں بقیہ امور میں عدل ہی واجب ہے نہ کہ تسویہ۔ ۸ سوال -

مسائل متعلقہ نکاح

سوال (۱) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جو مال حضرت ام حسین اور حضرت شہر بانو کے نکاح کی تحقیق غنیمت میں آیا تھا اس میں حضرت شہر بانو رضی اللہ عنہا آئیں تھی اور وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے صاحبزادہ بڑے صاحب کو بغیر نکاح کئے ہوئے دے دی گئیں

لہ یعنی ظلم۔ دلاور حسین بککلا دیشی۔

چونکہ اتنا تو مجھے معلوم ہے کہ جو مال غنیمت میں اس زمانہ میں آیا کرتا اور اس میں عورتیں یا لڑکے آتے تھے وہ ویسی ہی تقسیم کر دیا جاتا تھا یا آزاد کر دیا جاتا تھا ان سے نکاح اللہ تعالیٰ نے جائز نہیں رکھا تھا اور یہ شیعہ لوگ جو ہیں وہ کہتے ہیں کہ نکاح ہوا ہے۔ ہمارے سبھو پال میں ایک شخص سید صاحب مشہور ہیں وہ تو سنت جماعت ہیں انہوں نے اپنے مکان میں ایک شیعہ صاحب یعنی میر صاحب کو مہمان ٹھہرا لیا ہے وہ شخص رات دن ہر شخص سے مناظرہ کیا کرتا ہے چونکہ میں بھی ان کے مکان میں رہتا تھا ایک روز مجھ سے میر صاحب نے گفتگو کری، میں نے ان سے سوال کیا کہ ایک بات تم بتاؤ انہوں نے حامی بھری اور فرمایا کہ کہنے میں نے پھر ان سے سوال کیا کہ میر صاحب آپ ہر شخص سے مناظرہ کرتے ہیں ایک بات کا ہماری جواب دے دو حالانکہ میں نے ان سے صرف اتنا دریافت کیا کہ تم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو حق مانتے ہو تو پھر نکاح تم حضرت شہر بانو کا کہاں سے ثابت کرتے ہو چونکہ ہم نے تو سنا ہے کہ نکاح ثابت نہیں ہے اور نہ نکاح ہوتا ہے جب مال خلافت میں آتا ہے تو ان کا نکاح رب العالمین نے جائز نہیں رکھا ہے لہذا میر صاحب غلطی پر ہوا و نیز میں نے ان کو یہ کہا کہ جو لوگ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو حق مانتے ہیں اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے نکاح جائز نہیں رکھا ہے وہ سید تو حلالی اور جو اس کو نہیں مانتے ہیں وہ حرامی ہیں

الجواب : غنیمت میں جو باندیاں آتی ہیں ان کے ساتھ باندی رکھ کر تو بیشک نکاح جائز نہیں۔ لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ جس شخص کو باندی دی جائے وہ اس باندی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے تو ممکن ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے شہر بانو رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا ہو بدون تحقیق کے اس احتمال کو رد نہیں کیا جاسکتا نیز سائل کا یہ قول بھی غلط ہے کہ سید لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو نہیں مانتے وہ حرامی ہیں، حرامی یا حلالی ہونے میں خلافت کے ماننے نہ ماننے کو کیا دخل فقط۔ ۲۶ ربیع الثانی ۱۲۵۷ھ

سوال (۲) بیوی پر گھر کا کام اور بیوی کے ذمہ شوہر کے لئے روٹی پکانا اور گھر کے روٹی پکانا واجب یا نہیں | کام کاج کرنا واجب یا نہیں یا نہیں ہے

الجواب : زوجہ کے ذمہ شوہر کی خدمت و اعمال بیت دیاۃ واجب ہیں قضاء نہیں لہذا شوہر اس کو مجبور نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر انکار کرے گی گنہگار ہوگی ریشہ قدس تھا

وعدم عجزها، قال فی الدس استاجرا ما أتته لتخبر له خبز اللالک لم یحین
ولبیح جاز۔ صیرفیه۔ قال الشامی قوله لم یحین لان هذا العمل من الواجب
عليها ديانة..... وافاد المصنف آخر الباب ان استیجار المرأة للطبخ
والخبز وسائر اعمال البيت لا تنقذ ونقله عن المصنفات ط قلت كأنه
لانه واجب عليها ديانة ثم راجعت باب النفقة فراءت آیتہ علی به وزاد ولو
شریفة لانه عنده السلام تسما الاعمال الخ وهذا يدل علی ما قد منا
من ان المفتی به عند المتأخرین فی الاستیجار علی الطاعات ما نصوص علیه
لاکل طاعة اه من ۵۷۵۹۔ ۳ شعبان ۱۲۴۱ھ

سوال (۳) ایک مسلمان شخص نے ایک مشرکہ عورت کو کلمہ
منکوہہ نوسلہ اگر بت خانہ میں جا کر افعال شرکیہ کرے تو کلمہ ہی یا نہیں
وغیرہ پڑھا کر نکاح میں لایا بعد نکاح کے وہی عورت اپنے
بت خانوں میں جاتی ہے اور وہاں کلمہ وغیرہ بھی بجالاتی ہے اور اسکے روتے وغیرہ تو سخت تعصب کرتے ہیں کہ مسلمان مذہب کے نہیں
جب تمام گھر والے بت خانے میں جاتے ہیں تو ان کے خاوند بھی ساتھ جاتے ہیں جو کچھ مشرکوں
کے یہاں رسم و رواج ہے سب دیکھ بھال کرتے ہیں نہ اپنی عورت کو منع کرتے ہیں نہ اولاد کو
ایسے گھروں میں دعوت ہونے سے کچھ کھا سکتے ہیں یا نہیں اگر کسی قوم کے پیشوا نے کھائی تو اس
کے پیچھے اقتدار کرنا جائز ہے یا نہیں حالانکہ یہ پیشوا خوب حالت سے واقف ہے اگر نہیں
دیکھا تو سنا ضرور ہے۔

الجواب؛ جب وہ عورت بدستور بت خانہ میں جاتی ہے اور وہاں جا کر افعال
شرکیہ کرتی ہے اور اسکی اولاد کیہتی ہے کہ مسلمان مذہب کچھ نہیں تو یہ عورت اور اس کی اولاد
مرتد ہے اور اگر شوہر بھی ان کے افعال شرکیہ سے راضی ہے تو وہ بھی مرتد ہے اس کے ساتھ
سلام وکلام و تعلقات وغیرہ نہ رکھنا چاہئیں جب تک کہ یہ سب ان افعال سے توبہ نہ کریں
اور توبہ کے بعد تجدید نکاح بھی لازم ہے مقتداؤں کو ایسے شخص کے یہاں دعوت قبول نہ کرنا
چاہئے لیکن اگر کوئی بیعتی سے قبول کرے تو اس کے پیچھے نماز درست ہے گی۔ واللہ اعلم۔

۶ شعبان ۱۲۴۱ھ

سوال (۴) اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی بہن سے زنا کرے اور حمل
بیوی حرام نہیں ہوتی قرار پائے یا نہیں تو اس کی اصل بیوی اس کے تحت میں ہے گی یا نہیں؟

الجواب؛ بیوی کی بہن سے زنا کرنے سے اصل بیوی حرام نہیں ہوتی اس کا نکاح
بجائہ باقی ہے ہاں زانی کو گناہ شدید ہوگا۔

سوال (۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس
گھر سے جبراً لاسکتا ہے صورت میں کہ ایک شخص کی منکوہہ عقد نکاح کے ایک سال بعد اپنے
والدین کے گھر چند روز کے لئے بغرض ملاقات گئی فی الحال عرصہ دو سال کا ہوتا ہے کہ زوجہ مذکورہ
اپنے والدین کے گھر سے شوہر اب تک برابر نان و نفقہ سے خبر گیری کرتا رہا اور چاہتا ہے کہ اپنی
بیوی کو اپنے گھر لے آئے مگر بیوی کے والدین بعضے مصالح دنیویہ کی وجہ سے رضا مندی سے
چھوڑنا نہیں چاہتے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا شوہر کو شرعاً اختیار ہے کہ بھجور کر لے اپنی
بیوی کو یا باستعانت قانون گورنمنٹ اپنی گھر لے آئے اگر ایسا اختیار ہے تو کتاب کا حوالہ بقید
صفحہ تحریر فرما کر ممنون فرماویں۔

الجواب؛ فی تنویس الا بصار ولها منعه من الوطی والسفر بها ولو بعد
وطی و خلوة رضیتها لاخذ ما بین تعجیلہ او قدس ما یعجل لمتلھا عرفان
لم یوجبل کلمہ وقال الشامی (قوله والسفر) الاولی التعبیر بالاخراج کما
عبر فی الکتر لیم الاخراج من بیتها کما قالہ شارحوہ ط (قوله لاخذ
ما بین تعجیلہ) علة لقوله ولها منعه او غایة له واللام بمعنی الی (قوله
او قدس ما یعجل الخ) ای ان لم یبین تعجیلہ او تعجیل بعضه فلها المنع
لاخذ ما یعجل لھا عرفان فی الصیرفیه الفتوی علی اعتبار عرف بلد هما الخ
(من ۵۸۷ و ۵۸۸ و ۱۲۷)۔

پس اگر وہ شخص مہر معجل ادا کر چکا ہے تو اس کو اختیار ہے کہ باوجود عورت یا اس کے والدین
کی رضا مندی نہ ہونے کے عورت کو لے آئے اور اگر مہر معجل ادا نہیں کیا تو جب تک ادا
نکلیا جائے اس وقت تک عورت کو اختیار ہے کہ وہ آنے سے انکار کرے

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۵ ج ۲ ص ۳۳

اور اگر عرف یہ ہو کہ مہر کل موعجل ہوتا ہو جو موت یا طلاق ہی کے وقت مانگا جاتا ہے جیسا
کہ ہماری اطراف میں عرف ہے تو پھر عورت کو انکار کا کچھ حق نہیں اور مسافت قصر سے کم مسافت
میں شوہر جہاں چاہے اس کو لیجاے اور اپنے گھر پر توجیر لاسکتا ہے فقط نظر احمد عفا عنہ ۱۶ ج ۲ ص ۳۳

بیوی سے کتنی مدت تک نہ ملنے کی اجازت ہے | سوال (۶) کیا یہ صحیح ہے کہ انسان اگر سفر میں جائے کسی ضروری کام کے لئے اور اس کا وہ کام اب تک ختم نہ ہو اور اس میں چار ماہ ہو جائیں تو بیوی سے چار ماہ میں نہ ملنے سے وہ گنہگار ہوتا ہے؟ یا کہ وہ مختار ہے کہ جہاں تک چاہے سفر میں رہ سکے۔

الجواب؛ اس صورت میں گناہ ہونا مطلقاً لازم نہیں بلکہ قاعدہ یہ ہے کہ بیوی سے دیا نہ اتنی مدت تک نہ ملنے سے گناہ ہوتا ہے جس میں اندیشہ اس کی عفت زائل ہونے کا ہو یا یہ اندیشہ ہو کہ اس کو غیر مردوں کی طرف التفات ہوگا اب اس کو شخص اپنی بیوی کی حالت میں غور کر کے دیکھ لے کہ اس کی بیوی کتنی مدت تک مرد سے صبر کر سکتی ہے اور کتنی مدت میں اس کو مرد کی طرف اشتیاق ہوتا ہے بعض فقہار نے انداز سے چار ماہ اس کی مدت مقرر کی ہے وہی مدۃ الایلاء وبہا امر عمر بنان لا یحبس رجل فوقہا فی الجیش۔ مگر اختلاف حالات و مزاج سے اس میں کمی بیشی بھی ہو سکتی ہے، واللہ اعلم۔ ۱۲ ج ۱۳۳۶ھ

کیا عورت کا مرد پر تکی ہے کہ | سوال (۷) کیا مرد پر عورت کا حق ہے کہ رات کو اپنے بستر پر وہ رات کو اپنے بستر پر لٹائے لٹائے یا فقط ایک گھر میں۔ یا کچھ بھی ضروری نہیں دوسرے گھر میں بھی رکھ سکتا ہے اور ایفائے حق جماع کے لئے کبھی کبھی اپنے پاس لانے سے ادائے حق سے سبکدوش ہو جائے گی غرض و ات کو سونے میں عورت کا حق کہاں پر سونا ہے؟

الجواب؛ مرد کے ذمہ عورت کو اپنے بستر پر لٹانا واجب نہیں

یہ واجب ہے کہ رات کو اسی گھر میں سوئے جہاں عورت سوتی ہے بلکہ دیا نہ یہ واجب ہے کہ عورت کے پاس جانے میں اتنی دیر نہ کرے جس سے عورت کے فساد خیال کا خطرہ ہو البتہ اگر کسی کے دو بیویاں ہوں اور وہ ایک گھر میں سوتا ہو تو اس پر دوسری کے گھر سونا بھی واجب ہے تسویۃ وعدلاً فی البیتوتہ۔ اور یہ اس وقت ہے جبکہ عورت کو خاوند کے باہر لٹنے سے وحشت نہ ہوتی ہو اور اگر وحشت ہوتی ہو تو سوال دو بارہ کیا جائے اور یہ بھی بتلایا جائے کہ دفع وحشت کی اور کوئی صورت ہو سکتی ہے یا نہیں، فقط۔

۱۵ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

خرید کردہ آزاد عورت سے | سوال (۸) اکثر پہاڑی مقامات پر خرید و فرخت مستورات کی بغیر نکاح و طہی کا حکم ہوتی ہے کبھی ہندوستانی خرید کردہ عورت سے دکنیز یا حرم یا

باندی، بغیر نکاح و طہی جائز ہے یا نہیں اور ناجائز ہے تو بغیر موجودگی گواہان محض ایجاب و قبول اور تعیین مہر کے نکاح ہو سکتا ہے یا موجودگی گواہان ضروری ہے؟ فقط

الجواب؛ اول تو اس مسئلہ میں روایات مختلف ہیں دوسرے جن روایات میں جواز ہے ان میں قید ہے کہ وہ کفار اس کو جائز سمجھیں اور یہ بھی ہنوز متحقق نہیں (اشرف علی) اس لئے ان خرید کردہ عورتوں کو باندی بنا کر اون کے طہی وغیرہ کرنا جائز نہیں نکاح کر لینا چاہئے اور نکاح کے لئے دو گواہوں کا ہونا شرط ہے بدون دو گواہوں کے نکاح نہ ہوگا فقط

احقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۳ صفر ۱۳۳۶ھ | الجواب صحیح، نظراً احمد عفا عنہ

بدون ادائیگی مہر معجل بیوی سے مجامعت درست ہے یا نہیں | سوال (۹) در مسئلہ قومیہ علماء محققین چہ میسر ماینند۔

بدون مہر معجل مجامعت رواست یا نہ؟

الجواب؛ مہر معجل ادا کرنے سے قبل عورت کو حق ہے کہ ہمبستری اور خلوت سے انکار کر دے شوہر کو جبر کرنا جائز نہیں ہے اور اگر ایک مرتبہ خلوت یا ہمبستری کی اجازت دیدی اور بعد میں پھر انکار کر دے تب بھی امام صاحب کے نزدیک انکار کا حق رکھتی ہے پس اس صورت میں شوہر کو اس پر جبر کرنا بھی مختلف فیہ ہے امام اعظم کے نزدیک اس صورت میں بھی جبر حلال نہیں ہے کما قال الثامی تحت قول الدس (لہا منعہ) و اشارالی انہ لا یحل لہ وطیہا علی کرا منہا ان کان امتناعہا لطلب المصرا عندہ وعندہما یحل کما فی المحيط بحر وینبغی تقييد الخلاف بما اذا كان وطئها اولاً برضاها اما اذا لم یطأها ولم یحل بہا کذا فلا یحل اتفاقاً۔ اور حق منع میں چونکہ امام صاحب کا قول مفتی بہ ہے لہذا حرمت استمتاع میں بھی (جو کہ اس کی فرع ہے) انہیں کا قول معتبر ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ الاحقر عبد الکریم۔ ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

بیوی کے بعض حقوق کی وضاحت | سوال (۱۰) السلام علیکم۔ بعد قد بیوسی مسنونہ کے گذارش ہے کہ احقر نے پہلے خط میں دو ضروری مضمون کے متعلق سوال کیا تھا ان میں سے ایک کا جواب کافی مل گیا دوسرے کے متعلق سوال فرمائے ہیں وہ مضمون خانگی انتظام کے متعلق تھا۔ یعنی احقر کو نوکری کرنے کی وجہ سے ہمیشہ سفر میں رہنا پڑتا ہے اور گھر میں

مری نہ رہنے کی وجہ سے بیوی صاحبہ کو خورد و پوش دیکر ان کے والد صاحب کے گھر میں رکھتا ہوں انہوں نے بھی رضامندی ظاہر کر کے قبول کر لیا۔ مگر بیوی صاحبہ بوجہ خانگی چون و چرا کے جو عورتوں میں ہوتا ہے وہاں رہنے پر راضی نہیں اس پر حضور والا نے سوال فرمائے ہیں اپنے پاس کیوں نہیں رکھتے، جواب دیا تھا کہ اپنے پاس رکھنے کا دوسرا ہے ایک یہ کہ اپنا گھر رکھوں اور خود بھی بوجہ مری نہ ہونے کے نوکری چھوڑ کر مکان رہوں ان میں کئی طرح کی خرابی ہے ایک یہ کہ ملک میں عام و خاص سب لوگ بدعت و رسوم کے عادی ہیں مکان پر رہ کر ان کے شرور سے محفوظ رہنا دشوار ہوگا، دوسرے ملک میں حلال روزی کی کوئی صورت نہیں لہذا معیشت میں تنگی ہونے کا اندیشہ ہے، تیسرا جمعیت قلب جو ہم سے فوت ہونے کا اندیشہ ہے۔ ثانی صورت یہ ہے کہ جہاں نوکری کرتا ہوں ان کو ہی وہاں لیجاؤں مگر یہ بھی دو وجہ سے نہیں ہو سکتا ہے ایک یہ کہ وہ اور ان کے والد صاحب سفر میں جانے پر راضی نہیں، دوسرا یہ کہ جہاں نوکری کرتا ہوں وہ محض ایسا گاؤں ہے کہ جو وظیفہ احقر کو ملتا ہے اس سے کوئی مسافر اپنے اہل و عیال کے ساتھ وہاں رہنے کا انتظام کرنا بظاہر دشوار ہے۔ اب قابل دریافت یہ ہے کہ باوجود ان موانع کے ان کی رضامندی کو لحاظ کر کے گھر میں مقیم ہونا پڑے گا یا حسب دستور خورد و پوش و سیران کے والد صاحب کے گھر رکھا جائیگا اس پر حضور والا نے ارشاد فرمائے ہیں یہ مشورہ ہے یا مسئلہ، مشورہ دینا میرا معمول نہیں مسئلہ کسی خاص مشبہ کے سبب پوچھا جاتا ہے اس میں کیا مشبہ ہوا جو حکم شرعی پوچھنے کی ضرورت ہوئی، جو باعث کرتا ہوں یہ مسئلہ سے مشورہ نہیں۔ اس میں خاص مشبہ ہوا کہ اپنی مصلحت و منافع پر نظر کر کے بیوی صاحبہ کو باوجود عدم رضان کی حسب دستور خورد و پوش دیکر ان کے والد صاحب کے پاس رکھنا احقر کے لئے شرعاً جائز ہوگا یا نہیں۔ از روئے شفقت کے جواب سے ممنون فرماویں۔

الجواب: عورت کا یہ مطالبہ پورا کرنا تو ضروری ہے کہ اس کو الگ مکان دیا جائے اور اس کو اس پر مجبور کرنا درست نہیں کہ اپنے والد کے ساتھ رہے۔ البتہ عورت کا یہ مطالبہ کہ اس بستی میں نہ رکھا جائے اس کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔ پس والد صاحب کے مکان کا کوئی مستقل حصہ جس میں کسی اور کا دخل نہ ہو یا اس کے متصل کوئی دوسرا مکان جیسا موقع ہو عورت کے واسطے لے دینا کافی ہے۔ ایک ضروری امر قابل غور

یہ ہے کہ خاندان کی آمد و رفت عورت کے پاس بقدر ضرورت ہوتی رہتی ہے یا نہیں اگر عورت کی ضرورت (یعنی خواہش نفسانی) کا لحاظ کر کے اس کی آمد و رفت کافی مقدار میں ہوتی ہے تب تو یہی جواب ہے جو صلا میں لکھا گیا ورنہ دیا نہ یہ ضروری ہے کہ عورت کو اپنے ہمراہ رکھے یا آمد و رفت میں بقدر ضرورت اضافہ کرے واللہ اعلم۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ۔
الجواب صحیح، نلفرا احمد عفا عنہ۔
۲۸ سوال ۳۸۴۔

کتاب الطلاق

باب ایقاع الطلاق

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین شریعتین اس مسئلہ میں کہ زید صاف دل سے چھوڑ دیا ہے اور اس کی بہن میں کھانا پکانے کی بابت نزاع ہوا بہن کہتی ہے کہ جب تم نے نکاح کر لیا ہے تو تم بیوی کو کیوں نہیں لاتے؟ میں نے سنا اور اس مکان میں جا کر معلوم کیا کہ تمہاری بیوی حاملہ ہے تم وہاں جاتے ہو اس کو کیوں نہیں لاتے؟ زید نے جواب میں کہا میں تو بجا دوں (نام ایک ہینہ کا ہے) میں گیا پھر نہیں گیا میں اس کو نہیں لاؤنگا میں نے اس کو چھوڑ دیا ہے میں نے تین بار کہا ہے میں صاف دل سے چھوڑ دیا ہے پھر پوچھنے سے وہ کہتا ہے کہ میں نے طلاق دیا ہے میں نے طلاق دیا ہے میں نے طلاق دیا ہے زبان بندی بالاکا حاصل یہ ہے کہ زید کی بہن کے پاس طلاق کی جو خبر دی اس سے عورت اس کی مطلقہ ہوگی یا نہیں زبان بندی بالاکا خبر ہے یا انشاء بصورت اول خبر سے طلاق ہو سکتی ہے یا کیا اور حسب زبان بندی زید کے ایقاع یا ایگیا یا نہیں بغیر ایقاع کے طلاق واقع ہوگی یا نہیں اور جمیع عقود میں انشاء شرط ہے یا نہیں؟ مخفی نہ رہے کہ ماجرا کے مفکر کو میں پیشتر اس کے زید نے طلاق بالکل نہیں دی اب سوال یہ ہے کہ اس خبر سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں برحق جواب حسب مسائل فقہ و اصول کے تحریر فرمائیے ماجرا ہوں گے۔

الجواب: صورت مسئلہ میں قائل کا یہ قول کہ میں نے صاف دل سے چھوڑ دیا ہے، اس کا قرینہ ہے کہ اس کی مراد انشاء ہے خبر نہیں لہذا منکوہ زید پر تین طلاق واقع

ہو گئیں اب بدون تحلیل کے کسی طرح اس سے نکاح درست نہیں، واللہ اعلم۔

۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۰ھ

سوال (۲) شوہر نے ایک تصور کے متعلق اپنی بی بی سے پوچھا کہ تم کو طلاق دیدیں گے کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی اس کی بی بی نے اپنے تصور کا اقرار کیا، شوہر نے اپنی بی بی کے تصور کے اقرار کو خوب سمجھ لیا وہ اپنے تصور کے اقرار سے سراپا تصور واپس لے لیکن شوہر نے اقرار کو اپنی بی بی کے اوپر ایسی حیثیت سے ظاہر کیا اور کہا کہ جس میں بی بی کو معلوم ہو کہ شوہر نے ہمارے تصور کو سمجھا نہیں ہے تصور ثابت ہوئے اور شوہر کو بھی منظور تھا کہ جس میں بی بی کے اوپر اس کے تصور کے اقرار پر اس کے تصور کی ناسمجھی میری ظاہر ہو، اس خیال سے شوہر نے بی بی کے اوپر اسے تصور کی ناسمجھی اپنی ظاہر کی اور سوچا کہ اگر تصور پر نکرے تب بھی بذر ہو جائے گی اور نہیں سزا کرے جب بھی بذر ہو جائے گی۔ بلکہ مناسب سمجھا کہ اس کے تصور کے اقرار پر اس کے تصور کی ناسمجھی اپنی ظاہر کر کے اس کو ڈرایا اور کہا کہ اگر ایسا تصور تم سے ہوتی تو تم کو ہم طلاق دیدیتے اور حقیقت میں بی بی کا تصور ہی اور تصور کے اقرار کو سمجھتے ہوئے شوہر نے ایسا جملہ کہا ہے اور اس کے ہفتہ روز کے بعد کسی تصور پر غصہ ہو کر کہا کہ تم کو ہم طلاق نہیں دیں تو تم کو چار کھنٹا تم کو ہم طلاق دیدیں گے تین مرتبہ ایسے جملہ کو شوہر نے کہا ہے لیکن شوہر کو طلاق کے جملوں کا کچھ یاد خیال نہیں ہے بوجہ ہو و شکر کے سخت مجبور ہے اگر کوشش کرتا ہے کہ یاد و خیال کریں تو چند طرح کے وہم طلاق کے جملوں کا خیال دل میں پیدا ہوتا ہے کہ شاید یہ جملہ کہا ہو شاید یہ جملہ کہا ہو شاید یہ جملہ کہا ہو عرض ہر چند طرح کے وہی جملہ خیال میں آتے ہیں شوہر کو اپنی تشفی بخش کوئی جملہ یاد و خیال نہیں ہے اور نہ کچھ بیان کر سکتا ہے ایسی حالت میں

شوہر نے بی بی سے پوچھا کہ فلاں فلاں وقت میں ہم نے طلاق کا جملہ تم کو کس طرح کہا تھا بی بی نے بیان کیا کہ فلاں وقت میں آپ نے کہا ہے کہ اگر ایسا تصور تم سے ہوتی تو تم کو ہم طلاق دیدیتے اور اس کے ہفتہ روز کے بعد آپ نے کہا ہے کہ اگر تم کو ہم طلاق نہیں دیں تو ہم کو چار کھنٹا تم کو ہم طلاق دیدیں گے بی بی کے بیان پر شوہر کو کامل تشفی اور یقین اور پورا وثوق ہے اور بی بی کے بیان کو ہم حق سمجھتے ہیں اور بی بی نیک بخت تھی اور پرہیزگار ہے اس کے بیان پر استفتا رسال خدمت ہو جواب سے سرفراز فرمایا جائے گا

الجواب؛ صورت مسئلہ میں طلاق نہیں ہوئی فقد صح الفقہاء بعدم وقوع الطلاق بصیغۃ المضارع الا اذا غلبت فی الحال واللہ اعلم۔

۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۰ھ

سوال (۳) ایک شخص کے گھر میں اسکی بیوی، بہن اور بھائی کے درمیان جھگڑا ہو رہا تھا اتنے میں وہ شخص گھر آنکر اس کے چھوٹے بھائی کو جھگڑا فرو کرنے کیلئے مارا اس سے اس کی ماں اس شخص مذکور پر غصہ ہوئی اور بہت گالی دی اس کے بعد وہ شخص غصہ میں آنکر کہا کہ میں ہفتہ عشرہ میں مکان چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جاؤں گا اس کے بعد اس کی ماں بولی کہ تم اس بد صورت عورت کے لئے مکان چھوڑنا چاہتے ہو اسی وقت وہ شخص بہت غصہ میں تھا کہ مارے غصہ کے سارا بدن کانپتا تھا ایک مکان پر اطمینان سے کھڑا ہو نہیں سکتا تھا چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو گئے تھے اسی وقت اس کی زبان سے "ایک طلاق دو طلاق تین طلاق دیا میں" نکل آیا اس کے بعد جب خیال ہوا تو بے اختیار رونے لگا اور کہتا تھا کہ میں نے یہ کیا کیا میرے دل میں طلاق دینے کا ارادہ نہیں تھا خدا جانے کس طرح میرے منہ سے یہ کلمہ نکل آیا۔

الجواب؛ صورت مسئلہ میں اس شخص کی عورت کو اپنے خاوند سے الگ ہو جانا چاہئے اور وہ سہی سمجھے کہ مجھ کو تین طلاق دی گئی ہیں اس کو ہرگز جائز نہیں کہ وہ شوہر کو اپنے اوپر قابو سے یہ حکم تو عورت کے لئے ہے۔ اور مرد کو چاہئے کہ اگر اس کے نزدیک واقعی غصہ میں اس کی عقل و حواس درست نہ رہے تھے اور اس کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ میں زبان سے کیا کہہ رہا ہوں تو وہ کسی حاکم مسلم کے پاس جا کر یہ دعویٰ کرے کہ میں غصہ میں مغلوب الحواس و زائل العقل ہو گیا تھا اور طلاق میں نے بالکل بے خبری کی حالت میں دی ہے حاکم اس سے گواہ طلب کرے گا اس کے بعد اگر حاکم شرعی فیصلہ کرے کہ میرے نزدیک یہ طلاق واقع نہیں ہوئی تب وہ عورت اس کے لئے حلال ہو سکتی ہے اور بعد حاکم مسلم کے فیصلہ کے عورت کو بھی اس شخص کے پاس رہنا جائز ہوگا اور بدو حکم حاکم کے ہرگز عورت کو اس کے پاس رہنا جائز نہیں کیونکہ بظاہر تین طلاق پڑ چکی ہیں واللہ اعلم۔ ۲۸ جمادی الثانیہ

سوال (۴) زید نے اپنی زوجہ کو طلاق دی مگر یہ یاد نہیں کہ دو دیں یا تین

مسئلہ میں طلاق بائن واقع ہوگی یا مغلظ ہے

الجواب؛ قال فی الخلاصة رجل حلف بالطلاق وشك الرجل انه
طلق واحدة او ثلاثا فهي واحدة حتى يثبت او يكون كثر ظنه على خلافه
ص ۲۶۱۲۰ - صورت مذکورہ میں دو طلاق مانی جاویں گی لیکن اگر عورت کو تین طلاق
میں شک نہ ہو تو اس کو شوہر کے پاس رہنا جائز نہیں اور اگر اسے بھی شک ہو تو اس کے
لئے وہی حکم ہے جو اوپر مذکور ہوا، واللہ اعلم۔ حرره ظفر احمد بامریہ حکیم الامت ۹ شعبان۔
میغہ مضارع میں طلاق بئن کا حکم | سوال (۵) ہدیہ سلام سنون۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین
اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر محمودہ بالغ کا عقد شرعی منظر بالغ پسر عمرو سے اس کی
خواہش پر بالعوض پانچہرا شرفی زریخ محمد شاہی مہر کے بلا اجازت و اطلاع عمرو کے کر دیا
نکاح کے بعد مطلع ہونے پر عمرو اور اس کے دیگر اعزائے اس نکاح سے اظہار ناخوشی کیا،
اور منظر کو کہ اس وقت تک زید کے پاس مقیم تھا اس ارادہ سے طلب کیا کہ میں منظر کا دیگر اعزا
کی خوشی و رضا مندی سے دوسرا عقد کر دوں گا، عمرو کی ایسی تحریر آنے پر منظر نے اپنے باپ کے
پاس جانے کی اجازت طلب کی اور یہ کہا کہ اور لکھ دیا کہ میں حسب طلب اپنے والد عمرو کے وطن
جاتا ہوں اگر وہاں پہنچ کر میرے اس نکاح کے معاملہ نے کوئی دوسری نوعیت اختیار
کی اور میرا عقد ثانی کسی دوسری جگہ قرار پایا یا اندر میعاد دس ماہ کے میں نے وطن سے
واپس آ کر محمودہ کی رخصتی نہ کرائی تو یہ تحریر میری محمودہ دختر زید کے حق میں بطور طلاق کے
متصور ہوگی اور بعد انقضاء میعاد معینہ زید کو اپنی دختر محمودہ کے دوسرے عقد کر دینے
کا اختیار ہے میری طرف سے کوئی رکاوٹ نہ ہوگی اب میعاد معینہ میں عرصہ دس ماہ کا باقی ہے
اور منظر کی واپسی کی اس وقت تک کوئی امید نہیں معلوم ہوتی میعاد معینہ گزر جانے کے بعد
محمودہ منکوحہ کے حق میں شریعت غرا کا حکم ہے جبکہ محمودہ اور منظر کے درمیان خلوت بھی نہ
ہوئی ہو اور ایسی صورت میں مہر کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب؛ صورت مذکورہ میں اگر دس ماہ میعاد معینہ کے اندر منظر نے محمودہ کی رخصتی
نہ کرائی تو محمودہ پر ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ اور ہر چند کہ قول منظر بطور طلاق متصور
ہوگی انہ میغہ مضارع کا ہے اور مضارع سے وقوع طلاق نہیں ہوتا مگر جب مضارع
بمعنی حال غالب ہو جائے تو فقہاء نے اس سے وقوع طلاق کی تصریح کی ہے اور آجکل

تعلیمیافتہ جماعت نے کچھ ایسا محاورہ اختیار کر لیا ہے کہ وہ حال کے موقع میں اکثر میغہ
مضارع کا استعمال کرتے ہیں لہذا ہمارے نزدیک اس کلام میں مضارع سے حال ہی مراد
ہے اور بعد میعاد معینہ گزر جانے کے محمودہ پر طلاق عائد ہو جائے گی جس کا قرینہ یہ ہے کہ
اس کے بعد کلام منظر میں یہ لفظ بصورت حال مذکور ہے اور بعد انقضاء میعاد معینہ زید کو
اپنی دختر محمودہ کا دوسرا عقد کرنے کا اختیار ہے انہ یہ میغہ انشاء اور ایقاع پر صاف دلالت
کر رہا ہے، قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ: (رسئل) فی رجل قال
لزوجتہ تتکونی طالقہ ثلاثا بیغہ المضارع وغلب استعمالہ فی الحال
عرفنا فہل یقع علیہا الطلاق؟ (الجواب) نعم کما افتی بہ الخیر المصلی،
واطال الکلام علی حاشیتہ علی البہی فی اجعہا، ۱۱ ص ۲۰۶ ج ۱۔

اور صورت مذکورہ میں محمودہ پر عدت لازم نہ ہوگی وہ بلا عدت دوسرا نکاح کر سکتی ہے،
اور منظر سے وہ نصف مہر وصول کر لینے کی مستحق ہوگی واللہ اعلم۔ ظفر احمد عفا عنہ۔

صح الجواب، اشرف علی، ۲۲ رمضان ۱۳۱۰ھ۔

”طلاق دادم“ کہنے کے بعد | سوال (۶) السلام علیکم۔ در رمضان شریف ۱۳۱۰ھ یک
طلاق بائن کا لفظ بئن کا حکم | استفتاء در خدمت گرامی عرض داشہ شد خلاصہ مضمونش آنکہ شخص

جاہل زن خود را گفت طلاق دادم طالب علمی اور تلقین نمود کہ برائے انفصال مناقشہ ہو کہ طلاق
بائن دادم آن جنس گفت بعد دیگر طالب علم گفت کہ بائن رانمی فہند برائے اطمینان جانبین
گفتہ آید کہ جواب دادم بازان شخص جنس گفت از آنجناب جواب مورخہ ۲۴ شوال ۱۳۱۰ھ چنین
رسید کہ طلاق مغلظ واقع شد۔ و از جانب حضرت مفتی صاحب دیوبند جواب ارشاد فرمود
کہ دریں صورت طلاق بائن شدہ است مغلظ نشدہ است آویچہہ جواب حضرت مفتی صاحب
در فکر قاصر نمی آید مگر وجہ مؤید جواب ایشان در بیاض واحدی منقولاً عن بیاض ہاشمی در
جواب استفتاء ہرنگ استفتاء ما دیدہ شد کہ البائن لا یدحق بالبائن پس در صورت
مسئلہ عنہا ہم حسب ارشاد مفتی صاحب عم فیضہ صرف طلاق بائن واقع خواہ شد نہ مغلظ چنانچہ
رقزاد آنجناب است زیرا کہ دریں صورت یک زوجی ارادہ و دو بائن بالتقریق تقلید از ان
شخص صادر گشتہ پس از یک زوجی و یک بائن تغلیظ نمیگردد و دو بائن دیگر بہ بائن اول

ہم لائق نمیشود تا کہ حکم طلاق کردہ آید باید کہ بر جواب خود ثانیاً نظر غائر گماشته از تحقیق خود مستندان را مستفید فرماید و اصل سوال و جواب را از دفتر فتاویٰ تلاش فرماید فقط
الجواب! اگر میں نے اس صورت مسئلہ میں طلاق مغلظ کا فتویٰ دیا ہے تو میں اس سے رجوع کرتا ہوں اس صورت میں صرف دو ہی طلاق واقع ہوئیں مگر دونوں بائن ہیں، تجدید نکاح سے تعلق زوجیت قائم ہو سکتا ہے۔ غالباً منشاء میرے اس فتویٰ کا یہ ہوا کہ شخص مذکور نے دوبارہ لفظ طلاق بائن دہرایا ہے اور یہ لفظ محض بائن نہیں ہے بلکہ بائن صریح ہے کہ اس سے بدون نیت کے وقوع طلاق ہو جاتا ہے پس میں نے اس کو صریح سمجھ کر بائن کو اس کے ساتھ ملحق کر لیا اور اس صورت میں صاحب نہر و بحر کا قول یہی ہے جو میں نے لکھا ہے مگر محقق یہ ہے کہ بائن صرف صریح زوجی سے ملحق ہوتا ہے نہ صریح بائن سے حقیقۃ الشامی (۲۷۷۳) لہذا قول محقق کو اختیار کر کے میں اپنے پہلے قول سے رجوع کرتا ہوں والسلام شوہر نے عمار سے تین لکیر لکھیں اور کہا "سوال (۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مشرع متین اس مسئلہ میں کہ مجھے سہمی عبد اللہ ولد اللہ دیا قوم او ان ساکن ایک دو تین میرے گھر سے چلی جا" موضع الرضلع جہلم تحصیل پنڈداد نھاں۔ احقر عرصہ سے بیمار تھا میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم مجھ کو تمام زیور دو جس سے میں اپنی بیماری کا علاج کروں فروخت کر کے، میری عورت نے کہا میرے پاس زیور نہیں اور جس جگہ احقر نے زیور رکھا تھا وہاں بھی تلاش کیا مجھ کو نہ ملا اور پھر میں نے اپنے عزیزوں سے دریافت کر لیا میری عورت نے ان کو بھی یہ کہہ دیا کہ زیور میرے پاس نہیں اسی کے پاس یعنی عبد اللہ کے پاس ہے، میں نے پھر اپنی عورت سے کہا کہ اگر تم مجھ کو زیور نہ دو گی تو میں تم کو لاٹھی سے ماروں گا اس نے پھر بھی نہیں بتلایا میں نے اس سے کہا کہ تو یہ تین لکیر لاٹھی سے کھینچ دیتا ہوں کہ ایک دو تین گھر سے نکل جا اور اتنے زیور نہ دیوے گی گھر میں نہ آنے دوں گا عورت اپنے بھائی اور ماں کے پاس چلی گئی تھوڑے عرصہ کے بعد اس کے بھائی اور ماں نے کہا کہ تم زیور ہم کو دو جس سے ہم گذر کریں اس نے ان کو جواب دیا کہ زیور میرے پاس نہیں ہے انہوں نے اس کو تنگ کیا اس گاؤں کا ایک آدمی ہمارے یعنی عبد اللہ کے گاؤں کا گیا ہوا تھا اس عورت نے کہا کہ تم میرے خاوند سے کہہ دینا کہ مجھ کو لیجاؤ اس نے میرے سے آکر کہا کہ تمہاری عورت کہتی ہے کہ مجھ کو لیجاؤ میں نے اس آدمی کو جواب دیا کہ تم پھر کبھی جاؤ تو اس سے یہ کہنا کہ اگر تو تمام زیور دیوے تو چلی آؤ ورنہ خیر

اس نے کہا یعنی عورت نے کہا کہ میں تمام زیور دے دوں گی مجھ کو میری عورت نے بہت آدمیوں میں جھوٹا کر دیا تھا کہ زیور میرے پاس نہیں ہے عبد اللہ کے پاس ہے میں نے اسی وجہ سے اس آدمی سے کہا کہ تم زیور لے آؤ تاکہ ان آدمیوں کو کل حال معلوم ہو جائے کہ واقعی زیور عورت کے پاس ہے۔ وہ آدمی زیور اور عورت کو لے آیا میں نے وہ زیور اس آدمی کے پاس امانت رکھی کہ ابھی تم ہی رکھو جب کبھی موقع ہو گا تم ان ہی آدمیوں میں مجھ کو دینا جس کے سامنے مجھ کو عورت نے جھوٹا بنا یا کچھ عرصہ کے بعد اس نے عورت اور مجھ کو بہت آدمیوں کے سامنے زیور دیدیا، اب میری عورت میرے گھر میں ہے ہمارے گاؤں کے آدمی کہتے ہیں کہ تیرا نکاح نہیں رہا ہمارے گاؤں میں شیعہ لوگ بہت بستے ہیں وہ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ تم نجو قتی نماز پڑھتے ہو پھر بے نکاحی عورت گھر میں رکھے ہو، اب میرا نکاح رہا یا کہ نہیں آپ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب کے اور شبیر علی صاحب کے بھی دستخط کرادیں اور حوالہ حدیث کا بھی دیدیں عین عنایت ہوگی اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرماوے اس مسئلہ کی خوب صفائی کر دیوں، فقط والسلام۔

الجواب! اگر سائل نے ایک دو تین کہتے ہوئے زبان سے لفظ طلاق نہیں کہا تو محض لکیریں کھینچ کر ایک دو تین کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی قال فی العالمگیریۃ ام آة قال لہا زوجہا انا استنکف عنک فقالت المرأۃ کالبزاق فی الفم کنت تستنکف عنہا فارم بہا فقال الزوج تفانف ورمی بالبزاق وقال رمیت ونوی الطلاق لا تطلق کذا فی الظہیریۃ ۲۷۷۰ وفیہ ایضاً: ولوقالت طلقنی فضر بہا وقال لہا اینک طلاق لا یقع وفی جموع النوازل سئل شیخ الاسلام عن ضرب امرأۃ وقال دار طلاق قال لا تطلق و سئل الامام احمد القلاسی عن ضرب امرأۃ وقال اینک یدک طلاق ثم وکن ہا ثانیاً وقال اینک دو طلاق و کذا الثالث تطلق ثلاثاً فشیخ الاسلام یقول سہمی الضرب طلاقاً فی بطلن والامام احمد یقول سہمی الطلاق فیقع ۲۷۷۲ قلت وفی الصورة المسئولة لمدیم الطلاق بل خط خطوطا وقال یک و دو و سه فلا تطلق علی قول احدہ، والله اعلم۔

کابین نامہ کے مطابق طلاق واقع ہو جانے کا حکم پیش امام اور مقتدا میں۔ اپنی بی بی کی کابین نامہ میں بشرط لکھو اگر اپنے ہاتھ سے دستخط کر کے خود جا کر رجسٹری کروادیا۔ کہ آپ کی واپس کی ولی وارث کی بلا اجازت واپس کی کل مہر ادا کر کے اس کابین نامہ کی پشت پر وصول دینے کے بغیر کوئی عورت سے نکاح بیاہ نہ کروں گا۔ اگر کروں تو وہ عورت اسی وقت میرے حق میں ایک ذمہ تعلق ہوگی، اتفاقاً بی بی سے کوئی بات میں نا موافقت ہوئی تب وہ طیش میں آکر نہ بی بی سے اجازت لیا نہ بی بی کے ولی وارث سے اجازت لیا۔ نہ مہر نہ کواد کیا۔ دوسری ایک عورت سے نکاح کر لیا اور اس کے ساتھ جفت بیدار شفاۃ لکھنے لگا۔ پس مطابق شرع شریف کے اس کی دوسری عورت مطلقہ بہ طلاق ہوگی یا نہ۔ اور اس عورت کے ساتھ خلوت صحبت کرنا اس کے لئے زنا میں محسوب ہوگا یا نہ۔ اور اس سے اگر اولاد ہو تو حلال زادہ ہوگی یا نہ۔ اور اس شخص کے پیچھے اقتدار درست ہوگی یا نہ بینوا توجہ وا۔

الجواب؛ صورت مسئلہ میں دوسری عورت سے نکاح کرتے ہی اس میں طلاق واقع ہو گئی ہیں اب بدون حلالہ کے وہ عورت زین العابدین کے حلال نہیں نہ اس سے زنا شو کا معاملہ درست ہے اور اس حالت میں جو وطی ہوگی وہ حنفیہ کے نزدیک زنا ہوگی مگر اولاد کو حرامی نہ کہا جائے گا لہذا نہ کالوطی بشبہہ ولان وقوع الطلاق فی هذه الحالة مختلف فیہ بین الائمۃ فافہموا اللہ اعلم۔ اس شخص کی اقتدار مکروہ ہر نماز تو ہو جائے گی مگر دوسرا نیک امام میسر آسکتا ہو تو اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی اور اگر دوسرا امام میسر نہ ہو تو اس کو الگ کرنے کی قدرت ہو تو بلا کراہت نماز درست ہو واللہ اعلم۔ ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ۔

اس صورت میں طلاق کا حکم جب زوج منکر ہو اور گواہ ایک مرد اور ایک عورت ہو زوجہ نابالغہ کو غصہ کے سبب تو ماں اور بہن ہیں دو چار مرتبہ کہہ دیا کسی نے کہا بیوقوف کیا کہہ رہا ہے کہتے ہی طلاق طلاق سات یا آٹھ بار کہہ دیا دوسرے با تیسرے روز اس شخص سے تحقیق کی گئی تو اس نے انکار کر دیا کہ میری زبان سے یہ الفاظ نہیں نکلے (یعنی ہوا الفاظ اوپر ذکر کئے گئے ہیں) لیکن ایک مرد اور ایک عورت گواہ ہیں اس باب میں شرع شریف کا کیا حکم ہے۔ دیگر مذکورہ بالا صورت میں دو مرد اگر گواہ ہوں تو کیا حکم ہے؟

الجواب؛ شوہر کا تو ماں باپ ہیں بچہ کہنا تو لغو ہے اس سے کچھ نہیں ہوتا مگر اس کے بعد جو اس نے سات آٹھ بار طلاق کا لفظ کہا ہے اور اب اس سے انکار کرتا ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر زوجہ نے طلاق کا لفظ تین بار سن لیا ہو تو اس پر واجب ہے کہ اپنے کو مطلقہ مطلقہ یعنی مطلقۃ الثلاث سمجھے اور شوہر سے علیحدہ ہو جائے اور اس کو اپنے اوپر ہرگز قابو نہ دے۔ اور اگر زوجہ نے خود یہ الفاظ نہیں سنے تو اگر دو نیک مردوں یا ایک نیک مرد اور دو نیک عورتوں نے اس سے ایسا بیان کیا کہ شوہر نے طلاق کا لفظ تین مرتبہ یا اس سے زائد دفعہ استعمال کیا ہے جب بھی حکم ہے۔ اور اگر ایک مرد اور ایک عورت گواہ ہے تو اس سے قضاء ثبوت طلاق نہیں ہو سکتا جب تک شوہر خود اقرار نہ کرے البتہ اس صورت میں اگر خبر دینے والا ثقہ ہو یا ثقہ تو نہ ہو مگر عورت کے دل کو یہ بات لگی کہ یہ مرد یا عورت سچ کہہ رہی ہے تو اس کو شوہر سے الگ ہو جانا ضروری ہے اور بعد عدت گزارنے کے دوسرا نکاح کسی دوسرے سے کر سکتی ہے گواہی یہ ہے کہ الگ تو ہو جائے مگر نکاح غیر سے نہ کرے قال فی الدر من الجوہرۃ اخبرھا ثقۃ ان زوجها الغائب مات او طلقھا ثلثا و اتاھا منہ کتاب علی ید ثقۃ بالطلاق ان اکبر رأیہ انه حق فلا بأس ان تعتد وتتزوج الہ قال الشافعی و قوله فلا بأس یفید ان الادلی عدمہ اھ (ص ۱۰۱۳ ج ۲) و فیہ ایضاً تحت قوله علی ید ثقۃ هذا غیر قید اھ و فیہ (۷۰۹) والمراۃ کالقاضی اذا سمعته او اخبرھا لا یحل لها تمکینہ اھ۔ ۳ ذوالحجۃ ۱۳۲۲ھ۔

ازالة الاغلاق من اضافة الطلاق سوال (۱۰) کیا فرماتے ہیں علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ طلاق میں عورت کی طرف اضافت کی تحقیق اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کہتے ہیں کہ میں نے اپنی بی بی کو ایک کام خانگی کرنے کو کہا وہ نہیں کی اس لئے میں نے ان کو لات وغیرہ کچھ مارا پھر بھی وہ کام نہیں کی پھر جیب اور ماری نے کو ارادہ کیا وہ میری ماں کے پیچھے بھاگی اور ماں حائل ہونے کی وجہ سے نہیں مار سکتا میں نے یوں کہا کہ ایک طلاق دو طلاق تین طلاق بائن اس گھر کا کھانا اگر کھائے گی تو حرام کھائے گی ان سے جب پوچھا کہ یہ جو تم نے کہا کہ اس گھر کا اگر کھانا کھائے گی تو حرام کھائے گی کس کو کہا کیا تمہاری ماں کو کہا یا تمہاری بی بی کو کہا؟ اس نے جواب دیا کہ طلاق جس طرف جائے گی یہ سبھی اس طرف جائے گا اب حکم شرع کیا اس کی بی بی مطلقہ بہ طلاق ہوگی؟ بینوا بال دلیل

اس سلسلہ میں علماء دوسری ہیں۔

فرق اول کہتے ہیں کہ مطلقہ بے طلاق ہوگی چونکہ صریح الفاظ سے طلاق دیا اگرچہ تم کو یا نام لیکر نہیں دیا مگر اضافت معنویہ موجود ہے بوجہ واقعہ مذکورہ کے اور وہی اضافت معنویہ وقوع طلاق کا شرط ہے لہذا الشامی لے تو کہہ لے الاضافۃ ای المعنویۃ فانہا الشرط اور اگرچہ لفظ دیا نہیں کہا مگر لفظ طلاق مصدر ہونے کی وجہ سے طلاق واقع ہوگی دیا وغیرہ کا محتاج نہیں ہے لہذا الشامی قولہ وفي انت الطلاق او الطلاق الخ بیان لہما اذا اخبر عنها بمصدر معترف او منکر او اسم فاعل بعد مصدر کذلک۔ پس صورت مسئلہ میں طلاق ہو جائے گی فقط

فرق ثانی کہتے ہیں کہ صورت مذکورہ میں طلاق واقع نہ ہوگی چونکہ اضافت نہیں ہے اور لفظ دیا وغیرہ کچھ نہ کہا۔ دلیل ان کی عبارت قاضی خان کی ہے کہ "ارتو زن من سہ طلاق" لا تطلق امرأتہ لانہ ما اضاف الطلاق الیہا، وقولہ رجل قال لا امرأتہ اگر تو زن من سہ طلاق مع حذف الباء لا یقع الخ

الجواب: فرق اول کا قول صحیح ہے اضافت طلاق جو شرط وقوع ہے اس میں اضافت معنویہ کافی ہے اور خطاب کے وقت اضافت معنویہ موجود ہوتی ہے قال الشامی والخطاب من الاضافۃ المعنویۃ وکذا الاشارة وصرح قبلہ ان الشرط ہی المعنویۃ لا اللفظیۃ قال ولا یلزم کون الاضافۃ صریحاً فی کلامہ لہما فی البیہا لو قال طالق تقیل لہ من عنیت فقال امرأتی طلقت امرأتہ اہ الی ان قال ناقلاً عن البیہا امرأتہ طالق او قال طلقت امرأتہ وقال لہما عن امرأتی یصدق اہ ویفہم منہ انہ لو لم تقیل ذلك تطلق امرأتہ لان الظاہر ان من لہ امرأتہ انما یحلف بطلاقہا لا بطلاق غیرہا اہ (ص ۲۰۵ ج ۲)

ملخصاً۔ اور خانہ وغیرہ میں جو مذکور ہے کہ ارتو زن من سہ طلاق لا تطلق لانہ ما اضاف الطلاق الیہا۔ اس میں اور صورت واقعہ میں فرق یہ ہے کہ جزئیہ خانہ اس

عہ پہلے یہاں یہ لکھا گیا تھا کہ جزئیہ خانہ دیانت بخیر ہوں اور قضاء طلاق بدون اضافت صریحہ کے بھی واقع ہے جبکہ اضافت معنویہ خطاب اشارہ موجود ہو جو کہ عورت مثل قاضی کے ہر اس لئے دیانت پر (باقی بر صفحہ آئندہ)

صورت میں ہے جبکہ قرآن سے اضافت الی الزوجہ متعین نہ ہونے کی وجہ سے کلام محتمل الصواب عن زوجتہ اذا لم یصف الطلاق الیہا۔ اور صورت مسئلہ میں قرآن قویہ حالیہ تھا ارادہ اضافت طلاق الی الزوجہ متعین ہے اما الحال فالغضب وارادۃ ضربہا واما المقال فقوله طلاق جس طرف جائے گی یہ بھی اسی طرف جائے گی اہ پس صورت مسئلہ میں قضاء بھی طلاق واقع ہو چکی ہے اور دیانت بھی لہما سیاتی۔ قال الشامی عن القنیۃ عازیاً الی البرہان لصاحب المحیط مرحیل دعۃ جماعۃ الی شرب الخمر، فقال انی حلفت بالطلاق انی لا اشرب وکان کاذباً فیہ ثم شرب طلقت وقال صاحب التحفۃ لا تطلق دیانتہ اہ وما فی التحفۃ لا یخالف ما قبلہ لان المراد طلقت قضاءً فقط لہما صراحتہ لو اخبر بالطلاق کاذباً لا یقع دیانتہ بخلاف الہازل فہذا یدل علی وقوعہ وان لم یضف الی المرأۃ صریحاً نعم یمکن حملہ علی ما اذا لم تقیل انی اردت الحلف بطلاق غیرہا فلا یخالف ما فی البزازیۃ اہ وهو ما ذکرہ اولاً قال لہا لا تخرجی من الدار الا باذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لا یقع لعدم ذکر حلفہ بطلاقہا ویحتمل الحلف بطلاق غیرہا فالقول لہ قال الشامی المفہوم من کلام البزازیۃ انہ لو اراد الحلف بطلاقہا یقع لانہ جعل القول لہ فی صرفہ الی طلاق غیرہا اہ (مدلخصاً متفقاً، ص ۲۰۵ ج ۲) پس جن جزئیات میں اضافت صریحہ ہونے کی وجہ سے عدم وقوع کا حکم مذکور ہے ان کا مطلب یہی ہے کہ اگر زوج ارادہ طلاق زوجہ کا انکار کرے اور قرآن بھی ارادہ زوجہ پر قائم نہیں تو طلاق واقع نہ ہوگی لیکن اگر قرآن اضافت الی الزوجہ پر قائم ہوں تو قضاء بہر حال واقع ہے جبکہ اضافت معنویہ خطاب یا اشارہ موجود ہے، اور عورت مثل قاضی کے ہے وہ اپنے کو مطلقہ ہی سمجھے اور انکار زوج کو ہرگز قبول نہ کرے، اور صورت مسئلہ میں تو زوج ارادہ طلاق زوجہ کا منکر بھی نہیں پس اس صورت میں تو قضاء و دیانتہ بہر طرح طلاق واقع ہو چکی۔ واللہ اعلم۔ ۹ جہادی الاولیٰ ۱۳۲۵ھ۔

دقیقہ حاشیہ صفحہ گذشتہ، فتویٰ نہیں دیا جاسکتا اہ مہر اس کو حضرت شیخ کے ارشاد سے بلا گیا اور تحریر "ازالۃ الاغلاق" جواب سابق ہی پر لکھی گئی ہے ۱۲ منہ

تفصیل الجواب کے

الملقب

بازالہ الاعلاق عن اضافة الطلاق

اقول وبہ نستعین . جواب سابق پر دو شبہ کئے ہیں . ایک یہ کہ خانہ وغیرہ کا جزئیہ "ارتوزن من سہ طلاق" بحدن الباء لا تطلق لانه ما اضاف الطلاق اليها عدم وقوع طلاق میں مطلق ہے اس کو دیانت کے ساتھ کس دلیل سے مقید کیا گیا ہے دوسرے یہ عبارت بزازیہ لا تخرجی الا باذنی فانی حلفت بالطلاق لا یقع لعدم ذکر حلفه بطلاقها ویحتمل الحلف بطلاق غیرها فالقول لہ مضموم یہ ہوتا ہے کہ اگر زوج ارادۃ طلاق مخاطبہ کا انکار کرے تو قضا بھی اس کا قول معتبر ہوگا۔ اسی طرح جزئیہ بحسب لوقال امرأۃ طالق او طلقت امرأۃ ثلاثا وقال لہ اعن امرأتی یصدق سے بھی تصدیق قضا مضموم ہوتی ہے اور جواب سابق میں یہ کہا ہے کہ قضا صورت مسئلہ میں انکار ارادۃ طلاق مخاطبہ کی تصدیق نہ ہوگی اس کی کیا وجہ

اشکال اول کا جواب یہ ہے کہ کلام فقہاء میں ایسے جزئیات کا حکم جن میں

اضافت لفظیہ نہیں ہے اور اضافت معنویہ یعنی مخاطبیت موجود ہے (مختلف مذکور ہے کہیں حکم وقوع طلاق ہے اور کہیں عدم وقوع طلاق)۔

خلاصہ میں ہے لوقالت طلقتی فضر بها وقال اینک طلاق لا یقع لوقال اینکت طلاق یقع یہاں تو اینک طلاق میں اضافت لفظیہ ہونے کی وجہ سے عدم وقوع کا حکم ہے اس کے بعد برونی مجموع النوازل سئل شیخ الاسلام عن ضرب امرأۃ وقال دارالطلاق قال لا تطلق وسئل الامام احمد القلانسی عن وکن امرأۃ وقال اینک یک طلاق ثم وکنها ثانیاً وقال اینک

عہ جس کی طرف ما شیہ ص ۳۱۳ میں اشارہ کیا گیا ہے ۱۲ منہ

دو طلاق وکن الثالث قال تطلق ثلاثا . شیخ الاسلام بقول سہی الضرب طلاقاً فبطل والامام احمد بقول سہی الطلاق ضرباً باہ (ص ۲۶ ج ۲) . اس میں یہ اختلاف تو مذکور ہے کہ ضرب کو طلاق کہا ہے یا طلاق کو ضرب ، لیکن یہ کسی نے نہیں کہا کہ اینک طلاق میں اضافت نہیں اس لئے طلاق نہیں ہوتی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اضافت کا تحقق دونوں کے نزدیک ہر حالانکہ اوپر اینک اور اینکت میں جو فرق کیا گیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اینک میں لفظی اضافت نہیں تو اب ماننا پڑے گا کہ دوسری جگہ اضافت معنویہ کی وجہ سے (جو کہ مخاطبیت ہے) وقوع کا حکم کیا گیا ہے اب اس کے سوا کیا وجہ تطبیق ہوگی کہ جزئیہ اولیٰ کو دیانت پر حمل کیا جائے اور ثانیہ کو قضا پر ورنہ ایک کو خطا پر حمل کرنا ہوگا .

اس کے بعد خلاصہ ہی میں ہے فی الفتاویٰ فی المحيط (فی) دارالطلاق بنوی لعدم الاضافة وقیل یقع بغیر نیۃ وهو الاشبه اہ (ص مذکور) اس میں بھی میرے نزدیک قول اول دیانت پر اور ثانی قضا پر محمول ہے کیونکہ دارالطلاق میں واقعی اضافت لفظیہ نہیں جس سے یہ مطلب صریح حاصل ہو کہ اپنے اور طلاق سمجھے لیکن اضافت معنویہ کی وجہ سے اشبه یہ ہے کہ قضا بلانیت کے طلاق پڑ جائے . اسی طرح خلاصہ (ص ۱۳۰ ج ۲) میں ہے رجل قال لامرأۃ ہزار طلاق اگر فلان کارکنی و اراد بہ التعلیق لا یتعلق الطلاق بذلك الفعل ولو قال اگر فلان کارکنی ہزار طلاق یتعلق کذا قال صاحب المحيط ومن المتأخرین من قال یتعلق فی الوجهین لان طریق الصحۃ عند تقدیم الشرط ادراج الخطاب وهذا قائم عند تاخیر الشرط اہ قلت فقد اجمعوا ای صاحب المحيط والمتأخرون علی وجود الاضافة فی صورتہ تقدیم الشرط وان معنی قولہ اگر فلان کارکنی ہزار طلاق ای تو ہزار طلاق و اختلفوا فی صورتہ التأخیر لان الخطاب لہ یوجد الا بعد قولہ ہزار طلاق فانہم .

اسی طرح خلاصہ میں ہے فی نظم النہد ویسی لوقال لامرأۃ فی حالۃ الغضب دورفتہ است و رفت وقد کان طلقها قبل هذا تطليقتين ولانیت لہ لا یقع الثالث (ص ۲۶ ج ۲) اور ظاہر ہے

کہ قیود فقہیہ احترازی ہوتی ہیں پس دلالت لہ کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر نیت ہو تو دو
رفتہ است و نہ رفت سے تین طلاق پڑ جائیں گی حالانکہ یہاں اضافت لفظیہ نہیں۔ اور اس
مسئلہ میں نیت کی قید اس وجہ سے نہیں ہے کہ اضافت لفظیہ کے فقدان میں قضاء نیت کی ضرورت
ہے بلکہ یہ قید اس وجہ سے ہے کہ لفظ دو و نہ دو طلاق و نہ طلاق کے معنی میں صریح نہیں بلکہ
کنایہ ہے اور کنایہ بھی وہ جس میں بہر حال نیت کی ضرورت ہے جیسے انت واحدا۔ پس اگر
وضوح مسئلہ لفظ دو و نہ سے نہ ہوتی بلکہ دو طلاق رفت و نہ طلاق رفت ہوتا تو نیت کی کچھ
ضرورت نہ ہوتی اگرچہ بھی نیت کی ضرورت ہوتی تو دو و نہ کے ساتھ وضوح مسئلہ لغو ہوگی
اور ظاہر ہے کہ دو طلاق رفت و نہ طلاق رفت میں بھی اضافت لفظیہ نہیں ہے۔

پس اس اختلاف کو دیکھ کر میں سمجھتا ہوں کہ اگر تو زن من سے طلاق میں جو اضافت لفظیہ
کے نہ ہونے سے حکم عدم وقوع دیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دیانہ وقوع نہ ہوگا جبکہ زوج ارادہ
طلاق مخاطبہ کا انکار کرے اور قضاء واقع ہو کیونکہ اضافت معنویہ مخاطبہ موجود ہے جس کی
بنا پر نیک طلاق میں حکم وقوع دیا گیا ہے۔

اور اگر یوں کہے اگر فلان کا کہنی بیک طلاق فعلت طلقت معناه بیک طلاق ہستی
خلاصہ (ص ۲۷۹۸) اس میں قضاء و دیانہ ہر طرح طلاق واقع ہے کیونکہ اضافت معنویہ کے
ساتھ اضافت لفظیہ بھی موجود ہے (الاقضاء حرف الیاء متعلقاً محذوفاً و ہستی و
المقتضی کا لفظ)۔

علاوہ ازیں اشکال ثانی کے جواب میں جو وجوہ مذکور ہیں وہ بھی اسی کو مقتضی ہیں کہ
جس کلام میں اضافت لفظیہ نہ ہو اور معنویہ موجود ہو وہاں قضاء وقوع طلاق ہوگا گو دیانہ

عہ و ذوقا کان طلقھا کی قید کا کیا نفع ہے۔

عہ سئل العلامة عبد الحمی اللکنوی عن رجل قال لامأته المدخول بها بلفظ واحد
طلاق ست طلاق ست طلاق ست پس ازد پرسیدہ شد کہ چند طلاق دادی اور جواب گفت کہ من صرف
ورتائید یک طلاق باقی الفاظ را ادا کرده ام فاجاب بوقوع الطلقات الثلث قضاء وان القاضی
لا یقبل ارادته التکید وان دین (ص ۲۷۸۷ مع الخلاصہ) ۱۲ منہ

نیت زوج معتبر ہو۔

رہا یہ کہ خانہ وغیرہ میں لا تطلق مطلق ہو اس کا مقید کرنا صحیح نہیں کیونکہ فقہاء موقع تفسیر
میں اطلاق نہیں کیا کرتے۔ تو یہ اشکال اس لئے مسلم نہیں کہ حزیات فقہیہ میں غور کرنے سے ایسی
نظائر بہت ملیں گی کہ فقہاء نے مقام تفسیر میں اطلاق کیا ہے۔ چنانچہ جواب سابق میں شامی سے
جو برہان محیط کا جزئیہ نقل کیا گیا ہے رجل دعته جماعة الى شرب الخماء اس میں
طلقت مطلق ہے جس کو شامی نے قضاء سے مقید کیا ہے لان المراد طلقت قضاء الخ و
نظائر کثیرہ کمالاً یخفی۔

اب رہا دوسرا اشکال کہ لو قال امراة طالق او قال طلقت امراة ثلاثا
وقال لدا عن امراة انی یصدق اھ سے منہوم ہوتا ہے کہ عدم اضافت لفظیہ کی صورت
میں قضاء و دیانہ ہر طرح تصدیق ہوگی اور جواب سابق میں تصدیق کو دیانہ سے
مقید کیا گیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک اس جزئیہ میں تو اگر زوج ارادہ طلاق زوجہ کا انکار کرے تو
قضاء و دیانہ ہر طرح تصدیق ہوگی لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جب اضافت لفظیہ نہ ہو
اور اضافت معنویہ ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ بات یہ ہے کہ امراة طالق او طلقت امراة
میں نفی ارادہ زوجہ معروفہ کی تصدیق قضاء اس لئے ہوتی ہے کہ دراصل حالاً اس کلام اضافت
نہ لفظی ہے نہ معنوی ہے بلکہ صرف ایک قرینہ خارجیہ سے یعنی عادت سے اضافت پیدا کی گئی ہے

وہو قولہ لان العادة ان من له امراة انما یحلف بطلاقها لا بطلاق
غیرھا بخلاف صورت مسئلہ کے کہ اس میں عورت کو مخاطب کر کے ایک طلاق و دو طلاق
کہا ہے گو لفظ تجھ کو وغیرہ نہیں مگر وہ سامنے موجود ہے اور اسی کو سنایا گیا ہے اور خطاب کا
قصد ہے اس لئے اضافت معنویہ بوجہ خطاب کے موجود ہے اب اگر ارادہ زوجہ مذکورہ کی
نفی کرے گا تو یہ قول قضاء قبول نہ ہوگا چنانچہ اگر سب سے امراة طالق و طلقت امراة

عہ کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک عورت کو طلاق یا ایک عورت کو میں نے طلاق دی جس میں ارادہ زوجہ
پر کوئی دلیل نہیں بلکہ اخبار عن الغیبر کا بھی احتمال ہے کیونکہ مرد و کالہ غیر مسکوحہ کو بھی طلاق

دے سکتا ہے ۱۲ منہ

یا امرأته طالق کہے تو اس کی زوجہ معروفہ قضاہ طلاق واقع ہو جائے گی اور اس کے ارادہ کی نفی معتبر نہ ہوگی گو صراحت یہاں بھی اضافت طلاق کی زوجہ معروفہ کی طرف نہیں کہ نہ اشارہ ہے نہ تسمیہ بلکہ اضافت اس عورت کی طرف ہے جو کہ اس کی زوجہ میں غیر معروفہ کا بھی احتمال ہے۔ مگر چونکہ زوجہ معروفہ ایک ہی ہے اس لئے معنی اضافت اس کی طرف ہے اور اس کی نفی لغو ہے قال فی البیحا لوقال امرأته طالق ولم یسمد له امرأة معروفة طلقت استحصاناً ولو قال لی امرأة اخرى وایاها عنیت لا یقبل إلا ان یقید البینة اه (ص ۲۵۲ ج ۳)۔
 راز یہ کہ عبارت بزازیہ قال لہا لا تخرجی من الدار الا باذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لا یقع لعدم ذکر حلفہ بطلاقہا۔ ویحتمل الحلف بطلاق غیرہا فان القول لہ اھ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ قضاہ اس کا قول معتبر ہے اگر وہ غیر کا ارادہ بیان کرے اور مخاطبہ کی نفی کرے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قضاہ یہ جب معتبر ہوگا جبکہ اس کے کوئی اور بیوی بھی مخاطبہ کے سوا ہو ورنہ نہیں قال ابن عابدین فی حاشیة البیحا ان قول البزازیة هنا لا یقع ای قضاء فیہ مخالفة لهذا (ای لہما فی القنیة عن المحيط رجل دعته جماعة الی شرب الخمر فقال انی حلفت بالطلاق انی لا اشرب وکان کاذباً فیہ ثم شرب طلقت اھ ای قضاء)۔
 ویمكن ان یوفی بینہما بان ما فی البزازیة محمول علی انشاء الحلف لا علی الاخبار وما فی القنیة علی الاخبار لقوله وکان کاذباً فیہ ولكن بعد هذا یرد علی ما فی القنیة ان قوله بالطلاق یمثل الحلف بطلاق امرأة اخرى الا ان یحمل علی انه لیس لہ امرأة اخرى غیرہا فیکون اخباراً عن طلاق مضاف الیہا وما فی البزازیة محمول علی ان لہ غیرہا والا لایصدق بدلیل ما یأتی عن الظہیریة من قوله لو قال امرأته طالق ولم یسمد له امرأة معروفة طلقت استحصاناً وان قال لی امرأة اخرى وایاها عنیت لا یقبل قوله الا ان یقید البینة اھ (ص ۲۵۲ ج ۳)۔
 بہر حال امرأۃ طالق وطلقت امرأۃ میں قضاہ اس کے قول کی تصدیق کا منشا غلو کلام

عہ یہاں تو مریخ اضافت موجود ہے۔

عن الاضافة محالاً ہے اور عبارت بزازیہ میں اگر لا یقع کو قضاہ پر محمول کیا جائے نہ کہ دیانت پر تو اس کا محمول یہ ہے کہ حالت کے چند بیویاں ہوں۔ اور اگر کسی کے صرف ایک بیوی ہو اور وہ اس کو لڑائی جھگڑے میں ایک طلاق و دو طلاق بدون اضافت لفظیہ کے کہے تو قضاہ نفی قصد مخاطبہ کی قبول نہ ہوگی کیونکہ اضافت معنویہ موجود ہے وہو الخطاب اور کوئی بیوی سوا مخاطبہ کے ہے نہیں تو پھر کیونکہ نفی کو مانا جائے فان القاضي انما یطیح الظاہر والله یتولی السرائر صحابہ فی مواضع شتی خلاصہ میں ہے سکن ان ھر ب منه امرأته فتبعها ولم یظف بہا فقال بالفارسیة سے طلاق ان قال عنیت امرأتی یقع اھ (ص ۲۶ ج ۳) اور ظاہر ہے کہ قیود فقہیہ بزاززیہ میں تو اس میں لم یظف بہا کی قید بتلاقی ہے کہ اگر وہ سے طلاق ایسی حالت غضب میں عورت کے سامنے کہے تو اس صورت میں قضاہ عنیت امرأتی کہنے کی ضرورت نہ ہوگی واللہ اعلم۔
 الرج ۱۵۴ ص۔

فذلک الکلام

بعد جوابات اشکالات کے اب اصل مسئلہ کے متعلق یہ عرض ہے کہ اس میں تو شک نہیں کہ باب طلاق میں دیانت کا مدار صحت معنی پر ہے اور قضاہ کا مدار تبادر معنی پر۔ گو اس سے دوسرے معنی لینا بھی صحیح ہوں لیکن جب وہ متبادر کے خلاف ہوں گے تو قضاہ قبول نہ ہونگے اور معنی متبادر ہی کو صریح کہا جاتا ہے قال فی الدرر وصریحہ ما لم یستعمل الا فیہ اھ قال الطحطاوی وقع نظیرہ لصاحب النضر حیث قال هو ما استعمل فی الطلاق دون غیرہ وھما قاضیان بان اللفظ لو استعمل فی غیر الطلاق ولونادراً یقدح فی صراحۃ فیہ مع انھما نصوا علی ان التریکی یستعمل ہذا اللفظ للطحال ولا یصدق قضاءً انہ ارادہ بل یحکم علیہ بالطلاق ان یقال ان المراد بالحصہ کثیراً الا استعمال فعلی ہذا لو قال صریحہ ما کثر استعمالہ فیہ لکان اولی اھ (ص ۱۷۷ ج ۱) قلت وکذا

صاحب البحر والفتح والشامية مثله۔ پس اب دیکھنا چاہئے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے لڑائی کی حالت میں ایک طلاق دو طلاق کہے یا فارسی میں ارتوزن منی سے طلاق کہے تو اس سے متبادر ہی ہے کہ تجکو ایک طلاق دو طلاق اور ارتوزن منی سے طلاق ہستی اور اس کا خلاف کچھ متبادر نہیں گو لغتہ صحیح ہو سکتا ہے جیسا کہ صاحب بزازیہ نے کہا ہے کہ لا تخرجی الا باذنی فانی حلفت بالطلاق میں کسی دوسری عورت کی طلاق کا بھی احتمال ہے مگر یہ احتمال ایسا ہی ہے جیسا انت طالق میں طلاق عن الوقاق وعن القید کا احتمال اور یا طالق میں سبب و تم کا احتمال کہ قضاء مسموع ہوگا گوریانہ بوجہ صحت معنی کے مسموع ہو جائے پس سو اس صورت کے جو شامی نے بیان کی ہے کہ بزازیہ کے قول کو اس پر محمول کیا جائے کہ مرد کی دوسری بیوی بھی مرد ہو اور کوئی وجہ اس کلام کی صحت کی نہیں اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ بیوی کو خطاب کر کے ایک طلاق دو طلاق کہنا اور ارتوزن منی سے طلاق کہنا اس سے متبادر یہ ہے کہ ارتوزن منی سے طلاق ہستی، تو اب اس میں عدم وقوع کا مطلق حکم کیونکر صحیح ہو سکتا ہے بلکہ ان کو دیانت پر حمل کرنا لازم ہوا لیس قال الصریح انت طالق واذالہ یکن لفظ انت مذکوراً لا یبقی صریحاً فکیف یحکمہ بالوقوع قضاء اذا انکر ارادة المخاطبة به قلت لفظ انت لا دخل له فی الصراحة ویبقی الکلام صریحاً بدونه اذا کان معنی الخطاب متبادراً قال ابن عابدین فی حاشیة البحر الصریح ما یدل علیہ مادة ط ل ق ک طالق وطلاق وتطریق ونحوه فقولہ انت طالق صریح ولا مدخل لقولہ انت فی صراحة (من ۲۶۱ ج ۱۳) ولعل الکلام فی البیحت عن المسئلة قد تم وعمد الحمد لله علی ما علموا فہم۔

۱۱ ج ۱۲۵

حضرت شیخ نے اس تحریر کو ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ میرے نزدیک فقہاء کی عبارت مطلقہ درباب عدم وقوع بسبب عدم اظہار دیانت پر محمول کرنا تعقیب اطلاق ہے کیونکہ لا یقع میں نکرہ تحت نفی ہے جو عام ہے اس کو بلا دلیل خاص نہیں کر سکتے ہاں یقع نکرہ تحت الاثبات ہی جو عموم میں نہیں اس لئے بہتر ہے کہ اس کو عدم وجود قرآن پر محمول کیا جائے اور عبارت مفیدہ کو قرآن پر مسمانی الجواب قلت والیہ یسئل قلبی لکن فی النفس بعد شیء ولعل اللہ یجوز بعد ذلك امرنا

۲۷

طلاق میں عورت کے قول کا اعتبار (سوال) بیان زوجہ کا: زوجہ و شوہر دونوں جیکہ میاں بیوی میں اختلاف ہو ایک جگہ اس طرح ہے کہ زوجہ دالان کے اندر تھی اور شوہر سامان میں تھا، اور دالان میں تین دروازے تھے جس میں سے دو دروازے بند تھے اور صرف ایک دروازہ کھلا تھا، میں نے دالان کے اندر سے سنا کہ شوہر نے مجھ کو کہا کہ "میں نے تم کو طلاق دیا" مجھے اٹکل سے معلوم ہوا کہ یہ الفاظ تین دفعہ کہا تھا میں نے لفظ "نہ" نہیں سنا تھا فقط۔

بیان شوہر کا: میں نے اپنی چھوٹی بہن کو بھیجا کہ جا کر اپنی بھانجی کو بلا لاؤ چنانچہ وہ گئی اور واپس آکر کہا کہ نماز پڑھ کر آؤں گی، میں نے کہا اچھا۔ وہ تھوڑی دیر کے بعد آئیں اور کہا کہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ نیند معلوم ہوتی ہو سونے دو۔ چند منٹ گفتگو ہوتی ہی میں آنکھ بند کر کے پڑا رہا کہ وہ اندر مکان کے گئیں میں نے کہا کہ کہاں جاتی ہو جواب ملا کہ آتی ہوں۔ میں نے کہا اچھا۔ وہ اندر سے کہنے لگیں کہ طلاق کا لفظ کیسا کہا ہے؟ میں نے فوراً جواب دیا کہ طلاق کیسا میں نے نام بھی نہیں لیا ہے، انہوں نے کہا کہ شاید سنتے ہیں فرق ہو گیا ہو، میں خاموش تھا، انہوں نے کہا کہ جانتے ہو طلاق کیسے دیا جاتا ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں، کہا کہ اس طرح دیا جاتا ہے "میں نے تم کو طلاق دیا" میں نے کہا ہوں کہا کہ کہو، اس وقت میں نے کہا کہ ہم نے تم کو طلاق نہ دیا، انہوں نے کہا کہ نہ کا لفظ نہیں کہا جاتا ہے، میں نے کہا کہ ہاں نہ کا لفظ میں نے بہت زور سے نہیں کہا ہے میں سامان میں تھا اور وہ دالان میں تھیں میں نے پھر کہا کہ طلاق وغیرہ کا نام میں نے نہیں لیا جو اس کا خیال مت کرنا تب انہوں نے کہا کہ ہاں ہمارے سنتے میں فرق پڑ گیا ہوگا فقط۔

استفتاء: زوجہ و شوہر کا بیان اوپر لکھا گیا ہے گواہ دونوں میں کسی کے پاس نہیں ہیں عرصہ دس بارہ سال کا ہوا کہ یہ واقعہ ہوا تھا اس وقت سے دونوں علیحدہ رہے اور پردہ رہا اب زوجہ و شوہر دونوں راضی ہیں اور دریافت کرتے ہیں کہ اگر شرع شریف اجازت دے تو آپس میں میل کر لیں کیا حکم علماء کا ہے احکام شرع سے آگاہ فرمادیں! اجر عظیم اللہ تعالیٰ سے پاویں گے فقط۔

الجواب: صورت مسئلہ میں اگر زوجہ کو خوب پختگی سے یہ یاد ہے کہ شوہر

نے (میں نے تم کو طلاق دیا) تین بار کہا تھا تو اب اس کو اس شوہر کے پاس رہنا جائز نہیں اور بدون حلالہ کے دوسرا نکاح بھی اس سے نہیں کر سکتی اور اگر تین بار کے سنتے میں شک ہو یعنی تین دفعہ لفظ مذکور کہنے کا ایسا یقین نہیں کہ اس پر حلف کر سکے تو وہ بدون حلالہ کے تجدید نکاح کر کے اس شخص کے پاس رہ سکتی ہے گویا شوہر کے مطابق تجدید نکاح کی بھی ضرورت نہیں تھی مگر جب عورت کو طلاق کا لفظ بدون لفظ "نہ" کے مسموع ہوا ہے تو اس کو بدون تجدید نکاح کے اس کے پاس رہنا اس وقت بھی جائز نہیں جبکہ تین بار میں شک ہو لائن المرأۃ کالقاضی فلا تو امر الا بعلمها و سماعها و لمن و م التحدید لمضی العدة و الا فالطلاق وقع رجعیاً لواقف من الثلث ، و الله اعلم۔

۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۳ھ

کابین نامہ میں لکھ دیا کہ دوسرا عقد کروں تو اس پر ایک دو تین طلاق ہو جائیگی۔ اس مسئلہ نامہ کی خلاف ورزی پر زوجہ تازہ پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں، باپ کے پاس بھیج دیا تاکہ نکاح کا پیغام کریں اور بات چیت ٹھیک کریں مگر لڑکی کے باپ کے پاس گئے اور نکاح کی درخواست کی۔ لڑکی کے باپ نکاح دینے پر راضی ہوا لیکن یہ بات کہا کہ کابین نامہ نکاح کا قبل عقد نکاح کے رجسٹری کر دینا ہوگا۔ اور کابین نامہ کے شرائط میں اپنی مرضی کے موافق لکھاؤں گا دوسری کوئی کابین پر حوالہ دہرات نہیں۔ اگر یہ بات منظور ہو تو میں اپنی لڑکی اسے نکاح دے سکتا ہوں، مگر اس بات پر راضی ہو گئے اور جا کر نکاح کو آگاہ کیا ناکچ نے کابین نامہ لکھوانے کے واسطے کاغذ نوکر کے لڑکی کے باپ کے پاس بھیج دیا اور کاتب کی اجرت بھی ایک پیسہ بھیج دیا۔ پس لڑکی کے باپ نے کابین نامہ لکھوایا اور ناکچ کے پاس بھیجا اور ایک شخص نے کابین نامہ مرقومہ ناکچ کو پڑھ کر سنایا۔ پس ناکچ نے کابین نامہ سن کر اور شرائط و مضامین سے آگاہ ہو کر کابین نامہ پر اپنی دستخط کر کے رجسٹرار کے پاس لے گیا اور اپنا پیغام لے نشان انگوٹھا۔

چسپا کئے پھر دستخط کر کے اپنی طرف سے فیس دے کے کابین نامہ کو رجسٹری کر دیا۔ بعد اس کے اس لڑکی سے عقد نکاح ہو گیا۔ واضح ہے کہ کابین نامہ مذکورہ میں یہ شرط بھی لکھی تھی کہ (آپ کی اور آپ کے ولی وارث کی بلا اجازت اور آپ کے مہرانے کا کل روپیہ نقد ادا کر کے پشت کابین نامہ ہذا پر وصول لکھو اپنے کے بغیر اگر کوئی غیر عورت سے نکاح کرے تو وہ عورت اسی وقت ایک دو تین طلاق ہو جائے گی) اب اس شخص نے اس بیوی کے اوپر ایک دوسری عورت سے نکاح کر لیا اور اس کے ساتھ بود و باش کرنے لگا۔ نہ بی بی سے اجازت لی اور نہ بی بی کے ولی وارث سے پوچھا۔ اور نہ نقد مہرانہ ادا کر کے پشت کابین نامہ پر وصول لکھو دیا۔ پس اس صورت میں اس کی دوسری عورت مطلقہ رہے طلاق ہو گئی یا نہیں۔ اور اس عورت کے ساتھ خلوت، صحبت کرنا زنا میں محسوب ہوگا یا نہیں اور وہ شخص اس وقت یہ عذر پیش کرتا ہے کہ یہ کابین نامہ میں نے رجسٹری کر دیا سو صحیح ہے اور دستخط و تمام بھی میرا ہی ہے لیکن میں نے قبل عقد نکاح کے کابین نامہ دیا۔ اور میں نے زبانی اقرار نہیں کیا۔ اور نہ کسی کو اپنے اقرار پر گواہ رکھا۔ اور نہ کسی کو لکھنے کے واسطے حکم دیا۔ پس اس صورت میں اس کا یہ سب عذر سنا جائے گا یا نہیں۔ اور کابین نامہ قبل عقد نکاح کے ہونا شرط مذکورہ کو مضر ہے یا نہیں۔ اور رجسٹری کردہ کابین نامہ مثل اقرار امی باللسان کردہ خط کے ہے یا نہیں۔ اور رجسٹری سے اقرار خط کا ثابت ہوتا ہے یا نہیں اور رجسٹری کردہ خط کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جبروا۔

الجواب؛ صورت مذکورہ میں دوسری عورت پر نکاح کرتے ہی تین طلاق واقع ہو گئیں اور اس سے ولی و خلوت سب داخل زنا ہے الا انہا لو اتت منه باولاد بھذا الوطی لا تکون اولاد الزنا و مسلوبۃ النسب بل تعدی ولد الحلال لکونہ وطیاً بشبہة۔ اور شخص مذکور کے جملہ اقرار لغویں جب ناکچ نے کابین نامہ خود خرید کر بھیجا اور لڑکی کے باپ کو اختیار دیا کہ جو چاہو لکھو اور نہ اپنی زوجہ کو خطاب کرتا ہو۔

اور خود اجرت کتابت دی اور اس کو سن لیا اور شرائط و مضامین سے آگاہ ہو کر اس پر دستخط کر دے اور اس کو جو رجسٹری کر لیا اور اب بھی اقرار ہے کہ یہ دستخط وغیرہ سب میرے ہیں تو یہ بمنزلہ قول باللسان کہے قال فی الشامیة ولو استکتب من آخر کتابا بطلانها وقرأه علی الزوج وخطمه وخطونه وبعث به الیہا فاتاها وقع (الطلاق) ان اقتر الزوج انه کتابه اه (ص ۴۰۲ ج ۲) واللہ اعلم۔

۲۲ رجب ۱۳۲۳ھ

تمہر جواب : اقول وباللہ التوفیق۔ صورت مسئلہ میں چونکہ کاہن نامہ قبل نکاح لکھا گیا ہے اس لئے اس میں چند صورتیں ہیں ایک یہ کہ یوں لکھا ہو کہ اگر میں تجھ سے نکاح کر لوں پھر تیری یا تیرے ولی کی اجازت کے بغیر اور مہر وغیرہ ادا کئے بغیر کسی عورت سے نکاح کر دوں تو اس کو طلاق، اس صورت میں تو جب عورت مخطوبہ سے نکاح کر کے کسی عورت سے اس کی یا ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے گا تو منکوحہ ثانیہ پر طلاق پڑ جائے گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یوں لکھا جائے کہ جب تک تو میرے نکاح میں رہے پھر میں تیری یا تیرے ولی کی اجازت کے بغیر اور بدون مہر کل ادا کئے کسی سے نکاح کر دوں انہ اس صورت میں منکوحہ ثانیہ پر طلاق واقع نہیں ہوگا قال فی العالمگیریة قال لاجنبیة مادمت فی نکاحی فکل امرأة اتزوجها فہی طالق ثم زوجھا فتزوج علیہا امرأة لا یقع ولو قال ان تزوجتک فما دمت فی نکاحی فکل امرأة اتزوجھا علیہا والمسألة بحالہا یقع کذا فی الوجیز للکمر دری (ص ۱۰۱ ج ۲) قال سیدی حکید الامۃ: والفرق بینہما ان فی الاول علق طلاق الثانیة علی بقاء نکاح الاولی والبقاء لا یتصور بدون الحدوث فلا یصح تعلیق شیء علی بقاء النکاح اذا کان الخطاب مع الاجنبیة فیلغوا الکلام ولا یقع بہ علی الثانیة شیء۔ وفي المسئلة الثانیة علق الطلاق علی انشاء النکاح بالمخاطبة ویصح انشاء النکاح بکل اجنبیة فیصح التعلیق واذا تزوج علیہا اخری طلقت اه پس صورت مسئلہ کا جو جواب دیا گیا ہے وہ اس بنا پر ہے کہ اس کاہن نامہ کی عبارت کاملہ سے تعلیق طلاق منکوحہ ثانیہ

علی انشاء النکاح بالاولی ہو اور اگر تعلیق انشاء النکاح بالاولی پر نہیں ہے بلکہ اس کے نکاح کے بقا پر طلاق ثانیہ کو معلق کیا ہے تو وقوع طلاق نہ ہوگا چونکہ عبارت کاہن نامہ مختصر تھی اور وہ کسی ایک مراد میں نص نہ تھی اس لئے تردد ہو گیا آپ ان لوگوں کے محاورات و طرز کتابت سے واقف ہیں جس صورت میں داخل سمجھیں اس کا حکم لگائیں۔ ۲۰ رجب ۱۳۲۳ھ۔

مجھ کو تمہاری لڑکی کی ضرورت نہیں انہ | (سوال) (۱) زین نے اپنی لڑکی کی شادی عمر سے کے الفاظ سے طلاق نہیں ہوتی | کمر دی (۲) عرصہ ڈیڑھ سال کا ہو گیا عمرو نے

لے جانے سے انکار کر دیا (۳) اگر اس سے طلاق کے واسطے کہا گیا تو کچھ جواب نہیں دیا (۴) کچھ عرصہ کے بعد اس نے ایک خط لکھا جو کہ میرے پاس موجود ہے اور اس میں لکھتا ہے کہ یا تو ۸ یوم کے اندر میری بیوی کو روانہ کر دو ورنہ میری تمہاری رشتہ داری نہیں ہے اور نہ مجھ کو تمہاری لڑکی کی ضرورت مگر رد و فقرے یہ لکھتا ہے کہ مجھ کو ضرورت نہیں چاہئے تم کچھ کر دو میں بڑا نیک ہوں اور شادی کر لوں گا۔

(۵) بندہ بہت غریب آدمی ہے خود نان و نفقہ کو محتاج ہے تو کیا میں دوسرا نکاح لڑکی کا کر سکتا ہوں؟

(۶) مگر فقرہ جو اس نے لکھا ہے وہ یہ ہے کہ میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ تمہاری لڑکی کی مجھ کو کچھ ضرورت نہیں ہے۔

الجواب : عمرو نے جو لکھا ہے کہ مجھ کو تمہاری لڑکی کی ضرورت نہیں ہے اس لفظ سے طلاق نہیں ہوتی کما فی فتاویٰ قاضی خاں (ص ۲۱۴ جلد ۲) ولو قال لا حاجة لی فیک ونوی الطلاق لا یقع اه دھکن فی العالمگیریة ص ۱۰۱ الجواب صحیح فخر احمد عفا عنہ۔

عبد الکریم عفی عنہ۔ (سوال) اگر کوئی شخص پرچہ پر لکھے یا اور کسی شخص کو خطاب کر کے کہے کہ من اذا مروا تازنگی نزد تو کلامی دروغ نخواستہم گفت۔ اگر گئے نزد تو کلام دروغ گویم تا بعد نکاح زوجہ ام سے طلاق خواہد شد۔ اگر گئے نزد تو کلام دروغ گویم تا بعد نکاح۔ زوجہ ام سے طلاق بائن خواہد شد بعد دو ماہ چند ماہ نکاح کنم۔ ہر زوجہ ام را آکتون طلاق بائنہ دائم بعد دو ماہ اگر وقتے نزد تو دروغ گویم۔ صحیح یہی عبارت کہا اور لکھا اور کاتب و قائل

یہ کلام قبل نکاح و بعد نکاح بارہا ساتھ مخاطب مذکور کے جھوٹ بات کہا تو کیا زوجہ پر قائل و کاتب کی طلاق ہوگی؟ اور اگر مطلقہ ہو جائے تو جتنے نکاح کرے گا تو سب عورت مطلقہ ہو جائے گی یا نہ اور اگر سب عورت مطلقہ ہو جائے تو کیا وہ شخص تمام عمر بے زن رہے گا یا واسطے قائم رہنے نکاح کے کوئی صورت ہو سکتا ہے اور اگر ہو سکے تو وہ صورت کیا از روئے مہربانی جواب سے مشکور و ممنون فرمادیں۔

الجواب: صورت مسئلہ میں تامل کے کلام میں دو جملے ہیں ایک "اگر گئے نزد تو کلام دروغ گویم تا بعد نکاح زوجہ ام سے طلاق بائن خواہ شد بعد دو ماہ" یہ تو تعلق ہی اس کا حکم یہ ہے کہ اگر قائل نے مخاب سے کلام دروغ قبل از نکاح کر لیا اور پیچھے نکاح کیا اور نکاح کے بعد دروغ نہیں کیا تو منکوحہ پر طلاق واقع نہوگی اور اگر نکاح پہلے کیا اور کلام دروغ بعد میں کیا تو منکوحہ اولیٰ پر طلاق ثلث واقع ہو جائے گی بعد دو ماہ کے، اور اس کے بعد تعلق ختم ہو جائے گی۔ دوسری بیوی پر دروغ سے طلاق واقع نہوگی قال فی الشامیة قال کل امرأة اتزوجها فہی طالق ان کلمت فلانا فکلمت تم تزوج لا یقع الطلاق علیہا وان کلمت تم تزوج ثم کلمت فلانا فکلمت بعد کلام الاول خانیه (ص ۸۱۳ ج ۲) وفي الدرر الکلمات الشرط ان واذا اذ اما دکل و کلمت و متی و متی ما۔ و فیہا تنحل الیمین اذا وجد الشرط مرة الا فی کلمات قلت و لفظ گئے فی الفارسیة بمعنی متی و الله اعلم۔ اور جملہ ثانیہ میں تعلق نہیں ہے بلکہ انہوں نے طلاق و آدم انشاء حال پر دال ہے اس سے کسی منکوحہ بعد کلام پر طلاق کا وقوع نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔ نظر امجد

اگر تو اپنے باپ سے ملے گی یا اپنے باپ کے گھر جائیگی (سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان تو تجھ پر طلاق اور عورت باپ کے مرنے کے بعد باپ کے گھر گئی تو طلاق نہیں ہوگی نے اپنی عورت سے کہا کہ اگر تو اپنے باپ سے ملے گی یا اپنے باپ کے گھر جاوے گی تو تجھ پر طلاق ہے آپ صحیح کتب معتبرہ و عبارت عربی ارسال فرمادیں کہ آیا اس کا نکاح فاسد ہو گیا یا کہ نہیں جیکہ اپنے باپ کے گھر بعد اپنے باپ کے انتقال کے گئی، بینوا تو حبروا۔

الجواب: بظاہر شوہر کے ان الفاظ سے "کہ اگر تو اپنے باپ کے گھر جاوے گی انہ"

ذہی مراد ہے جو پہلے جملہ سے مراد ہے یعنی باپ سے گھر جا کر ملنا اس لئے بعد انتقال کے اگر یہ عورت اس کے گھر گئی تو طلاق واقع نہوگی اور اگر اس جملہ سے مستقلاً باپ کے گھر سے روکنا مراد ہے جب بھی طلاق واقع نہوگی کیونکہ گھر کو باپ کی طرف مضاف کیا گیا ہے اور موت سے یہ اضافت منقطع ہو گئی قال فی الشامیة لومات مالک الدار (فیما اذا حلفت لا یدخل دار زید) فدخل لا یحنت لانفعالها للورثة ولو کان علیہ دین مستغرق قال محمد بن مسلمة یحنت و قال ابو اللیث لا وعلیہ الفتوی لانہا وان لم یملکها الورثة و یقیت علی حدم ملک المیت و لکن لم تکن مملوكة له من کل وجه اھ (ص ۱۲۸ ج ۳) واللہ اعلم۔

ربیع الاول ۱۳۲۵ھ۔
اگر تو چاند جیسی حسینہ نہیں تو تجھ پر تین طلاق (سوال) ایک شخص نے اپنی زوجہ کو کہا کہ اگر تو کہنے سے بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی چاند جیسی حسینہ نہیں تو تجھ پر تین طلاق ہیں اب ایک مولوی صاحب نے کہا ہے کہ اس پر طلاق نہیں واقع ہوئی کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ہم نے جنس انسان کو اچھی صورت میں پیدا کیا ہے، تو اگر عورت جیسی بھی قبیحہ المنظر ہو وہ چاند سے خوبصورت ہے۔ اور ایک مولوی صاحب نے فرمایا ہے کہ طلاق واقع ہو جاتی ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے جعل الشمس ضیاء و القمر نوراً تو گویا قمر نورانی چیز ہے اور عورت چاند جیسی منورہ نہیں اس واسطے طلاق واقع ہو گئی۔ تحریر فرمادے کہ کس کی دلیل قوی ہے؟

الجواب: الضوء والنور ما یفرق البصر الحسن و الجمال ما یمیل بالقلب و یجلبہ الیہ عرفنا صورت مذکورہ میں ہمارے نزدیک طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ گو چاند کا عورت سے نور ہونا یقینی ہے مگر احسن ہونا یقینی نہیں کیونکہ حسن کا مدار صرف نور پر نہیں بلکہ اور بہت سی ادواں کو بھی اس میں دخل ہے قال الشاعر
ففیك من الشمس المنيرة ضوءها ؛ وليس لها منك التسمم والتخمر
وقال آخره

خوبی ہمیں کرشمہ ناز و خرام نیست ؛ بسیار شیوہ ہست ہاں را کہ نام نیست
اس لئے چاند کا اس عورت سے احسن ہونا مشکوک ہو گیا و لا یقع الطلاق بالشک

قلت ثم ظفرت بجزئية صريحة في الباب ذكر العلامة المحدث
ابوبكر بن العربي في احكام القرآن له في تفسير سورة التين وقد اخبرنا
المبارك بن عبد الجبار الازدري اخبرنا القاضي ابوقاسم علي بن ابي علي لقا
المحسن عن ابيه يوماً كان عيسى بن موسى الهاشمي يحب زوجته حباً
شديداً فقال لها يوماً انت طالق ثلاثاً ان لم تكوفي احسن من القمر
فنهضت واحتجبت عنه وقالت طلقني ويات بليلة عظيمة ولما اصبح
غداً الى دار المنصور فاخبره الخبر وقال يا امير المؤمنين ان تم علي
طلاقها تصلفت نفسي غماً وكان الموت احب الي من الحياة واظهر
للمنصور جزعاً عظيماً فاستحضر الفقهاء واستفتاهم فقال جميع من حضر
قد طلقت الارجل واحداً من اصحاب ابي حنيفة فانه كان ساكتاً فقال له
المنصور مالك لا تتكلم فقال له الرجل بسم الله الرحمن الرحيم
والتين والزيتون وطور سينين وهذا البلد الامين لقد خلقنا
الانسان في احسن تقويم يا امير المؤمنين الانسان احسن الاشياء ولا
شيء احسن منه فقال المنصور لعيسى بن موسى الامر كما قال فاقبل علي
زوجتك فارسل ابو جعفر المنصور اليه : حته ان اطيع زوجك ولا تعصيه
فما طلقك فهذا ايداع علي ان الانسان احسن خلق الله باطناً وهو
احسن خلق الله ظاهراً جمال هيئته وبيدع تركيب الرأس بما فيه و
الصدر ما جمعه والبطن بما حواه . الفرج وما طواه واليدان وما
بطناه والرجلان وما احتملاه . فقلت الفلاسفة انه العالم
الا صغر اذ كل ما في المخلوق استجمع فيه هذا على الجملة وكيف
على التفصيل يتناسب المحاسن فهو احسن من الشمس والقمر بالمعنيين
جميعاً (ص ۳۱۳ ج ۲) - ۲ رمضان المبارک ۱۲۳۵ھ

بطور وظیفہ صیغہ طلاق کہنے سے ایک مولوی صاحب نے ایک جاہل کو تعلیم دی کہ تو کہا کہ
قتلاً طلاق ہو جاتی ہے کہ یا امرأتی انت طالق ثلاثاً تو تمہارا نتیجہ کو بہت
سامان سے گا اب وہ گھر بیٹھ کر یہ وظیفہ اپنی عورت کو سناتا رہا اور عورت بھی

خوب توجہ سے سنتی رہی آیا طلاق اس عورت پر واقع ہوگئی یا نہ جواب دلیل سے تحریر فرمائیے
الجواب : اس جاہل کی بیوی پر دینا نہ اس وظیفہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی
اور قضاء واقع ہوگئی پس مرد کو تو اس عورت سے استمتاع جائز ہے لیکن عورت کو
اگر یہ معلوم ہو جائے کہ مرد نے میرے پاس جو وظیفہ پڑھا تھا اس کے معنی طلاق کے ہیں تو
اس کو اس مرد کے پاس رہنا جائز نہیں وہ اپنے کو مطلق ہی سمجھے اور اگر اسے معلوم نہیں
ہو تو اس کو بستلانا ضروری نہیں قال فی الشامیة قالت لزوجها اقرا علی
اعتدی انت طالق ثلاثاً ففعل طلقت ثلاثاً فی القضاء لافیما بینہ و
بین اللہ اذالمینوا الزوج ولم یعلم بمعناه ۱۵ (ص ۹۹۸ ج ۲) ۳۰ ریح الاول
حکم طلاق بازل (سوال) زید کو دو زوجہ ہے ثانیہ کو طلاق دینے کے واسطے دو ایک
بار لوگوں کو بلایا لیکن طلاق نہیں دی بعد چند روز ایک آدمی نے ان سے پوچھا کہ میں نے
سنا کہ تم عورت ثانیہ کو چھوڑ دی زید بولا ہاں چھوڑی بعد اس کے پوچھا کتنے طلاق دی
وہ بولا تین طلاق اس وقت دو مرد اور دو عورت نے اس اقرار کو سنا۔ اس وقت
انہوں سے دوسرے شخص نے پوچھا کہ یکبارگی صاف کر دی زید بولا ہاں یکبارگی صاف
گواہوں سے ایک آدمی کہا کہ تمہاری عورت مطلقہ ثلاثہ ہوگئی زید بولا نہیں ایسا
ہی طلاق سے ہرگز طلاق نہ ہوگی۔ زید جاہل ہے مسئلہ طلاق نہیں جانتا لیکن وہ بولتا
ہے کہ میں حقیقت میں طلاق نہیں دی سائلوں کا جواب کہا۔ اور زید دعویٰ کذب اور
ہزل کا کرتا ہے لیکن اس میں گواہ نہیں یعنی اقرار کذب کا اور ہزل کا گواہ نہیں۔ جیسا کہ
کتب فقہ میں الا اذا شهد قبل ذلك لكها هو مكراس قدر جو اوپر گذرا یعنی دو
ایک دفعہ دونوں کو طلاق دینے کے واسطے بلائیں طلاق نہیں دی لیکن انہوں کو خبر
کذب کا گواہ نہیں بنائیں، اب وہ لوگ خبر کذب اور ہزل کا گواہ ہو سکتے ہیں یا نہیں؟
ایک مولوی صاحب نے اس حادثہ میں حکم تین طلاق قضاء کیا ہے نہ دینا نہ اور دلیل ان کا یہی
شامی کتاب الطلاق لو اقرباً بالطلاق كاذباً الى قوله وقع قضاءً چونکہ قبل حکم
ایسا گواہ نہیں بنایا کہ تم لوگ گواہ رہو کہ میں اقرار کذب اور ہزل کا کروں گا فی الواقع
طلاق نہیں دوں گا۔ اگر کوئی ایک عورت قضاء تین طلاق ہو جائے تو اس عورت سے بدو
تفریق کے اپنے شوہر کے ساتھ میاں بیوی جیسا برتاؤ کرنا جائز ہے اس حادثہ میں دوسرے

مولوی صاحب دیانہ اور قضاء عدم وقوع طلاق کا کیا اور بدون تفریق کے زید کے ساتھ برتاؤ کا حکم دیا چونکہ عند اللہ طلاق نہیں اور دلیل ان کا یہ ہے درمختار مع رد المختار قولہ اور ہازلا کی تفسیر میں علامہ شامی نے دلیل خانیہ اور تلویح سے استدلال کیا اور زید جو لوگوں کو طلاق دینے کے واسطے لایا لیکن انہوں نے سامنے طلاق ندی اس کو منزلہ میں شہادت خیر کاذب اور ہزل کا گردانتا ہی اگرچہ زید ویسا نہیں کہتا۔ مولینا تھانوی صاحب نے ایک فتویٰ وقوع قضاء و عدم وقوع دیا جسے تتمہ جلد ثانی کتاب الطلاق میں لکھا ہے وہاں بھی خانیہ اور تلویح کی عبارت سے دلیل پیش کی اس کی کیا توجیہ ہے؟ زید نے دوسری مجلس میں بھی مذکورہ گواہوں کے سوائے اور رد آدمی کے پاس اقرار بالاکیا پوچھا گیا کہ عورت کو چھوڑ دی؟ زید نے بولا ہاں چھوڑ دی کتنے طلاق دی بولا تین طلاق اور بالکل صاف کر دیا۔ فقط۔

الجواب: فقہار نے تصریح کی ہر المرأة كالتقاضى فلا يحل لها ان تمكنه اذا سعت منه ذلك او علمت به لانها لا تعلم الا الظاهر اه فتاویٰ حامدیہ (ص ۱۳۷) ومثله فی الشامیہ وغیرہا ایضاً بعض علماء نے جو یہ کہا ہے کہ اقرار کاذباً سے قضاء طلاق ہوتی ہے نہ کہ دیانہ یہ تو صحیح ہے لیکن اس میں اتنی قید کی اور ضرورت ہے کہ اگر عورت نے زوج کے منہ سے الفاظ طلاق خود کو لئے یا کسی عادل نے اس کو خیر دی ہو تو عورت کو تمکین زوج من نفسها جائز نہیں بلکہ اس پر لازم ہے کہ اپنے مطلقہ ثلاث مغلظہ ہی سمجھے اور دو ایک دفعہ لوگوں کو طلاق دینے کے لئے بلانا اشہاد نہیں ہے بلکہ اشہاد یہ ہے کہ ان سے یہ کہہ دیا جاتا کہ میں کاذباً یا ہازلاً ایسا کہوں گا۔ اور یہی اس وقت ہے جبکہ زید اس اقرار میں اقرار کاذباً کا دعویٰ کرتا ہو اور اگر ہزل کا مدعی ہے پھر تو قضاء و دیانہ وقوع طلاقات ثلاث ہو چکا اس صورت میں تو چاہے عورت کو علم نہ بھی ہو جبکہ یہ شخص اس بیوی کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتا قال فی الدہ اور ہازلاً قال الشامی ای فیقع قضاء و دیانہ کما ینکرہ الشارح و بہ صرح فی الخلاصۃ و کذا فی البزاریۃ (ص ۲۶۹) والله اعلم۔

نوٹ ۱۔ ہم نے امداد الفتاویٰ تتمہ جلد ثانی (ص ۱۰۱) کا مطالعہ کیا اس میں بھی یہی حکم ہے جو جواب ہذا میں مذکور ہے، فلیراجع بتدبیر فقط۔ اور ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ

طلاق کی ایک صورت کا حکم (سوال) احمد نے اپنی عورت کو ایک کاغذ کے اوپر اس طرح طلاق لکھی کہ میں ڈا سمیل کا رہنے والا احمد اسماعیل گارڈی میں اپنی عورت مسماہ مریم کو جو کہ میرے ساتھ رہتی نہیں ہے آج کے روز اپنی خوشی اور ہوشیاری و عقل سے میں اس کو فارغ خطی دیتا ہوں میں نے آج کے روز سے اس کو اپنے نکاح سے فارغ کر دیا ہے میں نے اپنی راضی و خوشی سے طلاق دی ہے اس میں کسی کا کچھ حصے کا نہیں میں نے طلاق دیتے وقت پانچ آدمی کے رو برو فارغ خطی دی ہے یہ صحیح ہے دستخط احمد اسماعیل بقلم خود، شاہد اسماعیل ابراہیم بقلم خود، شاہد صالح محمد بقلم خود، شاہد صالح ابراہیم بقلم خود، شاہد ابراہیم کی عورت، شاہد خدیجہ پٹیل کی عورت۔ ان پانچ شاہدوں کا یہ اقرار ہے کہ بلا حیر احمد نے ایک کاغذ کے اوپر طلاق اس طرح سے لکھی اور زبانی بھی ہمارے رو برو میں مریم کو تین مرتبہ طلاق دی، اس واقعہ کے بعد تین چار اشخاص احمد کے پاس گئے اور اس سے اس کے متعلق پوچھا تو احمد نے اس بات کا اقرار کیا کہ میں مریم کو طلاق سے چکا ہوں یہ صحیح بات ہے اور کئی آدمی کو وہ کہتا رہا کہ میں طلاق سے چکا ہوں ابھی تک وہ اس طرح کہتا رہتا ہے یہ طلاق سب لوگوں میں مشہور ہو چکی اس کے بعد یہ واقعہ ہوا کہ احمد کا بھائی محمود اس کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا اور احمد کو دیوانہ ثابت کیا اور مریم کے ماموں کے پاس وکیل کی معرفت نوٹس بھیجا کہ یہ دیوانہ ہو گیا ہے اس نے طلاق نہیں دی ہے اور اگر دی ہے تو وہ دیوانہ ہے میں اس کا والی ہوں اس کا طلاق دینا صحیح نہیں، مریم کے ماموں نے یہ جواب دیا کہ طلاق ہو چکی ہے اور احمد دیوانہ نہیں ہے وہ تجارت کرتا ہے سنا مبینی جاتا آتا ہے مال خریدتا ہے بیچتا ہے اس کے روپیے وصول کرتا ہے روپیے امانت رکھتا ہے وہاں سے لیتا دیتا ہے ڈاکخانہ میں اس کے نام سے اس کا بڑا بھائی روپیے رجسٹری خط وغیرہ بھیجتا ہے وہ وہاں کرتا ہے اور حساب کتاب سب اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے تنہا نو ساری سورت وغیرہ جاتا ہے وہاں سے بھی مال لاتا ہے اور خرید و فروخت کرتا ہے اس لئے یہ دیوانہ نہیں ہے صورت سولہ میں طلب امر یہ ہے کہ یہ طلاق ہوئی یا نہیں اور مریم اس کے نکاح سے نکل گئی یا نہیں یینوا تو جروا۔

الجواب: اگر احمد واقع میں دیوانہ نہیں ہے تو ڈاکٹر کے ثابت کرنے سے کچھ نہیں

ہوتا اور دیوانہ وہ ہے جو بے سمجھی کی الٹی سیدی باتیں بکتا ہو اور مارتا اور گالیاں بکتا ہو اور اگر گالیاں نہ بکتا ہو نہ مارتا ہو مگر بے سمجھی کی الٹی سیدی بچی ہوئی باتیں کرتا ہو تو وہ بھی ایک قسم کا جنون ہے پس اگر احمد عقل کی باتیں کرتا ہو جیسا کہ سوال میں خرید و فروخت وغیرہ درج ہو تو وہ مجنون نہیں اور طلاق واقع ہوگئی و نیز اگر اس کو بعد طلاق دینے کے جو مجنون ثابت کیا گیا ہے اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ طلاق دینے کے وقت بھی وہ مجنون تھا پس جب اس امر کے شاہد موجود ہیں کہ عقل و ہوشیاری سے طلاق دی گئی ہے تو بعد میں اگر واقع میں مجنون بھی ہو جاتا تو جو طلاق واقع ہو چکی ہو وہ کیسے باطل ہو سکتی ہو پس مریم اس کے نکاح سے نکل گئی اور بدون حلالہ کے اب اس کا نکاح احمد سے نہیں ہو سکتا قال الشامی تحت قول الدس (والمعتوی) من العتہ وهو اختلال فی العقل هذا ذکر فی البھی تعریفاً للجنون وقال یدخل فیہ المعتوی واحسن الاقوال فی الفرق بینہما ان المعتوی هو قلیل الفہم المختلط الکلام الفاسد التدییر لکن لا یضرب ولا یشتم بخلاف المجنون اھ

احقر عبد الکریم گمٹھلوی عفی عنہ۔ ۲۰ شوال ۱۳۳۳ھ۔

الجواب صحیح فلما احمد عفا اللہ عنہ۔ ۲۰ شوال ۱۳۳۳ھ۔

طلاق اور رجعت کی ایک صورت کا حکم (سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی زید نے ایک عورت مسماہ ہندہ سے نکاح کیا اور قبل جانے مسماہ مذکورہ کے اپنے سسرال کے مسمی مذکورہ صدر نے اسے ایک طلاق رجعیہ دے دی، اب بوجہ ہونے ناشدنی باہم زوج اور زوجہ مذکورہ کے، مسماہ مذکورہ قسم اٹھاتی ہے کہ مسمی مذکورہ نے ابتداء نکاح سے لیکر اب تک میرے ساتھ ہرگز دخول اور غلوت نہیں کی ہے اور مسمی مذکورہ کہتا ہے کہ میں نے اپنی عورت مذکورہ سے دخول وغیرہ کیا ہے اور اپنے اس دعویٰ پر گواہ پیش کرتا ہے گواہوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں رمضان ولد حاجی، قطب الدین ولد میر، نور حسن ولد حیات بخش، اللہ دتا ولد اللہ لوک ان میں سے رمضان اور قطب الدین کا یہ بیان ہے کہ ہم نے زید اور ہندہ مذکورہ کو ایک مکان میں اکٹھا دیکھا ہے جو کہ ان کے پاس تیس شخص نہ تھا بلکہ اتنی بات تھی کہ غلہ گندم مسمی مذکورہ مکان کے سقف پر چڑھا رہا تھا اور باقیوں کا بیان ہے کہ مسمی مذکورہ کو اپنے سسرال کے یہاں شب دروز آتے جاتے دیکھا ہے۔ کیا یہ طلاق رجعی ہو سکتی ہے یا کہ نہیں اگر طلاق رجعی ہے

تو نکاح ان کا بر حال ہی یا کہ نہیں کیونکہ مسمی مذکور عدت ہی میں رجوع کر چکا ہے اگر یہ طلاق رجعی نہیں تو تجدید نکاح کی ضرورت ہے یا کہ نہیں اگر عورت نکاح نہ کرے تو دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے یا کہ نہیں ہا بھینوا تو جروا۔

الجواب؛ طلاق قبل الدخول (خواہ بعد خلوة صحیحہ ہو) بائنتہ واقع ہوتی ہے اور جب زوجین میں دربارہ دخول اختلاف ہو تو غلوت ثابت ہونے پر خداوند کا قول معتبر ہوتا ہے اور اگر خلوة کا ثبوت نہ ہو تو عورت کا قول معتبر ہوتا ہے۔ اور واقعہ مذکورہ میں شب و روز سسرال میں آنے جانے کی شہادت شہادت علی الخلوۃ نہیں ہے باقی رہی شہادت قطب الدین اور رمضان کی سو اس میں یہ دیکھنا چاہئے کہ جس مکان میں زید اور اس کی بیوی تھے اس کا دروازہ بند تھا یا کھلا ہوا اگر کھلا ہوا تب تو غلوت ثابت نہیں ہوتی اور اگر دروازہ بند تھا تو غلوت ثابت ہو جائے گی بشرطیکہ اس روز رمضان کا روزہ نہ ہو اور دونوں میں سے کوئی ایسا بیمار نہ ہو کہ صحبت نہ ہو سکے اور عورت حاضر نہ ہو فی الذم المختار (ولو خلا بہا ثم انکرت) اسی الوطاء (ثم طلقها) یملک الرجعة لان الشرع لم یکن بہ ولو اقربہ وانکرتہ فله الرجعة ولو لم یخل بہا فلا رجعة له لان الظاہر شاہد لها والواجبہ وقال الشامی تحت (قوله لان الشرع لم یکن بہ) لانه لا یملک الرجعة الا فی عدۃ الدخول لانی عدۃ الخلوۃ الخ ص ۸۸ ج ۲ فی العالمگیریہ (ص ۲۳ ج ۲) فی البیتات الثلثۃ او الاربعۃ واحد بعد واحد اذا خلا بامراتہ فی البیت القصوی ان کانت الابواب مفتوحۃ من اراد ان یدخل علیہما یدخل من غیر استیذان لا یصح الخلوۃ وکذا لو خلا بہا فی بیت من دار ولبیت باب مفتوح فی الدار اذا اراد ان یدخل علیہما غیرہما من المجرم والاجانب یدخل لا یصح الخلوۃ کذا فی فتاویٰ قاضی خاں و فیہ ایضاً والخلوۃ الصحیحۃ ان یجتمعا فی مکان لیس هناك مانع یمنعہ من الوطی حراً او شرعاً او طبعاً کذا فی فتاویٰ قاضی خاں۔ پس اگر غلوت ثابت ہو جائے تو زید کی رجعت صحیح ہوگی جب کہ رجعت عدت میں نہی اور جب رجعت ہو چکی تو دوبارہ نکاح کی

ضرورت نہیں اور اگر خلوت ثابت نہ ہو تو طلاق بائن واقع ہوگی عورت جس چاہے نکاح کرے
خواہ زید سے یا اور کسی سے۔ لوالہ اعلم۔ احقر عبدالکریم گمٹھلوی عفی عنہ۔

۵، ردی القعدہ ۳۳ھ۔

اور ثبوت رجعت محض شوہر کے قول اور گواہوں کے بیان سے بدون حاکم یا حکم مسلم
کے سامنے بیان کئے نہ ہوگا اور اگر گواہ حاکم یا حکم مسلم کے سامنے گواہی دیں کہ ہم نے دونوں
میاں بی بی کو باقاعدہ خلوت میں یکجا دیکھا ہے اور وہ گواہی قبول کرے تب ثبوت رجعت ہوگا۔
فقط۔ الجواب صحیح۔ ظفر احمد عفا عنہ، ۵، ردی القعدہ ۳۳ھ۔

طلاق کے ساتھ لفظ انشاء اللہ (سوال) صورت مرقومۃ الذیل کا حکم تحریر فرما کر ممنون و مشکور
ماشاء اللہ کہنے کا حکم۔ نسراویں۔

کوئی شخص اپنے بھائی کی بیوی کے ساتھ کچھ گفتگو کر رہا تھا اتفاقاً کسی بات کی وجہ سے اس
عورت پر ناشاد ہو کر اپنے باپ سے انصاف چاہا اس وقت شخص مذکور کی ایک بہن بول اٹھی
کہ تم جس بات سے اپنے بھائی کی بیوی پر خفا ہوئے تمہاری بیوی بھی تو اس طرح کی باتیں نہیں
کہتی ہے دروغ نہیں کرتی ہے اس نے کہا میں تو نہیں جانتا اگر وہ واقع میں ایسا کہتی ہے تو تم ہی
اُسے دیکھ بھال کر لائی ہو پھر بہن نے کہا کہ تم بھی تو دیکھ کر لائے ہو اس وقت اس نے کہا کہ اگر تم کہتی
ہو کہ میں دیکھ بھال کر لایا ہوں تو ایک دو تین طلاق انشاء اللہ۔

پھر اُس نے اس واقعہ کو کسی منشی جی سے سنا تے وقت کہا کہ میں نے ایک دو تین طلاق
دیا ماشاء اللہ، بار دیگر اُسے پوچھنے سے کہتا ہے میں نے ایک دو تین طلاق دیا انشاء اللہ منشی جی
سے ماشاء اللہ کہنے پر جرح قدح کہتا ہوں کہ میں نے اس دفعہ ماشاء اللہ غلطی سے کہا ہوں ورنہ پہلے ہی
میں نے انشاء اللہ کہا ہے۔

باپ کی شہادت: باپ کہتا ہے کہ میں نے یہ سنا "میں نے اس بیوی کو ایک دو
تین طلاق دیا" باپ گھر کے اندر تھا اور مطلقہ آگن میں۔

بہن کی شہادت: وہ کہتی ہے کہ میں نے یہ سنا "میں نے ایک دو تین طلاق دیا
ماشاء اللہ" پھر اُسے پوچھنے سے کہتی ہے کہ میں نے یہ سنا "میں نے ایک دو تین طلاق دیا
انشاء اللہ"۔

اپنی بیوی کی شہادت: وہ کہتی ہے کہ میں نے یہ سنا "ایک دو تین طلاق دیا ماشاء اللہ"۔

اپنے بھائی کی بیوی کی شہادت: وہ کہتی ہے کہ میں نے یہ سنا "میں نے ایک دو تین
طلاق دیا، فقط۔

الجواب: چونکہ انشاء اللہ اور ماشاء اللہ کہنے کا ایک ہی حکم ہے اس لئے ہر حال میں
طلاق واقع نہیں ہوتی چاہے اس نے انشاء اللہ کہا ہو چاہے ماشاء اللہ فی الدس المختار
دمثل ان الادان لم اذا وما ولمیسا وفي الشامی تحت (قولہ وما)
ای ماشاء اللہ تعالیٰ فلا یقع الی (ص ۸۳۱) وفي العالمگیریة (ص ۱۱۱)
لو قال انت طالق ماشاء اللہ کان وکذا لو قال انت طالق الا ماشاء اللہ لا یقع
منی کذا فی فتاویٰ قاضیخان۔ کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ، ۹، ربیع الثانی ۳۳ھ۔
الجواب صحیح ظفر احمد، ۹، ربیع الثانی ۳۳ھ۔

مجھ کو ضرورت نہیں، یا طلاق ہی (سوال) اتماں ہے کہ ایک شخص اپنے بیوی بچے کو چھوڑ کر
سی ہر، سے طلاق کا حکم ایک غیر مذہب کی عورت لیسکر فرار ہو گیا تھا اس کی عورت
نے کئی سال تک اس کا انتظار کیا مگر وہ واپس آیا نہ کوئی خبر بھی محیور یہ اپنے ایک برادری
کے شخص کے یہاں ایک دوسرے گاؤں میں آکر رہنے لگی بعد کو اس کا خاوند معہ فرار شدہ عورت کے
اپنے مکان پر آگیا اس نے اپنی بیوی بچے کی پروا نہ کی اب اس عورت نے اپنے خاوند کے پاس
دو شخص ایک اپنی برادری کا دوسرا مسلم جاٹ بیچے اور ان دونوں سے اس عورت نے کہہ دیا کہ
میری طرف سے میرے خاوند کو کہہ دینا کہ مجھ کو آکر لے جاؤ اگر وہ کسی وجہ میرا لیجانا پسند نہ
کرے کیونکہ اس کے پاس عورت موجود ہے تو میری طرف سے حکم شرع لے لینا یعنی طلاق کا سوال
کر دینا اور جواب لینا ہذا یہ ہر دو شخص اس کے پاس گئے اور اس شخص

سے عورت کی طرف سے ادل سوال لیجانے کا کیا اس پر وہ جواب دیتا ہے مجھ کو ضرورت نہیں،
تب بعد کو سوال دوسرا یعنی طلاق کا کیا گیا تو جواب دیتا ہے کہ طلاق ہی سی ہر مکرر کہا گیا تو پھر کہتا
ہے مدت سے طلاق ہی سی ہر۔ اب عرض ہو کہ یہ لفظ عورت پر طلاق پڑنے والے ہوئے یا نہیں
برائے کرم مفصل حکم سے جلد مطلع فرمائیں، عین عنایت ہوگی زیادہ حداد، فقط۔

الجواب: صورت سؤلہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی و نظیرہ فی العالمگیریة
ص ۲۷۲ و لو قال لها بعد ما طلبت منه الطلاق گفتہ گیر لا یقع وان نوى کذا فی
الخلاصہ واللہ اعلم۔ کتبہ عبدالکریم عفی عنہ۔ الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ، ۹، ربیع الثانی ۳۳ھ۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان (شرع امتین نیچے لکھے ہوئے مسئلہ طلاق) مسئلہ میں کہ زید کی دو بی بیوں ہیں ان دونوں نے آپس میں جھگڑا کیا زید کے نسبتی بھائی (یعنی بی بی کلثوم کے بھائی) نے اگر زید سے پوچھا کہ ترے گھر میں ہمیشہ اسی طرح کیوں جھگڑا ہوتا ہے پس زید بولا کہ تری بہن کو (کلثوم کو) لیجاؤ کہ میں نے اس کو رخصت دی ہوں کہ تین مہینہ ہوئے بعد اس کی نسبتی بھائی نے ثالث کو حج کیا پس ثالث نے زید سے پوچھا کہ تم ایسی باتیں کیوں کہتے ہو؟ زید نے جواب دیا جو بولا سو بولا پس ابھی میں نے بی بی مذکورہ (یعنی کلثوم) کو طلاق بائن دی پس بعد اس کی زید وہاں سے اٹھ کر تھوڑا دور جا کر غضبناک ہو کر مارنے لگا اور کہا بی بی مذکورہ کو کہ تم گھر سے باہر ہو اور زیورات رکھ کر چلے جاؤ اس کے بعد بی بی مذکورہ اپنے بھائی کے ساتھ چلی گئی۔ غرض یہ ہو کہ جناب بی بی مذکورہ پر تین طلاق واقع ہوئی یا نہیں اور اس شوہر نے بی بی مذکورہ کو رکھ سکتا ہے یا نہیں اگر رکھ سکتا ہے تو کس طرح؟ مینوا تو جردا۔

الجواب؛ صورت سوال میں کلثوم پر دو طلاق بطلانیت واقع ہو گئیں ایک تو میں نے اس کو رخصت دی ہوں کہتے سے کیونکہ حالت غضب میں اس لفظ سے بدون نیت طلاق پڑ جاتی ہے فی تنویر الابصار ونحو اعتدی الی ساحتک فارتکک لا یحتمل السب والرد فی حالة الغضب تتوقف الاقسام علی نیتہ وفي الغضب الاولان وقال الشامی تحت قوله الاولان) ای ما یصلح ردًا وجوابًا وما یصلح ردًا وجوابًا ولا یتوقف ما یتعین للجواب (۲ ج ۷۶۳) قلت ذی اللغة الہندیہ رخصت دی مثل ساحتک اور دوسری طلاق صریح دی ہے اور تیسری طلاق گھر باہر ہونے سے واقع ہونے کے لئے نیت کی ضرورت ہو بدون نیت حالت غضب و مذاکرات طلاق میں بھی اس لفظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی کہنا فی تنویر الابصار ایضاً فنحو اخری واذہبی وقومی یحتمل ردًا وقال الشامی ای ما یصلح للرجوع الجواب میں اگر زید نیت طلاق سے انکار کرتا ہے اور وہ حاکم اسلام یا عورت کے سامنے قسم کھا جاوے کہ میں نے اس لفظ سے طلاق کی نیت نہیں کی تو تیسری طلاق واقع نہیں ہوتی اور زید و کلثوم کا نکاح ہو سکتا ہے اور اگر زید نے لفظ مذکور سے طلاق کی نیت کی تھی تو تین طلاق واقع ہو گئیں اور زید و کلثوم کا نکاح جائز نہیں فی الدس

القول له فی عدم النية ویکفی تحلیفها له فی منزله فان ابی رفعته للحاکم فان تکفل فرق بینہما مجتبی (شامی ص ۶۳، ۲ ج) احقر عبدالکریم عفی عنہ ۱۵ ربيع الاول الجواب صحیح، ظفر احمد عفا اللہ عنہ، ۱۶ ربيع الاول ۱۳۲۴ھ

ملاقن اور مطلقہ وغیرہ الفاظ سے بیوی کو مخاطب (سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کو بعض اوقات خانگی کشیدگی اور جھگڑوں میں بطور تنبیہ اور انہار نفرت و بیزاری کے ملاقن مطلقہ، طلاق پانے کے قابل۔ وغیر ہم کلمات کہہ دیئے اگرچہ زید نے ایسے کلمات ناراضگی میں منہ سے نکالے لیکن ہندہ کو کبھی اس قسم کا خیال ہی نہیں گذرا۔ وہ محض معمولی خانگی جھگڑوں پر معمول کرتی رہی اور نہ یہ کلمے کسی تیسرے شخص کی موجودگی اور مواجہ میں کہے گئے غرض سب زید کے کسی کے وہم و گمان میں بھی طلاق کا مذکور نہیں۔ اب زید ان کلمات کے منہ سے نکال دینے کی وجہ سے چند روز سے اپنی زوجہ ہندہ کو مشکوک نظر سے دیکھتا ہے اور متردد ہے کہ کہیں ہندہ پر طلاق تو نہیں پڑ گئی، ہندہ کی گود میں زید کا شیر خوار بچہ بھی ہوا اور فریقین کو دنی ناکردنی پر تو یہ استغفار کر کے رجوع کرنے پر مائل ہیں نیز زید کی خانہ آبادی بھی ہندہ کے دم سے منظور ہو اب مستفسر ہو کہ شرعاً ایسی لغویات کی کیا اصل ہو اور اب رجوع و انابت کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب؛ قال فی الدس ولو قال لها کوفی طالقاً..... او یا مطلقاً وقع (ای من غیر نیت لانه صریح ۱۲ شامی و فیہ ایضاً عن التانرخانیة عن المحيط قال انت طالق ثم قال یا مطلقاً لا تفع اخری ۱۵ ص ۶۱۳ ج ۲) صورت سوال میں یہ لفظ تو موجب طلاق نہیں کہ "طلاق پانے کے قابل" البتہ ملاقن اور مطلقہ کہہ کر پکارنے سے زوجہ پر ایک طلاق رجعی واقع ہو چکی ہو اگر اس واقعہ کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا اور عدت پوری نہیں ہوئی تو زبان سے بیوی کو اتنا کہہ یا جائے کہ میں نے رجعت کر لی اور عدت پوری ہو چکی ہے تو نکاح دوبارہ کر سکتا ہے بشرطیکہ عورت بھی تہنہ نکاح پر راضی ہو ورنہ وہ جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے اور آئندہ ایسی لغویات سے احتراز کرنا لازم ہے قلت ولا یقع الثانية ولا الثالثة بقوله یا مطلقاً لانها اتصفت بها بالاول فیکون حکایة له۔ والله اعلم۔

ساس کے مطالبہ طلاق پر شوہر کے یہ کہنے سے کہ (سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ زید اور اس کی ساس میں کچھ جھگڑا ہوا اور زید کی ساس نے زید سے کہا کہ تو میری لڑکی کو طلاق دیدے، زید چونکہ غصہ کی حالت میں تھا اس نے فوراً طلاق دیدی اس کے بعد جب زید سے اس کی بیوی کو جدا کیا گیا تو زید یہ کہتا ہے کہ چونکہ میں نے صرف دو مرتبہ ان الفاظ میں طلاق دی ہے کہ جاآدی جاآدی اس لئے صرف دو طلاقیں واقع ہوئیں اور مجھے رجعت کا حق ہے لیکن طلاق دیتے وقت جو لوگ موجود تھے ان کے بیانات مختلف ہیں ایک شخص کہتا ہے کہ زید نے یہ بھی نہیں کہا کہ جاآدی۔ جاآدی۔ ایک بیان کرتا ہے کہ میں نے یہ نہیں سنا کہ زید نے یہ کہا ہو کہ جاآدی، جاآدی بلکہ زید کی ساس طلب کرتی تھی اور زید یہ جواب دیتا تھا کہ دیدوں گا۔ اور ایک شخص جو کہ معتبر بھی سمجھا جاتا ہے یہ بیان کرتا ہے کہ میرے سامنے زید نے دو مرتبہ طلاق دی اور میں نے زید کو اس فعل سے روکا اور میں وہاں سے فوراً چلا گیا۔ اور دو آدمی یہ بیان کرتے ہیں کہ زید نے تین مرتبہ سے زیادہ طلاق دی اور کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو کہ یہ کہتے ہیں کہ زید نے تین مرتبہ سے زیادہ دی ہو لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ مجمع میں چل کر جہاں اور لوگوں سے تحقیق کی جا رہی ہو بیان کرو تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم کسی کے جھگڑے میں شریک نہیں ہوتے۔

اب دریا نیت طلب یہ امر ہے کہ ایسی صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے کہ زید کی بیوی پر طلاق ہوئی یا نہیں اور اگر ہوئی تو کیسی طلاق ہوئی آیا زید کو رجعت کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں بینی او جڑا

تنقیح ۱۔ صورت مسئلہ میں سائل کو یہ بھی بتلانا چاہئے کہ زید کی بیوی کیا کہتی ہے وہ قول زید کی تصدیق کرتی ہے یا ان لوگوں کے قول کی جو تین طلاق یا اس سے زائد کے شاہد ہیں اور یہ شاہد شریعت کے پابند اور عادل ہیں یا نہیں اس کے بعد حکم بتلایا جائے گا۔ فقط۔

ظفر احمد عفا عنہ ۳۰ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ

جواب تنقیح ۱۔ (۱) زید کی بیوی ان لوگوں کے قول کی تصدیق کرتی ہے جو تین طلاق یا اس سے زائد کے شاہد ہیں۔

(۲) یہ شاہد نماز پابندی سے نہیں پڑھتے اور چونکہ نائی ہیں حجامت بھی ہر قسم کی بتاتے ہیں

لوگوں کی ڈاڑھیاں مونڈتے ہیں غرض یا بند شریعت نہیں ہیں۔

الجواب؛ صورت مسئلہ میں اگر زید کی بیوی اس مجلس میں موجود تھی جبکہ زید نے جاآدی، جاآدی کہا تھا اور زوجه زید کہتی ہے کہ اُس نے تین بار یا اس سے زائد یہ لفظ کہا ہے تو اس صورت کو زید کے پاس رہنا جائز نہیں وہ اس سے علیحدہ ہو جائے اس پر بوجہ اس کے اقرار طلاقات ثلث کے زید کے پاس رہنا جائز نہیں اور زید اگر تین طلاق کا منکر ہے تو اس کو اس صورت کا اپنے پاس رکھنا جائز ہے گو عورت کو اس کے پاس رہنا جائز نہیں اب اس تعلق کا ارتفاح مفتی کے فتوے سے نہیں ہو سکتا مفتی اس صورت میں مرد و عورت کو الگ الگ فتویٰ دے گا اس کے ارتفاح کی صورت یہ ہے کہ زید وین کسی حاکم مسلم یا حکم عالم کے پاس مراجعہ کریں وہ تحقیق بقاعدہ شرعیہ کر کے اس واقعہ کا جو فیصلہ کر دے اس پر زید وین کو عمل جائز ہوگا اور اگر زید وین خود اس مجلس نزع و طلاق میں موجود نہ تھی بلکہ صرف شہود کے بیان سے اس کو علم ہوا ہے تو سوال دوبارہ کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ

اس تحریر کے بعد حق کی رائے بدل گئی اور یہ سمجھ میں آیا کہ اگر صورت مسئلہ میں زید نے طلاق کا لفظ زبان سے نہیں کہا بلکہ صرف جاآدی جاآدی مکرر کہا اور عورت کہتی ہے کہ زید نے لفظ جاآدی تین بار یا زائد کہا ہے اور وہ بھی طلاق کا لفظ مستنا بیان نہیں کرتی تو صرف لفظ جاآدی کے تین بار یا زائد کہنے سے تین طلاق بدون نیت زید کے واقع نہیں ہو سکتیں اور زید کی نیت تین طلاق کی نہ تھی جیسا کہ سوال سے معلوم ہوا اس لئے اس کی زوجه پر تین طلاق واقع نہیں ہوئیں اور اگر عورت تین مرتبہ اس لفظ کے سننے کی مدعی ہے کہ جا طلاق دی تو اس صورت میں اس اختلاف کو حاکم یا حکم مرتفع کرے گا و وجہ ذلك انا وقعنا الطلاق بلفظ جاآدی لكونه في معنى نعم وقد رأيت في الخلاصة سؤال محمد بن رجل قيل له أطلقت امرأة ثلثاً ثم انفقت نعم قال القياس ان يقع الثلاث ولكن استحسن وجعلها واحدة اه (ص ۸۵ ج ۲) وفي الخلاصة أيضاً وفي ايمان مجموع النوازل سؤال نجم الدين عن امرأة قالت لزوجها مرا طلاق كن مرا طلاق كن فقال

عه قلت وهو نظير قوله نعم ادبلي في جواب من سئل اطلقت امرأة ثلث وقد صرح في الدر والشامية بوقوع الطلاق بهما بلائية (ص ۱۰۳) فوجهه كالصريح لكون السؤال فيه معادراً والله اعلم

النزوح کر دم کر دم قال تطلق ثلاثا وكذا اجاب السيد الامام اشرف بن محمد بن شجاع قال الشيخ الامام عمر بن ابی بکر تطلق واحدة اه (ص ۳۱۶) قلت ووجه الاول حمل التكرار في قوله كرم في جواب التكرار في قولها مطلقا كن وهو الظاهر فكان كل فرج منه انشاء وحمله الشيخ عمر على التاكيد لكونه محتملا ايضا والتاكيد في لفظ الطلاق انما لا يجعل واحدة قضاء للاجماع ولا اجماع في تكرار مثل قوله كرم بدون لفظ الطلاق فيتوقف كونها ثلاثا على نية القائل ولا يقع فوق الواحد بدون النية هذا ما ظهر لي قلت وهذا الاختلاف انما هو فيما اذا كررت المرأة قولها مطلقا كن ثلاثا واما اذا لم تكرر مرة واحدة مرة مطلقا كن وكسر الزوج قوله كرم في جوابها فالظاهر انه لا يقع الثلاث بدون النية عندهم جميعا لعدم ما يدل على كونه النشاء براسه وفي الصورة المسئلة لم يثبت تكرار قول المرأة ولم ينو الزوج بتكرار قوله جاري الثلاث فلا يقع الا واحدة او اثنتان حسب ما نوى والله اعلم - ۱۳ جمادى الاولى ۱۳۶۴

مكررا نكه ان دونوں جوابوں کو احقر نے حضرت حکیم الامتہ دامت برکاتہم کی خدمت میں پیش کیا فرمایا کہ جواب اول تو قواعد عامہ کے موافق ہے اور جواب ثانی میں جو جزئیات نقل کی گئی ہیں ان کا مبنی صحیح سمجھ میں نہیں آیا اور جو مبنی ظاہر کیا گیا ہے وہ کچھ جی کو نہیں لگا اور احقر کا تب بھی اس مبنی کی صحت میں متردد ہے، لیکن چونکہ یہ جزئیات جواب اول کے ظاہر اٰ منافی ہیں اس لئے اس جواب سابق میں بھی تردد ہے اور ثانی میں بھی تردد ہے بوجہ دلیل جزئیات مفہوم نہ ہونے کے، دوسرا سبب تردد یہ بھی ہے کہ ہر زبان کے محاورات جلا ہوتے ہیں ان میں توافق ضرور نہیں اس لئے دونوں جوابوں کو قلم زد کر دیا گیا ہے کسی اور محقق عالم سے استفتاء کر لیا جائے اور یہ سب روایات اس کے سامنے پیش کر دی جائیں اللہ اعلم۔

۱۵ جمادى الاولى ۱۳۶۴۔

ان الفاظ سے طلاق کا حکم کہہ جائے چلے (سوال) جناب مولانا صاحب گذارش خدمت اقدس جانے ہی کو تین طلاق سمجھا جائے گا؛ ہے کہ کسی نے اپنی لڑکی کو گھر میں خانہ داماد رکھ کر شادی کی تھی

عہ وہو الذی صحیح فی الہندیہ من ۲۳ ج ۲ - ۱۲ ظفر

لیکن بعد عقد نکاح کے اس داماد کو مریبان محلہ داران نے یہ شرط سنائی کہ اگر تم اس بی بی سے یا بیوی کے گھر والوں سے کسی سے جھگڑا فساد کر کے تین ماہ دس دن اور کہیں چلے جاؤ گے تو اس بیوی کا اپنی زوجیت میں کوئی دعویٰ نہیں کر سکتے ہو یعنی جب تین مہینہ دس دن گذر جائیں گے تو وہ بیوی اپنی خوشی سے دوسرا خانہ قبول کر سکتی ہے اس میں تمہارا کوئی عذر نہ ہوگا تمہارے چلے جانے ہی کو تین طلاق سمجھا جائے گا اس نے کہا ہاں میں نے قبول کیا اب وہ خانہ داماد بعد عرصہ چار سال کے اپنی ساس سے جھگڑا کر کے دوسری جگہ میں چلا گیا سال بھر تک اسی حالت جلائی میں رہا اب جو مریبان محلہ داران بیوی سے اور اس کی ماں سے پوچھتے ہیں تو وہ کہتی ہیں کہ اگر شریعت اجازت دے تو پھر میں اپنے داماد کو گھر میں بلا لوں گی یا انہیں کے ساتھ اپنی لڑکی دے دوں گی لیکن اس کے قبل دو تین مہینہ کے انہیں مریبان نے انہوں سے دریافت کیا اس وقت دونوں ماں بیٹی نے ناراضی ظاہر کی اور ماں نے کہا میں اپنی بیٹی کو ہرگز نہیں دوں گی۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ داماد پر کسی صورت وہ راضی ہو گئی ہیں آیا اس رضامندی سے ان کا نکاح باقی رہا یا جاتا رہا؟ موافق کتاب اللہ و سنت رسول اس کے جواب عنایت کیجئے۔

الجواب؛ اگر صورت واقعہ یہی ہے جو سوال میں درج ہے اور مریبان محلہ داران کے الفاظ یہی تھے جو مذکور ہوئے تو شوہر کے اس کہنے سے کہ ہاں میں نے قبول کیا یہ کلام تعلیق طلاق یا تعلیق تفویض کو موجب نہیں اور شوہر کے چلے جانے سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔ لان قول القائل اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں کوئی دعویٰ نہیں کر سکتے لیس من الفاظ الطلاق وکذا قوله تو وہ بیوی اپنی خوشی سے دوسرا خانہ قبول کر سکتی ہے۔ واما قوله تمہارے چلے جانے ہی کو تین طلاق سمجھا جاوے گا فقد جعل فیہ غیر الطلاق طلاقا وهو لغو و فیہ ایضا من لفظ المضارع المفید للاستقبال المحتمل للوعد فلا یكون قبوله طلاقا ولا تعلیقا سئل شیخ الاسلام عن ضرب امرأته وقال دار طلاق قال لا تطلق شیخ الاسلام یقول سمی الضرب طلاقا فی بطل اه عالمگیریہ ج ۲ ص ۲۳، قلت وفي الصورة المسئلة جعل الغیابة طلاقا صراحة ولم یكلم احد بما یفید تعلیق الطلاق اصلا، والله اعلم۔ ظفر احمد۔

۱۷ جمادى الاخرى ۱۳۶۴۔

فرار عن الطلاق کی نیت سے بیوی کا نام بدل کر
طلاق دے دی تو طلاق واقع نہیں ہوگی

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین
اندریں مسئلہ کہ زوجہ منکوحہ جناب علی منشی مسماة
ایم النساء بی بی بنت فرمان ملا برض در شکم احمیا ناچار پانچ روز مبتلا رہتی ہے اور اس کی بجز
ایک لڑکی کے اور کوئی اولاد بھی نہیں۔

ازیں جہت دوسرا نکاح کرنے کے ارادہ سے ایک دولہن اپنے مکان میں لایا بعد ازاں بقصد
عقد بست مجلس میں بیٹھ گیا تو اقربا و اولیاء مخطوبہ میں مہین الدین سردار دفعۃً از دست خود ایک
کاغذ جناب علی کے سامنے رکھ دیا اور بہ تحدید شدت مکرر سکر یہ کہتے رہے کہ تم اپنی اگلی بی بی
کو طلاق نامہ لکھ دو تو ہم دوسری دولہن سے تمہارا عقد کر دیں گے۔ تب جناب علی چند منٹ
سکوت ہو کر شش و پنج میں رہا آخر الامر سوچ بچار سے کچھ کام نہ چلا پھر اپنی پہلی ایم النساء کے نام
کو قصداً بدل کر ام جان بی بی بنت فرمان ملا کو میں نے تین طلاق دیا اس مضمون کو لکھ دیا،
لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا اس تحریر تسمیہ تبدیل وعدم نیت سے طلاق واقع ہو گئی یا نہیں؟
بینوا بحوالہ دلیل تو جرد عند اللہ العزیز۔

الجواب : اگر جناب علی کی نیت طلاق کی نہ تھی اور اس نے اپنی بی بی کا نام اسی ارادہ
سے بدلایا ہے کہ بی بی پر طلاق واقع نہ ہو تو اس کی زوجہ ایم النساء پر طلاق واقع نہیں ہوئی
قال فی العالمگیریۃ ولوقال امرأۃ بنت صبیح طالق وامرأۃ بنت حفص
ولانیۃ لہ لا تطلق امرأۃ وکذا اذا سمی بغير اسمها ولا نية لہ فی طلاق
امرأۃ فان نوى طلاق امرأۃ فی هذه الوجوه طلقت امرأۃ کذا فی
الذخیرۃ اہ ملخصاً (ج ۲ ص ۵۸) اور اگر صورت سوال میں اکراہ یعنی اکراہ شرعی متحقق ہو
تو یہ ایک دوسری وجہ عدم وقوع طلاق کی ہو جائے گی کیونکہ کتابت طلاق بالاکراہ موجب
طلاق نہیں صرح بہ فی الدر والشامیۃ فی فصل الطلاق بالکتابۃ، والدلہ علماء۔
۲ رمضان ۱۳۶۶ھ

حکم طلاق بلفظ طلاق ہی سمجھو (سوال) مخدوم گرامی اعلیٰ حضرت قبلہ و کعبہ ام عالیجناب
مولانا صاحب مدظلہ العالی !

السلام علیکم معادلہ نکاح لڑکی مسماة جمیلہ خاتون کے متعلق حسب الارشاد جملہ صاحبان
کے بیانات تحریریں علمی و علمی لکھو اگر حضور انور میں پیش کرنا چاہتا ہوں، فقط والسلام۔

خوٹا :- یہ چھ عدد تحریرات تھیں۔ عا میں زوج کا کوئی لفظ موجب طلاق نہیں
صرف ایک لفظ مذکور ہے کہ میں نے طے کر لیا ہے کہ میں علیہ کی کردوں (جو مضامین کا صیغہ ہی
تحریر دوم میں یہ لفظ بھی نہیں بلکہ صرف اس قدر ہے کہ زوج نے اول یہ کہا کہ فلاں فلاں
صاحب میرے ساتھ مظفر نگر چلیں میں وہاں اس معاملہ کا تصفیہ کر دوں گا پھر اس سے کہا گیا کہ
وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے جب تم تصفیہ کے لئے تیار ہو تو ابھی کر دو اس کے جواب میں
زوج نے کہا کہ میں اپنے والدین سے مشورہ کے بعد بتلاؤں گا۔

بقیہ تحریرات میں جو الفاظ تھے ان کو جواب اول میں نقل کیا گیا ہے اور انہی سے بحث
کی گئی ہے ۱۲ ظفر

الجواب الاول : ان تحریرات میں تحریر سوم و چہارم و ششم میں یہ لفظ مذکور ہے کہ
محمود نے کہا "اب بھی جواب دینے کو طیار ہوں میری طرف سے جواب ہی سمجھیں" اس کے بعد
کسی میں یہ ہے کہ ذرا میں چرتھا اول ہو آؤں وہاں سے آکر تصفیہ کر دوں گا کسی میں یہ ہے کہ
مجھ کو دعویٰ ہر کا کھسکا ہے اس لئے مظفر نگر چیل کر تم معافی نامہ ہر لکھ دو پھر میں طلاق لکھ دوں گا
بہر حال لفظ جواب سمجھیں طلاق کا صریح لفظ نہیں بلکہ کنایہ ہے اور کنایہ بھی ایسا جو مذکور
طلاق میں بھی محتاج نیت ہے بوجہ لفظ سمجھیں بڑھانے کے جو ترجمہ گیر وانکار کا ہے جس میں
فقہاء نے نیت کی ضرورت کی تصریح کی ہے۔

عالمگیری میں ہے امرأۃ قالت لزوجها مرا طلاق وہ فقال الزوج دادہ گیر او کردہ
گیران نوی یقع ویکون رجعیاً وان لمینو لا یقع ولوقال دادہ انکار او کردہ انکار
لا یقع وان نوى (ج ۲ ص ۷۲) قلت و هذا يدل علی الفرق بین گیر وانکار فی عرفہم
ولیس ذلك فی بلادنا بل ترجمۃ کل واحد منہما عندنا واحد۔ وهذا كما تری
قد صرحوا فیہ بالوقوع بالنیۃ مع کون المتکلم بہ بعد من أکره الطلاق۔

اور تحریر پنجم میں یہ لفظ ہے کہ محمود نے یوں کہا کہ "میں تورات بھی طلاق کی بابت کہا تھا
میں تورات بھی طیار تھا اور اس وقت بھی طیار ہوا جیسا زبان سے کہہ دیا ویسے دے دی،
اب تو کاغذ وغیرہ لکھنا باقی ہے وہ بھی لکھ دوں گا۔"

یہ بھی طلاق دینے میں صریح نہیں کیونکہ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ جیسا زبان سے کہہ دیا
کہ میں طیار ہوں ویسا ہی یہ کہنا ہو کہ طلاق دے دی اور اس سے بھی طلاق کا وقوع نہیں

ہو سکتا۔ بہر حال صورتِ سؤلہ میں جب تک شوہر یہ نہ کہے کہ میں نے یہ الفاظ (جن سے اس وقت جواب میں بحث کی گئی ہے) طلاق کی نیت سے کہے تھے اس وقت تک طلاق نہیں واقع ہوئی، فقط۔ ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۳ ریح الاول ۱۳۴۵ھ

الجواب الثاني

من بعض علماء دیوبند

اللهم انت الموفق للصواب

مجھ سے کہا گیا ہے کہ بعض اکابر نے امر کیا ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق تو اپنا خیال ظاہر کر۔ اس لئے میں اظہار خیال پر مجبور ہوں اور چونکہ میرا منصب فتویٰ نویسی نہیں ہے اور مفتی کیلئے جس وسعت نظر کی ضرورت ہے میں اس کے بعید تر مقام پر بھی نہیں رکھا جاسکتا ہوں، اس لئے اگر اس میں غلطی ہو تو مستبعد نہیں اور اگر صحیح ہو تو اس کو آمر و ظلہ کی کرامت خیال فرمایا جاوے۔ اس گزارش کا فضا فقط یہ ہے کہ میری یہ تحریر چند پریشان خیالوں کا مجموعہ ہے اگر کرامت اس کی تصدیق کریں تو قابل عمل ہے ورنہ ردی کا غم سے زیادہ اس کی وقعت نہیں۔ میں ان تمام کاغذات منسلکہ کو دیکھنے کے بعد سمجھتا ہوں کہ صورت زیر بحث میں طلاق بائنہ واقع ہو گئی ہے کیونکہ حسب بیان مستفتی زوجہ غیر مدخول بہا ہے۔ اس خیال کی بنیاد امور ذیل ہیں:

۱ اگر اس تدقیق میں وقت صرف نہ کیا جاوے کہ ”داوہ گیر“ اور ”جواب ہی سمجھیں“ میں ترجمہ فرق ہے تاہم جب یہ مان لیا گیا کہ اس قسم کے الفاظ کنایات طلاق میں سے ہیں تو پھر طلاق نہ ہونا دشوار ہے کیونکہ وہ صریح سے صریح الفاظ اظہار نیت کے لئے بول رہا ہے کہتا ہے کہ پہلے بھی طیار تھا اب بھی طیار ہوں پھر اگر ان الفاظ سے نیت طلاق کا پتہ نہیں چلتا ہے تو اور کس طرح چلے گا۔ ہمارے پاس قائل کے الفاظ ہی ایسی چیز ہیں جن سے ہم اس کے ارادہ اور نیت کا پتہ چلا سکتے ہیں اور اگر ایک شخص کے الفاظ ہی اس کی نیت کو نہیں بتلا سکتے ہیں تو اگر کوئی شخص بصراحت بھی کہے کہ میری نیت یہ تھی قابل اعتبار نہ ہونا چاہئے۔ اس سے بھی قطع نظر نہ ہونا چاہئے کہ قتل عمد میں صرف آلہ جارحہ کے استعمال کو نیت قتل کے اظہار کا قطعی ذریعہ مان لیا گیا ہے۔ اگر قائل بالآلات الجارحہ میں کھا کر نیت قتل کا انکار کرے تو معتبر نہیں ہوتا تو جب قصاص ایسی مہتم بالشان چیز میں ایک قوی قرینے کو اس قدر درجہ

۲۹ سے دیا گیا کہ نیت کا انکار معتبر نہیں تو اگر کسی شخص کے الفاظ اس کی نیت کو ظاہر کریں تو نیت پر جرم کرنا امر مستبعد نہیں۔ پس اگر باوجود مذکورہ طلاق کے ان الفاظ میں نیت طلاق شرط بھی ہو تب بھی نیت طلاق موجود ہے ملاحظہ ہو کاغذ ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶۔

۲ تحریر ۵ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ زوج نے کہا کہ ”جیسا زبان سے کہہ دیا ویسے بیری اب تو کاغذ وغیرہ لکھنا باقی ہے“ اس سے صاف ظاہر ہے کہ زوج کے نزدیک تعلقات زوجیت کے انقطاع کے تمام مراحل طے ہو گئے صرف کاغذ پر لکھنا باقی ہے اور ظاہر ہے کہ طلاق لسان سے ہے نہ کتابت سے پس طلاق واقع ہو گئی۔

۳ میرا خیال ہے کہ زوج کے یہ الفاظ کنایہ کی اس قسم میں داخل ہیں جن کو صلح للجواب عن سوال المرأة طلاقہا فقط میں داخل کیا جاسکتا ہے ان میں رد وغیرہ کا احتمال میری فہم سے بالا ہے اور اس قسم کے الفاظ کا حکم فتاویٰ القرویہ میں اس طرح ہے فی حال الرضا لا يقع الطلاق بشیء منها والقول له مع یمنہ وفي حال لئذ آکره الطلاق یقع بالصالح للجواب والرد بالنیة ویقع الطلاق بالصالح للجواب فقط والصالح للجواب والشتم بدون النیة وفي حال الغضب یقع بالصالح للجواب فقط بلانیة ویقع بالصالح للجواب والرد والشتم بالجواب والشتم بالنیة۔ اسی کے حاشیہ پر طبعی الاجر سے نقل کیا ہے فلوانکر النیة صدق مطلقا حالة الرضاء ولا ینصدق قضاء عند مذآکره الطلاق فیما یصلح للجواب دون الرد والشتم۔ پس میرے خیال میں مذکورہ طلاق کی صورت میں یہ الفاظ محتاج نیت بھی نہیں ہیں۔

خلاصہ گزارش یہ ہے کہ یا تو یہ الفاظ محتاج نیت ہی نہیں ہیں اور اگر میں تو زوج ہی کے الفاظ اس کی نیت طلاق کو بتا رہے ہیں اور حسب بیان مستفتی زوجہ غیر مدخول بہا ہے لہذا زوجہ مطلقہ بائنہ ہے بلا انقضائے عدلت اس کا نکاح دوسرے شخص سے کیا جاسکتا ہے واللہ اعلم وعلما تم۔ محمد اعزاز علی غفرلہ ۷ ریح الثانی ۱۳۴۵ھ۔

اقول وباللہ التوفیق

احقر کی رائے میں بھی اس صورت میں طلاق بائنہ واقع ہو گئی جس کی تفصیل تحریر بالا میں مذکور ہے۔ فالجواب صحیح فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ دیوبند۔ □ نشان مہر

احقر بھی حضرت مفتی صاحب کی تحریر سے اتفاق رکھتا ہے۔

الجواب صحیح، احقر محمد حمید حسن عفی عنہ دیوبندی۔

الجواب صواب، نبیہ حسن عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح مسعود احمد عفا اللہ عنہ دارالعلوم دیوبند، رجب ۲۷ ۱۳۷۷ھ

الجواب صحیح، احقر الزمان گل محمد خان خادم دارالعلوم دیوبند۔

الكلام على ثانی الجواب

(من جامع امداد الاحکام)

والله المدهد للصواب

اقول وبالله التوفیق وهو خیر معین ورفیق۔

① فاضل مجیب نے علماء میں جس تدقیق میں وقت صرف نہیں کیا درحقیقت وہی قابل غور ہے اور اس میں ان کو تامل و غور کرنا اور وقت صرف کرنا لازم تھا کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ ہم لوگ مجتہد نہیں بلکہ مقلد ہیں پس ہم کو فقہاء کے کلام میں غور کر کے کوئی نظیر مقدمہ کی نکالنا چاہئے تاکہ جواب محض قیاس مقلد پر مبنی نہ ہو بلکہ کلام فقہاء پر مبنی ہو۔ سو ہم نے جو اس واقعہ میں غور کیا تو مستحکم کے لفظ ”آپ میری طرف سے جواب ہی سمجھیں“ کی چند نظائر کلام فقہاء میں ہم کو ملی ہیں ایک ”دادہ گیر و کردہ گیر“ جس کو جواب اول میں نقل کیا گیا ہے عالمگیری (ج ۲ ص ۷۵) میں اس جزئیہ کو زیادہ وضاحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے و لفظہ فی النسبیۃ سئل عن امرأۃ قالت لزوجها با تو نمی باشم قال نابا شیدہ گیر فقالت ای چه سخن بود آن کن کہ خدا سے تعالیٰ و رسول خدا فرمود۔ نیکو جو طلاق تا بروم فتال طلاق کردہ گیر برو۔ هل يقع الطلاق ان نوى الايقاع يقع واحدا اه و فی الخلاصۃ ولو قالت مرا یلکن فقال یلہ کردہ گیر ان نوى يقع اه (ج ۲ ص ۱۹۷) اور ظاہر ہے کہ طلاق کردہ گیر اور یلہ کردہ گیر الفاظ کنایات طلاق میں سے ہیں ورنہ بعزیمت کے بھی ان سے وقوع نہ ہوتا مگر بایں ہمہ بعد طلب طلاق و مذکرہ طلاق کے بھی وقوع طلاق کو

عہ قلت وقد صرح فی العالمگیریۃ ان قوله یلہ کردہ ترا تفسیر قوله طلقته عفا حتی یكون رجعیاً و يقع بدون النیۃ اه ج ۲ ص ۷۲۔ وانما صارت کنایۃ لزیادۃ قوله گیر فانهم ۱۲ منه

مقید بالنیۃ کیا گیا ہے۔ اور یہاں یہ بات قابل تنبیہ ہے کہ فقہاء نے جن الفاظ میں با وجود مذکرہ طلاق کے بھی وقوع طلاق کے لئے نیت کو شرط قرار دیا ہے وہاں مطلب یہ ہے کہ مستحکم وقت تکم کے ان الفاظ سے ایقاع طلاق کی نیت کہے محض قرآن نیت کافی نہ ہوں گے ورنہ مذکرہ طلاق کے بعد جو کہ نیت کا قوی قرینہ ہے کما صرحوا بہ قاطبۃ نیت کا شرط کرنا محض فضول لغو ہوگا۔ اس سے فاضل مجیب کے اس قول کا جواب معلوم ہو گیا کہ:

”جب یہ مان لیا گیا کہ الفاظ کنایات طلاق سے ہیں تو پھر طلاق نہ ہونا دشوار ہے

کیونکہ جو صریح سے صریح الفاظ اظہار نیت کے لئے بول رہا ہے کہتا ہے کہ پہلے

بھی طیار تھا اب بھی طیار ہوں الخ“

کیونکہ اول تو اس میں صرف آمادگی کا اظہار ہے اور آمادگی بر طلاق عزم طلاق کو مستلزم نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ آمادگی کسی مصلحت یا شرط کے ساتھ مشروط ہو کہ بدون اس کے تحقق کی آمادگی ہی متحقق نہ ہوگی تا بعزم چہ رسد اور واقعہ مسئول عنہا میں زوج نے جس قدر بھی آمادگی طلاق پر ظاہر کی ہے وہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اول دین مہر کی طرف سے اس کا کافی اطمینان ہو جائے بدون اس شرط کے تحقق کے نہ اس کی طرف سے آمادگی کا تحقق ہے نہ عزم کا اور اس شرط کے ذکر پر تمام شہود متفق ہیں پس اول تو آمادگی بر طلاق عزم طلاق کو مستلزم نہیں اور اگر ہو بھی تو ان قرآن کی حیثیت مذکرہ طلاق سے زیادہ نہیں مگر فقہاء نظائر مذکورہ میں باوجود مذکرہ کے جو ان کے نزدیک قرینہ قویہ نیت طلاق کا ہے پھر بھی نیت زوج کو ضروری بتلاتے ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان الفاظ کے تکم کے وقت ایقاع طلاق کی نیت شرط ہے جو بدون اقرار زوج کے معلوم نہیں ہو سکتی۔

اس کے بعد میں فاضل مجیب کو اس پر بھی متوجہ کرتا ہوں کہ انہوں نے اس مقام پر قتل کی نظیر بیان کرنے میں سخت مسامحت کی ہے کیونکہ قتل افعال حسیہ میں سے ہے، عقود و فسوخ کی جنس سے نہیں ہے عقود و فسوخ کا تحقق محض الفاظ سے ہوتا ہے اس لئے وہاں صریح و کنایات اور نیت سے بحث لازم ہے اور افعال حسیہ کا وجود الفاظ سے نہیں ہوتا بلکہ فعل حسی سے ہوتا ہے وہاں نیت سے کچھ بحث نہیں۔ پس جب فعل حسی یعنی قتل بالجرحہ کا تحقق ثابت ہو گیا اب نیت قتل کا انکار نفی قتل میں لغو ہے۔ اور اگر طلاق نکاح کا تحقق بھی ایجاب و قبول یعنی الفاظ سے نہ ہو کرتا بلکہ کسی عمل سے ہوتا تو بعد ثبوت

عمل یہاں بھی نیت کی بحث کو لغو کہا جاتا اور قتل و زنا میں بھی اگر ایسی صورت ہو جہاں ثبوت زنا و قتل کا مدار بقیہ پر نہ ہو بلکہ صرف اقرار ملزم پر ہوا اور اس صورت میں ملزم یوں کہے کہ "آپ مجھ کو ہی قاتل سمجھ لیں" یا یوں کہے کہ "مجھ کو زانی سمجھ لیں" تو ہم یقین کرتے ہیں کہ ایسے مجمل و محتمل اقرار سے فاضل مجیب بھی اُس کو محمل نقاص و محمل رحیم نہ قرار دیں گے۔

فاضل مجیب کو طلاق کی نظیر میں نکاح و بیع وغیرہ کا ذکر مناسب تھا جو مثل طلاق کے الفاظ سے ثابت ہوتے ہیں۔ اب وہ غور کریں کہ اگر کوئی شخص نکاح کی مجلس میں ایجاب کے بعد یہ کہے کہ میں نے قبول منظور کیا بلکہ یوں کہے کہ آپ میری طرف سے قبول ہی سمجھیں تو کیا اس کو بدون نیت کے صریح قبول مانا جائے گا گو وہ اس سے پہلے قبول نکاح پر کسی ہی آمادگی اور طیاری ظاہر کر چکا ہو یقیناً یہاں آپ بھی یہی کہیں گے کہ یہ الفاظ قبول میں صریح نہیں بلکہ نیت پر مدار رکھا جائے گا اگر اس نے اس لفظ سے انشاء قبول کی نیت کی ہو تو قبول ہے ورنہ محض وعدہ ہے قال فی الخلاصة لو قال لامرأة اجنبیة خوشتن بزنی کونہ فقلت داده لیران نوت و هناك شهود صحیح قال و اما فی البیع و الاجارة و کل ما يتعلق بالمال بان قبیل لرجل یع هذه الدار منی فقال فروخته گیر و قبل فلان فلا یصح اه (۲۷ ص ۱۹۷)۔

دوسری نظیر واقعہ مسئلہ کی فقہاء کے کلام میں داده انگار و کردہ انگار ہے جس میں فقہاء نے تصریح کی ہے کہ باوجود نیت کے بھی وقوع طلاق نہ ہوگا۔ قاضی خان نے اس کو زیادہ وضاحت سے بیان کیا ہے امرأة قالت لسن وجها مرا طلاق ده و قال للرجل داده انگار او قال کرده انگار لا یقع الطلاق وان نوى كانه قال لها بالعربیة احسبى انك طالق وان قال ذلك لا یقع وان نوى اه (ج ۲ ص ۲۱۰) اسی قاضی خان میں (ج ۲ ص ۲۱۳) یہ ہے ولو قبیل لرجل اطلقت امرأتك فقال عدھا مطلقه او احسبھا مطلقه لا تطلق امرأته اه اور اگر تا مل صادق سے کام لیا جائے تو لفظ جواب ہی سمجھیں گے نذر طلاق داده گیر سے زیادہ قریب طلاق داده انگار و احسبى انك طالق وعدھا مطلقه ہے اور ان میں فقہاء باوجود نیت کے بھی وقوع طلاق کے قائل نہیں اور داده گیر کا ترجمہ صحیح یہ ہے کہ "طلاق ہی مان لو"؛ پس صورت مسئلہ میں اگر متکلم نے یوں کہا ہوتا کہ "آپ میری طرف سے جواب ہی مان لیں" تو بیشک لفظ طلاق داده گیر

کی صریح نظیر تھی جس سے بشرط نیت ایقاع بوقت تکلم وقوع طلاق کا ہوجاتا اور جواب ہی سمجھیں میں حکم وقوع طلاق دشوار ہے اور بدون نیت بوقت تکلم کے تو دشوار تر ہے فاضل مجیب وقت صرف کر کے اس میں دوبارہ غور کریں۔

(۲) فاضل مجیب نے اس نمبر میں سخت مسامحت سے کام لیا ہے کہ زوج کے قول کو نقل کر کے یہ نہیں بتلایا کہ ایقاع طلاق کا حکم کس لفظ کی وجہ سے ہو زوج کے الفاظ میں "میں نے تو رات بھی طلاق کی بابت کہا تھا میں تو رات بھی طیار تھا اور اس وقت بھی طیار ہوں جیسا زبان سے کہہ دیا ویسے ہی اب تو کا غنڈ وغیرہ لکھنا باقی ہے وہ بھی لکھ دینگا" فاضل مجیب کو چاہیے تھا کہ اس کلام میں وہ لفظ معین کرتے جس ایقاع طلاق ثابت کیا گیا ہے وہ کہتے ہیں کہ زوج کے نزدیک تعلقات زوجیت کے انقطاع کے تمام مراحل طے ہو گئے صرف کا غنڈ پر لکھنا باقی ہے الخ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مجیب کے نزدیک لفظ "اب تو کا غنڈ وغیرہ پر لکھنا باقی ہے" سے وقوع طلاق کا ہوا ہے حالانکہ یہ لفظ ایقاع میں سے ہرگز نہیں اگر کسی شخص نے ایک مرتبہ بھی انشاء طلاق و ایقاع کا لفظ زبان سے نہ نکالا ہو اور وہ لاکھ مرتبہ یہ کہتا پھرے کہ "اب تو کا غنڈ وغیرہ لکھنا باقی ہے" تو ہرگز کوئی مفتی اس لفظ سے ایقاع طلاق کی جرأت نہیں کر سکتا اور اگر لفظ "جیسا زبان سے کہہ دیا ویسا دیدی" کو موجب وقوع سمجھا گیا ہے تو فاضل مجیب کو لازم تھا کہ سیاق و سباق کے ساتھ ملا کر اس مہمل جملہ کا مطلب بھی واضح کرتے تاکہ دوسروں کو غور کا موقع ملتا کہ فاضل مجیب نے اس کے کیا معنی سمجھے اور اس کو کس قاعدہ سے موجب ایقاع طلاق قرار دیا ظاہر ہے کہ اس جملہ میں لفظ جیسا ویسا تشبیہ کا حرف ہے جس سے قائل نے ایک شے کے دینے کو زبان سے کہی ہوئی بات کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور زبان سے جو بات اس سے پہلے کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ "میں رات بھی طیار تھا اور اس وقت بھی طیار ہوں" جس کا حاصل صرف یہ ہے کہ وہ آمادگی بر طلاق کو اعطاء طلاق کے ساتھ تشبیہ سے رہا ہے یعنی تم میری اس ظاہر کردہ آمادگی کو مثل طلاق دینے ہی کے سمجھو اب ہم منتظر ہیں کہ فاضل مجیب فقہ کی کس جزئی سے اس کا ثبوت دیں گے کہ تشبیہ آمادگی بر طلاق باعطاء طلاق یا اس کا عکس موجب وقوع طلاق ہے میرا خیال ہے کہ وہ اس کو ہرگز ثابت نہیں کر سکتے پھر حیرت ہو کہ متکلم کے کلام کا تو کوئی جز و موجب وقوع نہیں اور فاضل مجیب اس کا خلاصہ اپنی

عبارت میں نکال کر حکم وقوع کر رہے ہیں۔

اس کے بعد فاضل مجیب نے دوسری مسامحت یہ کی کہ اس امر میں غور نہیں کیا کہ جس لفظ سے وہ نمبر دوم میں بحث کر رہے ہیں اس کا ناقل و مشاہد صرف ایک شخص ہے اور ایک شخص کا قول باوجود عدالت کے بھی باب طلاق میں حجت نہیں پھر جس لفظ کے ناقل دو میں بھی ہیں ان میں بھی عدالت شرط ہے فاضل مجیب کو حکم وقوع لگانے سے پہلے یہ معلوم کر لینا ضروری تھا کہ عدالت شہادت کامل ہے یا نہیں اور شہود عادلہ ہیں یا نہیں، اور کوئی وجہ صحت یا زوج یا اتحاد مع الزوج موجود نہیں اور اس کی ضرورت مجیب اول کو نہ تھی کیونکہ اس نے عدم وقوع کا فتویٰ دیا ہے ولا حاجة في عدم الوقوع الى هذه الشرائط هذا وقد صرح الفقهاء بلزوم الافتاء بالقضاء بالذیابہ کما فی ادائل رد المختار واداء الحامدیة۔

③ اس نمبر میں فاضل مجیب نے فیصلہ کیا ہے کہ میرے خیال میں زوج کے یہ الفاظ کنایہ کی اس قسم میں داخل ہیں جن کو صالح للجواب عن سوال المرأة طلاقها فقط میں داخل کیا جا سکتا ہے الخ

اس کے متعلق عرض ہے کہ ہمارا اور آپ کا محض خیال فتویٰ میں کافی نہیں بلکہ زوج کی طرف جو الفاظ شہود نے منسوب کئے ہیں ان کو فقہاء کے کلام میں غور کر کے کسی جزئی پر منطبق کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ لفظ فلاں لفظ کی نظیر ہے جو محض صالح للجواب ہے، اس لئے یہ بھی محض صالح للجواب ہے اس کے بعد حکم وقوع صحیح ہوگا والا فلا اور محض قاعدہ کلیہ بیان کر دینا کافی نہیں اس سے تو ہر طالب علم واقف ہے۔

آپ کا یہ ارشاد بالکل صحیح ہے کہ ان میں رو دوشتم کا احتمال فہم سے بالا ہے لیکن ان الفاظ میں احتمال و عدد تسلیہ ضرور ہے ہمارے محاورہ میں وعدہ کے وقت کہا کرتے ہیں کہ اس کلم کو ہوا ہی سمجھو، تم میرے پیغام کو نکاح ہی سمجھو، میری بات کو قبول ہی سمجھو۔ اسی قبیل سے یہ قول ہے کہ آپ جواب ہی سمجھیں۔ یعنی جواب ہوا ہی چاہتا ہے۔ اور جب یہ کلام محتمل و عدد تسلیہ ہے تو پھر یہ کہنا کیونکر صحیح ہے کہ یہ صالح للجواب عن سوال الطلاق فقط میں داخل ہے۔ فاضل مجیب غور فرمائیں کہ عورت کے سوال طلاق کے بعد شوہر کا یہ کہنا طلاق دادہ گیر یا یلہ کردہ گیر اس میں کیا احتمال رو دوشتم کا ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ

ظاہر یہ ہے کہ یہ لفظ جواب سوال طلاق کے سوا کسی شے کو رو دوشتم میں سے محتمل نہیں مگر چونکہ اس میں وہی احتمال وعدہ کا اور امید دلانے کا ہے اس لئے فقہاء نے اس میں باوجود مذکر طلاق کے نیت یقاع کو شرط کیا ہے اور طلاق انکار و احسبی انک طالقہ وعدہا مطلقہ و احسبہا مطلقہ میں باوجود نیت کے بھی عدم وقوع کی تصریح فرمائی ہے کیونکہ یہ لفظ معنی وعدہ میں صریح ہے جس کی نظیر یہ ہے کہ کوئی سوال طلاق کے بعد یوں کہے طلاق کنم طلاق کنم تو اس سے بوجہ معنی وعدہ کے وقوع نہ ہوگا قال فی الہندیۃ قالت لزوجہا من با توئی باشم فقال الزوج مباشر فقالت طلاق بدست تو است مرا طلاق کن فقال الزوج طلاق میکنم و کورثانا طلقت ثلاثا بخلاف قوله کنم لانه استقبال فلم یکن تحقیقا بالشک و فی المحيط لوقال بالعربیۃ اطلق لا یكون طلاقا ای مع النیۃ کما صرحوا بہ ۱۲ منہ الا اذا غلب استعماله للحال ۵۱ (ج ۲ ص ۴۲)۔

یہ تو جملہ اولی کے متعلق گزارش تھی اب جملہ ثانیہ کے بابت جو تحریر ۵ میں ہو عرض ہے کہ لفظ جیسا زبان سے کہہ دیا ویسے دیدی اب تو کاغذ وغیرہ لکھنا باقی ہے الخ یہ الفاظ طلاق میں سے ہے ہی نہیں کیونکہ اس میں محض تشبیہ اعطاء طلاق بالقول السابق ہو اور اس سے وقوع طلاق کا کوئی احتمال نہیں پھر اس قول میں کہ جیسا زبان سے کہہ دیا ویسے دے دی اضافت طلاق الی المرأة بالکل نہیں ہے نہ لفظا کما ہو ظاہر نہ معنی کیونکہ عورت کو خطاب نہیں نہ بوقت اس کلام کے وہ سامنے تھی اور طلاق کا جو ذکر اس سے پہلے ہو رہا تھا وہ بھی ابہام کے ساتھ بدون اضافت کے تھا قال فی الخانیۃ امرأۃ قالت طلعتی ثلاثا فقال الزوج اینک ہزار طلاق لا تطلق امرأۃ لادہ کلام محتمل (ج ۲ ص ۲۱۵) ای لعدم الاضافۃ بخلاف قوله اینک ہزار طلاق حیث تطلق ثلاثا کما فی الخلاصۃ واللہ تعالیٰ اعلم اور عدم اضافت کا احتمال لفظ اول میں بھی ہے یعنی قول زوج آپ جواب ہی سمجھیں میں کیونکہ سبب ایک شاہد کے

عہ اور یہ بھی پوری نظیر نہیں کیونکہ مضارع میں بعد نیت کے وقوع ہو جاتا ہو اور الفاظ مذکورہ میں بعد نیت کے بھی وقوع نہیں ہوتا لیکن اس کو محض اس بات کے بتلانے کے لئے ذکر کیا گیا ہے کہ معنی وعدہ کا احتمال وقوع طلاق کی نفی کر دیتا ہے ۱۲ منہ

کسی نے اضافت کی تصریح نہیں کی پس فاضل مجیب کو حکم وقوع طلاق کرتے ہوئے سب پہلوؤں پر غور کرنا لازم تھا اور باب طلاق میں اضافت کا مسئلہ ایسا مشکل ہے جس کو بہت ہی کم لوگ حل کر سکتے ہیں لاختلاف اقوال الفقہاء فیہا، وتشابه النظائر وتشاکلہا ہذا اما عندی ولم األ جهداً فی تحقیق المسئلة وتنقیحہا وشرحہا وتلقيحہا وفوق کل ذی علم عليم فائدہ سبحانہ وتعالی اعلمو علمہ اتم واحکم۔

حرره ظفر احمد الربیع الثاني سنة ۱۲۴۵ھ

تحقیق مسئلہ بدیم بزبان عربی | الاستفتاء :- رجل طلق امرأته مرتين وأثناء عدتها ما راجعها وما أمكها وما طلقها ثالثة حتى انقضت عدتها و بانت منه وهي منفرودة منه في بيتها وبعد برهة من الزمان سئل له ان ينكحها نكاحاً جديلاً فنكحها لکن بعد مدة حدثت حادث ما فطلقها طلقاً واحداً. في هذه الصورة يقول عامة الفقهاء الاعلام انها في هذه الطلقة الواحدة حرمت عليه حرمة غليظة حتى لا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره وهذا لا يفقهه حق التفقه وما ذكر في الكتب لا ينتقم البتة بل ينصح خلافه فيأله من داء عقام ولعمري من اين اخذ وأهدى الحكم الشديد الضيق كثير الحرج غايتها أمن القرآن الحكيم او من السنة النبوية الصحيحة ومن القرآن الشريف لا تصل الى ايديهم الا آية الطلاق مَوْتَانِ فَمَا مَسَاكُ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانِ الآية وكلما يغور النظر في الآية يجدها آية من ان يمكن منها اخذ وكيف والآية بحكم بان الرجل اذا نكح امرأة يملك طلقات ثلثة فان طلق مرتين فله اختيار امرين اما يراجعها ويمسكها ويسرحها

عنه لعرض القرآن بذلك صريحاً وانما ثبت ذلك بسنة، فان كانت السنة حجة في ذلك فلتكن حجة في غيره من الاحكام ۱۲ منه

ای يطلقها مرة ثالثة حيث فس النبي صلعم كذا في جواب سوال الصحابي فاين الثالثة؟ قال او يسرحها فالصورة المحكومة عليها في القرآن ان الرج اذا طلق امرأته مرتين فله ان يراجعها او يطلقها ثالثة في اثناء عدتها اذ الرجعة انما تصور في العدة والطلقة الثالثة تنفذ اذا وقعت في العدة فان طلقها كذا فلا تحل له حتى الآية فقوله تعالى فان طلقها اعادتها للتسريح المذكور يترتب عليها الحكم الاتي وانت خبير انما الآية تقتضي ان الطلقة الثالثة اخرجتها عن صلوحها لمحلية النكاح الجديد بالملطوق حتى تنكح زوجاً غيره والصورة المستثناة وراء تلك الصورة لا يوافقها بل يباينها اذ في هذا ما امسكها وما سرحها بل تركها على حالها حتى بانت وعادت الى حالتها الاولى حيث لا تحل له حتى ينكحها نكاحاً صحيحاً جديلاً اذ النكاح بانقضاء العدة قد انعدم بالرهد والنصرم بالكلية ولديق اثر البتة اليس حين بانت منه بانقضاء عدتها صارت اجنبية منه ولم تصلح محلاً بالنصرم ولا يحل له وطئها ولا مسها بشهوة ولا ينفذ تطليقها ثالثاً اذ التطلق انما تصور في النكاح اما قبل حدوثه او بعد زواله فلا اذ لم يصارف محلاً وهل تجب عليه بعد انبثات عدتها نفقتها او كسوتها وغير ذلك ولا اظن احداً هجس به نفسه فتقوة به الفرح ان مات هو لا تعد هي عدة الوفاة ولا ترثه وهو لا يرثها ان ماتت هي حين بانت منه بانقضاء العدة فبعد ان نكحها كان نكاحاً جديلاً ولا بد

عنه لانلو توقفت نفاذها على العدة؛ بل تنفذ بعد العدة أيضاً إذا زوجها ثانياً، وقوله تعالى: أو تصريح بإحسان - يعر التبريح في العدة وبعدها، فمن أين لسائل أن يقيد بزمان العدة ۱۲ منه -

عنه لقائل أن يقول: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً فكيف حرمها الله تعالى عليه حتى تنكح زوجاً غيره؟ فهل إذا نكحت غيره يكون نكاحه بها نكاحاً جديلاً ولا يكون كذلك إذا نكحها بغير ذلك، مع أنها صارت اجنبية عنه، لا يرثها ولا ترثه، فان كان التزوج بزواج آخر بغير المرأة عن حالها، ولا تغير بدون ذلك، اي: الحلل، فكذلك يجوز أن لا يتغير حال امرأته بانقضاء عدتها بعد طلقتين كل التغيير وإن كان قد تغير تغييراً تاماً، فافهم ۱۲ منه

اذا لايجاب والقبول جديدان والتراضى جديد والمهر جديد وكذا الشهود ولا يمكن ان يكون هذا النكاح هو الاول والا يلزم اعادة المعدوم او تمصيل الحاصل وقوانين الشرع لا تساعد شيئا وهي حينئذ تكون تصلح لنكاح كل احد وخطبته واذ النكاح الاول كان باقيا كانت لم تصلح فاذا ثبت ان النكاح الاول وتوابعه بعزل من ان يعد او يضاف الى هذا وصار كان لم يكن شيئا مذكورا وانقضاء عدة الطلقة الثانية لا يخرجها عن صلاحها المحلية النكاح الجديد بالمطلق نعم ازال مالكية للطلقة الثالثة بالمرء وبعبارة اخرى وطى الزوج الثاني في الصورة المحكومة عليها في القرآن الشريف لا يملكه للطلقات الثلاثة جديد بالذات بل بالعرض انما يأهله لان ينكحها جديد فهذا النكاح الجديد بصيرة مالكا للطلقات الثلاثة بالذات او هو يملك بنفسه للطلقات الثلاثة بعد النكاح وحيث لا يتوقف نكاحا جديدا ايضا لا يتوقف مالكته للطلقات الثلاثة البتة والاشرا المروى يحدث عن رجل من قومه عن رجل من اصحابه صلعم فيه ضعف ومجهول بتين كيف يوخذ منه الحكم الشديد الضيق كثير الحرج ينبغي لرجل فقيه ان يسلك مسلك اليس والرفق دون العسر والرتق مهما امكن يريد الله بكم اليس ولا يريد بكم العسر ما جعل عليكم في الدين من حرج سيما اذا قامت عليه الحجة فهي المحجة كيف

عه وان ادعى احد ان توقف جواز النكاح بعد الطلقات الثلاث على النكاح بزواج آخر من الحرج فهل يقول السائل بجوازه بدونه ۱۲ منه .

يجترأ احد وكيف يسوغ لفقهاء ان يحرم فرجا على من اباحه الله تعالى ليعين من النكاح ويحل على رجل حراما عليه وليس معه حجة قوية لضيعة ولا سنة صريحة صحيحة ونحن نذعن ان الصحابة كانوا اعمق علما وادق فهما واحق حكمة وادق فقها ورؤيا فتحرير كيف سلكوا هذا الملك الوعرة بل نظن وقع الغلط في النقل عنهم نعم يتضح هذا في ما اذا امسكها وراجعها واعادها اليه في اثناء عدتها حيث تعود اليه بما بقى وقول ابن عباس رضي الله عنه نكاح جديد وطلاق جديد لعمرى هو اشبه واحق واخرى بالقبول ولا يتوقف هذا على نكاح زوج الثاني او اصابته اذ لا اثر له ولا تعلق بوجه ما البتة ليس الا وذكس الزوج الثاني، انما هو بالاتفاق اذ الحوادث لعله قد اتفق كذا واما بالحكم فلا مساس له البتة كما لا يخفى وتحس اثر او تشتم رائحة من قول حبر الائمة ابن عباس رضي الله تعالى عنه نكاح جديد وطلاق جديد ان تجد والنكاح انما تكون اذا اصابها زوج آخر كلا ولم يثبت ولم يتحقق فيها قضاء رسول الله صلى الله عليه وسلم بذلك كيف ولو كان فما بال حبر الائمة امام الائمة تحرير النجسة اذ قد خفي عليه مثل هذا القضاء مع سعة القضاء والعجب على العجب من الفقهاء الاعلام كيف سطحو النظر

عه وكيف يجوز لعالم ان يحلل فرجا حرمه الله ورسوله لا حد ۱۲ .

عه واخلط الصور بعضها ببعض وهو برءاء منه وكيف ما هو والله اعلم من السائل .

سه على الناقل تصحيح النقل فان ابن عباس لعرقل بذلك الا اذا ما تزوجها بعد

تخلل النكاح بزواج غيره ۱۲ .

لعه يا عجب ممن لا يجسن العربية ولا كتابة كيف يطعن على الفقهاء الاعلام ويجعل نظره

سطحيا ونظرة غائرا وهل هذا الا الضلال ۱۲ ظفر .

ههنا غاية السطحة ولم يعقوها قليلاً فرعوا بما هو مخالف العقل والنقل هذا ولعل الله يحدث بعد ذلك أمراً .

الجواب : اقول وبالله التوفيق . كلما ذكر السائل اغلوطه محضه لا يلتفت اليها مؤمن في قلبه حب الله ورسوله وعزة الايمان وليت شعري هل هو مجتهد ام مقلد فان كان مجتهداً فليجعل نفسه عرضة لامتحان لكي يكرم اديهان وايضاً فلا يجوز لمجتهد احداث قول قد اجمع السابقون من المجتهدين على بطلانه وان كان مقلداً فليس له الا التسليم لما قاله الفقهاء المجتهدون قبله ومن اين له ان يعترض على النقل الصحيح والا فيرفع الامان عن الشريعة المطهرة على مبلغها الف الف تحية . هذا وقد اجمع المجتهدون من الفقهاء والمحدثون من العلماء والراسخون من الفضلاء على ان المرأ اذا طلق امرأته ثلاثاً مجتمعاً او متفرقة سواء كان بعد ما تزوجها ثانياً بشئ طعدم تخلل نكاحها بنكاح آخر وانه فهي طالق عليه ثلاثاً تحل له حتى تنكح زوجاً غيره . واما ابن عباس فانما قال نكاح جديد وطلاق جديد اذا تزوجها الاول بعد تخلل نكاحها بنكاح آخر فقال يهدم الواحد والثنتين والثلاث وبمثله قال ابن عمر كما في كتاب الأثار لمحمد بن حسن (رضي) ولم يقل ذلك اذا تزوج بها من غير تخلل النكاح بغيره ومن ادعى فعلية البيان والى الله المشتكى مما احدثه هذا السائل في الشرع فلم يسبقه احد اليه والله تعالى اعلم .

وايضاً فان قوله تعالى او تسريحاً باحسان ليس بصريح في الطلقة الثالثة وانما يؤخذ منها ذلك ببيان الصحابة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وليس في القرآن ان الرجل يملك على زوجته ثلاث تطليقات وانما فيه الطلاق مرتان فلما كان بيان الرسول بنقل اصحابه حجة في تفسير التسريح بالاحسان بالطلاق الثالث فليكن كذلك قولهم ان التسريح يعنى ما اذا طلقها ثالثاً في النكاح الاول او في الثاني او في الثالث

ماله يتخلل النكاح بنكاح آخر غيرهما فافهم .

۸ جمادى الاولى سنة ۱۲۸۱ھ

حكم لزوم كفارة وعدم وقوع طلاق جبك شوهر بچلف اٹھائے کہ (سوال) کسی نے حالت غصہ میں خدا کی قسم تیرے ہاتھ کا کھانا کھاؤں تو اپنی ماں سے زنا کروں اپنی زوجہ کو کہا کہ تیرے ہاتھ سے کبھی نہیں کھائیں گے خدا کی قسم اگر کھائیں تو میں میرے ماں کے ساتھ زنا کروں گا کئی دن بعد اس نے اس کے ہاتھ سے کھانا شروع کر دیا اس پر طلاق واقع ہو گیا یا نہیں اگر واقع ہو تو کسے طلاق اور کیا کرنا ہوگا اور اگر نہ ہو تو حلف صادق آئے گا یا نہیں اور اگر صادق ہو تو کفارہ لازم ہوگا یا نہیں اگر ہو تو کیسا بالتفسیر لکھنا فقط ؟

الجواب : صورت مسئلہ میں یعنی جبکہ بیوی سے یوں کہا خدا کی قسم اگر تیرے ہاتھ کا کھانا کھاؤں تو اپنی ماں کے ساتھ زنا کروں اور پھر اس کے ہاتھ کا کھانا کھا لیا تو اس کے طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ قسم کا کفارہ دینا لازم ہوگا . واللہ اعلم .

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ ، ۹ سوال ۳۳۵ھ

الجواب صحیح ، ظفر احمد عفا عنہ . ۱۰ سوال ۳۳۵ھ

دفع طلاق کے لئے الفاظ (سوال) معروض یہ ہے کہ ایک شخص نے بلا تلفظ یعنی دونوں طلاق پر تلفظ شرط ہے ہونٹ بند ہونے کی حالت میں اپنی زوجہ کو طلاق دی اور کچھ

حکمت دونوں ہونٹ میں اور زبان میں بھی اندر ہی اندر ہوتی یعنی ہلنا یا یا گیا غرض دونوں ہونٹ ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہے اور زبان میں اندر ہی اندر حرکت ہوئی اور دونوں ہونٹ میں بھی حرکت ہوئی بند ہونے کے حالت میں جس قدر حرکت ہو سکے اور بے تلفظ اپنی زوجہ کو طلاق دی یہ طلاق واقع ہوتی یا نہ ہوتی امید ہے کہ جواب سے ممنون فرماویں ؟

الحاصل یہ طلاق دینا تلفظ کے ساتھ نہ ہوا اور دل ہی دل میں بھی نہیں بلکہ بین میں جیسا کہ تفصیلاً عرض کیا گیا زبان میں اور دونوں ہونٹوں میں بند ہونے کی حالت میں جس قدر حرکت ہو سکے حرکت پائی گئی مگر تلفظ قطعاً نہیں جب تلفظ نہیں تو دل ہی دل میں شمار کیا جائے یا نہیں ؟

الجواب : صورتہ مسئلہ میں طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ وقوع طلاق کے لئے تلفظ شرط ہے اور منہ بند کر کے جو زبان کو حرکت دی گئی ہے وہ تلفظ نہیں ہر لان المشائخ

اختلفوا في حد النطق والتلفظ على ثلاثة اقوال فبعضهم قالوا هو خروج صوت يصل الى اذنه راي ولو حكما كما كان هناك ما لمع من صمم او جلبة اصوات او نحو ذلك قاله الشامي وبعضهم قالوا هو خروج الصوت من الفم وان لم يصل الى اذنه لكن بشرط كونه مسموعا في الجملة حتى لو اذني صماخه الى فيه يسمع والقول الثالث انه يكفي تصحيح الحرف كما هو المذكور في البحر رد المحتار وفتح القدير وغيرها من كتب الفقه ولا يخفى ان الصورة المستولة لا يصدق عليه حد التلفظ على احد من الاقوال الثلاثة اما على الاول والثاني فظاهر لا يحتاج الى البيان واما على الثالث فنقول ان المراد بكفاية تصحيح الحرف ان مجرد خروج الصوت راي الهواء المتوج من الفم يكفي وان لم يكن مسموعا قط وليس مرادهم ان مجرد تحريك اللسان ووضعه على المخارج يكفي بدون الصوت لان الصوت ماخوذ في حد الحرف كما قال صاحب كتاب الاصطلاحات عرفه القراء بانه صوت معتمد على مقطع محقق او مقدر وعرفه ابن سينا بانه كيفية للصوت بها يمتاز الصوت عن صوت آخر (ص ۳۱۹) والصوت كيفية تحدث في الهواء من توجه بسبب قرع اقلع مع المقاومة كما في حاشية الميبدى عن العلى . فثبت ان تصحيح الحرف لا يتاقي بدون التوج في الهواء ولا يخفى ان التوج لا يحدث بغير انفتاح الشفتين والله اعلم .

فائدة :- القول الاول اصح وارجح لاعتماد اكثر علماء ناعليه كما نقله الشامي عن فتاوى الخيرية واختاره صاحب التنوير في القراءة وقال بعدد يجرى ذلك في كل ما يتعلق بنطق كسمية على ذبيحة وجوب سجدة تلاوة وعقاق وطلاق وقال صاحب الدرر متفرعا عليه فلو طلق او استثنى ولم يسم نفسه لم يسم في الاصح ولكن القول الثالث ايضا مصحح كما في الشامي عن الخيرية ايضا فينبغي الاخذ بالاحوط اى يعمل بالاول في القراءة والسمية والاستثناء وبالثالث في السجدة والعقاق والطلاق وهذا اخر ما اردنا ايراد في هذا المقام بتوفيق الملك العزيز العلام ، كتبه الاحقر عبد الكريم عفى عنه ۸ ربيع الثامن ۱۳۵۱

حكم طلاق مدحوش وغيره (سوال) چه میفرمایند علمای شریعت غرا و فضلاء ملت بیضا اندر اینکه شخصی مسمی بطفیل علی چهار پنج سال میگردد که در مرضه شدید تا مدت مدید مبتلا گشته بود که اندرون زبان او دملی هائل و جل حتی عظیم پیدا شد تکالیف شاقه و آلام و ادجاع متنوعه ازان کشیده بود و در سه بار طبیب نشتر زده آنرا شگافه انواع مواد فاسده از لیم و از و آب و خون فاسد ازان بر آورده بود با جمله قریب بمرگ رسیده بود و بر بستر موت خفته اما بسبب بقائه مدت حیات بحکم این مقوله صادق بیت سه

اگر در حیاتت بمانده است دیر ؛ نه مارت گزاید نه شمشیر و مشیر آهسته آهسته ازین مرض هائل سبکدوش گردید اما اثرش تا هنوز باقی ست که اگر خلاف مرضی چیزی از کسی از زن و فرزند و مادر و برادرش سرزد شود چنان در طیش آید که چشمش خیره و دماغش متغیر و عقلش مختل گردد و اقوال و افعال بدون از حد اعتدال و خارج از جاده استقامت از سرزد شود همچون مدحوشان و مجنونان اما بخیبر محض نشود و ادراک و علم و اراده بالکلیه زوال پذیر نگردد باری در چنین حالت اختلال عقل زن خود را سرتیغ داد آ یا شرعا زنش مطلقه ثلاث شده است یا نه کسیکه حالش در سه بار چنین شده اگر دعوی تطلیق در اینچنان حالت نماید شرعا قولش معتبر شود یا نه ؟ مینوا تو جروا

جواب آمده از بیگال بغرض تصدیق

در صورت سوال آن شرعا مطلقه نشده است فی رد المحتارنا نالم نعتبر اقوال المعتوه مع انه لا یلزم فیه ان یصل الى حالة لا یعلم فیه ما یقول ولا یرید و ایضا فیه والذي یظهر لی ان کلام من المدحوش والغضبان لا یلزم فیه ان یرید ان یقول بل یکتفی فیه بغلبة الهمذیان واختلاط الجذ بالهمز لکما هو المفتی به فی السکران . و ایضا فیه فان بعض المجانین یعرف ما یقول و یرید و یرید کس ما یشهد الجاهل به بانه عاقل ثم یظهر منه فی مجلسه ما ینافی به فاذا کان المجنون حقیقة قد یعرف ما یقول و یقصد به غیره بالاولی فالذی ینبغی التعویل علیه فی المدحوش ونحوه اناطة الحکم بغلبة الخلل فی اقواله و افعاله الخارجة عن عادته و کذا یقال فیمین اختل

عقله کبیرا و لمرض او لمصیبة فاجأة فما دام فی حال غلبة الخلل فی الاقوال و الافعال لا تعتبر اقواله و ان کان یعلمها و یریدها لان هذه المعرفة و الارادة غیر معتبر لعدم حصولها عن ادراک صحیح کما لا تعتبر من الصبی العاقل انتهى۔ ازین عبارات بخوبی مدراک گردید کہ زن طفیل علی مطلقہ ثلاث نشده است اگر چه وی در انحالت اختلال عقل بعلم و اراده و قصد ایقاع طلاق داده باشد بسبب عدم صحت ادراک او و عومی تطبیق او در آنچه ناں حالت شرعاً معتبر و مقبول نگردد فی رد المحتار و اذا کان یعتاده بان عرف منه الدهش مره یتصدق بلا برهان، فی الهدایة: نصار کما اذا قال طلقت او اعتقت و انا مجنون و الجنون منه کان معهوداً فی حاشیة الهدایة قوله کما اذا قال انه فالقول قوله حتی لا یقع الطلاق و العتاق لا ضافته الی حالة منافیة للایقاع ۱۲ ع انتهى فقط والله اعلم بالصواب۔

المجیب احقر فیض اللہ عفی عنہ مدرس و مفتی مدرسہ معین الاسلام ہاشم زاری چانگام

اصاب فیما اجاب	فقد اصاب المجیب	المجیب مصیب
خلیل الرحمن عفی عنہ	یعقوب عفا اللہ عنہ	عبدالوہاب عفی عنہ

جواب از خانقاہ

یہ تو صحیح ہے کہ مدہوش کی طلاق واقع نہیں ہوتی و لیکن اولاً اسکی تحقیق ضروری ہے کہ وہ مدہوش ہے یا نہیں۔ یعنی جو حالت سوال میں لکھی ہے اگر اسکو کم از کم دو ثقہ اور شناخت رکھنے والے آدمیوں نے معائنہ کر کے تجویز کیا ہو کہ یہ شخص مدہوش ملحق بالمجنون ہے تب مدہوش ہونا ثابت ہوگا اور اگر یہ معائنہ اسوقت ہوا ہو جو سوقت کہ اس نے طلاق دی ہے تب تو یہ دو گواہ کسی حاکم یا محکم کے سامنے گواہی دیدیں اسپر عدم وقوع کا حکم ہو جائے گا اور اگر طلاق کے واقعہ سے قبل معائنہ ہوا ہو تو معائنہ پر گواہی لینے کے بعد خاوند سے قسم بھی لی جائے کہ اسوقت اسکا ہوش ٹھکانے نہ تھا تب عدم وقوع کا حکم دیا جائے بدون یمین اور یمینہ کے عدم وقوع کا فتویٰ دنیا درست نہیں فتویٰ میں ضروری قیود کا ذکر کرنا لازم ہے ورنہ جاہل لوگ فتویٰ دیکھتے ہی اپنا مطلب نکال لیتے ہیں قیود و شرائط کی طرف اصلاً التفات نہیں کرتے، فقط والسلام۔